تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّہ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّہ

فتاوٰی رضویہ

تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمۃ

ALAHAZRAT NETWORK

www.alahazratnetwork.org

مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۰

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ــــــــــــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ــــــــــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور۔ پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون نمبر: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ــــــ فتاوٰی رضویہ جلد ۲۰
تصنیف ــــــ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ــــــ حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ــــــ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
ترتیب فہرست ــــــ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
تخریج و تصحیح ــــــ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرام اللہ بٹ، مولانا محمد عبداللہ
باہتمام و سرپرستی ــــــ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان
کتابت ــــــ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالہ)
پیسٹنگ ــــــ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
صفحات ــــــ ۶۳۲
اشاعت ــــــ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ / مئی ۲۰۰۱ء
مطبع ــــــ
ناشر ــــــ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ــــــ

ملنے کے پتے

- مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
- مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
- مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
- ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

○

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیٰحضرت امام اہلسنت مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظرِ عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج و ترجمہ کے ساتھ عمدہ و خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/ مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا۔ اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہٗ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً گیارہ ۱۱ سال کے مختصر عرصہ میں بیسویں ۲۰ جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود و التعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء والدعاوی، کتاب الوکالہ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الامانات کتاب العاریہ، کتاب الہبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر اور کتاب الغصب پر مشتمل انیس ۱۹ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

نمبر جلد	عنوانات	مسائل جوابات	تعداد رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارت	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ — مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	"	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ — نومبر ۱۹۹۱	۷۱۰
۳	"	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ — فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	"	۱۲۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ — جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاول ۱۴۱۴ — ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	"	۴۵۷	۴	ربیع الاول ۱۴۱۵ — اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	"	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ — دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	"	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ — جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ — اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب الزکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاول ۱۴۱۷ — اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ — مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب النکاح، طلاق	۴۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ — نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب الطلاق، ایمان، حدود، تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ — مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ — ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	" (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ — اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ — ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۲۰ — فروری ۲۰۰۰	۷۱۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء والدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ — جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالہ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الامانات، کتاب العاریہ، کتاب الہبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ — فروری ۲۰۰۱	۶۹۲

بیسویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہشتم مطبوعہ المجدد احمد رضا اکیڈمی کراچی کے صفحہ ۲۵۶ سے آخر تک ۳۳۴ سوالوں کے جوابات اور ۵۹۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد میں شامل دو رسالوں "ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ" اور "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" کا انتہائی نفیس و سلیس اردو ترجمہ محقق جلیل بحر العلوم حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کے قلم گوہر بار کا ثمر ہے، حضرت قبلہ مفتی صاحب اہل سنت وجماعت کے لئے عظیم سرمایہ اور اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں، فتاوٰی رضویہ قدیم وجدید کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کی مساعی جمیلہ ناقابل فراموش ہیں۔ اس عظیم فتاوٰی کو سمجھنے کے لئے آپ کی نہایت عمدہ تقدیمات وتحریرات اور پُرمغز تبصرے بہت حد تک مفید و معاون ثابت ہوئے ہیں۔ اس عظیم الشان علمی وفقہی شاہکار کو منظرِ عام پر لانے میں آپ نے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آپ کی شبانہ روز محنت، دردِ مسلک اور انتھک کوششوں کے باعث فتاوٰی رضویہ کا خاصا حصہ ضائع ہونے سے بچ گیا لہٰذا مفتی صاحب تمام اہلسنت وجماعت کے محسن اور شکریے کے مستحق ہیں۔ رضا فاؤنڈیشن کے تمام ارکان مفتی صاحب کے تحقیقی، تبلیغی اور اشاعتی کارناموں پر انھیں دل کی گہرائیوں سے بھرپور انداز میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں رسالوں کا ترجمہ اگرچہ مکمل طور پر لفظی نہیں ہے تاہم منشاءِ مصنف علیہ الرحمہ کی کامل وضاحت کرتا ہے جیسا کہ خود مترجم موصوف رقمطراز ہیں کہ "یہ نہ بالکل ترجمہ ہے، نہ خلاصہ، نہ شرح، حسبِ ضرورت کہیں اختصار، کہیں تفصیل اور کہیں مساوات سے کام لیا ہے، منشاء صرف یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ کے کلام کی پوری ترجمانی عام فہم انداز میں کر دی جائے"۔ جلد ہشتم قدیم میں مذکورہ بالا دو رسالوں کے علاوہ اس جلد کی باقی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے، اس سے قبل گیارھویں، بارھویں، تیرھویں، سولھویں، سترھویں، اٹھارھویں اور انیسویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔ پیشِ نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشفعۃ، کتاب القسمۃ، کتاب المزارعۃ، کتاب الذبائح، کتاب الصید، کتاب الاضحیۃ اور باب العقیقہ کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے، تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیرِ بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کر دی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) سبل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء (۱۳۱۲ھ)
تکبیر کہہ کر بزرگوں کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کا حکم

(۲) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ (۱۳۱۴ھ)
بھیڑ کی قربانی کے جائز ہونے کا اثبات

(۳) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (۱۳۰۷ھ)
چرمہائے قربانی کے مصارف کی تحقیق

یاد رہے کہ رسالہ "انفس الفکر فی قربان البقر" اور اس کے متصل بعد ہندوستان میں گاؤ کُشی سے متعلق نو مسائل جو کہ فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہشتم میں شامل تھے چونکہ کتاب السیر سے زیادہ مطابقت رکھتے تھے اس لئے وُہ کتاب السیر پر مشتمل جلد چہاردہم جدید کا حصہ بن چکے ہیں اس لئے وُہ اس جلد میں شامل نہیں ہیں۔

○

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
مئی ۲۰۰۱ء

فہرست مضامین مفصل

کتاب الشفعة

اگر اس انتظار میں کہ مجھے حق ہے یا نہیں، کچھ تاخیر کر دی تو شفعہ کا حق جاتا رہا۔ ۱۷۲

شفیع کے ہاتھ مکان نہ بیچ کر غیر شفیع کو دینا جبکہ شفیع کو مکان کی سخت ضرورت ہے اور اس وعدہ پر کہ اس کو مکان دیا جائے گا، بیع سے قبل بطور کرایہ دار شفیع کا قبضہ بھی کرا دیا۔ ۱۷۲

مکان خریدنے والے اجنبی نے مکان مسجد کے لئے خریدا ہے کیونکہ ایک تیسرے آدمی نے ایذائے شفیع کے لئے کہا کہ وہ مکان مسجد پر لے لیا جائے تو میں اپنا مکان مسجد کو دے دوں گا، اب ارادہ ہے کہ مکان بہت زائد قیمت پر شفیع کے ہاتھ بیچا جائے، حالانکہ مسجد کو ضرورت مکان کی نہیں، مسجد مقروض ہے اور اس کے دیگر ضروری امور کا انتظام نہیں "سوال"۔ ۱۷۲

قبل بیع شفیع کا کوئی حق نہیں، مکان کا اس کے پاس کرایہ ہونا، اس کا اس کے خریدنے کا اعلان کرنا، اس کا ضرورتمند ہونا، یا اس کا کسی حصہ دار سے معاہدہ ہو جانا کہ تجھے دوں گا، اسے کوئی ترجیح نہیں دے سکتا۔ ۱۷۳

بیع کی خبر پاتے ہی طلب مواثبت اور طلب اشہاد بجا لایا تو اسی دام پر جس پر بکا شفعہ حاصل کر سکتا ہے۔ ۱۷۳

اس سے زائد قیمت مانگتے ہیں، اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ طلب بجا لائے بغیر اس مکان کی خریداری پر تیار ہو گیا تو اس کا شفعہ باطل ہو گیا، ایسی صورت میں اس کو مکان نہ دینا ظلم نہیں۔ ۱۷۳

بقیہ باتیں جو سوال میں ذکر ہوئیں زائد ہیں، اس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، مسجد نے مکان کی قیمت زائد دی اس کی دو صورت ہے لوگوں نے چندہ سے مکان کا دام ادا کر کے مسجد کو دے دیا، جب تو کوئی گناہ نہ ہوا کہ اصل سے زائد قیمت دینا گناہ نہیں۔ ۱۷۳

اور چندہ کر کے متولی کو دیا اور اس نے بلاضرورت زائد قیمت دی تو زیادت فاحش پر متولی گنہگار ہوگا اور مسجد کے نقصان کا متولی کو تاوان دینا پڑے گا۔ ۱۷۳

بیع کے پہلے خریداری سے انکار سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا۔ ۱۷۴

بعد بیع طلب مواثبت اور طلب اشہاد میں تاخیر سے حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔ ۱۷۴

کتاب القسمة

کل جائداد صرف چند ورثہ میں تقسیم کرنے کا "سوال"۔ ۱۷۵

ایسی تقسیم باطل ہے، پنچ کا فیصلہ صرف انھیں لوگوں کے حق میں نافذ ہوگا جنھوں نے انھیں بنایا، دوسروں کے حق میں انھیں تصرف کا اختیار نہیں۔ ۱۷۵

قاضی نے اگر ایسا فیصلہ اس گواہی کے بعد کیا کہ مزید کوئی وارث نہیں، تو وارث ظاہر ہونے

کتاب المزارعۃ

کتاب الذبائح

مسئلہ ۳ مسئولہ مولوی سید محمد جان صاحب   ۲۳ ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی خریدا، اور واسطے ثبوت اپنے قبضہ کے ایک شاخ درخت واقع اراضی مشریہ کو قطع شروع کیا، اُس وقت بکر کو اطلاع بیع لینے اراضی کی ہوئی، بکر اسی وقت موقع پر زید کے پاس گیا اور کہا میں اس اراضی کا شفیع ہوں مجھ کو دے دو، زید نے کہا تمہارا شفعہ دو وجہ سے جائز نہیں، ایک نظراً، دوسرے میں خود شفیع ہوں۔ پھر کچھ گفت گو نہ ہوئی، بعد ایک مہینے بارہ روز کے بکر نے زید سے کہا کہ روپیہ لے لو، جس قیمت کو یہ اراضی خریدی ہے اور اراضی مجھ کو دے دو، زید نے روپیہ نہ لیا اور کہا کہ حق مواثبت جاتا رہا اور بعد چند عرصہ کے زید نے وہ اراضی بذریعہ ہبہ مطلق منتقل کر دی اور دستاویز مصدق پر رجسٹری کر دی، وقت اطلاع ہبہ شفیع مدعی ہوا کہ مجھ کو اطلاع ہبہ کی نہ تھی، اب جو مجھے اطلاع ہوئی تو میں اس انتقال کا بھی شفیع ہوں، ان صورتوں میں شفعہ بکر جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ انتقال ہبہ قبل تصفیہ باہمی زید و بکر کے درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

شفیع اگر بفور استماع خبر طلب شفعہ کرکے مشتری یا مکان کے پاس جاکر طلب تقریر کرے۔ اور اگر مبیع ہنوز قبضہ بائع میں ہو تو اس کے پاس طلب بھی کافی ہے، اور اس طلب دوم میں بھی بشرط قدرت دیر نہ لگائے تو ان امور سے اس کا شفعہ مستقر ہوجاتا ہے کہ بے صدد مبطل باطل نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

یطلبھا الشفیع طلب المواثبۃ ثم یشھد علی البائع لو العقار فی یدہ او علی المشتری وان لم یکن ذاید، او عند العقار، وھذا لابد منہ، حتی لو تمکن ولو بکتاب او رسول ولم یشھد بطلت شفعتہ، وان لم یتمکن منہ لا تبطل[1] اھ ملخصًا۔

شفیع المستقر ارحق طلب کرکے پھر بائع کے پاس گواہ بنائے۔ اگر پراپرٹی اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے ہاں گواہ بنائے اگرچہ زمین اس کے قبضہ میں نہ ہو، یا فروخت شدہ زمین پر ایسا کرے، اور یہ ضروری ہے حتی کہ اگر اس کو یہ بذریعہ خط یا بذریعہ قاصد بھی ممکن ہو اور وہ ایسا نہ کرے تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا اور اگر اس کو یہ قدرت نہ ہُوئی تو باطل نہ ہوگا اھ ملخصًا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

الحق متی ثبت واستقر لا یسقط

اور حق جب ثابت ہوجائے اور استقرار ہوجائے

---

[1] درمختار   کتاب الشفعۃ   باب طلب الشفعۃ   مطبع مجتبائی دہلی   ۲/ ۲۱۲

الا باسقاطہ[1] الخ۔ تو خود ساقط کئے بغیر ساقط نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

تستقر بالاشہاد ای بالطلب الثانی، وھو طلب التقریر، والمعنی اذا اشھد علیھا لا تبطل بعد ذٰلک بالسکوت الا ان یسقطھا بلسانہ او یعجز عن ایفاء الثمن فیبطل القاضی شفعتہ[2] الخ۔

شفعہ کا گواہ بنانے یعنی دوسری طلب پر استقرار ہوجاتا ہے یہ دوسری طلب برائے پختگی ہے اور معنیٰ یہ ہوا کہ جب شفعہ پر گواہ بنالے تو اس کے بعد سکوت سے باطل نہ ہوگا، ہاں اگر خود اپنی زبان سے ساقط کرے یا ثمن کی ادائیگی سے عاجز رہے تو قاضی اس کے شفعہ کو باطل قرار دے گا الخ۔ (ت)

پس اگر تمام مدارج طلب ابتدائی وطلب ثانی کے بجالایا تو بیشک اس کا حق مؤکد ہوگیا، اور مشتری کا خود شفیع ہونا اس کے حق کا مانع نہیں، غایت یہ ہے کہ اگر دونوں مساوی درجہ کے شفیع ہیں اور مشتری مزاحمت کرے تو مبیع دونوں میں نصف نصف ہوجائے،

فی الدرالمختار لوکان المشتری شریکا وللدار شریک اٰخر فلھما الشفعۃ[3]۔

درمختار میں ہے اگر مشتری شریک ہو اور مبیع مکان میں کوئی اور شریک بھی ہو تو دونوں شریکوں کو شفعہ کا حق ہوگا۔ (ت)

اور روپیہ بطور طلب شفعہ پیش کرنا کہ میں شفیع ہوں اپنا روپیہ لے اور شیئ مشفوع مجھے دے کچھ مضر نہیں،

لانہ لا یدل علی الرغبۃ عنھا بل فیھا، فی الدرالمختار الاصل ان الشفعۃ تبطل باظھار الرغبۃ عنھا لا فیھا[4]۔

کیونکہ یہ اس سے اعراض پر دال نہیں ہے بلکہ اس میں دلچسپی کا اظہار ہے، درمختار میں ہے قاعدہ یہ ہے کہ اعراض کرنے سے شفعہ ساقط ہوتا اس میں دلچسپی سے ساقط نہیں ہوتا۔ (ت)

ہاں یوں روپیہ پیش کرنا کہ قیمت لے اور مکان میرے ہاتھ بیچ ڈال، البتہ مسقط شفعہ ہے،

فی الدرالمختار یبطلھا ان طلب منہ ان یولیہ عقد الشراء[5]۔

درمختار میں ہے کہ شفیع اگر یہ مطالبہ کرے کہ مجھ سے شراء کر تو اس مطالبہ سے شفعہ باطل ہوجائے گا۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۲

[2] ردالمحتار 〃 دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۹

[3] درمختار 〃 باب ما تثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[4] درمختار 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/ ۲۱۵

[5] 〃 〃 باب ما یبطلھا 〃 〃 ۲/ ۲۱۵

اور ہبہ مجردہ میں اگرچہ شفعہ نہیں، مگر مشتری بوجہ ہبہ خواہ کسی طریقہ انتقال کے، حق شفیع کو ساقط نہیں کرسکتا کہ اس کا دعوٰی شفعہ بربنائے بیع ہے، جو مالک اول نے اس مشتری کے ہاتھ کی، نہ بربنااس ہبہ کے جو یہ مشتری دوسرے کے لئے کرتا ہے، ایسی حالت میں شفیع کو اختیار رہتا ہے کہ مشتری کے تمام تصرفات کو رد کردے اور مبیع بذریعہ شفعہ لے لے،

فی الدرالمختار ینقض الشفیع جمیع تصرفاتہ ای المشتری حتی الوقف والمسجد والمقبرۃ والھبۃ زیلعی وزاھدی۔[1] (جواب نامکمل)

درمختار میں ہے کہ شفعہ حاصل کرلینے کے بعد شفیع، مشتری کے تمام تصرفات ختم کردے گا حتی کہ وقف، مسجد، مقبرہ اور ہبہ تک کو توڑ دے گا، زیلعی وزاہدی (ت)

مسئلہ ۴ ۱۶ رجب ۱۳۰۷ھ از بدایوں مردھی ٹولہ شیخ حامد حسن صاحب مختار
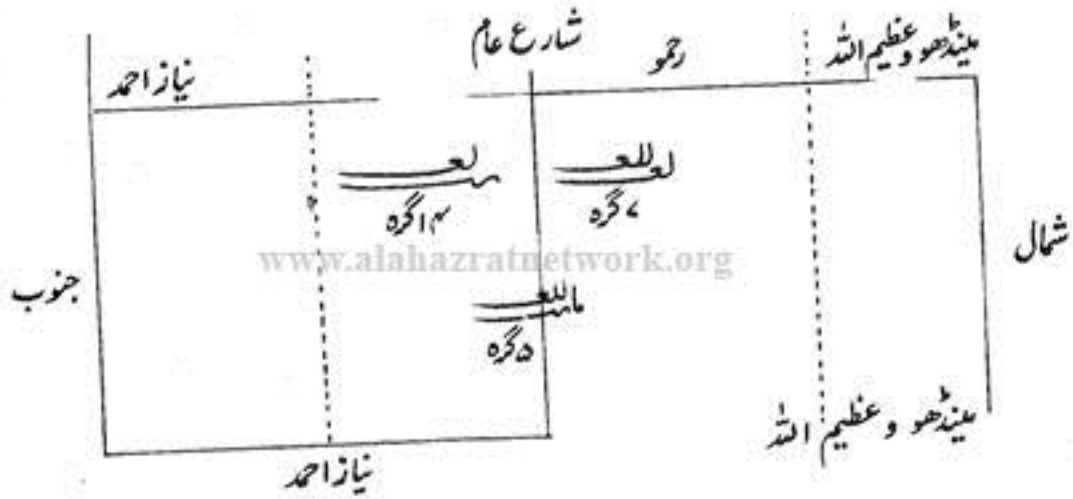
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان تعدادی ماللعہ ۹ گرہ جانب شمال مینڈھو وعظیم اللہ کا تھا، اس کے جانب جنوب رحمو کا مکان تعدادی صللعہ ۵ گرہ کا، اس سے جنوب کو نیاز احمد کا مکان تھا، رحمو کا مکان مینڈھو و نیاز احمد نے خرید کیا، اور باہم تقسیم ہوگئی للعہ ۷ گرہ اراضی شمالی مینڈھو کو ملی، اس نے اپنے مکان شمالی میں شامل کرلی، اب مینڈھو وعظیم اللہ کا مکان ماللعہ علاوہ آنجک کے ہوگیا، اور ماللعہ ۴ گرہ جنوبی نیاز احمد کو ملی، اس نے اپنے مکان جنوبی میں ملالی، نیاز احمد اپنا مکان جس میں اراضی مشتریہ بھی شامل تھی بدست وزیرالدین بیع کردیا، تخمیناً دس برس ہوئے کہ وزیرالدین مشتری نے ہرچہار سمت سے بطور خود اپنا پختہ مکان تعمیر کرلیا، فرمائیے کہ جب تقسیم ہو کر تین مکان کے دو مکان ہوگئے، اور درمیان میں دیوار موجود ہے اور کوئی شرکت دیوار میں

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۳

بھی نہیں، اور راستے دکانوں مکانوں کے جانب غرب شارع عام میں ہیں، اور دونوں کی آبچکن جانب شرق اپنی اپنی جداگانہ زمین میں، تو وزیر الدین مشتری مکان نیاز احمد کو نسبت [1] اراضی مشتریہ مینڈھو کی، حق خلیط کا حاصل ہے یا شفیع جار کا، وزیر الدین گمان کرتا ہے کہ رمضو کا مکان میرے بائع نیاز احمد اور مینڈھو نے مشترکا خریدا تھا، لہٰذا مجھے حق خلیط حاصل ہے، یہ گمان اس کا شرعاً صحیح یا باطل ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں جبکہ نہ ایک مکان کی راہ دوسرے میں، نہ دونوں کی کسی کوچۂ سربستہ غیر نافذہ میں، نہ ایک کو دوسرے سے آبچک کا تعلق، تو بالاتفاق اُن میں کسی کے مالک کو دوسرے سے علاقۂ خلیط نہیں، بلکہ ہر ایک دوسرے کا جارِ محض ہے۔ درمختار میں ہے:

للخلیط فی حق المبیع ھوالذی قاسم و بقیت له شرکة فی حق العقار کالشرب و الطریق خاصین فلو عامین فلا شفعة بہما [1] اھ ملخصًا۔	تقسیم شدہ مبیع کے حقوق میں شرکت مثلاً پانی اور راستہ خاص ہوں یا عام، باقی ہو تو بھی خلیط کو اس شرکت کی وجہ سے شفعہ نہیں اھ ملخصاً۔ (ت)

شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے:

جار ملاصق بابه فی سکة اخری، او یکون بابه و باب ذلك الجار معًا الی الطریق العام [2]	پڑوسی جس کا دروازہ دوسری گلی میں ہو یا دونوں کا شارع عام کی طرف سے ملا ہو۔ (ت)

وزیر الدین کا خیال ہے کہ میرا بائع اور مینڈھو ایک زمین مشترک کے خلیط تھے جس کا ایک حصہ میرے بائع اور ایک مینڈھو کے مکان میں پڑا، لہٰذا میں اس کا خلیط ہوں، محض باطل ہے، کہ جب تقسیمیں ہوگئیں، حدیں پڑگئیں، دیواریں کھنچ گئیں، راہیں پڑگئیں، پھر خلط کہاں، حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة اخرجه الامام البخاری [3]	جب حد بندی ہوجائے اور راستہ تبدیل ہوجائے تو اب شریک کو شفعہ کا حق نہیں، اس کو بخاری

---

[1] درمختار | کتاب الشفعة | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۲۱۱

[2] شرح النقایة للبرجندی | " | نولکشور لکھنؤ | ۳/ ۴۸

[3] صحیح البخاری | کتاب الشرکة | باب الشرکة فی الارضین | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/ ۳۳۹

وغیرہ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ | اور دیگر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے :

اذا اقتسما الارض وخطا خطا فی وسطہا، ثم اعطی کل منہما شیئا حتی بنیا حائطا، فکل منہما جار لصاحبہ فی الارض[1]۔ | جب دو شریکوں نے زمین تقسیم کرلی اور درمیان میں خط کھینچ لیا پھر دونوں نے کچھ خرچہ کرکے دیوار بنادی تو دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی قرار پائیں گے (ت)

غرض اگلے وقتوں کی شرکت پر اب دعوٰی حق خلیط کرنا عجب دعوٰی ہے جس کا بطلان ہر ذی عقل پر ظاہر، فسلاً عن ذی فضل، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ از بدایوں مردھی ٹولہ شیخ حامد حسن صاحب وکیل ۱۶ رجب ۱۳۰۷ھ

شارع عام — مینڈھو وغیرہ

شمال — جنوب

عملہ

مکان وزیرالدین مشتری

زمین مشفوعہ مدعا علیہ

مشتریہ حامد حسن بار اول

مشتریہ حامد حسن بار دوم

آبچک مکان وزیرالدین

آبچک مکان مینڈھو وغیرہ
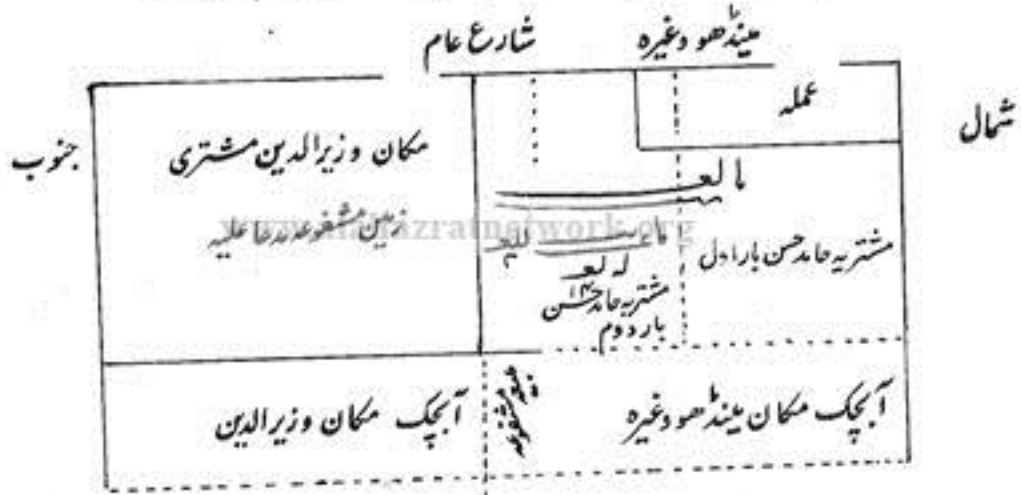
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مینڈھو وعظیم اللہ کا مکان ما للعہ گز کا ہے جس میں جانب شمال ما للعہ ان کی موروثی، اور لعہ للعہ جنوبی خاص مشتریہ مینڈھو ہے جو اسے بذریعہ شراء بعد تقسیم نیاز احمد ملی تھی، مینڈھو وعظیم اللہ نے منجملہ مکان تعدادی ما للعہ گز کے ــــ گز زمین جانب شمال میں باستثنائے آبچک شرقی وعملہ بدیں تعیین کہ شرقاً غرباً عـــہ گز اور جنوباً شمالاً ــہ گز بدست حامد حسن بیع کی ماعـــہ گز منجملہ مکان باقی رہی، اس بقیہ ما عـــہ گز سے لہ لعہ گز اراضی شمالی تنہا مینڈھو نے بایں الفاظ بدست حامد حسن مذکور بیع کی کہ (منجملہ ما عـــہ گز کے لعہ گز میری اراضی بروئے تقسیم خانگی باہمی اراضی عظیم اللہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۶

سے جانب شمال ہے، لہٰذا باستثنائے آبچک بیع کی) اس لا ۱۰/۲۴ میں ۳/۲۴ گز منجملہ اس ۱۱/۲۴ گز کے بھی شامل ہے جو خاص مشتریہ ہندہ عرف مینڈھو بھی اور یہ کل مکان تعدادی ما ۱۲/۲۴ گز اس وقت تک بلا کسی حد فاصل کے ہے، نقشے میں جہاں جہاں نقطے دئے گئے ہیں وہاں کوئی دیوار یا حد کا نشان نہیں، صرف تعیین سمت و مقدار گز کے اُسے ایک ذہنی امتیاز ہے، یہ قطعہ زمین جسے آبچک کہا جاتا ہے یہ بھی بلا کسی حد و فصل کے مجموعہ مکان کا ایک غیر متمیز ٹکڑا ہے جسے بے پیمائش کے تعیین نہیں کرسکتا، غرض کل مکان قطعہ واحدہ ہے، اس میں سے بقیہ ۱۱/۲۴ گز جنوبی و کل آبچک عملہ واقعہ مشتریہ حامد حسن کو مینڈھو و عظیم اللہ نے بدست وزیر الدین ہمسایہ جنوبی بیع کیا، اس مکان اور مکان وزیر الدین مشتری کے بیچ میں ایک دیوار خاص مملوک وزیر الدین فاصل ہے، دونوں مکانوں کی راہیں جانب غرب شارع عام میں ہیں، اور دونوں کی آبچکیں اپنی اپنی خاص زمین میں جانب مشرق ہیں، دونوں کا پانی اپنی خاص زمین میں ہوتا ہوا شرقی مکانات مختلفہ میں گزرجاتا ہے، فرمائیے کہ ایسی صورت میں اراضی مبیعہ حامد حسن کو حق شفیع خلیط کا ہے یا نہیں؟ اور شرعًا اس استحقاق سے وہ کل زمین حامد حسن کو ملنا چاہئے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وزیر الدین اس مکان مینڈھو وغیرہ کا جار محض ہے کہ نہ اُسے کوئی شرکت نفس مبیع میں، نہ حق مبیع میں، اور تقریر و نقشہ سوال سے ظاہر کہ آبچک کی زمین بھی باہم مشترک نہیں بلکہ دونوں آبچکیں ایسے مختلف مکانوں کے جداگانہ ٹکڑے ہیں جن میں ایک کا کوئی حق دوسرے سے متعلق نہیں، صرف اتصال ہی اتصال ہے، تو جوار سے زیادہ اُسے کوئی استحقاق نہیں، نفی خلط کے لئے بیچ میں دیوار ہی ہونا ضروری نہیں کہ اراضی آبچک میں جہاں دیوار نہیں، شرکت و خلط مانیں، بلکہ مجرد تعیین و امتیاز کافی ہے۔ عالمگیری میں ہے:

اذا کان نھرا علاہ لرجل واسفلہ لرجل فاشتری رجل نصیب صاحب اعلی النھر فطلب اسفل النھر الشفعۃ فالشفعۃ لہ بالجوار وکذلک لو اشتری رجل نصیب اسفل النھر فالشفعۃ لصاحب الاعلی بالجوار، کذا فی المبسوط[1] اھ ملخصا۔

اگر ایسی نہر ہو کہ اس کا اوپر والا حصہ ایک شخص کا اور نیچے والا دوسرے کا ہو، تو کسی آدمی نے اوپر والے کا حصہ خرید لیا تو نیچے والے کو شفعہ کے مطالبہ کا حق ہے اس کا یہ شفعہ پڑوسی والا ہوگا، اور یونہی اگر کسی نے نیچے والے کا حصہ خریدا تو اوپر والے کا شفعہ ہو تو وہ شفعہ پڑوسی والا ہوگا۔ مبسوط میں یوں ہے اھ ملخصًا (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۱

اور حامد حسن خلیط فی حق المبیع ہے، کہ مکان واحد کا ایک حصّہ مشاع خریدنے سے مشتری شریک فی العین ہوجاتا ہے یُوں ہی اُس میں سے ایک حصہ معین محدود بتعیین سمت و مقدار خریدنے سے خلیط فی الحق ہوجاتا ہے، جب تک حدیں فاصل ہوکر انقطاع تعلق نہ ہوجائے، زیر قول درمختار :

ان باع رجل عقارا الا ذراعا مثلا فی جانب حد الشفیع فلا شفعۃ لعدم الاتصال، وکذا لاشفعۃ لو وھب ھذا القدر للمشتری و قبضہ[1]

اگرکسی نے اپنی زمین فروخت کی مگر شفیع کی حد کی طرف ایک گز کو فروخت نہ کیا تو پڑوسی کو شفعہ کا حق نہ ہوگا کیونکہ اس کی حد سے اتصال نہ پایا گیا، اور یُوں ہی اگر اس نے اتنا حصہ مشتری کو ہبہ کردیا اور قبضہ دے دیا۔ (ت)

ردالمحتار میں فرمایا :

الظاھران المراد وھبہ بعد بیع ما عدا ھذا القدر بقرینۃ قولہ للمشتری، ومثلہ ما لو باعہ لہ لانہ صار شریکا فی الحقوق، فلا شفعۃ للجار[2] اھ یعنی مثل الھبۃ فی عدم الشفعۃ مالو باع البائع ھذا الذراع الباقی فی البیع الاول لمشتری القطعۃ الاولی، لانہ بشرائہ القطعۃ الاولی صار شریکا فی حقوق القطعۃ الثانیۃ، وھی الذراع المبیع ثانیا، فجار الدار وان کان لہ حق الجوار فی ھذا الذراع، لوجود الاتصال لکن لاشفعۃ لہ لان المشتری خلیط فی الحقوق فلا شفعۃ معہ للجار المحض۔

ظاہر یہ ہے کہ اس کی مراد بیع کے بعد مشتری کو ہبہ کرنا ہے اس پر قرینہ للمشتری کا لفظ ہے اور یونہی اگر وہ اتنا حصہ اس نے بعد میں مشتری کو فروخت کردیا ہو، کیونکہ وہ مشتری اب حقوق میں شریک ہوچکا ہے اس لئے اب پڑوسی کو شفعہ کا حق نہ ہوگا اھ، یعنی شفعہ نہ ہونے میں وہ صورت کہ بائع نے پہلی بیع میں سے باقیماندہ گز کو پہلے مشتری کے پاس فروخت کیا تو ہبہ کی طرح پڑوسی کا شفعہ نہ ہوگا کیونکہ وہ مشتری پہلے قطعہ کو خریدنے کی بناء پر دوسرے باقیماندہ حصّہ کے حق میں شریک ہوگیا تو اگرچہ جگہ کے پڑوسی کو پڑوس کی وجہ سے اس باقیماندہ میں اتصال ہے لیکن اس کا شفعہ نہیں کیونکہ مشتری حقوق میں شریک بن گیا لہذا اس کے مقابلہ میں محض پڑوسی کو حقِ شفعہ نہ رہا۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب ما یبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۶
[2] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۴

اسی میں ہے :

مشتری الذراع صار شریکا فی الحقوق فیقدم علی الجار، کما قدمناہ[1]

باقیماندہ گز میں مشتری حقوق کا شریک ہوگیا لہذا وہ پڑوسی پر مقدم ہوگا، جیسا کہ پہلے گزرا۔ (ت)

پس حامد حسن نے جس وقت پہلا قطعہ ـــــ گز بتعیین سمت ومقدار خریدا باقی تمام زمین مملوکہ ہندہ و عظیم اللہ میں خلیط فی الحق ہوگیا، اسی طرح دوسرے بار کی خریداری نے اس کا بھی استحقاق قائم رکھا، اور جبکہ وہ مکان مع آبچک وغیرہ بتمامہ قطعہ واحدہ ہے، تو اس کے مجموع سے حق حامد حسن متعلق ہوا، جس سے کسی جز کو مستثنٰی ماننے کی کوئی وجہ نہیں، کما لا یخفی علی احد (جیسا کہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ ت) اور خلیط فی الحق جار محض پر شرعاً مقدم کہ جار خریدے تو یہ بذریعہ شفعہ اُس سے سب واپس لے سکتا ہے کما فی الکتب قاطبۃ (جیسا کہ معتبر کتب میں ہے۔ ت) عالمگیری میں ہے :

یراعی فیہا الترتیب فیقدم الشریک علی الخلیط، والخلیط علی الجار[2]

اس میں ترتیب کی رعایت ہوگی تو شریک مقدم ہوگا خلیط پر، اور خلیط مقدم ہے پڑوسی پر۔ (ت)

پس ثابت ہوا کہ جس قدر زمین آبچک وغیرہ آبچک بدست وزیر الدین جار محض بیع کی گئی تمام و کمال حامد حسن شفیع خلیط فی حق المبیع کو بذریعہ شفعہ ملنی چاہئے، اگر وہ شرائط طلب کماینبغی بجالایا ہو، اور عملہ اگرچہ جب اپنی زمین سے بیچا جائے محلِ شفعہ نہیں، شرح المجمع علامہ ابن ملک میں ہے :

وبیع النخل وحدہ او البناء وحدہ فلا شفعۃ لانہما لا قرار لہما بدون العرصۃ[3]

کھجور کے درخت کی علیحدہ یا عمارت کی علیحدہ بیع میں شفعہ نہیں کیونکہ زمین کے بغیر ان کو قرار حاصل نہیں ہے۔ (ت)

مگر اس کا بیع میں داخل ہونا زمین میں استحقاقِ شفعہ کا مانع نہیں۔ ردالمحتار میں ہے :

الصفقۃ وان اتحدت فقد اشتملت علی مافیہ الشفعۃ، وعلی مالیست فیہ

سودا ایک ہوا اور وہ ایسے حصوں پر مشتمل ہو کہ بعض میں شفعہ ہوسکتا ہے اور دوسرے بعض میں نہیں ہوسکتا تو شفعہ والے

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب ما یبطلہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ " الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۵-۶۶

[3] ردالمحتار بحوالہ شرح المجمع کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

فیحکم بھا فیما تثبت فیہ اداءً لحق العبد کذا فی درالبحار وشرح المجمع[1] اھ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

میں بندے کا حق ہونے کی وجہ سے پورے سوئے پر شفعہ کا حکم ہوگا تاکہ بندے کا حق ادا ہو سکے، جیسا کہ درر البحار اور شرح المجمع میں ہے اھ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶ از بدایوں شیخ حامد حسن صاحب وکیل ۹ رمضان المبارک ۱۳۰۷ھ

بدایوں سے دوبارہ یہ سوال بعبارات طوال آیا جس کا خلاصہ یہ کہ کل مکان ۲۰۲ گز کا ظاہر کیا گیا ہے اور بیع اول بدست حامد حسن میں سے ــــ گز نکل کر ماــــ گز باقی تھا، اس میں سے منجملہ ماــــ گز کے لہ لعــــ گز شمالی کہ بروئے تقسیم خانگی حق مِیندھو ٹھہری، مِیندھو نے بایں حدود معینہ بدست حامد حسن بیع کی، اراضی آبچک زمین جبیعہ مملوکہ مقرو برادر مقر وبعدہ مکان سعد اللہ وغیرہ۔

غربی	جنوبی	شمالی
راستہ	اراضی عظیم اللہ	اراضی مشتریہ حامد حسن

پھر باقی بدست وزیر الدین بیع ہوئی، اس مکان اور مکان وزیر الدین کا پانی اپنی اپنی خاص آبچکوں میں ہو کر شرقی مکانوں کے صحن مملوک سعد اللہ وغیرہ میں گرتا ہے، اور وہاں یہ دونوں پانی اور اُن مکانوں کے پانی سب ایک ہو کر اسی صحن مملوک کے دروازے سے نکل کر راہ میں گزر جاتے ہیں، اس صورت میں وزیر الدین کو دعوٰی شرکت فی حقوق المبیع ہے۔ اور حامد حسن شفیع کو بدیں وجہ کہ کوئی تمیز خارجی نہیں، دعوٰی شرکت فی نفس المبیع ہے، پس شرعاً کیا حکم ہے؟ اور عملہ کہ اس بیع بارسوم پر قائم اور بیع میں داخل ہے شفعہ میں داخل رہے گا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

صورت مستفسرہ میں حامد حسن کو حق شفع حاصل ہے، اور وزیر الدین کو اس کے مقابل کوئی استحقاقِ مزاحمت نہیں کہ اگرچہ زمین کا محدود بحدود معینہ ہونا ہی اس کے امتیاز و ابطال شیوع کے لئے بس ہے، جس قطعہ کا آغاز و انجام جدا بتا سکیں وہ مشاع کب ہوا، مگر ازانجا کہ ہنوز مکان میں حدیں فاصل نہ پڑیں، دیواریں نہ کھنچیں، راہیں نہ پھریں، صرف ذہنی امتیازات ہیں، تو حامد حسن کو بیع میں ایک اعلٰی درجہ کا حق خلیط فی حقوق المبیع حاصل ہے، اور یہ استحقاق اُس کے لئے اُسی وقت سے ثابت و مسلّم تھا جب سے اُس نے ــــ گز کا پہلا قطعہ خریدا۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب ما یبطلہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۷

مشتری الذراع صار شریکا فی الحقوق فیقدم علی الجار، کما قدمناہ[1]۔

باقیماندہ گز کو خریدنے والا مشتری حقوق میں شریک بن گیا ہے تو وہ پڑوسی پر مقدم ہوگا، جیسا کہ پہلے ہم نے ذکر کیا۔ (ت)

اور مکان وزیر الدین کو اس مبیع کے سیل آب سے جو علاقہ ہے اگر روایت تاتارخانیہ پر نظر کیجئے تو اصلاً قابل التفات نہیں، اُس میں صاف تصریح ہے کہ ایک مکان کا پانی خود اس دار مبیعہ میں بہتا ہو جب بھی یہ شرکت فی الحقوق نہ ٹھہرے گی اور صرف جوار محض قرار پائے گا۔ عالمگیری میں ہے:

لرجل مسیل ماء فی دار بیعت کانت لہ الشفعۃ بالجوار لا بالشرکۃ ولیس المسیل کالشرب، کذا فی التتارخانیۃ[2]۔

فروخت ہونے والی حویلی میں سے دوسرے شخص کا پانی بہتا ہے تو اس پانی والے کو حویلی میں پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حق ہوگا شریک والا شفعہ نہ ہوگا اور پانی کا بہنا، سیرابی کا حکم نہیں رکھتا، یوں تاتارخانیہ میں ہے۔ (ت)

اور اگر روایت محیط و ذخیرہ پر عمل کیجئے تو حامد حسن کہ شریک فی الطریق ہے، وزیر الدین سے جو صرف مسیل آب میں ایک علاقہ رکھتا ہے قطعاً مقدم ہے کہ اس کے ہوتے اسے کوئی استحقاق مزاحمت نہیں۔ عالمگیری میں ہے:

صاحب الطریق اولٰی بالشفعۃ من صاحب مسیل الماء کذا فی المحیط[3]۔

راستے والا شفعہ میں پانی کے بہاؤ والے سے اولٰی ہے، یُوں محیط میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے:

قال فی الدر المنتقی ونقل البرجندی ان الطریق اقوی من المسیل فراجعہ انتھی[4]۔ قلت نقلہ عن الذخیرۃ کما رأیتہ فیہ۔

الدر المنتقی میں فرمایا جس کو برجندی نے نقل کیا کہ راستہ کا حق پانی کے بہاؤ سے اقوی ہے، تو اس کی طرف مراجعت چاہئے۔ میں کہتا ہوں کہ انھوں نے اس کو ذخیرہ سے نقل کیا ہے جیسا کہ میں نے اس میں دیکھا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب ما یبطلہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ 〃 الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۰

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۵/ ۱۶۷

[4] ردالمحتار 〃 دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

بہرحال حامد حسن اس تمام زمین مبیع کو مع اُس عملہ کے جو اس مبیع پر قائم اور اس بیع میں داخل ہے بذریعہ شفعہ لے سکتا ہے کہ عملہ جب اپنی زمین کے ساتھ بیع میں آئے تو بالتبع وہ بھی محلِ شفعہ ہوجاتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

خرج البناء والاشجار فلاشفعة فیھا الابتبعیة العقار وان بیع بحق القرار، در منتقی[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

عمارت اور درخت خارج ہوگئے تو ان میں شفعہ نہ ہوگا بغیر زمین کے تابع بنے، اگرچہ قرار و بقاء کی شرط پر فروخت کئے ہوں، در منتقی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ

۳ رشوال ۱۳۱۰ھ

علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کیا فرماتے ہیں اس صورت میں کہ ملو خاں نے ایک قطعہ حویلی معہ اراضی جس کے شمال میں ملحق حویلی محمد خاں، جنوب میں ملحق حویلی رفیع الدین کی ہے، کلن خاں اور علی حسن خاں شخص غیر کے ہاتھ بیع کردی، اور اس کی خبر پاکر محمد خاں و رفیع الدین ہمسایہ بائع مستدعی شفعہ ہوئے، چنانچہ کلن خاں و علی حسن خاں مشتری حال نے حسبِ دعوٰی شفعہ محمد خاں کے نام بیعنامہ لکھ دیا، رفیع الدین نے نالش شفعہ کی ہے، پس رفیع الدین مدعی بذریعہ شفعہ بمقابلہ محمد خاں مشتری شفعہ کے کامیابی شرعاً حاصل ہوسکتا ہے یا دونوں شفیعوں کو قطعہ مشفوعہ تقسیم ہوسکتا ہے تو کس مقدار سے یعنی مساوی یا کم و بیش؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں رفیع الدین کل مکان مشفوع بذریعہ شفعہ محمد خاں سے پائے گا کہ محمد خاں کا اس کو مشتری اول سے خریدنا اس کے ملک کو تسلیم کرنا ہے، اور اس کی ملک تسلیم کرنا بیع اول کے تسلیم شفعہ سے اعراض، اور شفعہ سے اعراض حق شفعہ کا مسقط، تو محمد خاں اس مکان کا شفیع نہ رہا، اور رفیع الدین کا استحقاق باقی، لہٰذا وہ کل مکان محمد خاں سے لے سکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لوکان الشفیع الحاضر اشتری الدار من المشتری ثم حضر الغائب فان شاء اخذ کل الدار بالبیع الاول،

ایک حاضر شفیع نے مشتری سے مکان خرید لیا، پھر دوسرا شفیع جو غائب تھا حاضر ہوگیا تو اس کو اختیار ہے چاہے تو پورا مکان پہلے سودے پر

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۳۸

وان شاء اخذ کلها بالبیع الثانی [1]

اور چاہے دوسرے سودے پر پورا مکان شفعہ کے ذریعہ حاصل کرلے۔ (ت)

اسی میں ہے :

قد بطل حق الشفیع الحاضر بالشراء، لکون الشراء دلیل الاعراض [2] واﷲ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم۔

حاضر شفیع نے اپنا حقِ شفعہ خریداری کی وجہ سے باطل کرلیا کیونکہ خریدنا شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے۔ واﷲ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ واحکم (ت)

مسئلہ ۱۲ تا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں۔ بیّنوا توجروا۔

(۱) بعد علم بیع قبل قبضہ کرنے مشتری کے شیئ مبیع پر دعوٰی شفعہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) ایک شخص کے احاطہ واحدہ میں چند منازل ہیں جن کا دروازہ ایک ہی ہے، اور حدود اربعہ اس کی ایک ہی ہیں، اس احاطہ کے ایک طرف زید کا مکان ملحق ہے، اب یہ کُل مکان بیع کیا جائے، تو آیا اس صورت میں زید اس قطعہ کو بذریعہ شفعہ لے سکتا ہے، جو اس کے مکان سے متصل ہے یا کُل مکان کو۔

(۳) جس محلہ میں رواجِ شفعہ نہ ہو وہاں شرعاً دعوٰی شفعہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) اگر قبل بیع ہمسایہ خریداری سے انکار کرے، پھر بعد بیع دعوٰی شفعہ کرے تو مسموع ہوگا یا نہیں؟

(۵) اگر شفیع مشتری کی طرف سے وکیل خریدنے کا ہو تو اس کا شفعہ قائم رہے گا یا نہیں؟

الجواب

(۱) شفعہ بمجرد بیع ثابت ہوتا ہے، قبضہ مشتری کی حاجت نہیں۔ ہدایہ میں ہے :

یشھد علی البائع ان کان المبیع فی یدہ، معناہ لم یسلم الی المشتری [3]

اگر مبیع زیرِ قبضہ بائع ہو تو وہاں گواہی قائم کرے، اس کا معنٰی یہ ہے کہ ابھی مشتری کو نہ سونپا ہو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۸

[2] " " " " " ۵/ ۱۷۸

[3] الہدایۃ " باب طلب الشفعۃ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۱

درمختار میں ہے :

ثم یشھد علی البائع لو العقار فی یدہ او علی المشتری وان لم یکن ذا ید[1]، باختصار۔ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اگر زمین بائع کے قبضہ میں ہو تو وہاں گواہی قائم کرے یا مشتری کے پاس گواہ بنائے اگرچہ زمین اس کے قبضہ میں نہ ہو، باختصار۔ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

(۲) کُل کو کہ جب احاطہ واحد، دروازہ واحد ہے، تو وہ دار واحد ہے۔ ہدایہ میں ہے :

الدار اسم لما ادیر علیہ الحدود[2]

جس دائرہ پر حدود قائم کی گئی ہیں اس کو دار کہتے ہیں (ت)

اور دار واحد کے کسی ٹکڑے سے جسے اتصال ہو وہ کل دار کا شفیع ہے، حتی کہ اگر ایک شخص صرف ایک جانب بقدر ایک بالشت کے اتصال رکھتا ہو اور دُوسرا تینوں جانب بروجہ کمال تو دونوں شفعہ میں برابر ہیں۔ ردالمحتار میں ہے :

الملاصق من جانب واحد ولو بشبر کالملاصق من ثلثۃ جوانب، فھما سواء، اتقانی[3]

ایک جانب سے اتصال اگرچہ ایک بالشت ہو تو وہ باقی تین اطراف والے سے اتصال کے برابر ہے، اتقانی۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر دار واحد اپنے جمیع منازل کے ساتھ شخص واحد کے ہاتھ بیچے، اور شفیع چاہے کہ بذریعہ شفعہ ان میں سے صرف وہ منزل لے جس سے اُس کا مکان متصل ہے، تو ہرگز اجازت نہ دیں گے اگرچہ بیچنے والے جداجدا ہوں، بلکہ کُل لے یا کُل ترک کرے۔ عالمگیری میں ہے :

اذا اراد الشفیع ان یاخذ بعض المشتری دون البعض، وان یاخذ الجانب الذی یلی الدار دون الباقی، لیس لہ ذٰلک بلاخلاف بین اصحابنا، ولکن یاخذ الکل او یدع،

ایک غیر ممتاز مبیع میں سے شفیع بعض حصہ کو لینا چاہے اور کچھ چھوڑنا چاہے اور اپنے دار سے متصل حصّہ کو شفعہ میں لینا اور باقی کو چھوڑنا چاہے تو اس کو یہ اختیار نہیں، اس میں ہمارے اصحاب کا کوئی اختلاف نہیں، لیکن وہ سب کو لے یا سب کو

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲

[2] الہدایۃ کتاب البیوع باب الحقوق مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۸

[3] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

لانه لواخذ البعض دون البعض تفرقت الصفقة علی المشتری، سواء اشتری واحد من واحد او واحد من اثنین او اکثر حتی لو اراد الشفیع ان یاخذ نصیب احد البائعین لیس له ذلك الخ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

چھوڑے کیونکہ اگر بعض کو لے اور بعض کو نہ لے تو اس سے مشتری پر سودا متفرق ہوجائے گا خواہ ایک مشتری نے ایک بائع سے یا ایک نے متعدد حصہ داروں سے خریدا ہو حتی کہ اگر دو فروخت کرنے والوں میں سے ایک کے حصہ کو لینا چاہے تو شفیع کو یہ اختیار نہیں ہے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) بیشک ہوسکتا ہے اگرچہ شہر بھر میں رواج نہ ہو کہ شفعہ حکم شرعی ہے، رواج وغیرہ پر مبنی نہیں، وھذا ظاھر جدا (یہ بالکل ظاہر ہے۔ ت) واللہ اعلم۔

(۴) ضرور مسموع ہوگا، حق شفعہ بعد بیع ثابت ہوتا ہے، تو قبل از بیع انکار کوئی چیز نہیں۔ درمختار میں ہے:

یبطلها تسلیمها بعد البیع لا قبله[2]

بیع کے بعد شفعہ کو چھوڑنا اس کو باطل کرتا ہے بیع سے پہلے باطل نہیں کرتا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

تسلیم الشفعة قبل البیع لا یصح وبعده صحیح[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بیع سے قبل شفعہ کو چھوڑنا صحیح نہیں، اس کے بعد صحیح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۵) نعم، فی الدرالمختار تثبت لمن شری اصالة او وکالة[4]۔

ہاں، درمختار میں ہے اصالۃً یا وکالۃً جو خریدے اس میں شفعہ ثابت ہوگا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

وکیل المشتری اذا ابتاع فله الشفعة[5]، واللہ تعالٰی اعلم۔

مشتری کا وکیل اگر خریدے تو اسکو حق شفعہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۵

[2] درمختار " باب ما یبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[3] فتاوٰی ہندیۃ " الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

[4] درمختار " ماثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[5] الہدایۃ " باب ماتبطل بہ الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۰۵

مسئلہ ۱۳ از اوجین محلہ مرزا باڑی مرسلہ میاں آفتاب حسین ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو اپنا مکان فروخت کرتا ہے، زید ہمسایہ عمرو خریداری پر مستعد ہے مگر مالک مکان غیر ہمسایہ کو مکان دیتا ہے، پس حق شفعہ خرید مکان میں اول درجہ ہمسایہ کو پہنچتا ہے یا غیر کو؟

الجواب

شفیع کے لئے حق شفعہ بعد بیع ثابت ہوتا ہے، مکان جب تک بیع نہ ہو شفیع مزاحمت نہیں کرسکتا، ہاں جب مالک غیر ہمسایہ کے ہاتھ بیچ ڈالے اس کے بعد ہمسایہ کے لئے بذریعہ شفعہ حق مطالبہ ہے، اگر شرائط طلب بجالاکر دعوٰی کرے گا مکان خریدار سے لے کر اسے دلادیا جائے گا۔ تنویر الابصار میں ہے: تجب بعد البیع[1] (شفعہ بیع کے بعد لازم ہوتا ہے۔ ت)، درمختار میں ہے:

اسقط الشفیع الشفعۃ قبل الشراء لم یصح لفقد شرطہ، وھو البیع انتھی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

خریداری سے قبل اگر شفیع نے شفعہ ساقط کیا تو صحیح نہیں کیونکہ شفعہ کی شرط جو کہ بیع ہے نہ پائی گئی انتہی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴ سیگرام پور تحصیل بسولی ضلع بدایوں مرسلہ شیخ برکت اللہ زمیندار ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کاشتکار ہے، اُس کو زمیندار نے زمین اپنی سکونت کے واسطے دی جس میں اُس نے چوپال اور مکان بنایا، اور اس کاشتکار نے کھیت میں باغ لگایا، اب یہ مکان چوپال اُس نے فروخت بدست زمیندار کیا، ایسی حالت میں اُس بائع کے شرکا شفیع ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ کاشتکار صرف عملہ مکان و درختان کا مالک ہے، زمین اُس کی مِلک نہیں تو مجرد عملہ و درخت میں کسی کے لئے شفعہ نہیں،

فی ردالمحتار فی البزازیۃ، لاشفعۃ فی الکردار لانہ نقلی کالبناء والاشجار

ردالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے، چوپال میں شفعہ نہیں کیونکہ وہ منقول چیز ہے جس طرح عمارت

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱
[2] ؎ ؎ ؎ ؎ ۲/ ۲۱۱

ونحوہ، فی النھایۃ والذخیرۃ والتتارخانیۃ عن السراجیۃ[1] اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور درختوں وغیرہ میں نہیں ہے۔ نہایہ، تاتارخانیہ اور ذخیرہ میں سراجیہ سے منقول ہے اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے ما ۔۔ روپیہ قرض لئے اور تین مکان رہن کردئے جبکہ مدت گزری اور روپیہ ادا نہ ہوا، بکر نے نالش کرکے مع سود وخرچہ ما ۔۔ کے ڈگری پائی، اُس میں تینوں مکان جن کی حیثیت قریب پانسو روپیہ کے تھی چھیاسٹھ روپیہ میں نیلام ہوگئے، نیلام کارندہ بکر نے خریدا اور بعدہ اپنے آقا کے لئے خریدنا ظاہر کرکے بنام بکر لکھ دیا، بکر نے اُن مکانات پر قبضہ نہ کیا، زید چھ سات برس تک بدستور قابض رہا، اس سے قبل از نیلام خواہ اس کے بعد کبھی کوئی بات ایسی صادر نہ ہوئی جو اس نیلام کے اجازت یا رضامندی پر دلیل ہو، یہاں تک کہ زید فوت انتقال کرگئے، اور بعد زید وارثان زید قابض ہوئے، اب ورثائے بکر نے نالش کرکے ڈگری دخلیابی حاصل کی، اور ہنوز دخل نہ ہوا تھا کہ ڈگری بدست خالد بیع کردی، اس خالد کو بھی دخل نہیں ملا ہے، اس صورت میں عمرو حویلی مذکور کا شفیع مدت دخل یابی خالد شفعہ طلب کرسکتا ہے یا نہیں، اور اگر خالد اپنی ڈگری ضائع کردے اور حق دخل یابی سے بعوض یا بلاعوض دستبردار ہو تو شفیع کے حق شفعہ کی کیا حالت ہوگی، بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں اُن مکانات پر ہرگز کسی طرح دعوٰی شفعہ نہیں پہنچتا، کہ شفعہ کے لئے مکان کا ملکِ مالک سے خارج ہونا ضروری ہے،

فی ردالمحتار فی الفتاوی الصغرٰی الشفعۃ تعتمد زوال الملک عن البائع[2] الخ۔

ردالمحتار میں فتاوٰی صغرٰی سے منقول ہے، شفعہ کا مدار بائع کی ملکیت کا زوال ہے الخ (ت)

اور یہاں وہ مکانات شرعًا ملکِ زید سے خارج نہ ہُوئے، یہ بیع نیلام جو بلا اجازت واقع ہوئی غیر مالک کی بیع تھی جسے شرع میں بیع فضولی کہتے ہیں، اور وُہ اجازتِ مالک پر موقوف رہتی ہے،

فی فتاوی الامام قاضی خان اذا باع الرجل

امام قاضی خاں کے فتاوٰی میں ہے جب بائع نے

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۳۸

مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالک[1]

غیر کا مال فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔(ت)

اب کہ زید خود ہی اُن مکانات پر قابض رہا، پھر وُہ بلا اجازت انتقال کرگیا بیع باطل ہوگئی، یہاں تک کہ وارثانِ زید کو بھی اجازت کا اختیار نہیں،

فی الھندیۃ اذا مات المالک لاینفذ باجازۃ الوارث[2]

ہندیہ میں ہے کہ جب مالک فوت ہوجائے تو وارث کی اجازت سے بیع نافذ نہ ہوگی۔(ت)

درحقیقت نہ بکر ان مکانوں کا مالک ہے نہ اس کے ورثہ نہ خالد خریدار ڈگری، بلکہ وہ سب متروکہ زید ہیں، اور ورثائے بکر کو صرف اپنی مقدار قرض کے مطالبہ پہنچتا ہے و بس، اور دعوٰی شفعہ فقط عقد مبادلہ میں ہے نہ انتقال بوراثت میں،

فی العالمگیریۃ لاتجب الشفعۃ مالیس ببیع ولابمعنی البیع حتی لاتجب بالھبۃ والصلۃ والمیراث والوصیۃ[3]

عالمگیری میں ہے، جب تک بیع یا معنی بیع نہ پایا جائے شفعہ لازم نہ ہوگا، حتی کہ ہبہ، صلہ، میراث اور وصیت میں لازم نہ ہوگا۔(ت)

پس عمرو کو زنہار استحقاقِ شفعہ حاصل نہیں، شرع مطہر کا تو یہ حکم ہے، اور حکم نہیں مگر شرع مطہر کے لئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶

زید ہندو ہے، اُس نے ایک مکان بنایا، ایسی زمین دیہہ میں کہ آبادی اور اراضی اس دیہہ کی ملکیت مشترکہ ہے دس بارہ اشخاص کی، اب اُس زید مذکور نے صرف اُس مکان و بنا رسکنی اپنی کو بہ ثمن متعدد ہاتھ ایک شخص کے کہ مکان خاص رہنے اس کے کا تخمیناً پچاس قدم کے فاصلہ سے ہے فروخت کیا، مگر اراضی داخل بیع نہیں ہے، صرف عملہ و بناء کو فروخت کیا ہے، اب بعد انقضائے عرصہ دو ماہ کے منجملہ شرکار کے ایک شریک کہ وہ بھی پچاس قدم اس مکان مبیعہ سے رہتا ہے، بگمان شفیع ہونے کے شفعہ شرعی بربنائے دعوٰی قائم کرتا ہے، ایسی صورت میں عندالشرع شریف اُس عملہ مبیعہ زید ہندو پر شفعہ جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ 〃 الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۲

[3] 〃 کتاب الشفعۃ الباب الاول 〃 〃 〃 ۵/ ۱۶۰

الجواب

قطع نظر اس سے کروہ فی نفسہ شفیع ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور طلب مواثبت و اشہاد وغیرہما امور لازمہ جس کے بغیر شفعہ باطل ہوجاتا ہے بجالایا یا نہیں، دعوٰی اس کا صورت مستفسرہ میں راسًا باطل ہے، کہ بنا محل شفعہ نہیں، اور اس میں قصدًا و بالذات شفعہ ثابت نہیں ہوسکتا،

کما فی تنویر الابصار وشرحہ الدر المختار لا تثبت قصدا الا فی عقار لا بناء و نخل اذا بیعا قصدا ولو مع حق القرار خلافا لما فہمہ ابن الکمال لمخالفتہ المنقول کما افادہ شیخنا الرملی[1] اھ ملخصا، وذکرہ من قبل فقال فردہ شیخنا الرملی وافتی بعدمہا تبعا للبزازیۃ وغیرہا فلیحفظ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے کہ شفعہ قصدًا صرف زمین میں ہوسکتا ہے، عمارت اور کھجور کے درخت میں شفعہ نہیں، جب ان کو قصدًا فروخت کیا جائے اگرچہ بشرط قرار فروخت کیا جائے، یہ ابن کمال کے فہم کے خلاف ہے کہ انھوں نے منقول کے خلاف کہا جیسا کہ ہمارے شیخ رملی نے افادہ کیا اھ ملخصا، انھوں نے قبل ازیں ذکر کیا ہے اور کہا کہ ہمارے شیخ رملی نے اس کا رد کیا ہے اور عدم شفعہ کا فتوٰی بزازیہ وغیرہا کی اتباع میں دیا ہے، اس کو محفوظ کرلو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک کوٹھری جس کا صحن مملوک عمرو اور اسی صحن میں اس کوٹھری کے اور[عہ] ہے اور سقف اس کی مِلکِ بکر ہے، اور اس کی دو جانب بھی مکاناتِ بکر واقع ہیں بکر کے ہاتھ فروخت کی، اس صورت میں شفیع اس کا بکر ہے یا عمرو، اور عمرو کو بدعوی شفعہ وہ کوٹھری مل سکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں شفیع اس کا عمرو ہے نہ کہ بکر، اور اگر عمرو شرائط شفعہ بجالایا تھا تو بدعوی شفعہ

عہ اصل میں اسی طرح ہے، اغلب یہ ہے کہ عبارت اس طرح ہو "اسی کوٹھری کے برابر ایک کوٹھری اور ہے"۔ عبدالمنان اعظمی

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۴

[2] درمختار " " " " ۲/ ۲۱۱

اُس کوٹھری کو بکر سے لے سکتا ہے کہ جب طریق اس مکان کا زمین عمرو میں ہے تو عمرو خلیط فی حق المبیع ہوا، اور بکر اسی وجہ سے کہ مالک علو ہے اور اس کے مکانات کوٹھری کے دونوں جانب ہیں محض جوار ہے اور خلیط جار پر شرعاً مقدم مکانات بکر دونوں جانب ہونے سے وہ صرف جار ہوسکتا ہے، اسی طرح قابض علو ہونا بھی اگر بوجہ ملک ہو تو فقط مثبت جوار ہے، ورنہ لغو بحت۔

فی الفتاوی العالمگیریۃ سفل بین رجلین و لاحدھما علیہ علو بینہ وبین اٰخر فباع الذی لہ نصیب فی السفل والعلو نصیبہ فلشریکہ فی السفل الشفعۃ فی السفل ولشریکہ فی العلو الشفعۃ فی العلو ولاشفعۃ لشریکہ فی السفل فی العلو ولا لشریکہ فی العلو فی السفل لان شریکہ فی السفل جار للعلو و شریک فی حقوق العلوان کان طریق العلوفیہ وشریکہ فی العلوجار للسفل اوشریک فی الحقوق اذاکان طریق العلو فی تلک الدار فکان الشریک فی عین البقعۃ اولی[1] وفی فتاوی قاضی خاں باع صاحب السفل سفلہ کان لصاحب العلوان یاخذ السفل بالشفعۃ لان السفل متصل بالعلو فکانا جارین[2]۔

فتاوٰی عالمگیری میں ہے نچلی منزل دو حضرات کی مشترکہ ہے اور دونوں میں سے ایک کا اس پر بالاخانہ ہے جس میں کوئی تیسرا شخص بھی شریک ہے تو نچلی منزل والوں میں سے جس کا بالاخانہ میں حصہ ہے اس نے اپنے نچلے اور اوپر والے حصوں کو فروخت کیا تو نچلے شریک کو نچلے حصہ میں اور اوپر والے شریک کو اوپر والے حصہ میں شفعہ کا حق ہے نیچے والے کو اوپر اور اوپر والے شریک کو نیچے والے حصہ میں شفعہ کا حق نہیں ہے کیونکہ نیچے والا شریک بالاخانہ کا پڑوسی ہے اور اگر بالاخانہ کا راستہ مشترکہ ہو تو وہ بالاخانہ کے حقوق میں بھی شریک ہے اور یوں ہی بالاخانہ کا حصہ دار نیچے والے حصّہ کا پڑوسی ہے اگر راستہ بالاخانہ نیچے والی منزل میں سے گزرتا ہو تو وُہ بھی نچلی منزل کے حقوق میں شریک ہوگا لہذا پڑوسی یا حقوق میں شریک کی بنسبت عین مبیع میں شریک کا حق مقدم اور اولیٰ ہے، اور فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ نچلی منزل والے نے اپنا حصہ فروخت کیا تو اوپر والے کو شفعہ کا حق ہے کیونکہ نچلی اور اوپر منزل میں اتصال ہے تو دونوں پڑوسی قرار پائیں گے (ت)

غرض بہر حال بکر جار محض سے زائد نہیں، اور عمرو خلیط فی حق المبیع ہے کہ راستہ مکان مبیع کا اُسکی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۷

[2] فتاوٰی قاضیخاں " فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۴

زمین مملوک ہے، اور شرعاً خلیط جار پر مقدم، کما ھو فی عامۃ الکتب (جیسا کہ یہ عام کتب میں ہے۔ت)
پس صورت مسئول بہا میں بر تقدیر نہ مدعی ہونے کسی شریک فی نفس المبیع کے عمرو ہے، نہ بکر اور عمرو
شرائط شفعہ بجالایا تو درصورت عدم مزاحم کل مکان مبیع کو بکر سے لے سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ
اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان واقع کوچہ غیر نافذہ ایک شخص اجنبی کے ہاتھ
کہ اُس مکان سے کوئی علاقہ شفعہ نہیں رکھتا فروخت ہوا، راستہ اس مکان کا اراضی پیش دروازہ زید ہے،
اور راہ دونوں کی شارع عام تک مشترک، پس زید بعد بجا آوری شرائط شفعہ بسبب شفعہ دعوٰی کرتا ہے، اس
صورت میں وہ مکان زید کو مل سکتا ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں زید خلیط فی حق المبیع ہے، اور حق شفع اس کے لئے ثابت، پس جس صورت
میں کہ وہ سب شرائط بجالایا اگر کوئی خلیط فی نفس المبیع مدعی شفعہ نہ ہو، تو مکان اُسے قطعاً مل سکتا ہے،
واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الجواب صحیح محمد نقی علی میاں

مسئلہ ۱۹ ۲۷ صفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کی اراضی میں زید کے چند ورثہ شریک ہیں،
اُن میں سے بعض نے اپنے حصے عمرو شخص اجنب کے ہاتھ بیع کردیئے، پھر اُن اشخاص میں سے جنھوں نے اپنے
حصے بیع نہیں کئے تھے ایک نے اُسی عمرو کے ہاتھ اپنا حصہ بیع کردیا، اب اُن اشخاص مذکورین میں ایک شخص
شفیع ہے، تو یہ شخص عمرو اجنب پر ترجیح رکھتا ہے یا نہیں؟ اور اس اراضی مبیعہ کو عمرو سے شفعہ میں لے سکتا
ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

عمرو جبکہ ایک حصہ اسی زمین کا خرید چکا ہے، اور ہنوز حدود جُدا نہ ہوں تو وہ بھی شریک ہے اور
یہ شفیع بھی شریک ہے تو کسی دوسری پر ترجیح نہیں، اگر اس شریک نے بیع ثانی کی کل مبیع کا مطالبہ
بذریعہ شفعہ کیا اور عمرو دینے پر راضی نہ ہوا، تو نصف شفیع کو دلادیں گے، اور عمرو راضی ہوگیا تو کل
دلادیں گے،

فی رد المحتار باع احد شریکین فی دار حصتہ منہا للاٰخر فجاء ثالث وطلب الشفعۃ فان کان شریکا قسمت بینہ وبین المشتری لانہما شفیعان، ای اذا طلب ولم یسلم للشفیع الاٰخر[1] اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ہے ایک مکان میں دو شریکوں میں سے ایک نے اپنا حصہ دوسرے شریک کے پاس فروخت کیا تو ایک تیسرا شخص آیا اس نے شفعہ کا مطالبہ کیا اگر وہ بھی مکان میں شریک ہو تو وہ مکان شفیع اور مشتری میں مشترکہ قرار پائے گا کیونکہ وہ دونوں شفعہ کے حقدار ہیں یعنی جب تیسرے نے اپنا حق شفعہ نہ چھوڑا اور مطالبہ پر قائم رہا اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰: از دیورنیا تحصیل بہیڑی ۱۷ صفر مظفر ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضع دیورنیا میں تخمیناً دو بسوہ زمینداری ہے، منجملہ اس کے تخمیناً ۵ کچوانسی خلیل الدین کے پاس، اور ۱۰ کچوانسی خواجہ بخش کے پاس، اور نمبرداری دونوں بسوہ پر خواجہ بخش کی ہے، دیگر شرکاء نے اُنہی دو بسوہ سے ۱۶ بسوانسہ خلیل الدین کے ہاتھ بیع کی تو شفعہ خواجہ بخش اور خلیل الدین کس کو کتنا پہنچتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر وہ دیہہ مملوکہ ہے کہ زمیندار اس میں اپنے اپنے حصوں کے مالک ہیں، تو بلاشبہہ اس میں حق شفعہ جاری ہے اور خلیل الدین مشتری اور خواجہ بخش دونوں شفیع ہیں، خواجہ بخش اگر طلب مواثبت وغیرہ شرائط بجالایا اور کل مبیع ۱۶ بسوانسی پوری پر بذریعہ شفعہ دعوٰی کیا تو اگر خلیل الدین مزاحمت کرے تو آٹھ بسوانسی خلیل الدین کے پاس رہیں گے اور آٹھ بسوانسی بذریعہ شفعہ خواجہ بخش کو دلادی جائیں گی اس بات پر کچھ لحاظ نہ ہوگا کہ اُن میں ایک دو کچوانسی کا مالک ہے اور دوسرا دس کا، اور اگر خلیل الدین مزاحمت نہ کرے بلکہ کل دے دے تو کل خواجہ بخش کو ملے گی، اور اگر خواجہ بخش نے کل مبیع پر دعوٰی نہ کیا بلکہ یہ سمجھ کر کہ مجھے آدھی ملیں گی، ابتداءً آٹھ ہی بسوانسی پر شفعہ چاہا، تو اس کا حق شفعہ ساقط ہوا، اب کچھ نہ پائے گا۔

ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی الخیریۃ ان کون الارض عشریۃ اوخراجیۃ لاینافی الملك، ففی کثیر من الکتب ارض الخراج او العشر

خیریہ میں مذکور ہے کہ زمین کا عشری یا خراجی ہونا ملکیت ہونے کے منافی نہیں ہے تو بہت سی کتب میں ہے کہ مملوکہ عشری یا خراجی زمین کا فروخت کرنا، وقف

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ھی فیہ اولا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۲

مملوكة يجوز بيعها وايقافها وتورث فتثبت فيها الشفعة بخلاف السلطانية التي تدفع مزارعة لاتباع فلاشفعة فيها[1] الخ۔

کرنا، میراث ہونا جائز ہے، تو ان میں شفعہ ثابت ہوگا بخلاف سرکاری زمین جو مزارعت میں دی جائے اور قابلِ فروخت نہ ہو اس میں شفعہ نہیں ہے الخ (ت)

درمختار میں ہے:

لوکان المشتری شریکا وللدار شریک اٰخر فلهما الشفعة[2]

اگر خریدار خود شریک تھا جبکہ اس میں کوئی اور بھی شریک ہو تو دونوں کو شفعہ کا حق ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی القنية اشتری الجار دارا ولها جار اٰخر فطلب الشفعة وکذا المشتری فهی بینهما نصفین، لانهما شفیعان قال ابن الشحنة فقوله وکذا المشتری ای اذا طلب ولم یسلم للشفیع الاٰخر، وفی کلام ابن الشحنة اشارة الی ان قول القنية طلب الشفعة المراد به انه لم یسلم الکل للاٰخر لاحقیقة الطلب، فلاینافی ماقدمناه عن الخانية ان الاصیل لایحتاج الی الطلب[3]

قنیہ میں ہے ایک نے پڑوس والا مکان خریدا جبکہ اس مکان کا پڑوسی ایک اور شخص بھی ہے تو اس نے شفعہ کا مطالبہ کیا تو وہ اور مشتری دونوں اس مکان میں شریک ہونگے، کیونکہ وہ دونوں برابر کے شفیع ہیں، ابن شحنہ نے کہا، تو اس کا قول یوں مشتری بھی، یعنی جب وہ شفعہ کا مطالبہ کرے اور دوسرے کو اپنا حق نہ چھوڑے، اور ابن شحنہ کے کلام میں یہ اشارہ ہے کہ قنیہ کے قول "تو شفعہ طلب کیا" اس سے مراد یہ ہے کہ دوسرے کو کل نہ سونپا، یہ مراد نہیں کہ حقیقۃً طلب کیا، تو یوں خانیہ سے ہمارے ذکر کردہ کے منافی نہ ہوا کہ اصل شخص طلب کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

تملك بالاخذ بالتراضی او بقضاء القاضی بقدر رؤس الشفعاء لا الملك[4]

رضامندی یا قاضی کی قضاء سے شفعہ کرنے والوں کی تعداد کے مطابق نہ کہ ملکیت کے مطابق حاصل کرنے پر مالک ہوجائیں گے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد باب العشر والخراج دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۵۶
[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵
[3] ردالمحتار " " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۲
[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

درمختار میں ہے :

لوطلب احد الشریکین النصف بناء علی انہ یستحقہ فقط بطلت شفعتہ ، اذ شرط صحتہا ان یطلب الکل کما بسطہ الزیلعی فلیحفظ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر دونوں شریک حضرات میں سے ایک نے نصف کا مطالبہ صرف اپنے استحقاق کے مطابق کیا تو شفعہ باطل ہوگیا کیونکہ شفعہ کی صحت کے لئے شرط ہے کہ وہ کل کا مطالبہ کرے، جیساکہ زیلعی نے اس کو بلسوط طور بیان کیا، اسے محفوظ کرنا چاہیے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱ ازاوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲ رجادی الاولٰی ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان پابند شرع برحق اس مسئلہ میں، ایک چشمہ گنگابائی ومتھرابائی کے مکان کا شرق رویہ ملحق مکان حکیم رحمت علی صاحب اور طرف جنوب شارع عام اور مغرب رویہ اس مکان کے صرف مکان رحمت علی صاحب ہے، اُس چشمہ کو ایک برہمن غیر محلہ کو سات سو روپیہ میں فروخت کیا ازانجملہ دس روپیہ بیعانہ اُس برہمن سے لے ، جب حکیم صاحب کو خبر پہنچی او بوقت دستاویز دعوٰی حق شفعہ کیا تو اُس عورت نے بعدم دعوٰی حق شفعہ حکیم صاحب اس چشمہ کو جو منضم مکان حکیم صاحب ہے اُس برہمن کو خیرات کردیا اس خیال سے کہ دعوٰی حکیم صاحب رد ہوجائے۔ اس صورت میں بھی شفعہ دعوٰی حکیم صاحب درست ہے یا نہیں، بیان فرمائیں بعبارت کتب علماء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب

اگر شفیع شرائط طلب بجالایا تو اس کا حق شفعہ ثابت ہے، اور اس خیرات کردینے سے شفعہ باطل نہ ہوا، جب بیع تمام ہوچکی مشتری مبیع کا مالک ہوگیا۔ بائعہ کی اُس میں ملک نہ رہی، اب یہ اسی کا مال اس پر خیرات کرنے والی کون، اور اگر خیرات یُوں واقع ہوئی کہ بعد دعوٰی شفعہ بائعہ ومشتری نے باہم بیع کو فسخ کرلیا پھر بائعہ نے مبیع مشتری پر خیرات کردی، تو یہ مشتری کا ایک تصرف تھا جسے شفیع توڑ سکتا ہے۔ بائع ومشتری کا باہم بیع فسخ کرلینا تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہوتا ہے، یعنی مشتری نے اب وہ چیز بائع کے ہاتھ بیچ ڈالی اور مشتری کی بیع درکنار وقف تک کو شفیع رد کرسکتا ہے، ان تصرفات سے اس کے حق شفعہ میں کوئی خلل

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

نہیں آتا۔ درمختار میں ہے :

ینقض الشفیع جمیع تصرفات المشتری حتی الوقف والمسجد والمقبرۃ والھبۃ ، زیلعی و زاھدی[1]۔

مشتری کے کئے ہُوئے تصرفات حتی کہ وقف ، مسجد، مقبرہ، ہبہ جیسے کو بھی شفیع کالعدم کردے۔ زیلعی و زاہدی۔ (ت)

عالمگیری میں ہے :

لوتصرف المشتری فی الدار المشتراۃ قبل اخذ الشفیع بان وھبھا و سلمھا او تصدق بھا او اٰجرھا او جعلھا مسجدًا وصلی فیھا او وقفھا وقفا او جعلھا مقبرۃ و دفن فیھا ، فللشفیع ان یاخذ وینقض تصرف المشتری کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خاں[2]۔

اگر مشتری نے خرید کردہ پراپرٹی میں شفیع کے قبضہ سے قبل تصرفات کئے یوں کہ ہبہ کرکے قبضہ دے دیا' اس کو صدقہ کردیا ، اُجرت پر دے دیا ، اس کو مسجد قرار دے کر اس میں نماز پڑھی گئی ، مکمل وقف کردیا ' یا قبرستان بناکر اس میں دفن کا عمل کیا تو شفیع کو قبضہ کرکے ان تمام تصرفات کو ختم کرنے کا حق ہے ' قاضی خاں کی شرح جامع الصغیر میں یوں ہے (ت)

اُسی میں ذخیرہ سے ہے :

المشتری لہ ان یبیع و یطیب لہ الثمن غیر ان للشفیع ان ینقض[3] اھ مختصرًا۔

مشتری کو فروخت کرنے کا جواز ہے اور وہ ثمن اس کے لئے طیب ہے مگر شفیع کو اختیار ہوگا کہ وہ ان تصرفات کو توڑ دے اھ مختصرًا۔ (ت)

تنویر میں ہے :

الاقالۃ فسخ فی حق المتعاقدین ، بیع فی حق ثالث[4] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اقالہ فریقین کے حق میں فسخ ہے اور تیسرے شخص کے حق میں وہ جدید بیع ہے اھ ملتقطًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار	کتاب الشفعۃ	باب طلب الشفعۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۲/ ۲۱۳
[2] فتاوٰی ہندیۃ	"	الباب الثامن	نورانی کتب خانہ پشاور	۵/ ۱۸۱
[3] "	"	"	" " "	۵/ ۱۸۱
[4] درمختار	کتاب البیوع	باب الاقالۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۲/ ۳۲ - ۳۳

مسئلہ ۲۲ ازشہر کہنہ بریلی مرسلہ مولوی سید کرامت علی ۴ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت غرا محمدیہ اس صورت میں کہ زید کا ہمسایہ عمرو ہے اور دونوں کے مکان ایک ہی قطعہ میں واقع ہیں، صرف دیوار درمیان میں ہے، اور دروازہ دونوں کا متصل ہر ایک جانب کو بفاصلہ تین چار گز کے، اور کوئی دوسرا شخص ایسا قریب نہیں رہتا ہے جس کا دروازہ ملحق بدروازہ زید ہو سوائے عمرو مذکور کے، اب زید نے بنظر تکلیف دہی عمرو کی اپنی زمین مذکورہ کا تبادلہ بکر کے زمین سے جو بفاصلہ تقریباً دوصد گز ہے کرکے اقرار نامہ تحریر کردیا یعنی اپنی زمین کو بعوض زمین بکر کے بیع کردیا، اب اس حالت میں عمرو کو حق شفعہ زمین پہنچتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ضرور حق شفعہ پہنچتا ہے، اگرچہ بجائے لفظ بیع مبادلہ زمین بزمین کہا، اگرچہ بجائے بیعنامہ اس مبادلہ کا اقرار نامہ لکھا، اس لئے کہ ان عقود میں معنٰی ہی معتبر ہیں، خاص لفظ کی حاجت نہیں۔ ہدایہ میں ہے،

اعطیتك بکذا او خذہ بکذا فی معنی قولہ بعت واشتریت لانہ یؤدی معناہ والمعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود[1]

میں نے تجھے اتنے عوض میں دیا' یا اتنے عوض میں لے، یہ بعتُ واشتریتُ کے معنٰی میں ہے کیونکہ یہ ان کے ہم معنی ہیں اور ان عقود میں معنی ہی معتبر ہے۔ (ت)

اور مال کا مال سے بدلنا بھی معنًی بیع ہے۔ عالمگیری میں ہے:

اما تعریفہ فمبادلۃ المال بالمال بالتراضی ھکذا فی الکافی[2]

بیع کی تعریف، رضامندی سے مال کا مال کے بدلے دینا، کافی میں اس طرح ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے،

لوقال لاخر عوضت فرسی بفرسك فقال وانا فعلت ایضا فھذا بیع[3]

اگر ایک نے دوسرے کو کہا' میں نے اپنا گھوڑا تیرے گھوڑے کے بدلے میں دیا، دوسرے نے کہا میں نے بھی کرلیا، تو یہ بیع ہے۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۲۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ " الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۲

[3] " " الباب الثانی " " ۳/۵

اسی کی کتاب شفعہ میں ہے :

اماشرطہافانواع منہاعقد المعاوضۃ وھو البیع او ماھو بمعناہ (الٰی قولہ) و منہا معاوضۃ المال بالمال[1]

شفعہ کے شرائط کئی ہیں، ان میں ایک عقد معاوضہ ہے اور وہ بیع یا اس کا ہم معنٰی ہے (تا اس کے قول) اور ان میں سے مال کا مال سے تبادلہ ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے :

اذاملك العقار بعوض ھومال وجبت فیہ الشفعۃ[2]۔

جب پراپرٹی کا کسی مال کے عوض مالک بن گیا تو اس میں شفعہ لازم ہوتا ہے۔ (ت)

یہ خاص جزئیہ اس مسئلہ کا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳ از ریاست رامپور محلہ بنگلہ آزاد خاں مطبع دبدبہ سکندری مرسلہ فاروق حسن خاں ۷ رجادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

زید نے دعوٰی دلا پانے ایک قطعہ سرا کا جس کا منفرداً عمرو مشتری ہے، اور دوسرے قطعہ سرا کا جس کے عمرو مذکور و بکر و خالد و فہیم و نعیم پانچ اشخاص مشترکاً خریدار ہیں، باظہار حق شفعہ بر بنا ئے جداگانہ بنام مشتریان مذکور عدالت میں رجوع کیا، مشتریان مذکور بعد علم بالبیع ادائے طلب مواثبت و اشہاد زید کے منکر ہیں، زید نے جو شہادتیں دربارہ طلب مواثبت عدالت میں پیش کیں اُن سے طلب مذکور ثابت نہ ہوئی۔ پس زید باعتراف عدم ثبوت طلب خود اپنی طلب اثبت پر خود خواستگار بجا آوری حلف کا ہے، علماء ماہرین علم فقہ سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ بصورت مسئلہ نسبت ادائے طلب مواثبت قول زید کا مع الیمین مقبول ہوگا یا باقتضائے روایات مفتی بہا و اقوال مستندہ فقہیہ بسبب ہونے تحلیف علٰی فعل الغیر مشتریان سے علم طلب مواثبت زید پر قسم لی جائے گی، اور فریق ثانی نے جو استفتاء عدالت میں پیش کیا ہے اس کی نقل بجنسہ ہمرشتہ سوال ہذا ہے، نظر بمضمون سوال ہذا و توجہ بروایات و عبارات سوال و جواب مندرجہ استفتاء گزرانیدہ فریق ثانی بحوالہ روایات مفتی بہا باستدلال اقوال مستندہ کتب فقہ جواب مرحمت ہو۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ مسئلہ معرکۃ الآراء و مزلۃ الاقدام ہے، فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس سوال کے ورود پر

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۱۶۰

[2] الہدایۃ " باب ماتجب فیہ الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۰۰

عبارات کثیرۂ علماء کہ بظاہر نہایت متخالف و متعارض تھیں بکثرت جمع کیں، اور اُن کے محط انظار و منزع کلام و منظر مراد و ملحظ مرام پر بتوفیقہ تعالٰی نظریں ڈالیں، اور بعد تحقیق و تدقیق و تطبیق و توفیق وہ حکم نفیس مشید بالاصول و مؤید بتظافر العقول والنقول منقح کرلیا جس نے بحمد اللہ تعالٰی ان تمام عبارات متعارضہ کو یک زبان کر دیا اور تصادمِ تزاحم یک لخت اُٹھ گیا، اور مختلف ظنون کہ مختلف مناشی سے اکابر علماء مثل علامہ ابن قاضی سماوہ و علامہ حموی و علامہ ابو السعود ازہری و علامہ ساتحانی اور شامی رحمہم اللہ تعالٰی کو پیدا ہوئے تھے لیونہ سبحٰنہ سب کا کشف حجاب اظہار صواب کیا، فقیر نے اس تحریر کامل التحریر کا نام اَفْقَہُ الْمُجَاوَبَۃِ عَنْ حَلَفِ الطَّالِبِ عَلٰی طَلَبِ الْمُوَاثَبَۃِ رکھا، وضاحتِ مرام و ازاحتِ اوہام تو اُسی تحریر پر محول، یہاں نفسِ حکم بکمال اجمال مذکور، سوال کہ یہاں ارسال ہوا، اور دوسرا کہ فتوی منسلکہ میں تھا، دونوں نہایت گول اور ناتمام ہیں، اُن میں کسی پر ایک حکم قطعی کہ یہاں شفیع کا حلف لیں گے، یا مشتری کا ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ حق تفصیل ہے، اوّلاً نظر کی جائے، آیا شفیع نے طلب اشہاد بیّنۂ عادلہ سے ثابت کردی یا وہ بھی ناکام رہی۔ درصورت ثانیہ ہرگز شفیع کا حلف نہ لیا جائے گا، نہ مسموع ہوگا کہ شفیع ثبوت حق شفعہ کا دعوی کرتا ہے، اور مشتری منکر ہے، اور شرعاً حلف منکر پر ہے نہ کہ مدعی پر۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث مشہور میں فرماتے ہیں:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر[1]	مدعی پر گواہ اور منکر پر قسم لازم ہے (ت)

ولہذا عامہ کتب معتمدہ میں تصریح فرمادی کہ بحال انکار مشتری شفیع اپنی طلب بے گواہوں کے ثابت کرہی نہیں سکتا، ہدایہ و تبیین الحقائق و تکملۂ طوری میں ہے:

لانہ یحتاج الی اثبات طلبہ عند القاضی ولا یمکنہ ذلک الا بالاشھاد[2]	کیونکہ قاضی کے ہاں وہ اپنی طلب کو ثابت کرنے کا محتاج ہے جبکہ یہ گواہ بنائے بغیر اس کے لئے ممکن نہیں۔ (ت)

اور اگر طلب اشہاد بیّنۂ شرعیہ سے ثابت ہوچکی ہے، تو اب طلب مواثبت کے باب میں تین صورتیں ہیں:

(۱) اگر شفیع اپنی طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت اس طلب اشہاد مشہود معہود ثابت بالبینہ سے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الرھن باب اذا اختلف الراہن والمرتھن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲
جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء فی البینۃ علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰
سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الدعوی والبینات دارصادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

[2] الہدایۃ کتاب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۰

پہلے بیان کیا اور مدعی ہوا ہے کہ اسی وقت بمجرد علم بالبیع میں طلب مواثبت بجا لایا تھا، تو ہرگز بے بینہ مسموع نہیں، نہ شفیع کا حلف اصلاً قابلِ سماعت کہ وہ باقرارِ خود سبقتِ علم مان چکا اور اس کی معیت کا ایک ایسی طلب کے لئے مدعی ہے جو ہنوز مجہول وغیر ثابت ہے،

فکیف یصدق فیما ھو غیر بین ولا مبین مع توقف ثبوت حقہ علیہ۔

تو غیر واضح چیز میں وہ کیسے تصدیق کرے جبکہ اپنے حق کو ثابت کرنا خود اس پر موقوف ہے تو اور کون واضح کرے گا۔ (ت)

وہ حصول طلب فی الماضی کا مدعی ہے اور مشتری منکر،

والاصل العدم ومن ادعی خلاف الاصل فعلیہ تنویر دعواہ بالبیّنۃ۔

عدم اصل ہے اور جو شخص اصل کے خلاف کا دعوٰی کرے اس پر اپنے دعوٰی کو روشن کرنا گواہی کے ساتھ ضروری ہے (ت)

وہ ایک ایسی چیز کی حکایت کر رہا ہے جو اس وقت اس کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ سبقت علم کا مقر ہوا، اور طلب مواثبت کا وقت اسی فور میں تھا، اس وقت احداث طلب پر قدرت نہیں رکھتا، اور جو ایسی شئی کا حاکی ہو اس کا قول بے بینہ مسموع نہیں۔ درر وغرر میں ہے:

من حکی مالا یملك استئنافہ للحال، لایصدق فیما حکی بلا بیّنۃ۔[1]

جسکو فی الحال نافذ کرنے کا مالک نہیں تو اسکی حکایت بغیر گواہی قابل تصدیق نہ ہوگی (ت)

یہی معنٰی ہیں تصریحات کے کہ طلب مواثبت بے بیّنہ کے ثابت نہیں ہوسکتی،

ای اذا کان طلب المواثبۃ وحدہ بخلاف ما یاتی فانہ لم یثبت فیہ انفرادہ عن طلب الاشھاد، کما ستعلم، و طلب واحد ربما یقوم مقام الطلبین فبعد اثبات طلب الاشھاد بالشھود او ثبوتہ باقرار المشتری لایحتاج الی اثبات طلب المواثبۃ

یعنی جب طلب مواثبت الگ ہو یہ آئندہ آنیوالی صورت کے برخلاف ہے جہاں طلب مواثبت میں اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ طلب اشہاد سے خالی ہے جیسا کہ عنقریب تجھے معلوم ہوگا جبکہ ایک ہی طلب دو مطالبوں کے قائم مقام ہوسکتی ہے تو گواہوں کے ذریعہ طلب اشہاد کے اثبات یا خود مشتری کے اقرار سے ثبوت کے بعد شفیع کو اب طلب مواثبت کے اثبات

---

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الشفعۃ باب ما تکون ھی فیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

منفرزاعنه، فان ادعی المشتری الانفراد بتقدم العلم علی الاشهاد فعلیه البینة لاعلی الشفیع۔

کی الگ طور پر ضرورت نہیں، تو اگر مشتری یہ دعوٰی کرے کہ شفیع کو طلب اشہاد سے قبل بیع کا علم تھا اور اس نے مواثبت نہ کی تو اس صورت میں مشتری پر لازم ہے کہ وہ اس پر گواہ پیش کرے نہ کہ شفیع پر۔ (ت)

غایۃ البیان شرح الہدایۃ للعلامۃ الاتقانی میں ہے:

مراد من المطالبۃ طلب المواثبۃ والاشہاد فیہ فی المجلس لیس بشرط والشرط ھو نفس الطلب، وانما یشھد فیہ لانہ لایصدق علی الطلب الا ببینۃ[1]

مطالبہ سے مراد طلب مواثبت ہے، رہا اشہاد (گواہ بنانا) تو اس کا اس مجلس میں پایا جانا شرط نہیں ہے، شرط صرف نفس طلب ہے، اس میں گواہ بنانا صرف اس لئے ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر طلب کی تصدیق نہ ہوسکے گی۔ (ت)

نہایہ امام سغناقی و معراج الدرایہ پھر نتائج الافکار شروح ہدایہ میں ہے:

طلب المواثبۃ لاینفک عن الاشہاد فی حق علم القاضی[2]

طلب مواثبت قاضی کے علم کے اعتبار سے اشہاد سے جدا نہیں ہوسکتی۔ (ت)

ان دونوں صورتوں میں سبیل یہی ہے کہ شفیع چاہے تو مشتری سے حلف لے، اور یہاں حلف فعل غیر پر ہے، مشتری کا حلف محض علم پر ہوگا، کہ واللہ مجھے معلوم نہیں کہ اس زید مدعی نے یہ طلب مواثبت جس کا یہ مدعی ہے ادا کی ہو، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

لوانکر المشتری طلب المواثبۃ فانہ یحلف علی العلم[3]

اگر مشتری طلب مواثبت کا انکار کرے تو وہ اپنے علم کی قسم کھائے گا (کہ یہ مجھے معلوم نہیں)۔ (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

انکر طلب الشفیع مواثبۃ حلفہ علی العلم، وان طلبہ عند

مشتری نے شفیع کی طلب مواثبت کا انکار کیا تو اپنے علم کی قسم کھائے گا، اور اگر شفیع نے مشتری سے

---

[1] غایۃ البیان

[2] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ رفتح القدیر کتاب الشفعۃ باب مایبطل بہ الشفعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۳۶

[3] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۴

لقائہ فعلی البتات[1] ملاقات کے وقت طلب کا دعوٰی کیا تو اس صورت میں مشتری قطعی قسم کھائے گا (کہ شفیع نے قبل ازیں مواثبت نہیں کی)۔(ت)

اشباہ میں ہے:

انکر المشتری طلب الشفعۃ حین علم فالقول لہ مع یمینہ علی نفی العلم[2]

مشتری نے طلب کا انکار کیا کہ شفیع نے بیع کی خبر سنتے پر مواثبت نہیں کی تو مشتری اپنے علم کی قسم کھائیگا اور اس کی بات مان لی جائے گی۔(ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

المشتری اذا انکر طلب الشفعۃ عند سماع البیع فالقول لہ مع الیمین علی العلم باللّٰہ ما یعلم ان الشفیع حین علم بالبیع طلب[3]

مشتری نے طلب شفعہ کا انکار کیا کہ شفیع نے بیع کی خبر سننے پر مواثبت نہیں کی تو اپنے علم کی قسم پر اس کی بات قبول کرلی جائے گی اور یوں کہے گا کہ اللہ کی قسم مجھے علم نہیں کہ شفیع نے سن کر موقعہ پر طلب کی ہو۔(ت)

ہندیہ میں ملتقط سے ہے:

المشتری اذا انکر طلب الشفیع الشفعۃ عند سماع البیع یحلف علی العلم، وان انکر طلبہ عند لقائہ حلف علی البتات[4]

شفیع کا بیع کی خبر سننے پر طلب کا اگر مشتری انکار کرے تو اپنے علم کی قسم دے گا، اور اگر اس کی ملاقات کے موقعہ پر طلب کا مشتری انکار کرے تو قطعی قسم دے۔(ت)

اسی طرح کتب کثیرہ میں ہے، اسی میں محیط امام سرخسی سے ہے:

اذا انکر المشتری طلب الشفعۃ فیقول لہ لم تطلب الشفعۃ حین علمت بل ترکت الطلب وقمت عن المجلس، والشفیع

مشتری طلب شفعہ کا انکار کرتے ہوئے شفیع کو کہے کہ تُو نے بیع کی خبر سُن کر شفعہ طلب نہ کیا بلکہ تُو مجلس سے اُٹھ گیا اور طلب کو ترک کیا، اور شفیع کے کہ میں نے

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۱۶۷
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی 〃 ادارۃ القرآن کراچی ۲/۸۴
[3] خزانۃ المفتین 〃 قلمی نسخہ ۲/۱۹۴
[4] فتاوٰی ہندیۃ 〃 الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۱۷۴

9/9

یقول طلبت فالقول قول المشتری فلابد من الاشہاد وقت الطلب توثیقا۔[1]

اس وقت طلب کیا ہے تو مشتری کی بات مانی جائیگی اس لئے طلب کے وقت اشہاد ضروری ہے تاکہ معاملہ پختہ ہو (ت)

اور اگر شفیع نے طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت اس طلب اشہاد و مشہود سے پہلے نہ بیان کیا، بلکہ صراحۃً تصریح کردی کہ جس وقت میں نے طلب اشہاد کی اُسی وقت مجھے علم ہوا تھا اس سے پہلے علم بالبیع نہ تھا، تو شفیع ہی کا قول حلف کے ساتھ مقبول ہے، اُسے طلب مواثبت پر جُداگانہ گواہی دینے کی حاجت نہیں، مشتری اگر دعوٰی کرے کہ طلب اشہاد سے پہلے شفیع کو علم بالبیع ہولیا تھا، اور اس نے اُس وقت طلب مواثبت نہ کی تو اب مشتری مدعی ہے، یہ گواہی دے، اس لئے کہ اب یہ حصول علم فی الماضی کا ادعا کرتا اور شفیع منکر ہے،

والحادث یضاف الی اقرب الاوقات، والاصل العدم فمن خالف ھٰذین الاصلین فعلیہ البینۃ۔

نیا معاملہ اقرب وقت کی طرف منسوب ہوگا، اور یہ کہ عدم اصل ہے، جو شخص ان دونوں قاعدوں کے خلاف کرے تو اس پر گواہ لازم ہونگے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

لو قال الشفیع لم اعلم بالشراء الا الساعۃ کان القول قولہ، وعلی المشتری البینۃ انہ علم قبل ذٰلک ولم یطلب۔[2]

اگر شفیع کہے کہ مجھے خریداری کا علم نہ تھا اب ہوا ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا، اور مشتری گواہی پیش کرے کہ اس کو پہلے علم ہوچکا اور اس نے طلب نہ کیا۔ (ت)

سراجیہ میں ہے:

الشفیع اذا طلب الشفعۃ فقال المشتری علمت بالبیع قبل ھذا ولم تطلب وقال الشفیع علمت بہ الساعۃ فالقول للشفیع۔[3]

شفیع نے شفعہ طلب کیا تو مشتری نے کہا تجھے قبل ازیں بیع کا علم ہوگیا تھا تو نے مطالبہ نہ کیا جبکہ شفیع کہے کہ مجھے ابھی علم ہوا ہے تو شفیع کی بات قبول ہوگی۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی ظہیریہ اور عالمگیری میں محیط سے ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۱۷۲
[2] فتاوٰی قاضیخان " فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/۸۶۶
[3] فتاوٰی سراجیۃ " باب طلب الشفعۃ " ص ۱۱۰

لو قال الشفیع علمت الساعۃ وانا اطلبہا و قال المشتری علمت قبل ذٰلك و لم تطلب فالقول قول الشفیع[1]

اگر شفیع نے کہا مجھے اب علم ہوا اور طلب کر رہا ہوں، مشتری نے کہا تُو نے پہلے علم ہونے کے باوجود طلب نہیں کیا ہے تو شفیع کی بات مانی جائے گی۔ (ت)

یونہی اگر شفیع نے طلبِ اشہاد ثابت کردی اور طلبِ مواثبت کیلئے کوئی وقت متقدم اصلاً معین نہ کیا بلکہ گول مجمل کہا کہ معاً علم ہوتے ہی میں نے شفعہ طلب کیا تو اس صورت میں بھی شفیع کا حلف معتبر ہے اگر واقع میں اسی وقت طلب اشہاد سے پہلے علم نہ ہوا تھا جب تو ظاہر اور ہوچکا تھا اور فوراً طلبِ مواثبت کرلی تھی اگرچہ اس وقت کوئی دوسرا موجود نہ تھا تو وہ اپنے اس حلف میں عنداللہ تعالٰی سچا ہے اور قاضی اس گول لفظ کو اسی طلب معلوم مشہود پر حمل کرے گا اور اس سے زیادہ تفصیل وقت کی شفیع کو تکلیف نہ دیگا یہی منشا ہے ان ارشادات علماء کا کہ شفیع کو اگرچہ تنہائی میں علم بالبیع ہو معاً زبان سے طلبِ شفعہ کرلے کہ عنداللہ تعالٰی اس کا شفعہ ساقط نہ ہو اور وقت حاجت حلف کرسکے۔

فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

یصدق علی انہ طلب کما علم مع الحلف[2]

شفیع نے کہا میں نے علم ہوتے ہی طلب کیا تو قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کردی جائے گی۔ (ت)

درر میں ہے:

اذا سمع بالبیع فی مکان خال عن الشھود فسکت تبطل شفعتہ، واذا قال طلبت الشفعۃ ولم یسمعہ احد لاتبطل، حتی اذا حضر عند القاضی، وقال الشفیع طلبت الشفعۃ ولم اترکہا وحلف علی ذٰلك کان بارًّا فی یمینہ، ویثبت طلب المواثبۃ[3]

جب ایسی جگہ اس نے بیع کی خبر سنی جہاں کوئی گواہ نہ تھا تو یہ خاموش رہا، اس کا شفعہ باطل ہوجائیگا اور جب یہ کہے کہ میں نے وہاں طلب کیا اور کسی نے نہ سنا شفعہ باطل نہ ہوگا حتی کہ جب قاضی کے ہاں حاضر ہوکر شفیع نے کہا میں نے شفعہ طلب کیا اور ترک نہیں کیا اور قاضی نے اس پر قسم لی اور اس نے قسم کھائی تو اپنی قسم میں سچا ہوگا، اور طلبِ مواثبت ثابت ہوجائے گی۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

ان لم یکن بحضرتہ احد یطلب من غیر اشھاد، لان ھذا الطلب صحیح من غیر اشھاد والاشھاد لمخالفۃ الجحود، والطلب لابد منہ کیلا یسقط حقہ فیما بینہ و بین اللہ تعالٰی، ولیمکنہ الحلف اذا حلف[4]

اگر کوئی بھی حاضر نہ ہو تب بھی طلب بغیر گواہی کردے کیونکہ یہ بغیر گواہوں کے طلب صحیح ہوگی اور گواہی تو انکار کے مقابلہ کے لئے ہوتی ہے جبکہ طلب ضروری ہے تاکہ اس کا عنداللہ حق ساقط نہ ہو اور اس سے قسم لی جائے تو قسم دینا ممکن ہو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

[2] فتاوٰی بزازیۃ علٰی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الشفعۃ الفصل الثالث " " " ۶/ ۱۶۶

[3] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام " باب ماتکون ھی فیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۵

[4] تبیین الحقائق کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ المکتبۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۲۴۳

کفایہ میں ہے :

ذکر فی المبسوط لو لم یکن بحضرتہ احد حین سمع ینبغی ان یطلب الشفعۃ، والطلب صحیح من غیر اشہاد، والاشہاد لمخالفۃ الجحود فینبغی لہ ان یطلب حتی اذا احلفہ المشتری امکنہ ان یحلف انہ طلبہا کما سمع[1]

مبسوط میں ذکر فرمایا کہ اگر کوئی بھی اس کے پاس موجود نہ ہو تو بیع کی خبر سنتے ہی شفعہ طلب کرنا مناسب ہے جبکہ بغیر گواہ بنائے طلب صحیح ہے گواہ تو انکار کے مقابلہ کے لئے ہے تو اس کو طلب کرنا مناسب ہے، تاکہ جب اس سے مشتری قسم لے تو اس کو یہ قسم دینا ممکن ہو کہ میں نے سنتے ہی طلب کیا ہے۔ (ت)

متتبع کلمات علماء بہت جگہ تصریح پائے گا کہ جب دربارۂ طلب شفیع و مشتری میں اختلاف ہے قول قولِ مشتری ہے، اور بہت جگہ یہ کہ قول قولِ شفیع ہے، اس ظاہری اضطراب میں توفیق و تطبیق بتانے والی وہی عباراتِ کثیرہ ہیں جن میں تفصیل فرمادی کہ شفیع نے طلبِ مواثبت کو وقت سابق کی طرف مسند کیا تو قول قولِ مشتری ہے، اور گول چھوڑا کوئی وقت اس کا بیان نہ کیا صرف اتنا کہا کہ بمجرد علم میں نے طلب کی تو قول قول شفیع ہے۔ خانیہ و بزازیہ و درر و غرر و جامع الفصولین و سراجیہ و واقعات المفتیین و فتاوٰی صغرٰی و محیط و مبسوط و فتاوٰی ظہیریہ و وہبانیہ و خزانۃ المفتین و تکملہ طوری و حواشی رملی و شامی و شرح وہبانیہ وغیرہا کتبِ کثیرہ میں یہ توفیق و تفصیل ارشاد ہوئی، امام اجل قاضی الشرق والغرب، شیخ المذہب سیدنا امام ابو یوسف نوادر میں فرماتے ہیں :

اذا قال الشفیع طلبت الشفعۃ حین علمت فالقول قولہ، ولو قال علمت امس و طلبت او کان البیع امس و طلبتہا فی ذلک الوقت لم یصدق الا ببینۃ[2] اھ نقلہ العلامۃ الطوری فی تکملۃ البحر۔

جب شفیع کہے میں نے علم ہونے ہوتے پر شفعہ طلب کیا تو اس کا قول معتبر ہوگا، اور اس نے کہا مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کیا یا یوں کہا کہ بیع گزشتہ روز ہوئی اور میں نے طلب کیا اسی وقت، تو بغیر گواہی اس کی تصدیق نہ کی جائیگی اھ اس کو علامہ طوری نے بحر کے تکملہ میں نقل کیا ہے (ت)

امام جلیل خصاف شرح ادب القاضی میں فرماتے ہیں :

---

[1] الکفایۃ مع فتح القدیر کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۰۷
[2] تکملۃ من البحر الرائق " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۲۹

قال المشتری اشتریت ھذہ الدار منذ سنۃ وقد علم الشفیع شرائی ولم یطلب، فأسألہ عن ذٰلک، فان القاضی یسأل المدعی متی اشتریت ھذہ الدار فان قال الشفیع طلبت الشفعۃ حین علمت فان القاضی یکتفی منہ بھذا المقدار لانہ لایمکنہ ان یقول اشتراھا منذ سنۃ لاحتیاجہ الٰی اثباتہ فاحترز عنہ بذکر طلب الشفعۃ، فان قال لہ المشتری طلبت حین علمت فالقول للشفیع، لانہ فی ھذہ الحالۃ ظھر علمہ للقاضی مقارنا للطلب، بخلاف ما اذا قال الشفیع علمت منذ کذا وطلبت وقال المشتری ما طلبت، کان القول للمشتری، اذا لم یظھر للقاضی بالاسناد لذٰلک الوقت فیحتاج الی الاثبات، ونظیرہ البکر اذا تزوجت اھ[1]، نقلہ العلامۃ الشرنبلالی فی تیسیر المقاصد شرح نظم الفرائد۔

مشتری نے کہا میں نے یہ دار ایک سال سے خرید رکھا ہے اور شفیع کو میری خریداری کا علم ہوا اور طلب نہ کی، تو اس سے سوال کریں تو اگر قاضی مدعی شفعہ سے سوال کرے کہ اس دار کی خریداری کب ہُوئی، توشفیع نے اگر کہا میں نے علم ہوتے ہی طلب کی تو قاضی اس کی اس قدر بات کو کافی قرار دے گا کیونکہ شفیع کو یہ ممکن نہیں کہ وہ یوں کہے کہ مشتری نے سال سے خرید رکھا ہے کہ وہ طلب کے اثبات کا محتاج بنے، لہذا اس نے اس بیان سے احتراز کرتے ہوئے طلب شفعہ کو ذکر کیا ہے تو اگر مشتری اس کو کہے کہ تُو نے علم کے وقت طلب کیا تھا توشفیع کی بات معتبر ہوگی کیونکہ اس حالت میں طلب اور علم اکٹھے قاضی پر ظاہر ہوئے، اس کے برخلاف اگر شفیع یُوں کہے کہ میں نے اتنی مدت سے جانا اور طلب کی اور مشتری طلب کا انکار کرے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ قاضی پر اس وقت کی طلب ظاہر نہ ہُوئی تو اثبات کا محتاج ہوگا، اور اس کی نظیر باکرہ لڑکی کا نکاح ہے، اس کو علامہ شرنبلالی نے تیسیر المقاصد شرح نظم الفرائد میں نقل فرمایا ہے (ت)

امام فقیہ النفس خانیہ میں فرماتے ہیں:

ان قال المشتری انی قد اشتریت ھذہ الدار التی یرید ان یاخذھا بالشفعۃ منذ سنۃ وقد علم ھذا المدعی بشرائی

اگر مشتری کہے کہ میں نے یہ دار سال سے خرید کر رکھا ہے جس کو وہ شفعہ کی بناء پر حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس مدعی شفعہ کو میری خریداری کا علم ہوا تو

[1] شرح ادب القاضی للخصاف تیسیر المقاصد شرح نظم الفرائد۔

ولو لم یطلب الشفعة، یقول القاضی للمدعی متی اشتری ھذہ الدار فان قال المدعی طلبت الشفعة حین علمت کان صحیحا اکفاہ ذلک، فان قال المشتری ما طلبت حین علمت کان القول قول الشفیع، وان قال الشفیع علمت منذ سنة وطلبت وقال المشتری لم تطلب کان القول قول المشتری، وھو کالبکر اذا زوجت فبلغھا الخبر فردت فاختصما الی القاضی فقال الزوج حین بلغھا الخبر سکتت، وقالت رددت حین علمت، کان القول قولھا، وان قالت علمت یوم کذا ورددت لا یقبل قولھا (الی ان قال) ولو قیل للشفیع متی علمت، فقال امس اوفی یوم قبل ھذہ الساعة لا یقبل قولہ الا ببینة۔[1]

اس نے طلب نہ کی تو اس صورت میں قاضی مدعی سے کہے گا کہ یہ دار کب سے خریدا گیا تو مدعی نے اگر جواب میں کہا کہ میں نے علم کے وقت ہی طلب کی تھی تو مدعی کا یہ بیان صحیح ہوگا اور قاضی اس کو کافی قرار دے گا تو مشتری اگر کہے کہ تو نے علم کے وقت طلب نہ کی تو شفیع کی بات معتبر ہوگی۔ اور اگر شفیع نے یُوں کہا کہ میں نے سال سے جانا اور طلب کی اور مشتری کہے تو نے اس وقت طلب نہ کی تو مشتری کا قول معتبر ہوگا، یہ معاملہ باکرہ لڑکی کے نکاح کی طرح ہے کہ اس کو نکاح کی خبر پہنچی تو اس نے نکاح کو رَد کیا تو خاوند بیوی کا یہ اختلاف قاضی کے سامنے پیش ہو تو خاوند کہے اس کو جب نکاح کی خبر پہنچی تو یہ خاموش رہی اور عورت کہے میں نے علم ہوتے ہی رَد کردیا تھا تو عورت کی بات معتبر ہوگی اور اگر عورت کہے کہ مجھے فلاں روز علم ہوا اور میں نے رَد کر دیا تھا تو عورت کی بات معتبر نہ ہوگی (یہاں تک فرمایا) اور اگر شفیع کو کہا گیا تو نے کب معلوم کیا، تو اس نے کہا گزشتہ روز یا آج ایک گھنٹہ قبل، تو شفیع کی بات بغیر گواہی قبول نہ ہوگی۔ (ت)

علامہ مولٰی خسرو غرر میں فرماتے ہیں:

قال الشفیع طلبت حین علمت فالقول لہ بیمینہ، ولو قال علمت امس وطلبتہ کلف اقامة البینة۔[2]

شفیع کہے جس وقت مجھے علم ہوا اس وقت طلب کی تو اس کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی، اور اگر کہے مجھے گزشتہ روز علم ہُوا اور میں نے طلب کی تو اسے گواہی کا پابند کیا جائے گا۔ (ت)

دُرر میں فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعة فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/۸۶۶

[2] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الشفعة باب ماتکون ھی فیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/۲۱۶

كلف اقامة البينة ولا يقبل قوله لانه اضاف الطلب الى وقت ماض، فقد حكى ما لا يملك استئنافه للحال، ومن حكى ما لا يملك استئنافه للحال لا يصدق فيما حكى بلا بيّنة، واذا لم يضف الطلب الى وقت ماض بل اطلق الكلام اطلاقا تاما فقد حكى ما يملك استئنافه للحال لانا نجعله كانه علم بالشراء الآن، وطلب الشفعة الآن فلذا جعل القول قوله كذا في العمادية وغيرها۔[1]

اس کو گواہی کا پابند کیا جائے گا اور اس کی بات قبول نہ ہوگی کیونکہ اس نے طلب کو ماضی کی طرف منسوب کیا ہے تو ایسی بات کو حکایت کیا جس کو فی الحال نافذ کرنے پر قادر نہیں، اور جو شخص ایسی بات کی حکایت کرے جس کو وہ فی الحال ابتداءً نافذ کرنے کا مالک نہ ہو تو اس حکایت میں اس کی تصدیق بغیر گواہی نہ ہوگی، اور شفیع جب طلب کو ماضی کی طرف منسوب نہ کرے بلکہ کلام کو مطلقاً ذکر کرے تو یہ ایسی بات کی حکایت ہوگی جس کو ابتداءً نافذ کرنے کا فی الحال مالک ہے کیونکہ ہم اس کو یُوں سمجھیں گے کہ ابھی اس کو خریداری کا علم ہوا ہے اور ابھی شفعہ طلب کیا ہے، اس لئے شفیع کی بات معتبر ہوگی، عمادیہ وغیرہ میں یوں ہے۔ (ت)

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) ان عبارات توفیق کا جس طرح یہ مطلب نہیں کہ مجرد اضافت طلب بزمان ماضی شفیع کو مدعی کردے گی کہ اُسے قاضی کے حضور اضافت الی الماضی سے کیا چارہ کہ دونوں مواثبت واشہاد کا طلب عند القاضی سے پہلے ہونا لازم، یہاں تک کہ اگر بفورِ علم طلب تملک سے آغاز کیا اور دو طلبیں پہلے نہ کرلیں شفعہ باطل ہوجائے گا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرح علماؤنا قاطبة انه متى تمكن من طلب الاشهاد لم يشهد بطلت شفعته فلو اضرب عنه ومضى الى المحكمة ابتداء وطلب عند القاضي بطلت والطلب عند القاضي متأخر عن الطلبين اى طلب المواثبة والاشهاد فاذا قدمه عليهما او على احدهما

ہمارے تمام علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ جب بھی طلبِ اشہاد پر قدرت ہوئی اور گواہ نہ بنائے تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا اور اگر اس نے اول وقت میں طلب نہ کی اور محکمہ قضاء کی طرف چل پڑا اور قاضی کے پاس جاکر طلب کی شفعہ باطل ہوگا جبکہ قاضی کے ہاں طلب پہلی دو طلب کے بعد ہوتی ہے پہلی طلب مواثبت ہے دوسری طلب اشہاد ہے اور جب قاضی کے ہاں طلب کو پہلی دونوں یا ایک

---

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الشفعة باب ماتکون ھی فیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

بطلت شفعتہ ، ولیس فی ھذا الاختلاف بین ائمتنا فیما علمت[1]۔

طلب سے مقدم کر دیا تو اس کا شفعہ باطل ہوگا ، اور میرے علم کے مطابق اس میں ہمارے ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ (ت)

ناچار عند القاضی نسبت الی الماضی ہی کرے گا ، ولہذا فتح اللہ المعین میں فرمایا ،

انہ لایستحلف الا اذا اسند الطلب الی الزمن الماضی[2]۔

شفیع سے قسم نہ لی جائے گی مگر جب اس نے طلب کو زمانہ ماضی کی طرف منسوب کیا قسم لی جائیگی (ت)

اسی طرح یہ معنی بھی زنہار مراد نہیں ہوسکتے کہ شفیع کا اتنا کہہ دینا کہ "میں نے بمجرد علم طلب کی" مطلقاً کافی ووافی ہے اگرچہ اس طلب کا زمانہ طلب اشہاد سے مقدم بتا چکا ہو ، ایسا ہوتا ہو تو جس صورت میں اہل توفیق نے قول شفیع معتبر نہ رکھا ، یعنی علمت امس وطلبت (مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کی ۔ ت) واجب تھا کہ اس میں بھی قبول ہوتا ، اور فرق محض ضائع رہتا کہ شفیع یہاں طلب مواثبت سے خبر دے رہا ہے ، اور وہ نہیں ہوتی مگر لفور علم ، تو اس طلبت کے معنیٰ قطعاً یہی ہیں کہ طلبت کما علمت (میں نے طلب کیا جب مجھے معلوم ہوا ۔ ت) ولہذا اس صورت عدم قبول قول شفیع کو سراجیہ میں بلفظ فائے تعقیب بیان کیا کہ :

الشفیع لوقال طلبت الشفعۃ حین علمت کان القول لہ ، ولو قال علمت منذ کذا فطلبت وقال المشتری ما طلبت فالقول للمشتری[3]۔

شفیع نے اگر کہا میں نے اسی وقت طلب کی جب مجھے معلوم ہوا تو اس کا قول معتبر ہوگا ، اور اگر کہا مجھے فلاں دن سے معلوم ہے تو میں نے طلب کی تھی اور مشتری کہے تُو نے طلب نہ کی تو مشتری کی بات معتبر ہوگی ۔ (ت)

شرح مبسوط میں خاص انھیں الفاظ اتصال پر حکم عدمِ قبول دیا :

حیث قال کما نقل عنہ فی جامع الفصولین برمز "شصل" بلغت بکرا فقالت

جہاں انھوں نے فرمایا جیسا ان سے جامع الفصولین میں منقول ہے برمز "شصل" باکرہ لڑکی بالغ ہُوئی

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشفعۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۵۴
[2] فتح المعین " باب طلب الشفعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۲۹
[3] فتاوٰی سراجیہ " " نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۰

ما ددت کما بلغت ، والزوج یقول سکت فالقول للزوج ، فکذا لوقال طلبت الشفعۃ کما سمعت ، فقال المشتری سکت فالقول للمشتری[1]

تو اس نے کہا میں نے اپنا نکاح رَد کیا جب یہ خبر پہنچی، اور خاوند کہتا ہے تو خاموش رہی تو خاوند کی بات معتبر ہوگی تو یُوں ہی اگر شفیع کہے جب مجھے معلوم ہوا میں نے شفعہ طلب کیا تو مشتری کہے تُو خاموش رہا، تو مشتری کی بات معتبر ہوگی۔ (ت)

اُسی میں ہے :

لولم یکن عندھا شھود فاذا وجدتھم فلو بلغت بحیض تقول حضت الاٰن و نقضتہ ، فاشھدوا علیہ و لو بلغت باحتلام اوبسن تقول کما بلغت نقضتہ ، فاشھدوا او تقول اشھدوا ، انی بلغت و نقضتہ ، فان قالوا متی بلغت تقول کما بلغت نقضتہ و لا تزید علی ھذا لانھا لوقالت بلغت قبل ھذا و نقضتہ حین بلغت لا تصدق[2]

اگر بالغ ہونے کے وقت گواہ موجود نہ تھے اور اس نے گواہ پاکر گواہی بنائی تو اگر وہ لڑکی حیض کے ساتھ بالغ ہوئی ہو تو یوں کہے کہ مجھے ابھی حیض آیا ہے اور میں نکاح کو توڑتی ہوں تم اس پر گواہ ہو جاؤ، اور اگر وہ احتلام یا عمر کی بناء پر بالغ ہوئی ہو تو یوں کہے جونہی میں بالغ ہوئی میں نے نکاح توڑ دیا تو تم گواہ ہو جاؤ یا کہے تم گواہ بن جاؤ میں بالغ ہوئی اور میں نے نکاح توڑ دیا، اگر وہ پوچھیں تُو کب بالغ ہوئی، جواب میں کہے جیسے ہی میں بالغ ہُوئی میں نے نکاح توڑ دیا، اس پر مزید کچھ نہ کہے، کیونکہ اگر اس نے کہا میں قبل ازیں بالغ ہُوئی اور میں نے توڑ دیا' جب بالغ ہوئی تو اس کی بات قابلِ تصدیق نہ ہوگی۔ (ت)

دیکھو، زمانہ متقدم بتانے کی حالت میں ادعائے فوراتصال کو بھی رُد فرما دیا۔ غرض نہ مدار قبول مجرد ادعائے اتصال پر ہے نہ مناط عدم قبول محض اضافت بماضی، بلکہ طلب شہود معہود سے اتصال کا صراحۃً بیان یا طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت متقدم علی وقت الاشہاد نہ بیان کرنا، اور صرف بیان اتصال پر قانع ہونا درکار ہے کہ عیناً یا احتمالاً یہی طلب مشہود مراد ہو سکے، اور طلب مشہود سے تقدم علم کا اقرار موجب عدم قبول قول ہے، اگرچہ لاکھ مدعی اتصال ہو، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ جس طرح طلبت کما علمت

---

[1] جامع الفصولین بحوالہ "شصل" الفصل خامس والعشرون فی التجارات اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۸
[2] " " " " " " " " " " "

(علم ہوتے ہی میں نے طلب کی۔ ت) سے طلب عند القاضی مراد نہیں ہوسکتی،

لما علمت ان اتصاله بالعلم مبطل للشفعة لعدم تقدم الطلبين۔

اس وجہ کی بنا پر جو تجھے معلوم ہوئی کہ قاضی کے ہاں علم سے متصل گواہی شفعہ کو باطل کرتی ہے کیونکہ اس سے قبل دو طلب نہ پائی گئیں (ت)

یُوہیں کوئی طلب مجہول جس کا بیان محض مدعی کی زبان سے ہو، مقصود ماننا بھی بدیہی البطلان ہے،

لما تقدم انه مدع فيه فكيف يقبل قوله ولما علمت انه يضيع على هذا الفرق المطبق عليه من اهل التوفيق، ولما من نصوص السراجية وشرح المبسوط على بطلانه۔

اور گزشتہ کی بنا پر کہ وہ مدعی ہے تو اس کا قول کیسے معتبر ہو اور اس بنا پر جو تم معلوم کرچکے کہ وہ تمام اہل توفیق کے متفقہ علیہ فرق کو نظرانداز کررہا ہے، اور سراجیہ، شرح المبسوط کی اس کے بطلان پر نصوص کی بنا پر۔ (ت)

لاجرم اُس سے مراد وہی طلب اشہاد ہے جبکہ مشہود و معہود اور بینہ عادلہ یا اقرار مشتری سے ثابت و معروف ہو، تو حاصل تنقیح و تحقیق و عطر تنقید و تدقیق بحمداللہ تعالٰی وہی نکلا کہ طلب اشہاد ہرگز بے گواہان یا اعتراف مشتری ثابت نہیں ہوسکتی نہ بے اُس کے ثبوت کے طلب مواثبت پر ہرگز حلف شفیع لیا جاسکتا ہے ہاں جب وہ ثابت ہو اور طلب مواثبت کے لئے کوئی زمانہ طلب شہاد سے پہلے اگرچہ ایک ہی ساعت خفیفہ ہو، بیان نہ کیا، بلکہ صراحۃً اسی طلب اشہاد کو طلب مواثبت بتایا، بایں معنی کہ اسی وقت علم ہوا تھا معاً طلب اشہاد کی کہ دونوں طلبوں کے قائم مقام ہوئی یا طلب مواثبت کے لئے اصلاً کوئی وقت نہ بتایا، صرف اتنے کہنے پر قانع ہوا کہ میں نے معلوم ہوتے ہی طلب کی، تو اس صورت میں قول شفیع بحلف معتبر ہوگا، ورنہ قول قول مشتری ہے،

هكذا ينبغى التحقيق، والله ولى التوفيق، اتقن هذا فانك لا تجده فى غير هذا العبد الضعيف، والله بعباده لطيف، والحمد لله رب العٰلمين، والله تعالٰى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔

تحقیق یوں مناسب ہے، اور اللہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے، اس کو مضبوط کرلو کیونکہ اس عبد ضعیف کے بغیر اس کو نہ پاؤ گے، اور اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ الحمدللہ رب العالمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۴ ۱۶ ذی القعدہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر شفعہ کی اطلاع دے دی گئی ہو دو آدمیوں

کے رُوبرو اور اس شخص نے لینے سے انکار کیا، تو اب وہ شفعہ مانگتا ہے، استحقاق اس کا باقی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر بیع ہوجانے کے بعد شفیع نے شفعہ سے انکار کیا، اگرچہ ہنوز اُسے خبرِ بیع بھی نہ پہنچی ہو، یا خبر سُن کر شفعہ لینے سے منکر ہوا، یا سکوت ہی کیا، تو شفعہ ساقط ہوگیا، اب اسے دعوٰی شفعہ کا استحقاق نہیں جبکہ اس خبر میں کوئی ایسی بات نہ بیان کی گئی ہو جس سے شفعہ لینے نہ لینے میں شفیع کی غرض بدلتی ہو، ورنہ اگر پیش از بیع اس سے کہا گیا کہ یہ مکان بکنے والا ہے، تو شفعہ چاہے گا، اُس نے انکار کردیا، اور جب بکا تو فوراً طالب شفعہ ہوا، یا بعد بیع خبرِ بیع اُسی غلط طور پر پہنچی جس سے رغبت و عدمِ رغبت مختلف ہو، مثلاً زرِ ثمن زیادہ بتایا گیا، یا مشتری کسی اور شخص کو ظاہر کیا گیا، پانسو کو بکا تھا، اس سے کہا گیا چھ سو کو بکا ہے تو شفعہ لے گا، اُس نے انکار کیا، اور بعد کو معلوم ہوا کہ پانسو کو بیع ہوئی ہے، تو فوراً شفعہ طلب کیا، یا مکان زید کے ہاتھ بکا تھا، شفیع کو خبر دی گئی عمرو نے خریدا ہے، اس نے شفعہ سے انکار کیا، پھر اطلاع ہوئی کہ زید نے خریدا تو فوراً خواستگارِ شفعہ ہوا، تو ان سب صورتوں میں انکار سے شفعہ ساقط نہ ہوگا، وہ پاسکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

تسلیم الشفعة قبل البیع لا یصح و بعده صحیح علم الشفیع بوجوب الشفعة اولم یعلم، و علم من اسقط الیه هذا الحق اولم یعلم کذا فی المحیط[1]۔

بیع سے قبل شفعہ کو سونپ دینا صحیح نہیں، اس کے بعد صحیح ہے شفیع کو لزوم شفعہ کا علم ہو یا نہ ہو، جس کے حق میں شفعہ کو ساقط کر رہا ہے اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ محیط میں یوں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

ما یبطل به حق الشفعة بعد ثبوته، اختیاری و ضروری، و الاختیاری صریح و دلالة، اما الاول نحو ان یقول الشفیع ابطلت الشفعة او اسقطها، او ابرأتك عنها او سلمتها، او

ثبوت کے بعد شفعہ کو باطل کرنے والا عمل اختیاری ہے اور ایک ضروری ہے، اختیاری صریح ہے اور بطورِ دلالۃ بھی، لیکن اختیاری صریح مثلاً شفیع یُوں کہے میں نے شفعہ باطل کیا یا میں نے ساقط کیا یا میں نے تجھ کو اس سے بری کیا یا میں نے سونپ دیا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۱۸۲

نحو ذٰلك سواء علم بالبيع او لم يعلم، ان كان بعد البيع، هكذا في البدائع[1]

ان کی مثل اور الفاظ یہ الفاظ بیع کے بعد کہے خواہ بیع کا علم ہو یا نہ ہو۔ بدائع میں یوں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اذا قيل له ان المشتري فلان فسلم الشفعة ثم علم انه غيره فله الشفعة و اذا قيل له ان المشتري زيد فسلم ثم علم انه عمرو و زيد صح تسليمه لزيد وكان له ان يأخذ نصيب عمرو، كذا فسره الجوهرة النيرة، ولو اخبران الثمن الف فسلم فاذا الثمن اقل من ذٰلك فهو على شفعته، فلوكان الثمن الفا او اكثر فلا شفعة، كذا في الذخيرة[2]

جب اُسے بتایا گیا مشتری فلاں شخص، تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، پھر اسے معلوم ہوا کہ کوئی اور ہے تو اسے شفعہ کا حق باقی ہے، جب اسے بتایا گیا کہ مشتری زید ہے تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ زید کے ساتھ کوئی دوسرا بھی مثلاً عمرو شریک ہے تو زید کے حق میں چھوڑنا صحیح ہوگا اور عمرو کے حصہ میں اسے شفعہ کا حق ہے ——— جوہرہ نیرہ نے اس کی یُوں تفسیر کی ہے، جب معلوم ہوا کہ مبیع کی قیمت ہزار ہے تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ ثمن اس سے کم ہے تو اس کا شفعہ قائم رہے گا، ہاں اگر ثمن ہزار یا زائد ہو تو پھر شفعہ نہ ہوگا، ذخیرہ میں یُوں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فالاصل في جنس هذه المسائل ان ينظر ان كان لا يختلف غرض الشفيع في التسليم صح التسليم و بطلت الشفعة وان كان يختلف غرضه لم يصح وهو على شفعته كذا في البدائع[3] والله تعالٰى اعلم۔

اس قسم کے مسائل میں ضابطہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ شفعہ چھوڑنے کی غرض بعد میں تبدیل نہیں ہوئی تو چھوڑنا برقرار رہے گا اور شفعہ باطل ہوگا اور غرض تبدیل ہوجائے تو شفعہ باقی رہے گا اور ساقط نہ ہوگا بدائع میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس باب میں کہ ایک کوچہ غیر نافذہ میں ایک

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۱۸۲

[2] " " " " " ۵/۱۸۴

[3] " " " " " ۵/۱۸۳

مکان زید کا ایسا واقع ہے جس پر حق شفعہ خلیط فی الطریق چند اشخاص باشندگان کوچہ مذکور پہنچا ہے، اور ان میں سے بعض کو علاوہ حق شفعہ خلیط فی الطریق کے حق شفعہ جار ملاصق بھی حاصل ہے، مکان مذکور کی پچھیت کی طرف عمرو کا مکان واقع ہے، اور جس کا دروازہ دوسرے کوچہ میں ہے، اور اس کو حق شفعہ جار ملاصق ہے، زید مالک مکان مشفوعہ نے اپنے مکان کی کچھ اراضی جو پچھیت کی طرف اور مکانِ عمرو سے متصل تھی، وہ بدست عمرو فروخت کی، چونکہ اراضی مذکور مکان مشفوعہ باشندگان کوچہ غیر نافذہ کا جز ہے، اس لئے استفتاء اس امر کا مطلوب کہ شفیعان خلیط فی الطریق اور شفیعان جار ملاصق کو حق شفعہ مکان مشفوعہ کے ایک جز پر شرعاً پہنچتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

واسطے سہولت کے نقشہ پشت ہذا پر تحریر کیا جاتا ہے

شارع عام

مکان محلہ دار — دروازہ
کوٹھی محلہ دار — دروازہائے کوٹھی
مکان محلہ دار — دروازہ
مکان محلہ دار — دروازہ

کوچہ غیر نافذہ

دروازہ — مکان خالد شفیع
دروازہ — مکان زید بائع — اراضی مبیعہ
دروازہ — مکان بکر شفیع
دروازہ — مکان یحیٰی
دروازہ — مکان یوسف
دروازہ — مکان محمد یعقوب

مکان عمرو مشتری — دروازہ
مکان محلہ دار — دروازہ
مکان محلہ دار — دروازہ
مکان محلہ دار — دروازہ
مکان محلہ دار — دروازہ

شارع عام

کوچہ غیر نافذہ

الجواب

کل مکان بیع کیا جائے خواہ بعض، ہر صورت میں خلیط فی نفس المبیع وشریک فی حق المبیع کا شفعہ ہے اور جار ملاصق کا بھی، اگر خاص اس جز مبیع سے اتصال رکھتا ہو، اِلّا لا، الّا علٰی رِوایۃٍ مُشکِلَۃٍ۔ درمختار وغیرہ عام کتب میں ہے:

باع عقارا الا ذراعا مثلا فی جانب حد الشفیع فلا شفعۃ لعدم الاتصال[1]، فی رد المحتار استشکل السائحانی هذه الحیلة بما نقله الشرنبلالی عن عیون المسائل، دار کبیرة ذات مقاصیر باع منها مقصورة فلجار الدار الشفعة لان المبیع من جملة الدار وجار الدار جار المبیع، وان لم یکن متصلا به اھ، اقول المشکل ما فی العیون لا ما هنا، تأمل[2] اھ ما قال العلامة الشامی وکتبت علیه ان المحشی قدم صدر الکتاب عن القهستانی ان الملاصق المتصل بالمبیع ولو حکما کما اذا بیع بیت من دار فان الملاصق له ولاقصی الدار فی الشفیع سواء[3] اھ وھو

کسی نے شفیع سے متصل ایک گز چھوڑ کر باقی زمین فروخت کی تو عدم اتصال کی وجہ سے شفعہ نہ ہوسکے گا۔ ردالمحتار میں ہے اس حیلہ پر سائحانی نے اشکال پیش کیا جس کو علامہ شرنبلالی نے عیون المسائل سے نقل کیا کہ کسی نے بڑی حویلی جو کئی چھوٹے کمروں پر مشتمل ہے میں سے ایک چھوٹا مکان فروخت کیا تو اس حویلی کے پڑوسی کو شفعہ کا حق ہے کیونکہ وہ مبیع مکان حویلی کا حصہ ہے تو پوری حویلی کا پڑوسی اس مبیع کا پڑوسی ہے اگرچہ یہ مبیع مکان پڑوسی سے متصل نہیں ہے اھ، میں کہتا ہوں کہ عیون المسائل کا ذکر کردہ خود مشکل ہے نہ کہ جو یہاں مذکور ہے، غور کرو، علامہ شامی نے جو بیان کیا وہ ختم ہوا۔ میں نے شامی پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ محشی یعنی علامہ شامی نے کتاب کی ابتداء میں قہستانی سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ مبیع سے متصل اگر حکمی طور بھی ہو تو وہ متصل حصہ اور حویلی فروخت شدہ کا انتہائی حصہ شفعہ میں برابر ہیں مثلاً کسی نے حویلی میں سے ایک کمرہ فروخت کیا تو اس کمرہ سے متصل حصہ سمیت تمام دار شفعہ میں برابر ہے اھ،

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب ما یبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۱۶
[2] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۵۴
[3] " " " " " ۵/۱۴۰

مثل ما فی العیون و مثله ایضا فی الهندیة عن المحیط عن شرح ادب القاضی للخصاف، و وجه اشکاله ان ماهنا مصرح به فی عامة کتب المذهب المعتمدة متونا و شروحا و فتاوی، فما خالفه فهو المشکل لا هذا، اقول و یؤید ماهنا ما نص علیه المتون، ان سبب الشفعة اتصال ملك الشفیع بالمشتری وظاهر ان المشتری اذا کان مفرزا مفصولا عن ملك الشفیع لم یکن بینهما اتصال، ولا یکفی الاتصال بالواسطة والا لکان الجار الغیر الملاصق المحاذی ایضا شفیعا ولا قائل به، ولا ینکر علیه بما صرحوا به ان الملاصق بشبر کالملاصق بجمیع حدود، وذلك لان الاتصال بجزء الشئ اتصال بالشئ، ولا نسلم ان الاتصال بجزء من شئ یکون اتصالا بجزئه الاخر، الا تری ان العمامة الملاصقة لراس زید ملاصقة لزید لا لرجله والنعل المتصل برجل زید متصلة بزید لا براسه، فاتضح ان روایة العیون مشکلة والحاصل ان المبیع اذا کان الکل کفی الاتصال بجزئه واذا کان جزء معین من شئ

یہ عیون المسائل میں مذکور کی مثل ہے اور اسی کی مثل ہندیہ میں محیط سے انھوں نے خصاف کی شرح ادب القاضی سے نقل کیا ہے، اس کے اشکال کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جو مذکور ہے وہی تمام معتمد کتب مذہب متون و شروح اور فتاوٰی میں تصریح شدہ ہے تو جو ان کی تصریحات کے خلاف ہے وہ مشکل ہے نہ کہ یہ۔ میں کہتا ہوں یہاں پر ذکر کردہ کی تائید میں تمام متون کی نصوص ہیں کہ شفعہ کا سبب خرید کردہ چیز شفیع کی ملکیت کا اتصال ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ جب خرید کردہ چیز شفیع کی ملکیت سے علیحدہ فاصلہ پر ہو تو اتصال نہ ہوگا جبکہ بالواسطہ اتصال کافی نہیں ہے ورنہ پڑوسی کا پڑوسی غیر اتصال والا بھی شفیع بن جائے گا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اس پر یہ بیان وارد نہیں ہوسکتا جس کی تصریح یوں ہے کہ ایک بالشت کا اتصال جمیع حدود کا اتصال ہے اور یہ اس لئے کہ چیز کی جز سے اتصال چیز سے اتصال ہے لیکن ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ ایک جُز سے اتصال اس کی دوسری جز سے اتصال ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ عمامہ کا اتصال سر سے ہونے کی وجہ سے زید کے پاؤں سے اتصال نہیں اور زید کے پاؤں کو اس کے جُوتے کا اتصال ہے اس کے سر سے اتصال نہیں ہے، تو واضح ہوگیا کہ عیون المسائل والی روایت مشکل ہے اور حاصل یہ کہ جب کل مبیع ہو تو اس کی کسی جز کا اتصال شفعہ کے لئے کافی ہے اور جب کوئی معین جز مبیع ہو تو

لم یکف الاتصال بجزئه الاٰخر، فان الاتصال بالجزء اتصال بالکل مجملا، لا بکل جزء منه فردا فردا فافترقا۔[1]

اس مبیع کی دوسری جزء کا اتصال کافی نہیں کیونکہ جزء کے اتصال سے کل کا اتصال مجمل ہوتا ہے نہ کہ ہر ہر جزء سے فرداً فرداً ہوتا ہے، تو یوں دونوں صورتیں مختلف ہیں۔ (ت)

شریک فی حق المبیع کے لئے مبیع سے اتصال ضرور نہیں، صرف شرکت حق مثل طریق خاص وغیرہ کافی ہے۔ درمختار میں ہے:

فی شرح المجمع وکذا الجار المقابل فی السکۃ الغیر النافذۃ الشفعۃ۔[2]

شرح مجمع میں ہے یونہی بند گلی کا سامنے والا پڑوسی بھی شفعہ کا حقدار ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وجهه ابوالسعود بان استحقاقها فیه للشرکۃ فی حق المبیع فلا تعتبر الملاصقۃ۔[3]

اس کی وجہ ابوسعود نے یہ بیان کی کہ بند گلی کا استحقاق شفعہ مبیع کے حقوق میں شرکت پر مبنی ہے اس میں اتصال کا اعتبار نہیں ہے۔ (ت)

اور چند شرکاء حق میں اگر ایک جار ملاصق بھی ہے باقی نہیں تو اسے اُن باقیوں پر کوئی ترجیح نہ ہوگی، وہ سب یکساں ہیں، عالمگیریہ میں بدائع سے ہے:

الشفعۃ لاهل السکۃ کلهم یستوی فیها الملاصق وغیر الملاصق لانهم کلهم خلطاء فی الطریق۔[4]

بند گلی والوں کو شفعہ کا حق مساوی ہے خواہ اتصال والے ہوں یا نہ ہوں کیونکہ وہ تمام گلی کے راستہ میں شریک ہیں۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں خالد، بکر، یحیٰی، یوسف، یعقوب اور سامنے کو چاروں مکان اور کوٹھی والے سب اس جزء مبیع کے یکساں شفیع ہیں، ان کے ہوتے عمرو اور اس کے برابر کے چاروں محلہ دار جن کے دروازے دوسرے کوچہ میں ہیں شفیع نہیں ہوسکتے جبکہ اور کوئی استحقاق نہ رکھتے ہوں، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] جد الممتار علی ردالمحتار

[2] درمختار | کتاب الشفعۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۲۱۱

[3] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/ ۱۴۱

[4] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ البدائع | " الباب الثانی | نورانی کتب خانہ پشاور | ۵/ ۱۶۶

مسئلہ ۲۶ مرسلہ عبدالعزیز و نور محمد و احسان کریم قصبہ آنولہ ضلع بریلی محلہ کٹرہ پختہ
بتاریخ ۴ رجمادی الاول ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مکان مملوکہ مقبوضہ اپنا جس کا نقشہ ذیل میں درج ہے، اپنی حین حیات بروئے فرائض شرعی خالد پسر، ہندہ زوجہ، کلثوم و مریم و زبیدہ و میمونہ دختران کو تقسیم کرکے مالکانہ قابض و دخیل کرادیا، خالد اپنے حق پر جداگانہ، اور ہندہ زوجہ اور ہر چہار دختران مشترکًا اپنے حق پر مالکانہ قابض ہوگئے، اور درمیان مکان کی دیوار سرخ رنگ قائم کرلی، قطعہ شمالی خالد کی اور جنوبی ہندہ، اور ہر چہار دختران کے قبضہ میں رہا، بعد وفات زید کے ہندہ اور ہر چہار دخترانِ زید نے اپنا قطعہ جنوبی عبداللہ کے ہاتھ بیع کردیا، بعد فوت عبداللہ مذکور کے اُس کے ورثاء نے قطعہ جنوبی مذکور بدست شیخ نور احمد فروخت کردیا اور نور احمد اب تک مالکانہ قابض ہے، خالد کے مرنے پر عمرو پسر، رضیہ زوجہ، صفیہ و ذکیہ و رشیدہ و حمیدہ دختران ورثاء خالد شمالی متروکہ خالد پر مالکانہ قابض ہوگئے، جو کہ محدودہ بدیں حدودِ اربعہ ہے، مکان اور صحن مکان عبدالعزیز مکان حافظ مظہر علی مکان نور احمد مکان عبدالعزیز و احسان کریم عمرو وغیرہ، ورثاء خالد نے اپنا حق قطعہ شمالی بدست عبدالعزیز بیع کرنا چاہا اور معاہدہ باہمی عبدالعزیز ہوگیا باخذ رسید مبلغ عـــہ زربیعانہ عبدالعزیز مذکور سے حاصل کرلیا، نور احمد شفیع بھی آمادہ خریداری تھا کہ احسان کریم مذکور نے خبر بیع مذکور سُن کر کچھ قیمت بڑھائی۔ رشیدہ، حمیدہ دخترانِ خالد نے اپنے حق حقوق کا بیعنامہ بنام نور احمد شفیع کے کردیا، ہنوز رجسٹری نہیں ہوئی ہے کہ عمرو نے خلاف معاہدہ باہمی عبدالعزیز کے مع رضیہ مادر کے کُل مکان متروکہ خالد کا بیعنامہ اپنی اور رضیہ کی جانب سے بنام احسان کریم تحریر کردیا، اور ایک دستبرداری لادعوٰی وراثت شفیعہ وغیرہ ہمشیرگان کی جانب سے تحریر کرا کر بغرض تصدیق رجسٹری میں پیش کی۔ شفیعۂ ذکیہ نے تصدیق اُس کی کردی، اور رشیدہ و حمیدہ نے کہ جن کی بلا علم و اطلاع کارروائی دستبرداری کی ہوئی تھی اور یہ اپنے حق کا بیعنامہ بھی بنام نور احمد تحریر کرچکی تھیں تحریر دست برداری سے انکار کردیا، اور بیعنامہ موسومہ نور احمد کی رجسٹری کرادی، چونکہ معاہدہ بیع پیشتر سے عبدالعزیز و عمرو وغیرہ منعقد ہوا تھا، حالانکہ گفتگو بیع کی نور احمد مذکور سے بھی تھی، بکر، عمرو وغیرہ نے مبلغ عـــہ روپیہ بطور بیعنامہ عبدالعزیز سے بہ تحریر رسید حاصل کرلی تھی، ایسی صورت میں جبکہ عبدالعزیز دو جانب سے اور نور احمد ایک جانب سے اور احسان کریم ایک جانب سے کچھ مکان کی وجہ سے استحقاق شفیع رکھتے ہیں، بلکہ نور احمد بوجہ خریداری مقدم کے شفیع خلیط بقیہ حقوق عمرو و رضیہ و شفیعۂ ذکیہ پہنچ چکا ہے، تو بلحاظ واقعات متذکرہ صدر کون شخص مستحق خریداری مکان متنازعہ کا ہے اور شرعًا کس کو پہنچتا ہے، عبدالعزیز کے مکان کا دروازہ بھی دوسرے محلہ میں ہے۔ بیّنوا توجروا۔
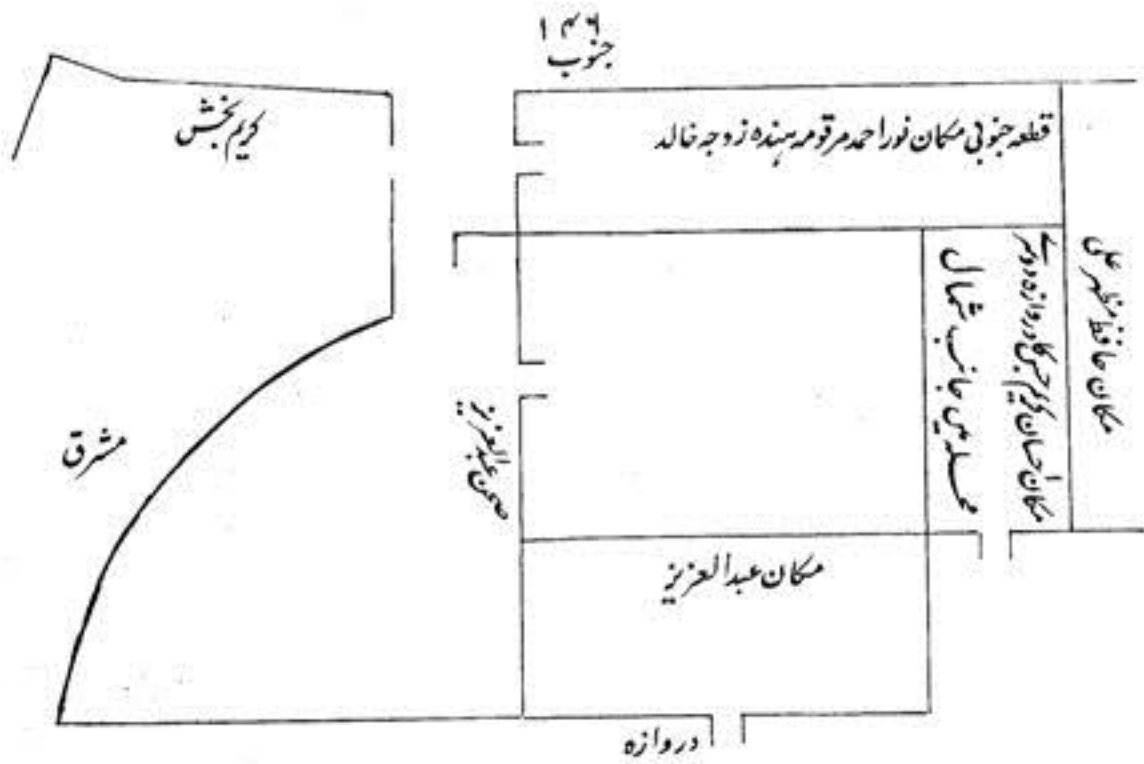
الجواب

بیانِ سائلان سے واضح ہوا کہ عبدالعزیز سے صرف گفتگوئے بیع ہوئی تھی اور بیعنامہ دیا گیا عقدِ بیع تمام نہ ہوا تھا، نوراحمد کلکتہ میں ہے، اُس نے اپنے ایک بھائی کو اس قطعہ کی خریداری کے لئے لکھا، اُس نے وکالۃً نوراحمد کے لئے اس میں سے رشیدہ وحمیدہ کے حصّے خرید لئے، عبدالعزیز و نوراحمد دونوں خلیط فی حق المبیع ہیں، اور احسان کریم محض جار ملاصق کہ اس کا راستہ اس کوچۂ غیرنافذہ میں نہیں، جب عبدالعزیز کو معلوم ہوا خود اس کا بیان ہے کہ اس نے مشتری مذکور یعنی وکیل نوراحمد سے جاکر کہا کہ میری گفتگوئے بیع سابق سے ہے، یہ حصے جتنے کو تم نے خریدے ہیں اُنھیں داموں کو مجھے دے دو ورنہ میں شفیع ہوں شفعہ سے لے لوں گا، اس کہنے سے عبدالعزیز کا ان دونوں حصّوں میں شفعہ جاتا رہا کہ اس نے طلب شفعہ نہ کی بلکہ ابتداءً اُنھیں داموں کو خریدنا چاہا، اور نہ دینے کی حالت میں بذریعہ شفعہ لے لینے کی دھمکی دی، یہ امر مبطل شفعہ ہے۔ درمختار میں ہے:

یبطلھا ان ساومھا بیعا او اجارۃ او طلب منہ ان یولیہ عقد الشراء[1]

اگر شفیع نے مشتری سے بیع یا اجارہ یا اس کی شراء کا ولی (وکیل) بننے کا مطالبہ کرے تو اس سے شفعہ کا حق باطل ہوجائے گا۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۱۵

پس نور احمد ان دو حصوں کا مالک مستقل ہوگیا جس سے کوئی نہیں لے سکتا، اگر وہاں اور کوئی شفیع مثل کریم بخش وغیرہ باد ائے شرائط طالب شفعہ نہ ہوا ہو۔ رہی احسان کریم کے ہاتھ بیع جس میں کل مکان صرف زوجہ و پسر خالد نے اُس کے ہاتھ بیچا، اور دختران خالد کو ناستحق قرار دیا۔ شفیعہ، ذکیہ تو بوجہ تصدیق و واقرار ناستحق ٹھہریں، مگر رشیدہ وحمیدہ نے اقرار نہ کیا بلکہ اپنی بیع کی کہ بنام نور احمد کے تکمیل کرادی، تو بعض مبیع احسان کریم کے ہاتھ سے نکل گیا، اور بقیہ کی بیع معرض زوال میں آگئی یعنی احسان کریم کو اختیار ہوگا، چاہے دو حصہ رشیدہ وحمیدہ علاوہ بقیہ مکان بحصہ قیمت لینا قبول کرے، خواہ کل بیع کردے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا کان المشتری شیئا واحدا واستحق بعضہ قبل القبض او بعدہ فللمشتری الخیار فی الباقی، ان شاء اخذہ بالحصۃ وان شاء ترک[1]

اگر خریدشدہ چیز ایک ہو اور اس کے بعض حصہ کا استحقاق ثابت ہوجائے خواہ قبضہ سے قبل یا بعد ثابت ہو تو مشتری کو باقی حصہ میں اختیار ہوگا اگر چاہے تو باقی کو اس کی قیمت کے حصہ پر لے یا چاہے تو چھوڑ دے۔ (ت)

پس اگر احسان کریم نے بیع رد کردی تو سرے سے مبنائے شفعہ ہی کی بیع بھی جاتا رہے گا، اور وہ بقیہ قطعہ ایسا ہوجائے گا گویا بکا ہی نہیں، کسی کو اُس میں حق شفعہ نہ ہوگا، اور اگر بقیہ بحصہ قیمت لینا قبول کیا اور نور احمد شرائط شفعہ بجالایا، تو اب وہی عبدالعزیز وغیرہ سب پر مرجح رہے گا کہ اب بوجہ خریداری حصہ رشیدہ وحمیدہ نور احمد خلیط فی نفس المبیع ہوچکا ہے، اور عبدالعزیز صرف خلیط فی حق المبیع ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷ ‏ ۳۰ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو ایک مکان اور دُکان کے مالک تھے، زید عمرو کی ملکیت کا شفیع تھا، عمرو نے اپنا حصہ دکان و مکان مذکور کا بکر کے ہاتھ فروخت کیا، تو زید بفور سُننے اس خبر کے مع چند آدمیوں کے جو کہ گواہ طلب شفیع کے ہیں، اور جن کے سامنے کہ زید نے شرائط شفیع بفور سُننے خبر بیع کے ادا کی ہیں، جن میں سے کہ ایک زید کا قریبی رشتہ دار، و نیز عمرو و بکر کا بھی رشتہ دار ہے، و دیگر لوگ زید کے ملنے والے دوست ہیں، بکر کے پاس بغرض طلب شفیع گیا، روپیہ رومال میں باندھ کر

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۱۶۶

اپنے ہاتھ میں لے گیا اور بکر سے جا کر اس نے کہا کہ میں اس حصہ دکان و مکان کا شفیع ہوں، تم نے اس حصّہ کو کیسے خرید کیا میں خریدوں گا، زید نے زبان سے یہ نہیں کہا کہ میں روپیہ لایا، قیمت لو اور یہ جائداد میرے نام کرو، بکر نے زید کی گفتگو کے جواب میں جائداد مذکور دینے سے انکار کردیا، زید کے اس امر کے اظہار نہ کرنے سے کہ میں روپیہ لایا ہوں قیمت لو اور یہ جائداد میرے نام کردو' حالانکہ روپیہ اسی نیت سے زید لے گیا تھا اور وہ اس کے ہاتھ میں موجود تھا، صرف زبان سے اس کا ذکر نہیں کیا، تو ایسی حالت میں مراتب شفیع بموجب شرع شریف پورے طور سے ادا ہوئے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

نہ روپیہ لے جانا ضرور نہ مشتری سے روپیہ لانے کا ذکر ضرور، یہ سب بیکار و مہمل باتیں ہیں، مگر طلب مواثبت ایسے لفظ سے جس سے فی الحال طلب ثابت ہو' ضرور ہے۔ سائل نے بعد دریافت بیان کیا کہ میں نے خبر بیع سُنتے ہی یہ لفظ کہے تھے کہ میں اس کا شفیع ہوں، ریاض الدین نے کیسی خریدی میں خریدوں گا، اس سے طلب فی الحال ثابت نہیں ہوتی۔ "خریدوں گا" سے اگر یہ مراد ہے کہ مشتری سے خریدوں گا، جب تو ظاہر ہے کہ مشتری سے خریداری کا ذکر شفعہ کو باطل کردیتا ہے، درمختار میں ہے:

یبطلہا شراء الشفیع من المشتری وکذا ان ساومہا بیعا واجارۃ اوطلب منہ ان یولیہ عقد الشراء[1] (ملخصاً)

شفیع کا مشتری سے خریدنا اور یونہی بیع یا اجارہ کا سودا کرنا یا عقدِ شراء کا ولی بننے کا مطالبہ کرنا اس کے حق شفعہ کو باطل کردیتا ہے ملخصاً (ت)

اور اگر یہ مراد ہو کہ بائع سے خریدوں گا' تو بھی طلب شفعہ نہیں، خریداری تملک بالرضا ہے اور شفعہ تملک بالجبر، درمختار میں ہے:

تملیك البقعۃ جبرًا علی المشتری بما قام علیہ[2]

شفعہ کسی ٹکڑا زمین کا مشتری سے اس پر لازم قیمت کے ساتھ جبرًا مالک بننے کا نام ہے (ت)

اور اگر مجازًا یہی معنیٰ مراد لئے جائیں کہ بذریعہ شفعہ لے لوں گا، تو یہ بھی وعدہ و انذار ہے، طلب فی الحال نہیں، عالمگیری میں ہے:

لو قال الشفعۃ لی اطلبہا بطلت

اگر کہا میرا شفعہ ہے میں اس کی طلب کروں گا، تو

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب ما یبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[2] " " " " ۲/ ۲۱۰

نہیں کہ مدعا علیہا دارِ مشفوع بہا میں ملکِ مدعیان کی منکر ہے، اور یہ اس طریقہ پر جو شرعاً درکار ہے یعنی ملک متقدم علی البیع و مستمر الی الآن پر اقامتِ بینہ نہ کرسکے۔ تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

اذا طلب الشفیع سأل القاضی الخصم عن مالکیۃ الشفیع لما یشفع بہ فان اقربہا او نکل عن الحلف علی العلم، او برھن الشفیع انہا ملکہ (بان یقولا انہا ملک ھذا الشفیع قبل ان یشتری ھذا المشتری ھذا العقار، وھی لہ الی الساعۃ ولم نعلم انہا خرجت عن ملکہ: فلو قالا انہا لھذا الجار لایکفی کما فی المحیط) سألہ عن الشراء، ھل اشتریت ام لا[1] اھ

جب شفیع نے طلب کی تو قاضی شفیع کی اُس ملکیت کے متعلق سوال کرے جس کی وجہ سے وہ شفعہ کررہا ہے، تو اگر مخالف فریق اس کی اس ملکیت کا اقرار کرے یا اپنے علم پر قسم دینے سے انکار کرے یا شفیع اپنی اس ملکیت پر گواہی پیش کردے کہ وہ اس کی ملکیت ہے یوں کہ دونوں گواہ کہہ دیں کہ مشتری کی خریداری سے قبل یہ زمین اس کی اب تک ملک ہے اور اس کی ملکیت سے خارج ہوجانے کا ہمیں علم نہیں ہے، اور اگر گواہ یہ کہیں کہ وہ اس پڑوسی کی ہے تو کافی نہ ہوگا' جیسا کہ محیط میں ہے۔ قاضی مشتری سے سوال کرے کہ کیا تُو نے اسے خریدا ہے یا نہیں اھ (ت)

جبکہ شہادت گواہان مدعیان اس طریقہ مطلوبہ شرع پر نہ تھی، حاکم پر لازم تھا کہ فقط اسی قدر پر مقدمہ ختم کردیتا اور دعوٰی خارج کرتا، مقدمہ کا آگے بڑھانا محض تطویل ہوئی۔

ثانیاً گواہان مدعا علیہا جنھوں نے دربارہ تسلیم مدعیان شہادت دی ہے کہ روز بیع بعد بیع معین الدین خاں نے مدعیوں کو اطلاع بیع اراضی مشفوعہ دی' اور ان سے کہا اگر تمھیں لینا منظور ہو لے لو' انھوں نے جواب دیا کہ ہم کو ضرورت نہیں' بحیثیت ادا نہایت کافی ووافی شہادت ہے اُس کے الفاظ پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں بے معنی ہیں، اس میں فقط اتنا دیکھنا چاہئے کہ گواہوں کی حالت کیسی ہے، اگر ان میں دو گواہ بھی قابلِ قبول شرع ہوں تو فیصلہ بحق مدعا علیہا لازم ہے، ملاحظہ تحریر سے ظاہر ہوا کہ حاکم مجوز نے گواہان مشتریہ پر اعتماد کیا اور اُن کے بیان پر فیصلہ رہا، اور جانب مدعیان سے ان پر کوئی جرح قابل لحاظ شرع نہ کی گئی، تو اس صورت واقعہ میں حکم یہی ہونا چاہئے کہ دعوی شفعہ ساقط' اور مشتریہ مطالبہ سے بری ہے'

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار | کتاب الشفعۃ | باب طلب الشفعۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۲۱۲
ردالمحتار | " | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/ ۱۴۴

شفعته ، ولو قال للمشتری انا شفیعك واٰخذ الدار منك بالشفعة بطلت[1] | اس کا شفعہ باطل ہوگا ، اور اگر مشتری کو کہا میں تیرا شفیع ہوں اور شفعہ کی بنا پر تجھ سے دار لوں گا تو شفعہ باطل ہوگیا۔ (ت)

لہذا صورتِ مسئولہ میں زید کا شفعہ باطل ہوگیا ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

مسئلہ ۲۸ از ریاست رامپور کٹرہ جلال الدین خاں مرحوم مرسلہ پیرزادہ غلام معین الدین صاحب پنجم صفر ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دعوٰی کیا کہ مسماۃ فلاں نے اراضی فلاں اتنی قیمت کو فلاں شخص سے میری غیبت میں خریدی ، اور میں خلیط فی الطریق ہوں ، مشتریہ جار ملاصق ہے ، میرا حق مقدم ہے اور میں شرائطِ شفعہ بھی ادا کرچکا ہوں ، مسماۃ مجیب ہوئی کہ زید نے ہرگز شرائط شفعہ ادا نہ کئے نہ مکان مشفوع بہا زید کا مملوکہ ہے ، اور دعوٰی پر تمادی ہے ، بلکہ زید تسلیم الشفعہ کرچکا ہے ، زید اور مسماۃ سے ثبوت طلب ہوا ، زید نے جو شہادت پیش کی عندالعدالت ناکافی قرار دے کر نامقبول فرمائی گئی ایک وجہ عدالت نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ شہادتِ مدعی کو نقائص سے مبرا مان لیا جائے تب بھی شہادت جو مدعی علیہا کی جانب سے گزری ، اس سے تسلیم شفعہ بعد از بیع ثابت ہے ، لہذا دعوٰی خارج اور منجانب مدعی کئی استفسار پیش ہوئے ہیں ، اس بارہ میں کہ خلیط فی الطریق جار ملاصق پر مقدم ہے ، کیا یہ استفسار مفید ہوسکتے ہیں ، مدعی نے تمادی سے بچنے کی غرض سے دو گواہوں سے یہ ثابت کرایا ہے کہ میں وقت بیع مقام رچھا میں موجود تھا یعنی رامپور میں نہ تھا ، مدعی علیہا کی جانب سے جو شہادت تسلیم شفعہ کی پیش ہوئی ہیں اس سے کماحقہ ثابت ہے کہ بعد تصدیق بیع نامہ اسی روز مدعی کو علم بیع ہوا اور مدعی نے تسلیم شفعہ کیا ، تو کیا شہادت مذکور منجانب مدعی واسطے ثبوت کے کافی ہے ، اور تمادی مرتفع ہوسکتی ہے یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس مسئلہ میں زوائد سے قطع نظر کرکے صرف دو باتوں پر نظر کافی ہے :

اوّلاً گواہان مدعیان کا اُن کی مِلک دارِ مشفوع بہا میں ہونے کی نسبت صرف اتنا بیان کہ وہ مکان مدعیوں کی مِلک یا اُن کا موروثی ہے ، اظہاراتِ شہودِ مدعیان دیکھے جائیں ، اگر اُن کے بیان میں صرف اُسی قدر ہو اور یہ ظاہر نہ کیا ہو کہ شرائے مشتریہ سے پہلے یہ مکان یا جزء مکان مِلکِ مدعیان تھا اور اب تک ہے ، ہمارے علم میں مِلکِ مدعیان سے خارج نہ ہُوا ، تو ایسی شہادت ثبوت دعوٰی شفعہ کے لئے ہرگز بکار آمد

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۱۷۲

اس کے مقابل مدعیوں کی یہ گواہیاں کہ ہم یہاں نہ تھے شہادت علی النفی ہیں قابلِ لحاظ نہیں، نہ وہ فتوٰی کہ خلیط جار پر مقدم ہے، کچھ مفید مدعی ہوسکتے ہیں کہ اول تو خلیط ہونا ہی پایۂ ثبوت کو نہ پہنچا، پھر بعد تسلیم شفعہ خلیط فی نفس المبیع کا بھی کچھ حق نہیں رہتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹/۳۰ از ریاست رامپور کٹرہ خلاں خاں مرحوم   مرسلہ غلام معین الدین خاں

۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۶ھ

(۱) حاکمانِ شریعت مفتیانِ ملت کے حضور تمام کاغذات مقدمہ اصغر علی خاں عرف بنّے خاں مدعی بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ و قصور شاہ بائع مدعا علیہا، نمبری ۱۹۳/۲ دعوٰی شفعہ بر اراضی واقعہ کٹرہ جلال الدین خاں، فیصلہ مفتی عدالت ریاست رامپور واقع ۲۲ دسمبر ۱۹۰۶ء کی نقول باضابطہ پیش کرکے درخواست ہے کہ شرع مطہر کے حکم سے اس مقدمہ میں فیصلہ بحق مدعا علیہا ہونا صحیح ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

مقدمہ مذکورہ کے متعلق عرضی دعوٰی وجواب دعوٰی و عرضی مدعی، مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۰۶ء بجواب استفسار حاکم و اظہارات عبداللطیف خاں، و ڈاکٹر مدن خاں، و علی بہادر خاں، و صفدر علی خاں ولد عباس خاں، و لشیر الدین خاں، وضیاء الدین خاں، و احمد علی خاں، و صفدر علی خاں ولد نثار علی خاں، و عبدالغنی خاں ۹ کس گواہان اصغر علی خاں مدعی، و فیصلہ مفتی صاحب حاکم مجوز کی نقول باضابطہ فقیر کے سامنے پیش ہوئیں، اور سائل نے بیان کیا کہ شہنشاہی بیگم مدعا علیہا کی طرف سے اس مقدمہ میں صرف دو گواہ نیاز حسین خاں و عزیز محمد خاں پیش ہوئے، اور اُن کا بیان اس مقدمہ میں بھی بعینہٖ وہی ہے جو انھوں نے مقدمہ سید محمد شاہ میں بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ میں کیا ہے، اور جس کی نقول باضابطہ اس وقت یہاں دارالافتاء میں حاضر ہیں، نیز حاکم نے فیصلہ میں اُن کے بیانوں کا خلاصہ ذکر کیا، اور تحقیقات موقع پر شہادت سعید الدین خاں کا بھی بیان لکھا ہے جس میں اصغر علی خاں و سید محمد شاہ دونوں مدعیوں کا بعد بیع تسلیم شفعہ مذکور ہے، اور مجوز نے دونوں فیصلوں میں بعد اس بیان کے کہ شہادات شہود مدعیان میں تناقض ہیں، بر تقدیر تناقض ان تین گواہان مدعیہ کے بیان پر مدار فیصلہ رکھا ہے کہ ان سے دونوں مدعیوں کا بعد بیع طلب شفعہ سے انکار کردینا ثابت ہے، تو ان کو کسی طرح استحقاقِ دعوٰی نہ رہا، اور گواہان اصغر علی خاں جو وقت بیع اس کا رام پور میں نہ ہونا بیان کرتے ہیں گواہان نفی ہیں کہ مسموع نہیں، مگر ہماری رائے میں گواہان مدعا علیہا اس مقدمہ میں حاجت سے محض زیادہ ہیں جن کی شہادت پر بحث کی اصلًا ضرورت نہیں، ولہذا ان کے اظہارات کی نقل پیش نہ ہونا اس مقدمہ میں بیان حکم سے مانع نہیں، نہ اسی پر نظر کہ عزیز محمد خاں نے اصغر علی خاں کی نسبت کہا، ولدیت نامعلوم، شکل جانتا ہوں، نہ اظہار سے ثابت کہ

گواہ نے مدعی کو اشارہ سے بتایا، نہ اس پر لحاظ کی حاجت کہ سعید الدین خاں دوسرے مقدمہ کا گواہ ہے جس کا مدعی شخص آخر ہے، گو مدعا علیہ وہی ہے، اس کا بیان اس مقدمہ کا شاہد بنا کر کہاں تک قابل استناد ہے، یہ سب امور زوائد ہیں، دعویٰ شفعہ میں لازم ہے کہ یا تو مدعا علیہ مقر ہو کہ دار مشفوع بہا شفیع کی ملک ہے، یا شفیع اسے بینہ سے ثابت کرے، اور یہ بھی نہ ہو تو شفیع مدعا علیہ کا حلف چاہے اور وہ قسم کھانے سے انکار کر دے، بے ان صورتوں کے دعویٰ شفعہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ زیلعی میں ہے:

اذا تقدم الشفیع، وادعی الشراء وطلب الشفعة عند القاضی، ولم یخل بشیئ من شروطه، اقبل علی المدعی علیه فسأله عن الدار التی یشفع بها هل هی ملک الشفیع ام لا، وان کانت هی فی ید الشفیع وهی تدل علی الملک ظاهرًا، لان الظاهر لا یصلح للاستحقاق فلا بد من ثبوت ملکه بحجة، فیسأله عنه فان انکران یکون ملکاله یقول للمدعی اقم البینة انها ملکک، فان عجز عن البینة وطلب یمینه استحلف المشتری بالله ما یعلم انه مالک للذی ذکره مما یشفع به، فان نکل او قامت للشفیع بینة، او اقر المشتری بذلک ثبت ملک الشفیع فی الدار التی یشفع بها وثبت السبب وبعد ذلک یسأل القاضی

شفیع نے قاضی کے ہاں آگے بڑھ کر خریداری کا دعویٰ کیا اور شفعہ طلب کیا اور دعویٰ کی شرائط میں کوتاہی نہ ہو، پھر قاضی مدعا علیہ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے اُس دار کے متعلق سوال کرے گا جس کی بناء پر شفیع شفعہ کا دعویٰ کرتا ہے کہ کیا یہ شفیع کی ملکیت ہے یا نہیں اگرچہ وہ دار شفیع کے قبضہ میں ہو، قبضہ کے باوجود سوال حالانکہ قبضہ ملکیت پر ظاہراً دلالت کرتا ہے یہ اس لئے کہ ظاہر چیز استحقاق ثابت نہیں کرتی تو اس کی ملکیت کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل ضروری ہے لہذا قاضی مدعا علیہ سے مدعی کی ملکیت کا سوال کرے گا، اگر مدعی علیہ اس کی ملکیت کا انکار کرے تو قاضی مدعی کو کہے گا کہ اپنی ملکیت پر گواہ پیش کر، تو اگر وہ گواہ لانے سے عاجز ہے اور مدعی علیہ سے اس پر قسم لینے کا مطالبہ کرے تو قاضی مدعی علیہ سے یوں قسم لے کہ مدعی جس بناء پر شفعہ کر رہا ہے تو اس ذکر کردہ پر اس کی ملکیت کو جانتا ہے، تو مدعی علیہ اگر قسم سے انکار کرے یا شفیع کے گواہ شہادت دے دیں یا خود مشتری اس کی ملکیت کا اقرار کر دے تو جس دار کی بناء پر شفعہ طلب کرتا ہے اس کی ملکیت شفیع کے لئے ثابت

المدعی علیه هل اشتریت امر لا[1] الخ ملخصا۔

ہوجائیگی یوں شفعہ کا سبب ثابت ہوجائیگا، اس کے بعد قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے سوال کرے کیا تونے یہ دار خریدا ہے یا نہیں الخ ملخصاً (ت)

اس مقدمہ میں ظاہر ہے کہ مدعا علیہا ملکِ شفیع کی منکر ہے، نہ شفیع نے حلف چاہا نہ اس نے حلف سے انکار کیا، تو صرف صورت شہادت رہی، اور وہ محض ناکافی گزری، یہاں شہادت اس مضمون کی درکار ہے کہ دارِ مشفوعہ کی بیع سے پہلے دار مشفوع بہا شفیع کی ملک تھی، اور اب تک اس کی ملک ہے ہمارے علم میں جب سے اب تک اس کی ملک سے خارج نہ ہوئی۔ محیط و ہندیہ میں ہے:

ان یقر المدعی علیہ بشراء الدار و ینکر کون المدعی شفیعھا بالدار التی حدھا و ینکر کون الدار التی حدھا ملکا للمدعی، احضر المدعی الشھود و شھد کل منھم[2] (ملخصا)

مدعی علیہ دار کی خریداری کا اقرار کرے اور شفیع جس مکان کی بناء پر مدعی ہے اس کے شفیع ہونے کا انکار کرے اور مدعی کے بیان کردہ دار پر مدعی کی ملکیت کا انکار کرے تو مدعی گواہ پیش کرے اور ہر گواہ شہادت دے (ملخصاً)۔ (ت)

گواہی میدہم کہ خانہ کہ بفلاں موضع ست حد ہائے وے کذا و کذا ملک ایں مدعی بود پیش از انکہ ایں مدعی علیہ مرایں خانہ راخرید و بر ملک وے ماند تا امروز و امروز ایں خانہ ملک ایں مدعی ست۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ جو مکان فلاں موضع میں ہے اس کی حدود یوں یوں ہیں وہ اس مدعی کی ملکیت میں مدعی علیہ کے اس خاص مکان کو خریدنے سے قبل تھی اور آج یہ مکان اس مدعی کا ہے۔ (ت)

اور یہ اس لئے کہ اگر وقت بیع دار مشفوع بہا ملکِ شفیع میں نہ تھا، تو اُس کے سبب سے اس میں استحقاق شفیع نہیں ہوسکتا اگرچہ بعد بیع یہ دارِ مشفوع بہا وراثت یا بیع یا ہبہ یا وصیت وغیرہا سے ملکِ مدعی میں آجائے۔ عالمگیریہ میں ہے:

الشفعۃ شرطھا ملک الشفیع وقت الشراء فی الدار التی یاخذ بھا

شفعہ کی صحت کے لئے یہ شرط ہے کہ جس دار کی بناء پر شفعہ کا دعوٰی ہے اس پر مشتری کی خریداری

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۴۵-۲۴۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المحاضر والسجلات محضر فی دعوی الشفعۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۰۷

الشفعۃ۔[1] | تک شفیع کی ملکیت قائم ہو۔ (ت)

اسی میں ہے :

رجل اوصی لہ بدار، ولم یعلم حتی بیعت دار بجنبھا، ثم قبل الوصیۃ فلاشفعۃ لہ۔[2]

ایک شخص نے اس کے لئے ایک مکان کی وصیت کی حالانکہ اس کو ابھی تک وصیت کا علم نہ ہوا حتی کہ اس مکان کے پڑوس میں کوئی مکان فروخت کیا اس کے بعد اس کو علم ہوا تو وصیت قبول کی، تواب شفعہ نہ ہوگا۔ (ت)

اور اگر شفیع بعد بیع وطلب شفعہ قبل قضائے قاضی دار مشفوع بہا کو بیع کردے، تو شفعہ ساقط ہوجاتا ہے۔ درمختار میں ہے :

یبطلھا بیع مایشفع بہ قبل القضاء بالشفعۃ مطلقا۔[3]

جس کے سبب شفعہ کا حق ہو اس کو قاضی کے فیصلہ سے قبل فروخت کردینا شفعہ کو مطلقًا باطل کردیتا ہے (ت)

تو لازم ہے کہ قبل بیع دار مشفوعہ سے اس وقت تک مشفوع بہا میں شفیع کی مِلک مستمر پر شہود شہادت دیں، اس کی طرف کچھ میلان اس مقدمہ میں بظاہر صرف ضیاء الدین خاں کے بیان میں ہے کہ اس مکان مشفوعہ کے پورب کی جانب مکان اصغر علی خاں موروثی واقع ہے، اور روز قبل بیع مشفوعہ سے اس وقت تک وہ اس پر مالک وقابض ہیں، اور حقیقۃً دیکھئے تو اصلاً اسے بھی اس مطلوب سے مَس نہیں، مکان مشفوعہ سے پورب کی جانب ہزاروں میل تک ہے، نہیں معلوم کہ گواہ جس مکان کو اصغر علی خاں کا موروثی ومملوک بملک مستمر بتا رہا ہے، کس محلے بلکہ کس شہر میں واقع ہے، جبکہ دار مشفوع بہا کی طرف نہ اشارہ نہ اُس کے حدود کا بیان، تو صرف اتنی تعریف کہ وہاں پورب کو ہے کیا کام دے سکتی ہے، باقی آٹھ گواہوں سے چار نے تو ملک شفیع کا اصلاً ذکر ہی نہ کیا، صفدر علی خاں ولد نثار علی خاں نے اتنا کہا کہ "یہ بات کہہ کر اصغر علی خاں اپنے مکان موروثی میں گئے، اصغر علی خاں کو چہ غیر نافذہ میں اپنے مکان موروثی کے دروازہ پر بیٹھے تھے، میں نے آٹھ روز سے نماز نہیں پڑھی، داڑھی منظر کی جو برابر ہے" اس کا بھی وہی حال ہے، اس سے یہ بھی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۱

[2] " " " " " ۵/ ۱۶۴

[3] درمختار " باب مایبطلھا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

نہ کھلا کہ اصغر علی خاں کا مکان موروثی دارِ مشفوعہ کے محلہ میں واقع ہے یا شہر کے دوسرے کنارے پر، تو مشفوع بہا کی ملک سے اس میں بھی اصلاً بحث نہیں۔ علی بہادر خاں نے کہا "سید تصور شاہ کے مکان سے پورب کو مکان موروثی مدعی کا ملا ہوا ہے" معلوم نہیں تصور شاہ کے کس مکان سے؛ ہاں دو گواہیاں ملک مشفوع بہا کا پتا دے رہی ہیں، صفدر علی خاں ولد عباس خاں نے کہا "مکان موروثی مدعی سے کھپریل مکان متنازعہ کے دکھن کو دیوار درمیان میں ہے" اس سے جار ملاصق ہونا معلوم ہوا، اگرچہ مدعی خلیط فی المبیع ہونے کا مدعی ہے۔ بشیر الدین خاں نے کہا "جس مکان کی کوٹھی کی اراضی فروخت ہوئی ہے اس مکان سے پورب کی جانب کو مکان اصغر علی خاں کا ہے، اور وہ مکان اصغر علی خاں کا موروثی ہے ان دونوں مکانوں کا راستہ بھی ایک ہی کوچہ میں ہے" اور یہی گواہ بمقدمہ سید محمد شاہ بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ بیان کر چکا ہے کہ اس کی ڈاڑھی چٹکی میں آجاتی ہے، اول ڈاڑھی کترواتا تھا اب توبہ کرلی اب نہیں منڈائے گا، ان سب گواہیوں میں یہی گواہی چست ہے کہ اس نے ان لفظوں سے کہ "جس مکان کی کوٹھی کی اراضی فروخت ہوئی ہے" اپنے تنگ خیال کے مطابق تعیین مکان بھی کی، اور دونوں کا راستہ ایک ہی کوچہ میں ہونے سے خلیط فی حق المبیع بھی بتایا، مگر تمام نقائص سے قطع نظر کرکے ان میں سے کسی نے مورث کا نام تک نہ لیا، اس کی تاریخ موت بتانا تو بڑی بات ہے، تو نری موروثی ہونے سے کیا کھلا کہ یہ مکان کب سے اصغر علی خاں کی ملک ہے، ممکن کہ وہ مورث جس کے ترکہ سے یہ مکان مدعی کو وراثۃً بعد بیع دارِ مشفوعہ مراد ہو، تو اس مکان کے ذریعہ سے مدعی کو کیا استحقاقِ شفعہ ہوسکتا ہے، شہادت اس لئے ہوتی ہے کہ حق حاکم پر ظاہر ہو، ان شہادتوں کا اجمال و اہمال یہ ہے کہ مجوز نے فیصلہ میں کہا کہ گواہان مدعی نے یہ نہ بیان کیا کہ مدعی مورث کا بیٹا ہے یا بھائی ہے یا کون ہے" جب قاضی کو مورث کا ہی پتا نہ چلا تو تاریخِ موت کیونکر معلوم ہوسکتی ہے جس سے جانا جائے کہ دارِ مشفوع بہا عند البیع ملکِ شفیع تھی یا نہیں، لاجرم شہادتیں محض مہمل ہیں، اور دعوٰی اصلاً پایۂ ثبوت کو نہ پہنچا۔ ردالمحتار میں ہے:

لوقالا انھا لھذا الجار لایکفی کما فی المحیط۔[1]

اگر دونوں گواہ یہ کہیں کہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو کافی نہیں، جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

لہذا واجب تھا کہ دعوٰی خارج ہو، جیسا کہ مفتی ریاست نے کیا، اور لازم ہے کہ اپیل نامنظور ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۴

(۲) حکامِ شریعت علمائے ملت کے حضور تمام کاغذات مقدمہ سید محمد شاہ مدعی بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ و تصور شاہ بائع مدعا علیہما نمبری ۲۰۵/۴ دعوٰی شفعہ بر اراضی واقعہ کٹرہ جلال الدین خاں، فیصلہ مفتی ریاست رامپور واقع ۲۲ر دسمبر ۱۹۰۷ء کی نقول باضابطہ حاضر کرکے معروض کہ شرع شریف کے حکم سے اس مقدمہ میں فیصلہ بحق مدعا علیہما ہونا صحیح ہے یا کیا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس مقدمہ کے متعلق عرضی دعوٰی وجواب دعوٰی از جانب شہنشاہی بیگم، و ردجواب از جانب مدعی و اظہارات عثمان خاں و عبدالرزاق خاں و سید دلاور علی و ننھو خاں و بشیر الدین خاں و عبدالغفار خاں گواہان مدعی و نیاز حسین خاں و عزیز محمد خاں و امین الدین خاں و سعید الدین خاں گواہان مدعا علیہما و روبکار مفتی صاحب حاکم مجوز کے نقول باضابطہ فقیر کے سامنے پیش ہوئیں، اس دعوٰی کی حالت دعوٰی اصغر علی خاں مدعی بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ سے بھی بدتر ہے شہود مدعی میں صرف تین گواہوں نے مکان مدعی ملک مدعی ہونے کی طرف توجہ کی، ازیں جملہ عبدالغفار خاں کا بیان ہے "مکان جانب مشرق مملوک بائع کا ہے، اور جانب غرب شفیع کا ہے، پکھا دونوں مکان کا مشترکہ ہے"۔ یہ گواہ ایک ایسے دو مکانوں کا قصہ بیان کرتا ہے جس کا پکھا مشترک اور ان میں ایک مملوک بائع، دوسرا شفیع کا ہے، مگر اس کی شہادت کچھ پتا نہیں دیتی کہ وہ مکان کس شہر، یا شہر کے کس گوشہ میں واقع ہیں، شہادت میں نہ مکانوں کی تعیین، نہ ان کی طرف اشارہ، یہ شہادت اس پایہ کی ہے کہ مقدمہ اصغر علی خاں بنام شہنشاہی بیگم میں شہادت علی بہادر خاں تھی، ننھو خاں نے کہا "یہ مکان سید محمد شاہ کا جس کی وجہ سے دعوٰی شفعہ کیا ہے موروثی ہے، سید دلاور علی نے کہا "مکان شفیع کا مملوکہ موروثی ہے" لفظ اگرچہ مطلق تھا مگر اظہار میں لکھا ہے کہ "نشان دہی کردی" تو انھیں دو گواہوں سے ملک مشفوع بہا کا پتا چلا، شہنشاہی بیگم یہاں بھی مشفوع بہا میں ملکِ مدعی سے منکر ہے، اور مدعی نے نہ اس سے حلف لیا نہ اس نے حلف سے انکار کیا، بلکہ مدعی نے شہادت پر اپنے کام کا مدار رکھا، اور وہ حسبِ قاعدۂ شرع ادا نہ ہوئی کہ کسی شہادت میں بیع مشفوعہ سے پہلے مشفوع بہا کا ملک مدعی ہونا اور اب تک بالاستمرار اس کی ملک میں رہنا اصلاً مذکور نہیں، مقدمہ اصغر علی خاں میں اگرچہ عرضی دعوی محض مجمل تھا، بجواب استفسار حاکم اور تفصیل نہ کرسکا، تو نام مورث تو بتا دیا، یہاں اس قدر بھی نہیں، بیانِ مدعی یا بیان شاہدان کسی سے پتا نہیں چلتا کہ یہ مکان محمد شاہ کو بیع مشفوعہ کے کتنے مہینے بعد میراث میں ملا، بیع مشفوعہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۰۶ء کو ہوئی، اور شہادتیں ۱۳و۱۹ جون ۱۹۰۷ء کی ہیں کیا اگر ۹ر جون ۱۹۰۷ء تک سید محمد شاہ کا کوئی مورث باپ یا بھائی یا چچا وغیرہم اس مکان مشفوع بہا کا مالک رہا، اور اس تاریخ اس کی وفات ہوئی، اور مکان ملک سید محمد شاہ میں آیا تو ۹ر جون

کو گواہوں کا کہنا کہ یہ مکان شفیع کا موروثی ہے، غلط ہوگا، ہرگز نہیں، ضرور صحیح وحق ہوگا، مگر مدعی کے کسی مصرف کا نہیں، اُس کی ملک تو وقت بیع مشفوعہ سے پہلے ہو اور اب تک مستمر رہے، اس کا ثبوت درکار تھا، جس کا نام تک کسی شاہد نے نہ لیا، تو ایسی شہادتیں محض ناکافی و بے معنیٰ ہیں، اور دعوٰی اصلاً پایۂ ثبوت کو نہ پہنچا۔ اجناس و ذخیرہ ومحیط وغیرہا میں ہے:

ینبغی ان یشھدوا ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعۃ ملك ھذا الشفیع قبل ان یشتری ھذا المشتری ھذا الدار وھی لہ الی ھذہ الساعۃ لانعلمھا خرجت عن ملکہ، فلو قالا ان ھذہ الدار لھذا الجار لایکفی[1]

گواہ یوں شہادت دیں کہ بیع مکان کے پڑوس میں یہ مکان اس مشتری کے اس مکان کو خریدنے سے قبل شفیع کی ملکیت میں اِس وقت تک ہے اور اس کی ملکیت سے خارج ہونا ہمیں معلوم نہیں، تو اگر صرف یہ کہیں کہ یہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو اتنا کافی نہیں ہے۔ (ت)

معہذا شہنشاہی بیگم کی طرف سے جو شہادتیں نیاز حسین خاں و عزیز محمد خاں و سعید الدین خاں نے دیں، وہ اُس پیمانے پر جو آج کل تمام ہند میں رائج اور جملہ مقدمات اور خود اس مقدمہ میں مدعی و مدعٰی علیہ سب کے شہود اسی رنگ پر چلے اور چلتے ہیں، اس امر کا ثبوت دے رہے ہیں کہ سید محمد شاہ نے بعد بیع خبرِ بیع سُن کر تسلیم شفعہ کر دی اور طلب سے انکار کیا، اگر یہ پیمانہ مقبول نہیں تو خود شہادت شہود مدعی ایک اور وجہ سے مردود ہوئی، اور مقبول ہو تو بطلانِ شفعہ ثابت ہوگیا، جیسا کہ فیصلہ میں مذکور ہے، بہرحال دعوی شفعہ محض ناثابت ہے، اور اپیل اصلاً قابلِ منظوری نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیعنامہ مکان کا قبل نکاح بنام زبیدہ جس کا نکاح اس کے پسر کے ساتھ ہونے والا ہے، بدیں مضمون لکھ کر زرِ ثمن کی وصولیابی کا اقرار لکھ کر معاف کردیا، اس قسم کا بیعنامہ معافی کا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اگر بعد نکاح زید یا اس کے ورثار انکار وصولیابی زرِ ثمن کا کرکے کہیں کہ بیعنامہ بطور قرض لکھا گیا تھا، شرعاً قرض قرار پائے گا یا نہیں؟ اور کبھی شفیع کی شفعہ اس قسم کے بیعنامہ میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

میں کہ فلاں ابن فلاں ساکن رامپور ہوں جو کہ ایک منزل مکان چنیں و چناں واقع رامپور محدودہ ذیل

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الاجناس، والمحیط والذخیرۃ کتاب الشفعۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۹

مملوکہ ومقبوضہ میرا ہے، وُہ اب میں نے بحالت صحت نفس وثبات عقل بلااکراہ واجبار ورغبت اپنے مع جمیع حقوق و مرافق بعوض مبلغ پانچسو روپیہ چہرہ دار بدست مسماۃ زبیدہ، جس کا نکاح حسب خواہش میری بکر پسر نطفی میرے سے بتاریخ امروز ہوگا، بیچا اور بیع کیا میں نے اور مکان مبیعہ مشتریہ مذکورہ کو مثل ذات اپنی کے مالک وقابض کردیا، میں نے زرثمن تمام وکمال مشتریہ سے وصول پایا، میں نے یعنی زرثمن اس کا بوجہ محبت فطری بکر پسر مذکور کے زبیدہ مشتریہ کو معاف کیا میں نے، پس بخشش ومعافی مجھ کو اور قائم مقامان میرے کو دعوی زرثمن کا نہیں ہے اور نہ ہوگا تقابض البدلین واقع ہوا، اب مجھ بائع کو مکان مبیعہ سے کچھ سروکار نہ رہا، اگر کوئی سہیم یا شریک پیدا ہو تو جواب دہ میں بائع ہوں۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں بیع مطلقاً صحیح ہے، اور اگر ایجاب وقبول بیع قبل معافی ثمن واقع ہوئے تھے تو معافی ثمن بھی صحیح ہے، اب زید یا وارثان زید کو اس جائداد خواہ اس کے زرثمن میں اصلاً دعوی نہیں پہنچتا، ہاں اگر قبل قبول مشتریہ یا وکیل مشتریہ معافی ثمن بائع نے لکھی اور اس کے بعد مشتریہ کی طرف سے قبول واقع ہوا تو معافی صحیح نہ ہوگی، بیع صحیح ہوگئی، اور ثمن دینا آئے گا جب تک بائع بعد قبول مشتریہ ثمن معاف نہ کرے، رہا شفعہ وُہ ہر حال میں ثابت ہے، اگرچہ ثمن معاف ہوجائے، کل ثمن کے عوض شفیع اگر شرط بجالائے لے سکے گا کہ ثمن کی معافی سے شفیع کا فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ عالمگیری میں ہے:

اذاحط کل الثمن اووھبہ اوابرأہ عنہ، فان کان ذٰلک قبل قبض الثمن صح الکل الخ[1]

جب مشتری کو بائع تمام ثمن ساقط کردے یا ہبہ کردے یا ثمن سے اس کو بری کردے تو اگر ثمن پر بائع کے قبضہ سے قبل ہو تو یہ سب جائز ہے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الذخیرہ اذاحط کل الثمن اووھب او ابرأعنہ، فان کان قبل قبضہ صح الکل ولا یلتحق باصل العقد، فی البدائع من الشفعۃ ولو حط جمیع الثمن ولا یسقط عنہ شئ لان

ذخیرہ میں فرمایا، اگر تمام ثمن ساقط کردے یا ہبہ کردے یا اس کو بری کردے اگر ثمن پر اپنے قبضہ سے قبل کرے تو سب صحیح ہے اور یہ ثمن چھوڑنا اصل عقد سے ملحق نہ ہوگا۔ بدائع کے شفعہ میں ہے اگر بائع نے مشتری سے کل ثمن ساقط کئے تو وہ شفیع سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۱۷۳

حط کل الثمن لایلتحق باصل العقد، لانہ لو التحق لبطل البیع لانہ یکون بیعا بلاثمن فلم یصح الحط فی حق الشفیع و صح فی حق المشتری، وکان ابراء لہ عن الثمن[1] اھ

ساقط نہ ہوگی کیونکہ کل ثمن کا اسقاط اصل عقد سے ملحق نہیں ہوتا کیونکہ اگر اصل بیع سے ملحق ہو تو بیع باطل ہوجائے، اس لئے کہ وہ بیع بلاثمن قرار پائیگی، تو وہ شفیع کے حق میں اسقاط نہ ہوگا، مشتری کے حق میں صحیح ہوگا اور مشتری کو ثمن سے برأت ہوگی اھ (ت)

فتاوٰی قاضی خان میں ہے :

قال بعتک ھذا الشیئ بعشرۃ دراھم ووھبت لک العشرۃ ثم قبل المشتری البیع جاز البیع، ولایبرأ المشتری عن الثمن لایجب الابعد قبول البیع، فاذا ابرأ عن الثمن قبل القبول کان ابرأ قبل السبب فلایصح[2] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بائع نے کہا میں نے تجھے یہ چیز دس دراہم کے بدلے فروخت کی اور میں نے تجھے وہ دس ہبہ کئے پھر مشتری نے بیع قبول کرلی تو بیع صحیح ہوگی اور مشتری ثمن سے بری نہ ہوگا جبکہ ثمن کا وجوب بیع کو قبول کرنے کے بعد ہوتا ہے اگر قبول کرنے سے قبل مشتری کو بری کردے تو سبب سے قبل بری کرنا ہوگا جو کہ صحیح نہیں ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲: از بدایوں سوتہ محلہ مرسلہ نواب عبداللہ خاں ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۸ھ

حنفی المذہب جار کو وہابی غیر مقلد پر حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بیشک حاصل ہے، تمام کتبِ فقہ میں حکمِ شفعہ عام مطلق ہے، ہدایہ میں ہے :

الشفعۃ واجبۃ للخلیط فی نفس المبیع، ثم للخلیط فی حق المبیع کالشرب والطریق، ثم للجار[3]۔

عین مبیع میں شریک کو شفعہ کا حق لازم ہے پھر مبیع کے حقوق میں شریک کو جیسے زمین کو سیراب کرنیوالے پانی اور اس کے راستے میں شرکت ہو، اس کے بعد پڑوسی کو حق ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۹

[3] الہدایۃ کتاب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۸۷

درمختار میں ہے :

سببها اتصال ملك الشفيع بالمشترى بشركة او جوار[1] | شفعہ کا سبب خریدکردہ کے ساتھ شفیع کی ملک کا اتصال بطور شرکت یا بطور پڑوس ہو۔ (ت)

اسی میں ہے :

الشفعة للجار الملاصق[2] | شفعہ کا حق متصل پڑوس کو ہے (ت)

عالمگیری میں ہے :

اذا سلم الخليط وجبت للجار[3] | جب شریک شفعہ چھوڑ دے تو پھر پڑوسی کا حق ہے۔ (ت)

اسی میں ہے :

للجار حق الشفعة اذا كان الجار قد طلب الشفعة حين سمع البيع[4] | پڑوسی کو شفعہ کا حق تب ہے کہ اس نے بیع کو سنتے ہی طلب کی ہو۔ (ت)

قاضی خاں میں ہے :

الشفعة حق شرع نظرا لمن كان شريكا او جارا عند البيع[5] | حق شفعہ شریک یا پڑوسی کی رعایت کے لئے مشروع ہے بوقتِ بیع۔ (ت)

اصلاً کہیں یہ قید نہیں کہ بائع یا مشتری کا مقلد ہونا ضرور ہے ورنہ حقِ شفع نہ ہوگا، جو اس کا ادعا کرے کسی کتاب معتبر میں دکھائے، اور ہرگز نہ دکھا سکے گا، اور جب تمام کتب میں حکم بلاشبہہ عام ہے، تو اپنی طرف سے تخصیص کب قابلِ سماعت ہے، ناواقف جاہل کو یہاں دو ہی شبہے عارض ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ غیرمقلد شفعۂ جار کا قائل نہیں، تو وہ اپنے زعم میں اس مطالبہ سے بری ہے، دوسرے یہ کہ غیرمقلد بہت مسائل اصول دینِ اہلِ حق کا مخالف ہے، وہ ایک دین ہی جداگانہ رکھتا ہے، تو ہمارے دین کے احکام اُسے شامل نہ ہونگے، اور دونوں شبہے محض باطل و بے معنیٰ ہیں، کتابوں میں صاف تصریح ہے کہ اگر کھلے کافر نے

---

[1] و [2] درمختار | کتاب الشفعة | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۲۱۰-۲۱۱
[3] فتاوٰی ہندیة | کتاب الشفعة | الباب الثانی | نورانی کتب خانہ پشاور | ۵/ ۱۶۶
[4] " | " | " | " | ۵/ ۱۶۷
[5] فتاوٰی قاضیخاں | " | نولکشور لکھنؤ | ۴/ ۸۶۰

دوسرے کے ہاتھ مکان بیچا اور مسلمان اس کا شفیع ہے، مسلمان کو شفعہ ملے گا، تو کھُلے کفار جن کے یہاں شفعہ سرے سے کوئی چیز ہی نہیں، اور وہ صراحۃً نفس اسلام سے منکر ہیں، جبکہ اپنے خیال میں عدم شفعہ یا تخالف دین کے سبب شفعہ سے بری نہ ہوئے، تو غیر مقلد کہ اصل شفعہ کا قائل ہے، اگرچہ شفعہ جوار میں کلام کرے، اور دین اسلام کا دعوٰی رکھتا ہے اگرچہ اپنے دعوے میں غلط کار ہو، کیونکر اپنے خیال یا تخالف مذہب کے باعث شفعہ سے بری ہوسکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لواشتری ذمی من ذمی دارا بخمر او خنزیر وشفیعها ذمی او مسلم وجب الشفعة عند اصحابنا۔[1]

اگر کسی ذمی نے ذمی سے مکان بعوض شراب یا خنزیر خریدا اور اس پر شفعہ کرنیوالا ذمی ہو یا مسلمان ہو اس کو ہمارے اصحاب کے نزدیک شفعہ کا حق ہے۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

المسلم والکافر والکبیر والصغیر والذکر والانثی فی الشفعة لهم وعلیهم سواء۔[2]

مسلمان، کافر، بڑا، چھوٹا، مرد اور عورت شفعہ ان کے حق میں ہو یا خلاف ہو سب برابر ہیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

اذا اشتری ذمی بخمر او خنزیر ان کان شفیعها مسلما اخذ بقیمة الخمر والخنزیر وبالاسلام یتاکد حقه لا ان یبطل[3] اھ ملتقطا۔

جب شراب یا خنزیر کے عوض کسی ذمی نے مکان خریدا اگر مسلمان شفعہ کا حقدار ہو تو شراب اور خنزیر کی قیمت کے عوض شفعہ حاصل کرے گا، اسلام اس کے حق کو مضبوط بناتا ہے نہ کہ باطل کرتا ہے اھ ملتقطا (ت)

بالجملہ مدعا علیہ اپنے کسی خیال و مذہب کے باعث اس حق کو مدعی کے لئے باطل نہیں کرسکتا، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ شرع مطہر نے حق شفعہ شفیع سے دفع ضرر کے لئے مشروع فرمایا ہے، مدعی کہ اپنا ضرر دفع کرنا چاہتا ہے، مدعا علیہ یہ جواب کیونکر دے سکتا ہے کہ میرے خیال و مذہب میں تو اپنے ضرر کے دفع کا استحقاق نہیں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ٥/١٩٤

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الشفعۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ٤/٨٦٠

[3] الہدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع یوسفی نولکشور لکھنؤ ٤/٣٩٨-٣٩٧

رکھتا، ایسا جواب کب قابلِ التفات ہوسکتا ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الاتصال علی ھذہ الصفۃ انما انتصب سببا فیہ لدفع ضرر الجوار اذ ھو مادۃ المضار علی ماعرف[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس طریقہ کا اتصال پڑوس کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے سبب ہے کیونکہ پڑوس محلِ ضرر ہے جیسا کہ معروف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳: مسئولہ محمد حیدر حسن خاں رامپوری ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کا حصہ فروخت ہوا، شفیع جو خلیط فی نفس المبیع ہے اس نے خبر بیع سُن کر فوراً طلب مواثبت کی، ادا کے وقت چند اشخاص شفیع کے پاس موجود تھے، اور اس جگہ سے مکان مبیعہ بھی نظر آتا ہے، شفیع طلب مواثبت کرکے خود اشخاص مذکورہ کو ساتھ لے کر مکان مبیعہ کے پاس آیا، سب آدمی مکان کے دروازے کے پاس کھڑے رہے اور شفیع مکان کے اندر چلا گیا اور وہاں پردہ کرایا اور پھر باہر آکر سب آدمیوں کو مکان کے اندر لے گیا، تب شفیع نے طلب اشہاد ادا کی، شفیع اگر چاہتا تو جس جگہ اس نے طلب اول ادا کی تھی اور وہاں سے مکان مبیعہ بھی نظر آتا تھا اس جگہ طلب ثانی بھی ادا کرسکتا تھا، یہ امر دریافت طلب ہے کہ شفیع نے جو دو تاخیریں ادائے طلب اشہاد میں کیں، یہ دونوں تاخیریں یا ان میں سے کوئی مبطل شفعہ ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

صورت مستفسرہ میں نہ شفعہ باطل ہوا نہ طلب اشہاد میں تاخیر ہوئی، نہ یہاں طلب مکرر کی حاجت تھی، بلکہ وہی طلب مواثبت جو اس نے دار مبیعہ کے منظر میں کی جہاں وہ مکان کے سامنے، اور حسب بیان زبانی سائل صرف پچاس قدم کے فاصلہ پر تھا، وہی دونوں طلبوں کا کام دے گئی، اصل یہ ہے کہ یہاں طلب خصومت سے پہلے دو طلبیں لازم کی ہیں، ایک بفور علم اگرچہ اس وقت وہاں اور کوئی نہ ہو، دوم احد العاقدین یا مبیع کے سامنے، اور اگر وقت علم احد العاقدین حاضر یا مبیع پیش نظر ہے، تو یہی طلب اول و دوم دونوں ہوجائیں گی، پھر طلب اشہاد میں حاضرین سے یہ کہنا کچھ ضرور نہیں کہ تم گواہ ہوجاؤ، بلکہ فی الواقع دونوں میں سے کسی طلب میں گواہوں کا موجود ہونا ہی شرط نہیں، وہ صرف ثبوت دینے کے لئے درکار ہوتے ہیں جبکہ مشتری انکار کرے تو گواہوں کے سامنے طلب مواثبت منظر مبیعہ میں کرنا بدرجہ اولٰی طلب اشہاد

---

[1] الہدایۃ کتاب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۸۸

بھی ہے اگرچہ گواہوں سے نہ کہا ہو کہ گواہ رہو، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اس کے بعد شفیع کا شہود کو دروازہ پر پھر اندر لے جانا اور طلب کرنا سب فضول و زوائد از حاجت تھا، جس کی تاخیر بلکہ عدم سے بھی شفعہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا، درمختار میں ہے :

لو اشھد فی طلب المواثبۃ عند احد ھٰؤلاء (ای البائعین والمبیع) کفاہ وقام مقام الطلبین[1]۔

اگر شفعہ کی طلب پر ان میں سے کسی کے پاس گواہ بنائے یعنی خرید و فروخت کرنے والوں اور مبیع کے پاس تو اس کو کافی ہے اور یہ عمل دونوں طلب کے قائم مقام ہوگا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے :

انما یحتاج الی طلب المواثبۃ ثم الی طلب الاشھاد بعدہ اذا لم یمکنہ الاشھاد عند طلب المواثبۃ بان سمع الشراء حال غیبۃ عن المشتری والبائع والدار، اما اذا سمع عند حضرۃ ھٰؤلاء الثلث (ای احدھم کما لایخفی) واشھد علی ذٰلک فذٰلک یکفیہ، ویقوم مقام الطلبین، کذا فی خزانۃ المفتین[2]۔

طلب مواثبت کے بعد طلب اشہاد کی ضرورت تب ہوگی جب طلب مواثبت پر وہ گواہ بنا سکے، مثلاً یوں کہ شفیع نے خریداری کی خبر مشتری، بائع اور مبیع مکان سے غائب ہونے پر سنی لیکن جب ان کی موجودگی میں سنی ہو اور اس وقت گواہ بھی اس طلب پر قائم کرلئے ہوں تو اسے کافی ہے اور یہ عمل دو طلب کے قائم مقام ہوگا۔ خزانۃ المفتین میں اسی طرح ہے۔ (ت)

قاضیخاں و عقود الدریہ وغیرہما میں ہے :

انما سمی الثانی طلب الاشھاد لا لان الشھادۃ شرط بل لتمکنہ اثبات الطلب عند جحود الخصم[3]۔

چنانچہ دوسری طلب کا نام طلب اشہاد اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں گواہ بنانا شرط ہے تاکہ مخالف فریق کے انکار پر ثابت کرسکے۔ (ت)

نتائج الافکار میں بدائع سے ہے :

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ " " نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۳

[3] فتاوٰی قاضی خاں " فصل فی الطلب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۱

اما الاشہاد علی ھذا الطلب فلیس بشرط و انما ھو لتوثقۃ علی تقدیر الانکار کما فی الطلب الاول[1]

دوسری طلب میں گواہ بنانا شرط نہیں بلکہ اس لئے گواہ بنائے کہ مخالف کے انکار پر اپنے حق کو ثابت کرسکے جیسا کہ پہلی طلب میں شرط نہیں ہے۔ (ت)

فتح اللہ المعین میں ہے :

الاشہاد علی طلب التقریر لیس بشرط، کما فی البدائع[2]

طلب تقریر یعنی طلب ثانی میں گواہ بنانا شرط نہیں، جیسا کہ بدائع میں ہے۔ (ت)

ہندیہ میں محیط سرخسی سے ہے :

اما طلب الاشہاد فھوان یشہد علی طلب المواثبۃ حتی یتاکد الوجوب بالطلب علی الفور، ولیس الاشہاد شرطا لصحۃ الطلب لکن لیتوثق حق الشفعۃ اذا انکر المشتری طلب الشفعۃ[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

طلب اشہاد یہ ہے کہ طلب مواثبت یعنی پہلی طلب پر گواہ بنائے تاکہ فوری طور پر طلب کا وجوب پختہ ہوجائے جبکہ صحتِ طلب کے لئے اس وقت گواہ بنانا شرط نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ مخالف فریق جب انکار کرے تو یہ اپنے حق شفعہ کو مضبوط بنا سکے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴ تا ۳۸ از ریاست رامپور مسئولہ مفتی عبدالقادر خاں صاحب مفتی ریاست رام پور ۱۰ رجمادی الاولٰی ۱۳۲۸ھ

مقدمہ فخرالدین خاں بنام حیدر حسن خاں و مسماۃ منور بیگم بنت محمد شفیع خاں میں مسل مع فتاوی مدخلہ بغرض ملاحظہ حاضر ہے، بعد ملاحظہ روداد و اظہارات گواہان سوالاتِ ذیل کا جواب عطا ہو :

(۱) آیا جس حالت میں کہ شفیع کو اطلاع بیع ایسی جگہ پہنچی کہ دار مشفوعہ سے قریب ہو اور دار مشفوعہ پیش نظر ہو، اُس وقت شہود کے سامنے طلب واحد طلب مواثبت و طلب اشہاد دونوں کی جگہ کافی ہوجائیگی، یا دو طلب جداگانہ کی حاجت ہے؟

(۲) صورت مذکورہ میں اگر ایک بار طلب کرکے وہاں سے اٹھ کر دار کے پاس شہود کو لے جائے اور ہنوز طلب ثانی نہ کرے، بلکہ اندر جاکر پردہ کراکر شہود کو اندر لیجاکر وہاں طلب دوم کرے تو یہ تاخیر موجب

---

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ فتح القدیر کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۰۸

[2] فتح المعین کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۳۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ " الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

بطلان شفعہ ہوگی یا نہیں ؟

(۳) گواہوں کے سامنے اگر طلب بروجہ شرعی کرلی اور یہ نہ کہا کہ گواہ ہوجاؤ، تو طلب اشہاد میں کوئی خلل ہے یا نہیں ؟

(۴) اگر طلب اوّل بروجہ کافی ایسے طور پر نہ کی کہ طلب اشہاد کے بھی قائم مقام ہوتی، اور پھر کارروائی مذکورہ سوال دوم عمل میں لایا، تو یہ دلیل اعراض و مسقط شفعہ ہے یا اس قیاس پر کہ مصر واحد میں اقرب کو چھوڑ کر ابعد کے پاس جانے سے حرج نہیں ہوتا شفعہ باطل نہ ہوگا ؟

(۵) طلب اوّل کے جو الفاظ مدعی و شاہدان نے بیان کئے ہیں، آیا وہ کافی ووافی ہیں جن سے وہی طلب قائم مقام طلبین ہوجائیگی یا نہیں ؟ بالآخر حکم اخیر مطلوب ہے کہ اس روئداد مسل کی رُو سے شفعہ ثابت ہے یا ساقط ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

کاغذات ملاحظہ ہوئے، پہلے **تین سوالوں** کا وہی جواب ہے جو قبل ملاحظہ مسل لکھا گیا تھا' شرع مطہر نے دو باتیں لازم فرمائی ہیں' ایک طلب بفور علم' دوم اُس طلب کا بتعیین مطلوب بائع یا مشتری یا مشفوع کے سامنے ہونا طلب دوم کی اتنی ہی حقیقت ہے خاص اس لفظ کی کہ گواہ ہوجاؤ، کچھ حاجت نہیں، نہ یہ کہنا داخل حقیقت اشہاد ہے، اشہاد اعطائے ماخذ ہے یعنی دوسرے کے لئے اپنے تصرف پر تحصیل شہادت، اور بدیہی ہے کہ حصول شہادت کے لئے شاہد کے سامنے صرف وقوع درکار ہے، نہ یہ کہ متصرف اُسے اشہاد باللسان بھی کرے، یہاں تک کہ اگر متصرف بعد تصرف شاہد کو شہادت سے منع بھی کردے، اصلاً مؤثر نہیں۔ فتح القدیر میں ہے :

الاتفاق علی ان من سمع اقرار رجل، لہ ان یشھد علیہ بما سمع منہ، وان لم یشھدہ، بل ولو منعہ من الشھادۃ بما سمع منہ۔[1]

اس پر اتفاق ہے کہ جس نے کسی شخص کا اقرار سُنا تو اس کو یہ حق ہے کہ اس کی سُنی بات پر گواہی دے اگرچہ اقرار کرنے والا اس کو گواہ نہ بنائے، بلکہ وہ گواہی سے منع کرے تو بھی گواہی دے سکتا ہے (ت)

اور جب حصولِ شہادت بے اس قول کے گواہ ہوجاؤ' ثابت ہے، تو جو تصرف متصرف بمشہد شہود اس لئے کرے کہ وُہ شاہد ہوجائیں، قطعاً وہ شاہد ہوجائیں گے، اور قطعاً ان کے لئے اس وصف شہادت کا حصول اس نے

---

[1] فتح القدیر کتاب الشھادات باب الشھادۃ علی الشھادۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۵۲۴

چاہا، اوراسی کے فعل مذکور سے یہ وصف اُن کو حاصل ہوا، توبلا شبہہ اس نے دونوں کے لئے تحصیل شہادت کی، اور اسی قدر حقیقت اشہاد ہے، قال اللہ تعالٰی واشھدوا اذا تبایعتم[1] خرید وفروخت کرتے وقت اشہاد کرلو، وقال اللہ تعالٰی واشھدوا ذوی عدل منکم[2] جب طلاق دو یا رجعت کرو اپنے میں سے دو ثقہ کو گواہ کرلو، عالم میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ عقود وفسوخ میں گواہ کرتے وقت متصرف کا زبان سے یہ کہنا ضرور ہے کہ گواہ ہوجاؤ، بلکہ طلب دوم خواہ اول کسی میں نفس وجود شہود ہی ضرور نہیں، کما نص علیہ فی البدائع والخانیۃ والمحیط واشار الیہ فی الھدایۃ وغیرھا (جیسا کہ اس پر بدائع، خانیہ اور محیط کی نصوص ہیں اور ہدایہ وغیرہ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ ت) بلکہ مقصود شرع وہی دو باتیں ہیں، ایک طلب فوری، دوسرے محضر، اور الثلثہ میں طلب بتعیین۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ شفیع کو خبر بیع وہاں پہنچی ہے کہ عاقدین ومبیع سے کچھ حاضر نہیں، ناچار دو طلبوں کی حاجت ہُوئی کہ محضر کا انتظار کرے تو فوری جاتا ہے، اور فقط فور پر قانع ہو تو محضر نہیں، اور جب خبر عین محضر میں پہنچی تو تعدد طلب کی اصلاً حاجت نہیں، طلب واحد ہی دونوں کا کام دے گی،

لاجتماع الفور والمحضر معا، والمسئلۃ دائرۃ فی الکتب، وقد ذکرنا بعض نصوصھا، ولا تنس ماقدمنا من معنی الاشھاد ومن حقیقۃ طلب الاشھاد، کیلا تزل من ظاھر کثیر من العبارات۔

فوریت اور حاضری دونوں کے اجتماع کی وجہ سے، جبکہ یہ مسئلہ کتب میں عام دائر ہے اور ہم نے بعض کتب کی نصوص ذکر کردی ہیں اور ہمارا بیان معنی اشہاد اور طلب کی حقیقت کو نہ بھولنا تاکہ تو بہت سی کتب کی ظاہر عبارات سے نہ پھسلے (ت)

جواب سوال چہارم صورت مستفسرہ میں ضرور شفعہ باطل ہوجائے گا، اور قریب کو چھوڑ کر بعید کی طرف جانے سے استناد محض باطل وخرط القتاد، مصر واحد میں اس کا جواز اُس صورت میں ہے کہ بعید تک جانے میں قریب پر گزر نہ ہو، اور اگر راہ میں قریب پر گزرا اور اُسے چھوڑ کر بعید کی طرف گیا، قطعاً شفعہ باطل ہوجائے گا، اور یہ ضرور دلیل اعراض ہے۔ محیط، سرخسی، بزازیہ، خانیہ، ہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

لوکان الکل فی مکان حقیقۃ وطلب من

اگر یہ تمام امور ہر محل پائے جائیں اور بعید جگہ والے کو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

[2] 〃 ۶۵/ ۲

ابعدها وترك الاقرب جاز، فكذا هذا الا ان يصل الى الاقرب ويذهب الى الابعد فحينئذ تبطل[1]

طلب کرے اور قریب والے کو چھوڑ دے تو جائز ہے تو یہ بھی ایسے ہے، ہاں اگر قرب پر پہنچ کر ابعد کی طرف جائے تو اس وقت شفعہ باطل ہوجائیگا۔ (ت)

اور یہاں یہی ہوا، بیرون در بھی طلب اشہاد کرسکتا تھا اور اسے چھوڑ کر اندر گیا، اور پردہ کرایا، اور شہود کو لے گیا، اس وقت طلب کی تو یہ اقرب پر گزر کر ابعد کی طرف جانا ہوا، اور ضرور مبطل شفعہ ہے۔

جواب سوال پنجم بیان مدعی وگواہان مدعی کے ملاحظہ سے جو کچھ نظر فقہی میں واضح ہوتا ہے اُن الفاظ کا ناکافی ہونا ہے، حاضر کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے اور غائب کی تسمیہ سے اگر دار میں ذکر حدود ہے، کتب علماء انہیں احد الوجہین سے مالا مال ہیں، اور تصریح ہے کہ مجہول کی طلب صحیح نہیں۔ خلاصہ و وجیز امام کردری میں ہے:

يستحق بطلب، وهو نوعان مواثبة وقد ذكره واشهاد وهو ان يشهد قائلا اطلبها او عبارة يفهم منها طلب الدار ويذكر الحدود[2]

شفعہ کا استحقاق طلب سے ہوتا اور طلب دو قسم ہے، ایک طلب مواثبت جس کا ذکر انہوں نے کردیا ہے، دوسری قسم طلب اشہاد ہے، وہ یہ کہ، میں شفعہ طلب کررہا ہوں، یا کوئی اور عبارت جس سے مکان کی طلب سمجھی جائے، کہہ کر گواہ بنائے، اور مکان کے حدود بھی ذکر کرے۔ (ت)

محیط سرخسی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

انما يصلح طلب الاشهاد بحضرة المشتري او البائع او المبيع، فيقول عند حضرة واحد منهم، ان فلانا اشترى هذه الدار ودارا ويذكر حدودها الاربعة الخ[3]

مشتری یا بائع یا مبیع کے پاس یوں کہے فلاں نے یہ مکان خریدا اور اس کی حدود اربعہ کو ذکر کرے تو طلب درست ہوگی الخ۔

(ت)

فتاوٰی ذخیرہ ونتائج الافکار میں ہے:

صورة هذا الطلب ان يحضر الشفيع عند

اس طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ شفیع اس مکان

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ " ۶/ ۱۶۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الثانی " ۵/ ۱۷۲

الدار ویقول ان فلانا اشتری ھذہ الدار او یحضر المشتری ویقول ھذا مشتری من فلان دارا التی حدودھا کذا الخ او البائع ویقول ھذا باع من فلان دارا التی حدودھا کذا[1] الخ۔

کے پاس حاضر ہوکر کہے کہ تحقیق فلاں نے یہ مکان خریدا ہے یا مشتری کے پاس حاضر ہوکر کہے کہ اس نے فلاں حدود اربعہ والا مکان خریدا ہے یا بائع کے پاس حاضر ہوکر کہے اس نے فلاں حدود والا مکان فروخت کیا ہے الخ (ت)

فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

صورۃ طلب الاشھاد ان یقول الشفیع للمشتری حین لقیہ اطلب منك الشفعۃ فی دار اشتریتھا من فلان التی احد حدودھا کذا والثانی کذا والثالث کذا والرابع کذا (الی قولہ) ولابد ان یبین انہ شفیع بالشرکۃ او بالجوار او فی الحقوق، ویبین الحدود لتصیر الدار معلومۃ[2]۔

طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ شفیع جب مشتری کے پاس آئے تو کہے میں تجھ سے اس مکان کا شفعہ طلب کرتا ہوں جو تُو نے فلاں شخص سے خریدا ہے اور جس کی حدود میں سے ایک یہ ہے، دوسری یہ اور تیسری یہ، اور چوتھی یہ ہے (اس کے قول) اور ضروری ہے کہ وہ بیان کرے کہ میں شرکت کی بنا پر شفیع ہوں یا پڑوس کی بنا پر شفیع ہوں یا حقوق میں شرکت کی بنا پر شفیع ہوں اور حدود کو بیان کرے تاکہ مکان متعین ہوجائے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

صورۃ ھذا الطلب، ان یقول ان فلانا اشتری ھذہ الدار[3] الخ۔

اس طلبِ اشہاد کی صورت یہ ہے کہ فلاں نے یہ مکان خریدا ہے الخ (ت)

یہ محضر دار میں ہے، پھر فرمایا:

وعن ابی یوسف، یشترط تسمیۃ المبیع و تحدیدہ، لان المطالبۃ لا تصح الا

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ مبیع کا نام اور اس کی حدود کا ذکر شرط قرار دیا گیا ہے کیونکہ مطالبہ صرف معلوم چیز میں

---

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ فتح القدیر کتاب الشفعۃ والخصومۃ فیہا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۱۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ فصل فی الطلب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۲

[3] الہدایۃ " باب طلب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۱

فی معلوم[1] | صحیح ہوتا ہے۔ (ت)

یہ غیبت دار و محضر احدالعاقدین میں ہے، غایۃ البیان علامہ اتقانی میں مختصر امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے:

یسمی الدار والارض والموضع و یحدد حتی یستوثق لنفسہ[2] | دار، زمین اور موضع کو نام لے کر ذکر کرے اور اس کی حدود کو بیان کرے تاکہ اپنے لئے معاملہ کو پختہ کرلے۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال القدوری فی شرحہ، وانما شرط ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی تسمیۃ المبیع والتحدید، لان المطالبۃ لاتصح الا فی معلوم، فاذا اشھد علی الطلب ولم یبین المطلوب لم یکن للمطالبۃ اختصاص بمبیع دون مبیع، ولایتعلق بھا حکم[3] | قدوری نے اپنی شرح میں ذکر کیا کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے مبیع کا نام اور اس کی حدود کو ذکر کرنا شرط قرار دیا ہے کیونکہ مطالبہ معلوم چیز میں ہی صحیح ہوتا ہے تو جب اس نے طلب اشہاد کیا اور مطلوب کو نہ بیان کیا تو پھر مطالبہ کا اختصاص کسی ایک مبیع سے نہ ہوسکے گا اور نہ ہی حکم کا تعلق اس سے ہوگا۔ (ت)

یہاں جبکہ دار مشفوعہ سامنے حاضر تھی، اشارہ ضرور تھا، اس کا ذکر مسل بھر میں کہیں نہیں، لہذا حکم وہی چاہئے جو امام قدوری نے فرمایا: لایتعلق بھا حکم (نہ ہی حکم کا تعلق اس سے ہوگا۔ ت) ایسی مہمل طلب پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا، دوسرا فتوٰی مدخلہ مدعی ملاحظہ ہوا، وہ صحیح نہیں اور اُس پر کلام اسی فتوٰی فقیر سے واضح۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹: از ریاست رامپور محلہ مسئولہ جناب غلام حبیب خاں صاحب عرف بدھن میاں صاحب ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں، کہ زید وبکر ایک باغ میں نصف نصف کے شریک تھے، زید نے اپنا حصہ نصفی بدست خالد بیع کیا، بکر بحق شفعہ دعویدار ہوا، اور

---

[1] الہدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۲

[2] غایۃ البیان

[3] غایۃ البیان

بکر نے گواہان طلب مواثبت واشہاد رُوبرُوئے عدالت پیش کیں۔ گواہانِ بکر کا بیان ہے کہ جس وقت مخبر نے حال بیع کا ظاہر کیا تو بکر گھبرا کر کھڑا ہوگیا، اور فوراً اس نے یہ کہا کہ جس قیمت واقعی کو نصف باغ بیع ہوا ہے اسی قیمت کو میں نے بحق شفعہ خود لیا، پس یہ امر یعنی بیٹھے سے کھڑے ہو کر طلبِ مواثبت کرنا داخل تاخیر ہے یا نہیں، دوم یہ کہ بعد طلب مواثبت بکر کا چھڑی لینے گھر میں جانا اور گھر میں سے فوراً واپس آکر مشتری کے مکان پر جانا اور وہاں طلب اشہاد بجالانا شرعاً تاخیر میں داخل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہاں طلبِ اشہاد کو جانا تھا اُس کے بعد اور شفیع کی حالت پر نظر کی جائے، اگر یہ اُتنی دور بے عصا کے نہ جاسکتا تھا تو چھڑی لینے کے لئے گھر میں جانا اور اس کے ملنے پر فوراً آکر روانہ ہونا داخلِ تاخیر نہیں اگرچہ اس کی تلاش میں دس بیس منٹ ہوگئے ہوں کہ امور ضرورت شرعاً مستثنٰی ہیں، اور اگر تلاش دیر کے بعد کی یا مل جانے کے بعد بلاضرورت دیر لگائی یا سرے سے عصا کی حاجت ہی نہ تھی، صرف حسبِ عادت ہاتھ میں لینے کے لئے یہ دیر کی تو یہ بےضرورت تاخیر ہے اور داخل عذر نہیں، یہ طلب اشہاد میں تھا، رہا طلب مواثبت سے پہلے اس کا کھڑا ہوجانا اور بعد قیام الفاظ طلب ادا کرنا، وہ مطلقاً مسقط شفعہ وقاطع فور ہے بلکہ فور درکنار قیام سے مجلس بھی بدل گئی، تو روایت ضعیفہ پر بھی شفعہ کی گنجائش نہ رہی، ہندیہ میں ہے:

طلب الاشهاد مقدر بالتمکن من الاشهاد فمتی تمکن من الاشهاد عند حضرة واحد من هذه الاشياء و لم يطلب الاشهاد بطلت شفعته نفيا للضرر عن المشتری، کذا فی محيط السرخسی[1]۔

طلب اشہاد کسی ایک کے پاس گواہ بنانے کی قدرت پر موقوف ہے تو جب کسی ایک کے پاس اس کو گواہ بنانے کی قدرت ہُوئی اور اس نے طلب نہ کی تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا تاکہ مشتری کے ضرر کو ختم کیا جائے، محیط سرخسی میں ایسے ہی ہے (ت)

اسی میں ہے:

الشفيع اذا علم فی الليل ولم يقدر علی الخروج والاشهاد الی کذا فی الحاوی فی الفتاوی[2]۔

جب شفیع کو خریداری کا علم رات کو ہوا اور جا کر اشہاد کی طلب پر قادر نہ ہوا الخ حاوی فی الفتاوٰی میں یوں ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] " " " " " ۵/ ۱۷۳

فتاوٰی امام اجل قاضی خاں میں ہے :

طلب المواثبۃ وقتہ فور علم الشفیع بالبیع و روی ہشام عن محمد انہ یشترط الطلب فور العلم[1] اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

طلب مواثبت کا وقت شفیع کو بیع کے علم کے فورًا بعد ہے، اور ہشام نے امام محمد سے روایت کی ہے کہ علم کے فورًا بعد طلب کو شرط قرار دیا گیا ہے اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از موضع شوپری تحصیل آنولہ ضلع بریلی مسئولہ واحد علی خاں ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ایک بڑے قطعہ اراضی میں جو صرف ایک زمیندار کی ملکیت ہے اور بہت سے اشخاص بطور رعایا اس اراضی میں اپنے صرف لاگت سے مکان تیار کرکے رہتے ہیں، جب تک وہ آباد رہتے ہیں، ان سے زمیندار کچھ مزاحمت نہیں کرتا، اور بروقت بھاگ جانے یا اُٹھ جانے کے اس ملبہ وغیرہ کا زمیندار مالک ہوجاتا ہے، یا بروقت فروخت کڑی، تختہ، اینٹ وغیرہ زمیندار اُس قیمت سے چہارم لیتا ہے، لیکن کسی باشندہ کو زمین فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے، ایسی حالت میں جب ایک باشندہ اپنا ملبہ وغیرہ کسی دوسرے باشندے کے ہاتھ فروخت کرے، تو تیسرا شخص جو مبیعہ کے ملحق رہتا ہے، دعوٰی حق شفعہ کرتا ہے، تو یہ دعوٰی اس کا صحیح ہے یا باطل ہے، اور اگر مالک زمین زمیندار مذکورہ دعوٰی اپنے حق شفعہ کرے تو وہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

جبکہ وہ زمین کا مالک نہیں، اور تنہا عملہ بیچتا ہے، تو اس میں ہرگز حق شفعہ نہ جار کو ہے نہ مالک زمین زمیندار کو، درمختار میں ہے :

لاتثبت فی بناء ونخل بیعا قصدا ولو مع حق القرار[2] بالاختصار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

عمارت اور درخت کی قصدًا بیع میں شفعہ ثابت نہ ہوگا خواہ برقرار رکھنے کی شرط بھی رکھی ہو، بالاختصار۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از شہر بریلی فراشی محلہ مسئولہ مقصود علی خاں ۶ محرم ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بعمر ۱۰ سال ہے، وہ شرائط شفعہ طلب کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کو اختیار طلب شفعہ کا شرعًا حاصل ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الشفعۃ فصل فی الطلب مطبع نولکشور لکھنؤ ۸۶۰/۴

[2] درمختار " باب ماتثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲۱۴/۲

الجواب

شفعہ طلب کرسکتا ہے، اور اگر اس انتظار میں کہ مجھے طلب کا اختیار ہے یا نہیں طلب نہ کیا تو اب نہیں کرسکتا لفوات المواثبۃ (مواثبت کے فوت ہونے کی وجہ سے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۲: از موضع ریونڈ، ڈاک خانہ مونڈھ ضلع مراد آباد، مسئولہ محمد سمٰعیل خاں کارندہ ۱۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو نے اپنا مکان زید کے ہاتھ فروخت کیا، زید اُس مکان میں خریداری کا نہ تو شفعہ رکھتا ہے اور نہ اس مکان پر قابض ہے، اور نہ اُس کے پاس کرایہ پر ہے بخلاف زید کے بکر کا مکان عمرو کے اس مکان فروخت شدہ کے درمیان دیوار کے نیچے واقع ہے، ایک درمیانی دیوار عمرو کے مکان اور بکر کے مکان کو قطع کرتی ہے، بکر اس مکان کا شفیع ہے اور کچھ ماہ پیشتر سے یہ مکان بکر نے کرایہ پرلے کر اپنا قبضہ کر رکھا ہے، اور اس نے جامع مسجد کے پیش امام صاحب اور اکثر مسلمانوں کے روبرو اُس زید والے مکان کے خرید لینے کا

مکان مسکونہ اسحاق خاں | مکان مسکونہ صدرالدین خاں
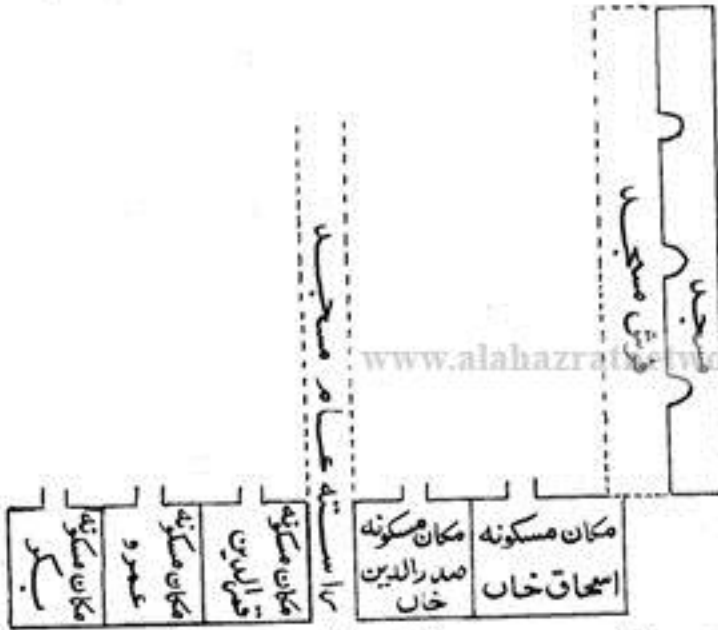
اعلان کیا ہے، زید والے مکان میں کئی حصہ دار ہیں، منجملہ ان حصہ داروں کے کہ جو آپس میں بھائی بہن کا رشتہ رکھتے، ایک حصہ دار کا معاہدہ ہوچکا ہے کہ مکان بکر کو دیا جائے گا، اور اطمینان کے لئے پیشتر بذریعہ کرایہ نامہ قبضہ کرایا گیا ہے، زید نے یہ مکان جامع مسجد کے لئے چندہ فراہم کرکے خرید کیا ہے، جامع مسجد اس مکان سے چار مکان درمیان میں دے کر واقع ہے، مسجد نہ تو بکر کے مقابلہ میں شفعہ رکھتی ہے، نہ مسجد کے کسی صرف کا یہ مکان ہے، سُنا جاتا ہے کہ ایک صاحب نے کہ اپنا مکان جامع مسجد کو بلاقیمت دیتے ہیں، یہ شرط کی ہے کہ اگر وہ مکان جو بکر کے پاس بطور کرایہ کے ہے، اور جس میں وہ شفیع ہے بطور قیمت مسجد کے نام خرید لیا جائے گا تو میں بھی بلاقیمت مکان دے دُوں گا، غالباً بکر کی ایذارسانی اور تکلیف مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ شرط لگائی گئی ہے، بکر کو اول تو مکان دیا بھی نہیں جاتا، اور اگر بکراہت دینا گوارا کیا جاتا ہے تو قیمت بے حد اضافہ کرکے دینا بیان کیا جاتا ہے، بکر اضافہ قیمت کو بالکل گوارا نہیں کرتا اور وہ ہرگز اس بات پر رضامند نہیں کہ کچھ بھی اضافہ دے،

ایسی صورت میں کیا مسجد کو ایسی خریداری جائز ہے، اور زید کا اصلی قیمت سے اضافہ لینا کس حد تک داخلِ حسنات ہوگا اور زید کو ایسا کرنے میں کچھ ثواب مل سکتا ہے جبکہ بکر مکان کے شفیع کا حق باطل کیا جاکر مکان خریدا جائے، اور پھر مسجد کی منفعت کے لئے قیمت اصلی سے زائد بڑھا کر دینا گوارا کیا جائے، باہم مسلمانوں میں اس بارے میں اتفاق نہیں، اکثر اس مکان کی خریداری کے خلاف ہیں کیونکہ مسجد ایک سو کئی روپیہ کی مقروض ہے وہ ادا ہونا چاہئے، پھر شامیانہ اُدھر میں پڑے ہیں جس کے نہ ہونے سے نمازیوں کو تکلیف ہے، ایک مکان عین مسجد کے فرش پر واقع ہے اس کو خرید نہیں کیا جاتا ہے، اس عمرو والے مکان سے پہلے کچھ دن ایک مکان اور مسجد کے سامنے کا فروخت ہوگیا وہ نہیں خرید کیا گیا، مسجد کے بعض ممبران کی رائے اس مکان کی خریداری کی نہیں، مسجد کے پیش امام کو معلوم تھا کہ یہ مکان بکر نے خریداری کی نیت سے کرایہ پر لیا ہے، اور بکر کو تنگیِ مکان کی سخت تکلیف ہے، جواب براہِ کرم پشت عریضہ ہذا پر مہر وغیرہ سے مرتب فرماکر مرحمت فرمایا جائے، جواب کے لئے پتہ یہ ہوگا: بمقام موضع رلونڈہ ڈاکخانہ مونڈہ، ضلع مراد آباد، ڈیرہ زمینداریں پہنچ کر محمد اسمٰعیل خاں کارندہ کو ملے۔

الجواب

قبل بیع شفیع کا کوئی حق نہیں، نہ پہلے سے اس کے پاس کرایہ پر ہونا، یا اس کا اعلان کرنا کہ میں اس مکان کو خریدوں گا، یا پیشتر کسی حصہ دار سے معاہدہ ہوجانا، اسے کوئی ترجیح دے سکتا ہے، بعد بیع خبر پاتے ہی اگر طلب مواثبت و طلب اشہاد بجالائے تو اس وقت ان کا حق ثابت ہوتا ہے، اور اس حالت میں اسے اضافہ کی کیا ضرورت، جتنے کو بیع ہوا اتنے ہی میں لے گا، یہاں سوال میں یہ ہے کہ بکر سے اضافہ مانگتے ہیں اور وہ اضافہ پر راضی نہیں، یہ اگر یوں ہے کہ وہ طلب مذکور بجا نہ لایا، یا اس کے بعد خریدنا چاہا، اور اضافہ پر راضی نہ ہوا تو اس کا کوئی حق نہ رہا، اور اسے نہ دینا اصلاً ظلم نہیں، اور دوسرے کا شفیع نہ ہونا اُسے کچھ فائدہ نہ دے گا جبکہ خود اس کا شفعہ نہ رہا، باقی جو باتیں سوال میں لکھی ہیں کہ دوسرے نے اس مکان کی خریداری پر اپنا مکان مفت دینے کو کہا، یا مسجد پر قرض ہے، یا شامیانے ادھوری ہیں، یا قریب کا مکان پہلے بکا، نہ خریدا، اب موجود ہے، اُسے نہیں لیا جاتا، بعض ممبروں کی رائے اس کی خریداری کی نہ تھی، امام کو بکر کا ارادہ معلوم تھا، بکر کو مکان کی تکلیف ہے، سب بے علاقہ باتیں ہیں، چندہ چندہ دہندوں کی مِلک رہتا ہے، اگر انھوں نے سپرد متولی مسجد نہ کر دیا تھا اس سے پہلے یہ مکان مول لے کر نذر مسجد کیا، جب تو یہ سوال ہی متعلق نہیں کہ اصل قیمت سے زیادہ لینے میں کوئی گناہ ہوا، خریدار کو اختیار ہے جتنے پر چاہے رضا دے۔

قال اللہ تعالٰی الّا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[1]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/۲۹

اور اگر سپردِ متولی مسجد کردیا، متولی نے اصل قیمت سے زائد کو خریدا، تو اگر زیادت فاحش ہے اور اس میں کوئی مصلحت راجحہ مسجد کی نہیں، تو بیشک وُہ گنہ گار ہُوا اور تاوان مسجد کو دے گا، یا بیع فسخ کی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۴۳ از ضلع شاہجہان پور ڈاکخانہ جگرام پور گورہ رائے پور مسئولہ علی حسن خاں صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زمین بیچنے کا ارادہ کیا تو عمرو کو کہلا بھیجا، عمرو نے کل تین ہزار روپیہ اس زمین کا لگایا، زیادہ سے انکار کیا، اب بکر کے ہاتھ زید نے اپنی زمین مذکورہ فروخت کردی پانچ ہزار پر، اب عمرو بذریعہ حق شفعہ اس زمین کو لینا چاہتا ہے، دونوں کا یعنی عمرو و بکر کا زید کی زمین سے دہرا ملا ہے، اور عمرو نے بیع زمین مذکور کے وقت سے بہت روز کے بعد اپنی ناخوشی ظاہر کی، ایسی صورت میں عمرو کو حق شفعہ اس زمین مبیع کا حاصل ہے، اور بیع اول باطل ہوجائے گی یا اس کے برعکس؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بیع سے پہلے عمرو کا خریداری سے انکار کردینا اس کے حق شفعہ کو ساقط نہیں کرتا، اگر بکر کے ہاتھ بیع کی خبر سنتے ہی عمرو طالبِ شفعہ ہوا اور اپنی طلب پر گواہ حسبِ قاعدہ کرے تو اُسے دعوی شفعہ پہنچتا ہے۔ اور اگر دیر کے بعد ناراضی ظاہر کی اور طالبِ شفعہ ہوا تو اس کا حق ساقط ہوگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب القسمة

(تقسیم کا بیان)

مسئلہ ۴۴ از سلی بھیت یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی اکبر نے انتقال کیا، چار پسر دوست محمد، حفیظ اللہ، کریم اللہ، رحمت اللہ، دو دختر جواں، موتی وارث ہوئے، کریم اللہ نے وفات پائی، اس کا بیٹا ننھو ہے، رحمت اللہ فوت ہوا، اس کی بیٹیاں انجوبہ و محمدی ہیں۔ دوست محمد، حفیظ اللہ، ننھو نے جائداد متروکہ مشترکہ کی تقسیم کے لئے زید کو پنچ مقرر کیا مگر جواں، موتی، انجوبہ، محمدی اس پنچایت میں اصلاً شامل نہ تھیں، پنچ نے تمام جائداد متروکہ جس میں ان سب کے حصص شرعیہ تھے، صرف انھیں تین وارثوں پر جنھوں نے اسے پنچ کیا تھا تقسیم کر دی، اور پنچایت نامہ میں لکھ دیا کہ "حصہ شرعی دختران اکبر اور دختران رحمت اللہ کے ہر سہ فریق بقدر رسدی ذمہ دار و دیندار رہیں گے"، وہ چاروں عورتیں اس تقسیم پر راضی نہیں، اس صورت میں یہ پنچایت صحیح و نافذ ہے یا نہیں؛ اور پنچ نے جو تقسیم کی وہ بحال رہے گی یا توڑ دی جائے گی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ پنچایت محض مہمل اور تقسیم بیہودہ و مختل ہے، پنچ کو باقی وارثوں کے حصص میں تصرف کا کس نے اختیار دیا تھا، حکم پنچ کا صرف انھیں تک ہوتا ہے جو اُسے پنچ کریں، باقی کسی پر کچھ ولایت نہیں رکھتا، ہدایہ میں ہے، حکمہ لایلزمہ لعدم التحکیم منہ[1] اس کا حکم لازم نہ ہوگا کیونکہ اس کی طرف سے تحکیم نہیں ہے۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب ادب القاضی کتاب التحکیم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱۴۳/۳

تقسیم کے معنی یہ ہیں کہ حصے جدا جدا ہو جائیں، یہاں جدائی نہ ہُوئی کہ چاروں عورتوں کے حصے سب میں مختلط ہیں، تو یہ تقسیم شرعًا نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

باستحقاق بعض شائع ظهر شريك ثالث لهما والقسمة بدون رضاه باطلة۔[1]

چیز کے کچھ شائع حصہ میں استحقاق پائے جانے سے ایک تیسرا شریک بھی پہلے دونوں کے ساتھ ظاہر ہوا جبکہ شریک کی رضا کے بغیر تقسیم باطل ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

باستحقاق جزء شائع ينعدم معنى القسمة وهو الافراز۔[2]

شائع چیز میں استحقاق کی وجہ سے تقسیم کا معنی فوت ہو جاتا ہے اور تقسیم یہ جدا کرنا ہوتا ہے۔ (ت)

علماء فرماتے ہیں، اگر چند ورثہ قاضی کے یہاں رجوع لائیں کہ مورث نے انتقال کیا اور یہ ترکہ چھوڑا ہم میں تقسیم ہو جائے، اور گواہی دیں کہ ہمارے سوا کوئی وارث نہیں، قاضی تقسیم کر دے، پھر اور وارث ظاہر ہو جو کل متروکہ میں سے کسی حصہ شائعہ مثل سدس یا ثمن وغیرہ کا مستحق ہو، تو بالاجماع وہ تقسیم توڑ دی جائیگی۔ ہدایہ میں ہے:

لواستحق نصيب شائع في الكل تفسخ بالاتفاق۔[3]

اگر کُل میں سے کسی شائع حصہ کا کوئی مستحق ظاہر ہوا تو بالاتفاق تقسیم فسخ ہو جائے گی۔ (ت)

اسی میں ہے:

لانه لو بقيت القسمة لتضرر الثالث بتفرق نصيبه في النصيبين۔[4]

کیونکہ اگر تقسیم کو باقی رکھا جائے تو تیسرے کو نقصان ہوگا بوجہ اس کہ اس کا حصہ باقی دو حصوں میں متفرق ہو گیا (ت)

جبکہ قاضی کی تقسیم جس کی ولایت عموم رکھتی ہے، اور وُہ بھی اس طرح کہ اُس نے دانستہ کسی وارث کو ضرر نہ پہنچایا تھا، بعد ظہور وارث دیگر کے یقینًا فسخ کی جاتی ہے تو پنچ کی تقسیم جس کی ولایت فقط اس کے پنچ کرنے والوں پر ہے، اور وہ بھی یُوں کہ اس نے دیدہ و دانستہ اور وارثوں کے ہوتے ہُوئے ترکہ صرف تین پر بانٹ دیا، اور باقیوں کو حصہ رسد ہر ایک کے حصہ میں سے ٹکڑا ٹکڑا لینے کا مستحق ٹھہرایا، کیونکر قابلِ تقسیم ہو سکتی ہے، پس صورتِ مستفسرہ میں واجب ہے کہ وہ پنچایت رَد کی جائے اور وُہ ناروا تقسیم توڑ دی جائے، اور ازسرِ نو سب وارثوں پر تقسیم شرعی عمل میں آئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] و [2] الہدایۃ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط فی القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹

[3] الہدایۃ " " " " " ۴/ ۴۱۸

[4] " " " " " ۴/ ۴۱۹

مسئلہ ۴۵ از ریاست رامپور، محلہ کنڈہ، مسئولہ جناب محمد سعادت علی خاں صاحب ۲۶ رشوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص چند گھروں کے جو ایک شہر میں ہیں بالاشتراک مالک ہیں، ایک حصہ دار اُن گھروں میں سے اپنے حصہ کی تقسیم چاہتا ہے، اور وہ اپنے حصہ سے بعد علیحدہ ہونے کے بھی نفع اٹھا سکتا ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ ہر گھر میں سے مجھ کو علیحدہ حصہ ملے، ایسی حالت میں از روئے شرع شریف سب گھروں کی یکجائی تقسیم کی جائیگی یا ہر گھر کی جُدا گانہ تقسیم ہوگی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر ہر مکان میں اس کا حصہ قابلِ انتفاع ہے تو ہر مکان سے جدا جدا اسے حصہ دیا جائے گا، ہر گھر میں علیحدہ تقسیم ہوگا۔ درمختار میں ہے:

دور مشترکۃ قسم کل وحدھا منفردۃ مطلقا ولو متلازقۃ او فی محلتین او مصرین[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

چند مشترکہ مکانات میں ہر ایک مکان کو جدا جدا تقسیم کیا جائے گا اگرچہ وہ آپس میں ملے ہوئے ہوں یا دو محلوں میں یا دو شہروں میں ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

---

[1] درمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۰

كتابُ المزارَعَة

(مزارعت کا بیان)

مسئلہ ۴۶ تا ۴۹ مسئولہ محمد مبارک اللہ از پیلپاڑہ ضلع مراد آباد ۲۶ رجب ۱۳۲۹ھ

(۱) شرع شریف کے نزدیک کاشتکار کو کوئی حق موروثیت جیسے قانون انگریزی کے اندر ہے کہ جو شخص بارہ سال سے زائد ایک زمین کو کاشت کرے تو زمیندار کو پھر کوئی مجاز بیدخلی وغیرہ کا نہیں رہتا، حاصل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو خیر اور حق۔

(۲) نہیں تو یہ کاشتکار حلف تلف اور ظالم ہے یا نہیں؟

(۳) اور اس وقت یہ کاشتکار جو زمین کو نہیں چھوڑتا ہے اور لگان حیثیت زمین سے کم دیتا ہے، اور زمیندار بحیثیت قانون انگریزی دعوٰی سے مجبور ہے، تو یہ کاشتکار متبع قانون انگریزی کا، اور مقدم و مرجح قانون کا حکم شریعت پر ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور یہ ظالم اور زمیندار مظلوم ہوا یا نہیں؟

(۴) اور اگر کوئی زمیندار ایسے کاشتکار کے دعوٰی بے دخلی مجبوراً دائر کرے تو صرف اس کا جو کچھ کچہری میں ہوا، اس کے لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب

مجرد مرور مدت سے کچھ نہیں ہوتا اگرچہ بیس برس کاشت کرے، جب مدت اجارہ ختم ہوگئی شرعاً

اُس سے نکال کر دوسرے کو دینا مطلقاً جائز ہے، خواہ زمین مملوک ہو، یا موقوف، یا سلطانی۔ ردالمحتار میں اوائل بیوع میں ہے:

امامجرد وضع الید علی الدکان ونحوھا وکونہ یستاجرھا عدۃ سنین بدون شیئ مما ذکر (اویاتی) فھو غیر معتبر، فللموجر اخراجھا من یدہ اذا امضت مدۃ اجارتہ وایجارھا لغیرہ کما اوضحناہ فی رسالتنا تحریر العبارۃ[1]

مثلاً دکان پر خالی قبضہ رکھنا، اور کئی سال سے اجارہ پر لیا ہونا مذکورہ یا آئندہ ذکر ہونے والی اشیاء کے بغیر ہو تو وہ غیر معتبر ہے تو اجارہ پر دینے والے کو مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد قبضہ کو چھڑانے اور دوسرے کو اجارہ پر دینے کا حق ہے جیسا کہ ہم نے اسے اپنے رسالہ تحریر العبارۃ میں واضح کر دیا ہے (ت)

ہاں اگر زمین ناقابلِ زراعت تھی اس نے اُسے بنایا، کمایا، اس میں چوگزی وغیرہ کھودے یا اس میں اپنی دوسری زمین سے لاکر مٹی بچھائی یا پیڑ لگائے یا کوئی عمارت بنائی،

ویقال للاولی الکراب، والاٰخر دھوما، اذا اضاف فیھا شیئا من ملکہ کتراب وغرس وبناء الکردار، والقبۃ، واذا فعل ھذا فی الحوانیت یسمی جدکا او کدکا فان کان مما لاینقل ویرکب للقرار کالبناء والاغلاق یسمی سکنٰی، والکل یقال لہ مسکۃ، ومشد مسکۃ، وھناک اطلاقات اخر کما یعلم من مساقاۃ العقود وبیوع ابن عابدین

پہلی کو کراب، اور دوسری کو دھوم کہتے ہیں، اور اس میں اپنی کسی ملکیت کا اضافہ کیا مثلاً مٹی ڈالی یا پودے لگائے دالان اور قُبّہ بنایا، اور اگر یہ تصرفات دُکانوں میں کیے تو اسے جدک یا کدک کہا جاتا ہے۔ اگر وہ غیر منقول ہے اور اسے قرار کے لیے مرتب کیا گیا ہے جیسے عمارت اور بڑے دروازے تو اس کو سکنی کہا جاتا ہے اور سب کو مسکہ یا مشد مسکہ کہتے ہیں، اور دیگر اطلاقات بھی یہاں ہیں جیسا کہ عقود الدریۃ کے باب مساقاۃ اور ابن عابدین کے بیوع سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ (ت)

تو اگر وُہ زمین مملوک نہیں بلکہ سلطانی ہے یعنی بیت المال کی، جسے یہاں سرکاری کہتے ہیں، یا وقف ہے تو البتہ ان کارروائیوں سے اس کے لئے حق قرار ثابت ہوگا کہ بلاوجہ شرعی وُہ زمین کبھی اس کے قبضہ سے نہ نکالی جائے گی، اور وہ مرجائے تو اس کا بیٹا اس کے قائم مقام ہوگا، مع تفاصیل مذکورہ فی الفقہ، جامع الفصولین وغیرہ میں ہے:

بنی المستاجر او غرس فی ارض الوقف

اجارہ پر لینے والے نے وقف زمین میں تعمیر کی یا

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷

صار له فیها حق القرار، وھو المسمی بالکردار، له الاستبقاء باجر المثل[1]

پودے لگائے تو اس کو اس زمین میں برقرار رہنے کا حق ہوگا اور اس کو "کردار" کہتے ہیں، اس کرایہ دار کو مثلی اُجرت پر باقی رکھنے کا حق ہوگا۔ (ت)

خیریہ میں ہے:

وقد صرح علماؤنا بان لصاحب الکردار حق القرار، وھو ان یحدث المزارع والمستاجر فی الارض بناء، او غرسا، او کبسا بالتراب باذن الواقف، او باذن الناظر، فتبقی فی یدہ[2]

اور ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ "کردار" والے کو برقرار رہنے کا حق ہے اور "کردار" یہ ہے کہ مزارع یا مستاجر زمین میں کوئی تعمیر کرے یا پودے لگائے یا مٹی بھرے، واقف یا منتظم کی اجازت سے ایسا کیا ہو تو اس کو قبضہ برقرار رکھنے کا حق ہے (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

اذا کان لوقف جامع ارض سلیخۃ معطلۃ غیر صالحۃ للزراعۃ، فاذن متولی الوقف لزید بحرثھا، واصلاحھا، وکبسھا، و زراعتھا لیدفع قسمھا لجھۃ الوقف ففعل زید ذٰلک کلہ ثبت لہ حق القرار، فیھا تبقی بیدہ باجر مثلھا، او بان یؤدی قسمھا المتعارف لجھۃ الوقف المذکور[3]

اگر وقف زمین افتادہ معطل جو زراعت کے قابل نہ ہو تو وقف کے متولی نے زید کو آباد کرنے، اور درست کرنے، مٹی ڈالنے اور کاشت کرنے کی اجازت دی کہ وہ وقف کی مد میں حصہ دے تو زید نے یہ تمام کارروائی کردی تو اس کو زمین پر قرار کا حق حاصل ہوگا اور مثلی اُجرت پر اسی کے قبضہ میں رہے گی اور وہ متعارف حصہ وقف کی مد میں دیتا رہے گا۔ (ت)

ہاں اُس کے سبب وقف پر اندیشہ ہو، یا اُجرت نفس زمین کی بڑھ جائے، اور یہ اضافہ پر راضی نہ ہو تو بیدخل کردیا جائے گا، یونہی اگر تین سال زمین معطل چھوڑ دے گا اس کا حق قرار جاتا رہے گا۔ بیوع ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی خیریہ بحوالہ جامع الفصولین والقنیۃ والخلاصۃ وغیرہا کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۷۹

[2] " " " ۱/ ۱۷۹

[3] العقود الدریۃ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۲۲

فی اوقات الخصاف حانوت اصله وقف و عمارته لرجل، وھو لایرضی ان یستاجر ارضه باجر المثل، قالوا ان کانت العمارة بحیث لو رفعت یستاجر الاصل باکثر مما یستاجر صاحب البناء، کلف رفعه، ویؤجر من غیرہ، والایترك فی یدہ بذلك الاجر اھ[1] یفید انه احق من غیرہ حیث کان مایدفعه اجر المثل۔

خصاف کے باب اوقاف میں ہے کہ دکان کی زمین وقف ہے اور اس کی عمارت کسی شخص کی ہے اور وہ اس زمین کی مثلی اجرت پر راضی نہیں ہوتا تو علماء نے فرمایا کہ متولی کو چاہیے کہ اگر عمارت اٹھائی جاسکتی ہو تو زمین کسی دوسرے کو پہلے کی نسبت زیادہ اجرت پر دے دے اور پہلے کو عمارت اکھاڑنے پر مجبور کرے اور دوسرے کو اجرت پر دے دے، اور اگر عمارت اکھاڑنا ممکن نہ ہو تو پہلے کے پاس اسی اجرت پر رہنے دے۔ (ت)

اسی کے وقف میں ہے:

حیث کان یدفع اجرة مثلھا لم یوجد ضرر علی الوقف فتترك فی یدہ فلومات کانت لورثته الاستبقاء، الا اذا کان فیه ضرر علی الوقف بوجه ما، بان کان ھو او وارثه مفلسا، او سیئ المعاملة، او متغلبا یخشی علی الوقف منه او غیر ذلك من انواع الضرر[2]

اگر مستاجر مثلی اجرت دیتا ہے اور وقف کو ضرر نہ ہو تو اسی کے پاس رہنے دی جائے اور اگر وہ فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کو باقی رکھنے کا حق ہوگا ہاں اگر وقف کو کسی طرح اس میں ضرر ہو مثلاً دکان بوسیدہ ہے اور ورثاء مفلس ہوں یا وہ لاپرواہ ہوں یا وہ غلبہ پانے کی کوشش میں ہوں، اس سے وقف کو خطرہ ہو یا کوئی کسی قسم کا ضرر ہو تو واپس لے لے (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی ذی مسکة فی ارض ترکھا ثلث سنوات اختیارا منه بلاعذر شرعی، فھل سقطت مسکته، الجواب سقط حقه بالترك

ان سے کرایہ دار کی بنائی عمارت کے متعلق سوال ہوا کہ وہ کرایہ دار تین سال سے اپنی مرضی پر دکان کو چھوڑ رکھے بغیر عذر شرعی کے، تو کیا اس سے عمارت پر اس کا حق ختم ہوجائے گا؟ جواب

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

المذکور، کما افتی بہ الخیر الرملی والشیخ اسمٰعیل ویاتی مثلہ عن المعروضات[1]

یہ ہے کہ ہاں اس سے اس عمارت پر مبنی حق ختم ہو جائے گا، جیسا کہ خیر الدین رملی اور شیخ اسمٰعیل نے یہ فتوٰی دیا ہے اور معروضات سے اسکی مثل آئیگا (ت)

اور اگر زمین مملوک ہے، جیسے عام دیہات کی زمین، کہ زمیندار کی ملک ہوتی ہے، تو اس میں شرعًا ہرگز کبھی کسی طرح کاشتکار کو حق قرار ثابت نہ ہوگا اگرچہ اس نے اُس میں باغ بھی لگایا، عمارت بھی بنائی ہو، جب اجارہ یعنی اس کے پٹہ کی مدت ختم ہوگی زمیندار کو اختیار ہوگا کہ زمین اُس سے نکال لے اور اس کے درخت وعمارت کی نسبت اُسے حکم دے کہ زمین خالی کرئے اور درختوں کے کاٹنے عمارت کے کھودنے میں زمین کا زیادہ نقصان دیکھے تو کٹنے کھودنے کے بعد جو قیمت ان درختوں اور عمارت کی ہو اس سے کٹوانے کھدوانے کی اُجرت مجرا کرکے کاشتکار کو دے دے اور پیڑ اور عمارت خود لے لے، اور اگر کاشتکار سے کوئی مدت معین نہیں ٹھہری، یونہی سال بسال کاشت کرتا ہے، تو ہر ختم سال پر زمیندار کو زمین خالی کرانے اور آئندہ اسے زراعت کی ممانعت کردینے کا اختیار ہوگا اگرچہ کاشت کرتے پچاس برس گزر گئے ہوں۔ عقود دریہ میں ہے:

قال فی التجنیس رجل اشتری من رجل سکنی لہ فی حانوت رجل اٰخر مرکبا بمال معلوم لصاحب الحانوت ان یکلف المشتری رفع السکنٰی وان کان علی المشتری ضرر لانہ شغل ملکہ[2]

تجنیس میں فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کی دکان میں رہائشی انتظام کر رکھا تھا تو اس رہائشی شخص سے کسی تیسرے شخص نے اس کا وہ رہائشی انتظام خرید لیا کچھ مال کے بدلے قبضہ لیا تو دکان کے مالک کو حق ہے کہ وہ اس مشتری کو رہائش اٹھانے پر مجبور کرے اگرچہ مشتری کو ضرر بھی ہو کیونکہ مشتری نے اس کی ملکیت کو مشغول کر رکھا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لکن اذا کان ھذا الجدک المسمی بالسکنٰی قائما فی ارض وقف، فھو من قبیل مسألۃ البناء او الغرس فی الارض المحتکرۃ لصاحبہ الاستبقاء باجرۃ مثل الارض

لیکن یہ جدک جس کو سکنٰی کہتے ہیں اگر وقف زمین میں ہو تو وہ کرایہ کی زمین پر عمارت اور پودے لگانے کے مسئلہ کی طرح ہے اس سے اگر وقف زمین کو ضرر نہ ہو تو اس کو مثلی اجرت کے ساتھ زمین

---

[1] العقود الدریۃ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۲۲

[2] " " " " " ۲/ ۲۱۸

حیث لاضرر علی الوقف وان ابی الناظر نظراً للجانبین علی مامشی علیہ فی متن التنویر، وافتی بہ المؤلف تبعاً للخیر الرملی، وقد منا الکلام علیہ فی کتاب الاجارات، ولاینافیہ مافی التجنیس من ان لصاحب الحانوت ان یکلفہ رفعہ، لان ذالک فی الحانوت الملک، والفرق ان الملک قد یمتنع صاحبہ عن ایجارہ، ویرید ان یسکنہ بنفسہ، اویبیعہ، او یعطلہ بخلاف الموقوف المعد للایجار، فانہ لیس للناظر الاان یوجرہ، فایجارہ من ذی الید باجرۃ مثلہ اولی من ایجارہ من اجنبی، لما فیہ من النظر للوقف ولذی الید[1]۔

کو باقی رکھنے کا حق ہوگا اگرچہ وقف کا نگران انکار کرے تاکہ دونوں جانب کی رعایت ہو سکے، متن تنویر کے بیان پر بنا کرتے ہوئے اور اس پر مؤلف نے خیرالدین رملی کی اتباع میں فتوٰی دیا ہے، اس پر ہم نے کتاب اجارات میں کلام کردیا ہے اور یہ بیان تجنیس میں مذکور کے منافی نہیں کہ دکانوں کے مالک کو حق ہے کہ وہ تجاوزات کو اکھاڑنے پر مجبور کرے کیونکہ تجنیس کا یہ بیان نجی ملکیت کے متعلق ہے، وجہ فرق ہے کہ نجی مالک کبھی اپنی ذاتی رہائش یا فروخت یا فارغ رکھنے کے لئے کرایہ پر نہیں دینا چاہتا بخلاف وقف شدہ زمین کہ جس کو کرایہ پر دینے کے لئے ہی تیار کیا گیا ہے تو نگران کو کرایہ کے بغیر چارہ نہیں ہے تو کسی اجنبی کو دینے کی نسبت قابض کو مثلی اُجرت دینا اس کے لئے بہتر ہوگا لہٰذا اس میں وقف اور قابض دونوں کی رعایت ہے۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ کتاب المزارعۃ میں ہے:

لیس لصاحب التیمار رفع ایدیھم عنھا، ولا قلع اشجارھم، اذا لمفوض الیہ من السلطان تناول الخراج، ولیس لہ ملک فیھا، حتی یملک نزع ید مزارعیھا الذین صارلھم فیھا کردار بالغرس للاشجار، والتصرف الکائن منھم فی سائر الاعصار[2] باختصار۔

سرکاری زمین کے نگران کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کرایہ داروں کو ان درختوں سے بے دخل کرے اور نہ ہی وہ درختوں کو کاٹ سکتا ہے کیونکہ سلطان کی طرف سے اس نگران کو صرف خراج وصول کرنے کا اختیار ہے نہ کہ اس کو مالکانہ اختیارات ہیں تاکہ وہ مزارعین کا جن کا وہاں درخت لگانے میں دخل ہے انکو وہاں سے بے دخل کرے جبکہ ایسی زمینوں میں مزارعین کو درخت لگانے کا عام شہروں میں رواج ہے باختصار۔ (ت)

[1] العقود الدریۃ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۹

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب المزارعۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۶۷

ردالمحتار کتاب الاجارہ میں قول مصنف:

لو استاجر ارض وقف، وغرس فیھا، ثم مضت مدۃ الاجارۃ، فللمستاجر استبقاؤھا باجر المثل، اذا لم یکن فی ذلک ضرر ولو ابی الموقوف علیھم الا القلع، لیس لھم ذلک۔[1]

اگر کسی نے وقف زمین کو کرایہ پر لے کر وہاں پودے لگائے پھر کچھ مدت اجارہ جاری رہا تو اس کو مثلی اجرت پر اس اجارہ کو باقی رکھنے کا حق ہے بشرطیکہ اس سے ضرر نہ ہو اور اگر نگران ان کو ہٹانے پر بضد ہو تو اس کو یہ حق نہیں۔(ت)

کے تحت فرمایا:

قید بالوقف لما فی الخیریۃ عن حاوی الزاھدی عن الاسرار من قولہ بخلاف ما اذا استاجر ارضا ملکاً لیس للمستاجر ان یستبقیھا کذلک ان ابی المالک الا القلع، بل یکلفہ علی ذلک، الا اذا کانت قیمۃ الغراس اکثر من قیمۃ الارض، فیضمن المستاجر قیمۃ الارض للمالک، فیکون الاغراس والارض للغارس، وفی العکس یضمن المالک قیمۃ الاغراس فتکون الارض والاشجار لہ، وکذا الحکم فی العاریۃ[2] اھ ما فی الشامی۔

مصنف نے وقف کے ساتھ مقید اس سبب سے جس کو خیریہ نے حاوی الزاہدی سے اس نے الاسرار سے نقل کیا یہ قول کہ بخلاف جب وُہ نجی ملکیت کو اجارہ پرلے تو مستاجر کو اس دخل کی بنا پر اس زمین کو باقی رکھنے کا حق نہیں ہے جبکہ مالک ان درختوں کو اکھاڑ دینے پر مجبور کرے بلکہ مالک اس کو اس پر مجبور کرسکتا ہے ہاں اگر درختوں کی قیمت زمین کی قیمت سے زائد ہو تو پھر مستاجر زمین کی قیمت کا ضمان مالک کو دے کر درختوں اور زمین کا خود مالک بن جائے گا، اور اگر معاملہ بالعکس ہو تو پھر مالک درخت اکھاڑ دینے کا ضامن بنے گا اور درختوں اور زمین کا مالک ہوجائے گا، اور عاریتًا لی ہُوئی زمین کا حکم بھی یہی ہے اھ، شامی کا بیان ختم ہوا۔(ت)

اقول واستثناءہ ما اذا کانت قیمۃ

اقول (میں کہتا ہوں) اس کا درختوں کی قیمت کا

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۷۳

[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۹

الغراس اکثر مبنی علی مسألۃ غصب الساحۃ بالمھملۃ، وفیہا معترک عظیم، والارجح عندنا انہ لایتملک الارض کرھا ان کانت قیمۃ بنائہ وغرسہ اکثر، لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیس لعرق ظالم حق[۱]

زمین کی قیمت سے زائد ہونے کو مالک کے اختیار سے مستثنٰی کرنا یہ خالی زمین کو غصب کرنے پر مبنی ہے اس میں عظیم معرکہ آرائی ہے جبکہ ہمارے ہاں ارجح یہ ہے کہ مستاجر زمین کا جبرًا مالک نہیں بن سکتا اگرچہ عمارت اور پودوں کی قیمت زمین سے زائد ہو کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ظالمانہ دخل کا کوئی حق نہیں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

فان مضت المدۃ قلعہا وسلمہا فارغۃ، الا ان یغرم لہ الموجر قیمۃ البناء والغرس مقلوعا ویتملکہ، قال فی البحر، افاد انہ لایلزمہ القلع ولو رضی المؤجر بدفع القیمۃ، لکن ان کانت تنقص یتملکہا جبرًا علی المستاجر والا فبرضاہ[۲]

اگر مدت اجارہ ختم ہوگئی ہو تو مستاجر اپنے دخل کو ختم کرتے ہوئے درختوں کو اکھاڑ کر خالی زمین مالک کو واپس کرے مگر یہ کہ اگر مالک اُکھڑے درختوں اور تعمیر کی قیمت کو برداشت کرکے خود ان کا مالک بن جائے، بحر میں فرمایا کہ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مستاجر کو درخت اکھاڑنا لازم نہیں اگر مالک قیمت دینے کو تیار ہو، لیکن اگر درخت اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہو تو پھر مالک جبرًا درخت لے سکے گا ورنہ مستاجر کی رضا سے درختوں کا مالک بن سکے گا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ مقلوعا، فی الشرنبلالیۃ، ای ماموراما لکہما بقلعہما و

ماتن کا قول "اکھڑے درختوں کی قیمت" شرنبلالی نے فرمایا: یعنی درختوں اور تعمیر کے مالک کو اکھاڑنے

---

[۱] جامع الترمذی ابواب الاحکام باب احیاء ارض الموات امین کمپنی دہلی ۱/۱۶۶
سُنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الغصب دارصادر بیروت ۶/۹۹
سُنن ابی داوٗد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۸۱
[۲] درمختار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۸۳

انما قومناه بکذا، لان قیمۃ المقلوع ازید من قیمۃ المامور بقلعہ، لکون المؤنۃ مصروفۃ للقلع کذا فی الکفایۃ[1] اھ،

کے حکم پر جو قیمت ہو، ہم نے یہ تفسیر اس لئے کی ہے کہ کبھی اکھڑے درختوں کی قیمت اکھاڑنے کے حکم والی قیمت سے زائد ہوتی ہے کیونکہ اکھاڑنے کا خرچہ بھی ان پر پڑتا ہے۔ کفایہ میں یوں ہے۔ (ت)

اقول وبما ذکرنا تبین ان ما وقع فی حاوی الزاھدی من قولہ، یثبت حق القرار فی ثلثین سنۃ فی الارض السلطانیۃ والملک، وفی الوقف فی ثلث سنین[2] الخ فھو وان حملہ فی العقود الدریۃ علی الکردار، حیث قال المراد بہ (ای بحق القرار) الاعیان المتقومۃ لا مجرد الامر المعنوی، ویدل علی ذلک قولہ فی البزازیۃ لاشفعۃ فی الکردار ای البناء ویسمی بخوارزم حق القرار لانہ نقلی[3] اھ مع ان فی ھذا الحمل ایضا کلاما عندی لان حق القرار بمعنی الکردار لایتوقف علی مرور الاعصار، وانما مبناہ علی النظر للجانبین ورفع الضرار، کما تقدم، وفی اجارۃ الخیریۃ لہ الاستبقاء حیث لاضرر علی الجھۃ (ای جھۃ الوقف) ولزوم الضرر علی الغارس

اقول (میں کہتا ہوں) ہمارے ذکر کردہ سے واضح ہوا کہ حاوی الزاھدی کے اس قول میں کہ سرکاری اور ملکیتی زمین میں تیس سال قبضہ اور وقف کی زمین میں تین سالہ قبضہ سے حق القرار ثابت ہوجاتا ہے، اس میں کلام ہے، اس حق القرار کو اگرچہ عقود الدریہ میں کردار پر محمول کیا ہے جہاں انھوں نے کہا ہے کہ اس سے یعنی حق القرار سے مراد قیمتی سامان (اعیان) مراد ہے نہ کہ صرف معنوی معاملہ، اس پر اس کا قول کہ بزازیہ میں ہے کہ تعمیر شدہ کرداری میں شفعہ نہیں ہے جس کو خوارزم میں حق القرار کہتے ہیں، کیونکہ یہ منقولہ چیز ہے اھ، جبکہ میرے نزدیک اس معنی پر حمل میں بھی کلام ہے کیونکہ حق القرار بمعنی کردار کسی مرورِ زمانہ پر موقوف نہیں ہے اس کی بنیاد تو صرف فریقین کی رعایت اور دفعِ ضرر پر ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، اور خیریہ کے باب الاجارہ میں ہے مستاجر کو قبضہ باقی رکھنے کا اختیار ہے جب وقف کی جہت کو ضرر نہ ہو اور پودے لگانے پر لزوم ضرر

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹
[2] العقود الدریۃ بحوالہ الحاوی الزاہدی کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸
[3] " " " " " " " " " " ۲/ ۲۱۸

وانت علی علم ان الشرع یابی الضرر
خصوصا والناس علی ھذا، وفی
القلع ضرر علیھم، وفی الحدیث الشریف
عن النبی المختار صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم لاضرر ولاضرار فی الاسلام[1] اھ
وفی وقف الدر فی المنیۃ، حانوت
لرجل فی ارض وقف، فابی صاحبہ
ان یستاجر الارض باجر المثل،
ان العمارۃ لو رفعت تستاجر
باکثر مما استاجرہ، امر برفع العمارۃ
و توجر لغیرہ، والا تترک فی یدہ
بذلک الاجر ومثلہ فی
البحر[2] اھ قال الشامی لان
فیہ ضرورۃ، بحر عن المحیط، و
ظاھر التعلیل ترکھا بیدہ ولو بعد فراغ
مدۃ الاجارۃ لانہ لو امر برفعھا لتؤجر
من غیرہ یلزم ضررہ، و
حیث کان یرفع اجرۃ مثلھا
لم یوجد ضرر علی الوقف،
فتترک فی یدہ لعدم
الضرر علی الجانبین[3] الخ، و

میں حرج بھی نہ ہو، اور آپ کو معلوم ہے کہ شریعت
ضرر کو برداشت نہیں کرتی خصوصًا جب عوام مبتلا ہوں
جبکہ درخت اکھاڑنے میں ضرر ہے، حدیث شریف میں
حضور نبی مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے
"اسلام میں ضرر دینا اور ضرر میں مبتلا رہنا نہیں
ہے" اھ، اور درمختار میں منیہ سے منقول ہے کہ کسی
شخص کی وقف زمین میں دکان ہو اور وہ دکان والا
مثلی اجرت پر آئندہ اجرت پر انکار کرے جبکہ عمارت
اٹھادی جائے تو وہ زمین اس کی اجرت سے زیادہ
اجارہ پر دی جاسکتی ہے تو اس مستاجر کو اپنی عمارت
اٹھالینے کا پابند کیا جائے اور وہ زمین غیر کو اجارہ پر
دی جائے، ورنہ اسی اجرت میں اسی کے قبضہ میں
رہنے دی جائے، اس کی مثل بحر میں ہے، اھ،
علامہ شامی نے فرمایا کیونکہ اس میں ضرورت ہے، محیط
سے بحر میں ہے اور علت کا ظاہر بتاتا ہے کہ اس کے
قبضہ میں رہنے دی جائے اگرچہ مدت اجارہ ختم
ہوچکی ہو کیونکہ اگر اس کو عمارت اٹھانے کا پابند
کیا اور غیر کو دی جائے تو اس سے مستاجر کو ضرر ہوگا
جبکہ اٹھادینے کے باوجود مثلی اجرت نہ ملے تو وقف
کو نقصان ہے لہذا اسی کے قبضہ میں رہنے دی جائے
اس میں دونوں فریقوں کی رعایت ہے الخ، اور

۱؎ فتاوٰی خیریہ — کتاب الاجارۃ — دارالمعرفۃ بیروت — ۲/ ۱۳۱
۲؎ درمختار — کتاب الوقف — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۳۸۴-۸۵
۳؎ ردالمحتار — " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۳/ ۳۹۱

علیٰ کل، فلفظة الملك لامحل له ھنا کما قد منا عن نفس حاوی الزاھد عن الاسرار فضلا عن سائر معتمدات الاسفار۔

بہرصورت حاوی الزاہدی کا وہاں ملک کو ذکر کرنا بے محل ہے جیسا کہ خود حاوی الزاہدی کی الاسرار سے نقل ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں چہ جائیکہ باقی معتمد کتب کو ذکر کیا جائے۔ (ت)

بالجملہ دیہات مملوکہ میں کاشتکار کے لئے کسی حال کسی مدت میں حق قرار جسے آج کل حق موروثی کہتے ہیں شرعًا ہرگز حاصل نہیں ہوتا، وُہ صرف قانونی بات ہے، تو اگر بے رضائے زمیندار بدعوٰی موروثی جبرًا قابض ہے، یا لگان اس کی مرضی سے کم دے تو عنداللہ وُہ کاشتکار ضرور ظالم و غاصب و گنہگار، اور حق العبد میں گرفتار ہے، یہاں اگرچہ قانونی مجبوری زمیندار کو عاجز رکھے مگر روزِ قیامت اللہ عزوجل کے حضور کاشتکار کو کوئی عذر نہ ہوگا، بااین ہمہ اگر زمیندار دعوٰی بے دخلی دائر کردے تو کاشتکار کے خرچہ پانے کا مستحق نہیں کہ مدعی کو خرچہ دلانا بھی حکمِ شریعت کے بالکل خلاف ہے اگرچہ مدعی مظلوم ہی ہو۔ عقود دریہ میں ہے:

سئل فی رجل کفل اٰخر عند زید بدین معلوم ثم طالبه زید به والزمه به لدی القاضی، فطلب زید ان یدفع له الرجل قدر ماصرفه فی کلفة الالزام، فدفعه له، ویرید الرجل مطالبة زید بما قبضه من کلفة الالزام، فهل له ذٰلك، الجواب نعم[1] اھ باختصار وکتب المولی المنقح رحمه الله تعالٰی ھامشه لایلزم بکلفة الالزام۔

ایک مقروض شخص نے دوسرے شخص کو زید کے معلوم قرضہ کا کفیل بنایا پھر زید نے اس کفیل پر قرض کا لزوم بنانے کے لئے اس کفیل کو قاضی کے ہاں طلب کرایا تو قاضی کے ہاں کفیل پر الزام ہوگیا تو اب زید اپنے مقروض شخص سے قاضی کے ہاں الزام کے خرچہ کا مطالبہ کرے اور وہ خرچہ زید کو دے دے اور اب وہ مقروض شخص زید سے خرچہ کی دی ہوئی رقم کا واپس لینے کے لئے مطالبہ کرے تو کیا اس کو واپس لینے کے لئے مطالبہ کا حق ہے، الجواب، ہاں حق ہے اھ، اس کے حاشیہ پر تنقیح کرنیوالے حضرت نے لکھا کہ الزام کی کاروائی کا خرچہ لازم نہیں کیا جاسکتا۔ (ت)

ہاں اگر زمیندار اُس سے کہہ دے کہ آئندہ سے اس زمین پر اتنی لگان تجھے دینی ہوگی، اور کاشتکار نہ اضافہ کرے نہ زمین چھوڑے بلکہ خاموش رہے اور زراعت کئے جائے، تو اس کا وُہ سکوت ہی شرعًا قبول ٹھہرے گا، اور اس دن سے وہی لگان اُس پر لازم ہوگی، مگر زمیندار اُس سے وصول نہیں کرسکتا

---

[1] العقود الدریة کتاب الکفالة ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۳۰۸

تو یہ خرچہ کی رقم اُسی آتے ہوئے میں وصول کرلے کہ اُس کا لینا قانوناً بنام خرچہ ممکن ہے، اور شرعاً بوجہ اضافہ جائز ہے، درمختار میں ہے:

السکوت فی الاجارۃ رضاوقبول، فلو قال للساکن اسکن بکذا والا فانتقل، او قال الراعی لا ارضی بالمسمی بل کذا، فسکت لزم ما سمی[1]

عقد اجارہ میں سکوت رضا اور قبول قرار پاتا ہے تو اگر مالک نے کرایہ دار رہائشی کو کہا' اتنے معاوضہ پر رہائش رکھنی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ یہاں سے منتقل ہوجاؤ، یا نگران نے اسے کہا میں مقررہ معاوضہ لینے پر راضی نہیں بلکہ اتنا چاہتا ہوں تو کرایہ دار خاموش رہا تو اس پر مالک کا ذکر کردہ لازم ہوجائے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیۃ، اکتری دارًا سنۃ بالف، فلما انقضت قال ان فرغتہا الیوم والا فھی علیك کل شہر بالف، والمستاجر مقرلہ بالدار، فانا نجعل فی قدر ماینقل متاعہ باجرالمثل، وبعد ذلك بما قال المالك[2]

تاتارخانیہ میں ہے سالانہ ایک ہزار کرایہ پر مکان دیا سال ختم ہونے پر اس نے کرایہ دار کو کہا اگر تُو آج مکان فارغ کردے تو بہتر، ورنہ ماہانہ کرایہ ایک ہزار تجھ پر لازم ہوگا جبکہ کرایہ دار مکان کی ملکیت کا معترف ہے تو اس کو سامان منتقل کرنے کی مدت مثلی اُجرت پر ہم تسلیم کرینگے اور اس کے بعد مالک کے قول کے مطابق ادا کرے گا۔ (ت)

اسی طرح اگر خود زمین کی لگان بڑھ گئی، وہ اور اس کے گرد و پیش کی زمینیں پہلے ایک روپے بیگھہ تھیں، اب مثلاً دو روپے بیگھہ ہوگئیں، اور اس کی مدتِ اجارہ ختم ہوگئی، اور مالک نے اضافہ چاہا، تو اس پر بھی شرعاً دو روپے کی شرح لازم ہوگئی، اگرچہ نہ صرف سکوت بلکہ کاشتکار صراحۃً انکار کرتا رہا ہو،

لانہ لما تمت اجارتہ، وطلب المالك الزیادۃ، فابی صار غاصبا، والارض معدۃ للاستغلال، ولیس للمزارع تاویل ملك لعدمہ، ولاعذر لانتہائہ، فیجب علیہ

کیونکہ جب کرایہ داری کی مدت ختم ہوگئی ہو اور مالک زائد کرایہ طلب کرتا ہو تو مستاجر کے انکار کردینے کے بعد رہائش غاصبانہ ہوگی جبکہ زمین کرایہ حاصل کرنے کے لئے ہی مختص ہے اور مزارع کو ملکیت کا بھی عذر نہیں کیونکہ وہ مالک نہیں اور نہ ہی مدت

---

[1] درمختار کتاب الاجارہ مسائل شتی عن الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۸۶

[2] ردالمحتار " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۵۶

باجرۃ المثل، وھی الاٰن ربیتان۔

اجارہ کے ختم ہونے میں عذر ہے تو اس پر مثلی اجرت کا کرایہ لازم ہوگا جو کہ اب دو روپیہ (مثلاً) ہے (ت)

درمختار میں ہے:

منافع الغصب لاتضمن عندنا، الا فی ثلث، فیجب اجرالمثل ان یکون المغصوب وقفا اومال یتیم، اومعدا للاستغلال، الا فی المعد للاستغلال اذا سکن، بتاویل ملک او عقد فلاشیئ علیہ[1] اھ ملتقطا۔

غصب کے منافع ہمارے نزدیک قابلِ ضمان نہیں ہیں ماسوائے تین مواقع کے، ایک یہ کہ مغصوب وقف ہو تو اس کی مثلی اُجرت لازم ہوگی، دوسرا یہ کہ وہ مغصوبہ چیز یتیم کا مال ہو، تیسرا یہ کہ وہ چیز کرایہ حاصل کرنے کے لئے مختص ہو، ہاں اگر ملکیت کی تاویل سے اس کرایہ والی زمین میں رہائش پذیر ہو تو پھر اس پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا اھ ملتقطا (ت)

تو بنام خرچہ جو کچھ ملے اس اضافہ میں جو شرعاً اس پر لازم ہو چکا وصول کرلے لانہ ظفر بجنس حقہ (کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس پر قابض ہوا ہے ت) ردالمحتار میں ہے:

اذالم یمکنہ الرفع للحاکم، فاذا ظفر بمال مدیونہ، لہ الاخذ دیانۃ، بل لہ الاخذ من خلاف الجنس علی ماننذکرہ قریبا[2]۔

جب حاکم کے ہاں پیش کرنا ممکن نہ رہے تو جب اپنے مدیون کے مال پر کامیابی پالے تو قبضہ میں لے لے، یہ اس کو دیانۃً اجازت ہوگی، بلکہ اس کو اپنے حق کی جنس کے خلاف بھی اس کا مال ملے تو قبضہ کرلے جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ (ت)

اور اگر اجارہ کی کچھ مدت مقرر نہ کی یوں ہی سال بسال کاشت کرتا چلا آتا ہے، جب تو ختم ہر سال پر زمیندار کو اختیارات مذکورہ حاصل، اور احکام مذکورہ نافذ ہیں، کہ اس سے ہر سال پر نیا اجارہ منعقد ہوتا ہے کما اشرنا الیہ (جیسا کہ ہم نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے) درمختار میں ہے:

اٰجرحانوتا کل شھر بکذا، صح فی واحد فقط، واذاتم الشھر، فلکل فسخھا بشرط حضور الاٰخر لانتھاء العقد الصحیح، وفی

ایک دکان کسی معینہ معاوضہ پر ماہانہ اجرت پر دی تو صرف ایک ماہ کا یہ اجارہ صحیح ہوگا اور جب مہینہ ختم ہوجائے تو دونوں میں سے ہر ایک فریق کو اس کے فسخ کا اختیار ہوگا بشرطیکہ

---

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸-۹

[2] ردالمحتار کتاب السرقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰

کل شهر سکن فی اولہ صح العقد فیہ ایضا[1] الخ باختصار۔

دوسرا فریق وہاں موجود ہو، کیونکہ صحیح عقد ختم ہوگیا ہے اور جس مہینہ کی ابتداء میں وہاں رہائش پذیر رہا اس مہینہ کے اجارہ کا عقد بھی صحیح قرار پائیگا الخ باختصار (ت)

بالجملہ یہ قاعدہ کلیہ نفیسہ جلیلہ حفظ کرنے کا ہے کہ جب کسی کا دوسرے پر کچھ آتا ہو، یا اس سے لینے کا شرعًا حق رکھتا ہو، اور اپنے اس حق تک قانونًا نہ پہنچ سکتا ہو، تو اس کے وصول کے لئے کسی ایسے امر کا ارتکاب جو قانونًا ناجائز ہو، اور جُرم کی حد تک پہنچے شرعًا بھی ناجائز ہوگا کہ ایسی بات کے لئے جرم قانونی کا مرتکب ہوکر اپنے آپ کو سزا اور ذلت کے لئے پیش کرنا شرعًا بھی روا نہیں،

قال تعالٰی لاتلقوا بایدیکم الی التهلکة[2]، وقد جاء الحدیث عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتهی المؤمن ان یذل نفسہ[3]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ اور حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد منقول ہے کہ آپ نے مومن کو اپنا نفس ذلت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ (ت)

مگر جب کوئی ایسا ذریعہ پائے کہ قانونًا کوئی رقم اس سے وصول کرسکے تو اجازت ہے کہ اس نیت جائزہ سے اسے لے اگرچہ قانونًا کسی دوسرے نام سے ملے،

فان الشیئ اذا وصل الی مستحقہ من المستحق علیہ، جعل واصلامن الجهة التی یستحقہ، کما فی الدر المختار[4]، وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[5]

تو بیشک جب مستحق کو اپنے مدیون کی کوئی چیز ہاتھ لگے تو اس کو استحقاق کے طریقہ پر پہنچا تصور کیا جائیگا جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے، حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اعمال کا اعتبار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اسکی نیت کا ثمرہ ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

[3] مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۵/ ۴۰۵

[4] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[5] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

اور یہ ضرور ہے کہ شرعی اجازت سے آگے نہ لے، مثلاً سَو روپے آتے تھے تو سَو یا سَو سے کم لے سکتا ہے زیادہ جائز نہیں، اور یہ بھی لحاظ رہے کہ شرع مطہر جس طرح بُرے کام سے منع فرماتی ہے یونہی بُرے نام سے، تو ایسے ذریعہ سے بچے جس میں اگرچہ یہ اپنی نیت کے سبب لیتا آتا، یا ایک شئی مباح لیتا ہو جس میں اُس پر مواخذہ نہیں مگر وُہ ظاہری ذریعہ ایسا ہو جس سے بدنامی ہو، لوگ اسے مرتکب حرام سمجھیں، غیبت کریں، جیسے سود کا نام، تو اس سے بھی بچے اور صبر کرے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

مسئلہ ۵۰ تا ۵۳ از موضع ننگلہ ہریہ، تحصیل موانہ، ڈاک خانہ بہلادوہ، ضلع میرٹھ، مرسلہ سید اکبر علی ۳ شعبان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کاشتکار موروثی ہے، اور لگان بحساب دُو روپیہ فی بیگھہ زمیندار کو ادا کرتا ہے، اور وُہ زمین جو زیر کاشت موروثی زید ہے اصل میں للعہ فی بیگھہ کے لگان کی ہے کیونکہ اس اراضی سے ملحقہ اور ہم حیثیت اراضی مبلغ للعہ فی بیگھہ لگان پر کاشت کرائی جارہی ہے، اور دوسرے کاشتکار خوشی سے للعہ فی بیگھہ لگان پر کاشت کرتے ہیں زمیندار کا بہت بڑا نقصان ہے اور کاشتکار مذکور زمیندار کے کہنے سے لگان میں اضافہ نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ شرعاً نالش کردو، بعد ہوجانے ڈگری کے لگان زیادہ دُوں گا، اور زمیندار خود تو اضافہ نہیں کرسکتا کیونکہ کاشتکار رضامند نہیں، اور کچہری سے بچند وجوہ ہو نہیں سکتا، اس معاملہ میں وکلاء سے بہت زیادہ تحقیق کرلی گئی ہے، اگر کاشتکار لگان اس وقت جبکہ قانون نے اس پر واجب کیا ہے نہ ادا کرے، اور زمیندار محض اپنے نقصان کی تلافی کی غرض سے لگان کے روپیہ پر سُود لگادے اور کہہ دے کہ میں اپنے لگان میں لیتا ہوں تو کچھ گناہ تو نہیں ہے، اس طریقہ سے کچھ تلافی نقصان ہوجائے گی۔

دوم یہ کہ اگر زمیندار کچہری میں ایک سچّی بات کو چھپائے اور جھُوٹی بات کو ظاہر کرے تو اپنے نقصان کی معمولی سی تلافی کرسکتا ہے اور اراضی موروثی کا اس کے قبضہ سے نکل جانا بھی ممکن ہے، اس جھوٹی بات کو ظاہر کرنے سے جو زمیندار محض اپنے نقصان کی تلافی کی غرض سے کرتا ہے کوئی گناہ ہوگا یا نہیں؟

سوم یہ کہ کاشتکار موروثی کا کوئی حق ہے یا نہیں؟

چہارم یہ کہ شریعتِ مطہرہ کے نزدیک زمیندار کی مالی نقصان کی تلافی مال سے کیونکر ممکن ہے؟ فقط۔

الجواب

جواب سوال اول وسوم وچہارم، شرع مطہر کے نزدیک مملوک زمینوں میں جیسی عام دیہات کی زمینیں ہیں کہ زمینداران کے مالک ہیں اصلاً کبھی کسی طرح حقِ موروثی حاصل نہیں، شرعاً

زمیندار کو اختیار ہے کہ جب پٹہ کی میعاد ختم ہو، یا اگر کاشتکار سے کوئی میعاد معین نہ ٹھہری تو جس خاص سال پر چاہے کاشتکار سے کہہ دے کہ اب سے کاشت چھوڑ دے مجھے زمین تجھ کو دینا منظور نہیں، اس کہنے سے وہ زمین سے شرعاً بے تعلق ہو جائے گا' اور اسے حرام ہوگا کہ قبضہ نہ چھوڑے، اگر نہ چھوڑے گا غاصب ہوگا' اور اس کے بعد سے عند الشرع اس پر وہی چار روپے بیگھہ واجب ہوگا جو وہاں اُس حیثیت کی زمینوں کی عام شرح ہے اگر نہ دے گا اور وہی دو روپے بیگھہ ادا کرتا رہے گا تو بحکم شرع وہ فی بیگھہ دو روپے سال کا مدیون ہوتا رہے گا، مثلاً ایسی زمین پچاس بیگھے اُس کی کاشت میں ہے تو زمیندار کے سو روپے سال ہمیشہ اس پر چڑھتے رہیں گے جب تک زمین نہ چھوڑے، نیز زمیندار کو اختیار ہے کہ ختم میعاد یا صورت ثانیہ میں جس خاص سال پر چاہے اس سے زمین نکالنے کو نہ کہے، بلکہ یوں کہے کہ آج سے یہ زمین چار روپے یا دس روپے بیگھہ ہے (جو وہاں اس زمین کی عام شرح ہو رہی ہے، خواہ اس قدر کہے یا اس سے کم یا جس قدر چاہے زیادہ، مثلاً سو روپے بیگھہ، ہزار روپے بیگھہ) اگر کاشتکار اپنے زعم پر کہ یہ بغیر چارہ جوئی قانونی کیا کر سکتا ہے، خاموش رہا اور کاشت کی، تو جتنا اس نے کہہ دیا تھا اس پر دین ہو رہے گا، اور اگر وہ سکوت نہ کرے بلکہ رَد کر دے، مثلاً کہے میں تو وہی دو روپے دوں گا زیادہ نہ دوں گا، تو یہ پھر اپنے کلام کا اعادہ کر دے یہاں تک کہ وہ خاموش ہو رہے اور دیکھے کہ نہیں چھٹا تو کہہ دے مجھے تجھ کو دینا منظور نہیں، اس کے بعد کاشت کرے گا، تو وہی عام شرح مثلاً چار روپے اس پر لازم آئیں گے، ان طریقوں سے یہ تو ہوگا نہیں کہ زمیندار قانوناً دو روپے بیگھہ سے زائد لے سکے، جب تک باضابطہ اضافہ نہ کرائے جو ہزار دقتیں رکھتا ہے، نہ یہی ممکن کہ زمیندار اس بناء پر کہ شرعاً اس کے اجارہ سے نکل گئی اُسے خود بے دخل کر دے اور نہ صرف قانوناً بلکہ عند الشرع بھی زمیندار کو جائز نہ ہوگا کہ شرع مطہر ایسی بات کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے یا ذلت کے لئے پیش کرنے کی سخت ممانعت فرماتی ہے تو ایسی صورت کا ہر جرم قانونی اس عارض کی وجہ سے خود جرم شرعی اور گناہ ہے۔ ان طریقوں سے یہ نفع ہوگا کہ جب کاشتکار عند الشرع اس کا مدیون ہو لیا اور وہ دین قانوناً وصول ہو نہیں سکتا، تو کاشتکار سے جو رقم قانوناً وصول کر سکے، اور شرعاً وہ رقم ناواجب ہو اسے قانونی ذریعہ کے نام سے وصول کرے، اور اپنے لئے آتے ہوئے میں مجرا کرلے جبکہ یہ رقم اُس قدر دین سے زائد نہیں، مثلاً کاشتکار پر لگان یا اضافہ یا بیدخلی یا کسی قسم کی کوئی نالش کرے جس کی حاجت زمینداروں کو اکثر پڑتی ہے، اور وہ نالش ڈگری ہو تو شرعاً مدعی کو اگرچہ حق پر ہو مدعا علیہ سے خرچہ لینا جائز نہیں، یہ خرچہ لے اور اُسے اپنے دین میں محسوب سمجھے یا زمینداریوں میں اکثر معمول ہے کہ کاشتکاروں سے لکڑی، اُپلا، بھس وغیرہ اُگھائی لیتے ہیں، یا ہل بیل گاڑی سبیل وغیرہ میں' اور یہ شرعاً جائز نہیں، ان کو وصول کرے اور اس میں مجرا لے، لکڑی وغیرہ قیمت کے اعتبار سے، اور بیل

وغیرہ اجرت کے لحاظ سے، یونہی اگر قسط چُوکنے سے یا لگان تقاوی وغیرہ پر سُود کا نام کرے اور سُود کی نیت نہ ہو بلکہ اسی دین میں وصول کرے تو یہ رقم بھی شرعًا اس کے لئے مالِ حرام نہ ہوگی، مگر اس سے احتراز یُوں لازم ہے کہ شرع نے جس طرح بُرے کام سے منع فرمایا بُرے نام سے بھی منع فرمایا، اور اپنے آپ کو بلاضرورتِ شرعیہ مطعون کرنا مسلمانوں کو اپنی غیبت و بدگوئی میں مبتلا کرنا شرعًا منع ہے، سُود کے نام لگانے سے لوگ اصل حقیقت کو نہ جانیں گے، اور اُسے معاذاللہ سود خور کہیں گے، بدنام کریں گے، یہ کس کس کو اپنی نیت اور معاملہ کی اصل حالت بتاتا پھرے گا، ایسی بات سے احتراز چاہیے بخلاف خرچہ اُگھائی، سہیل بیگار معمولی و رائج اشیاء کے، کہ عوام ان پر مطعون و بدنام نہ کریں گے، غرض کاشتکار کہ شرعًا ناجائز قبضہ رکھے، مدیون بنانے کے وہ طریقے ہیں اور اپنے مالی نقصان کی تلافی کی یہ صورتیں، بغیر ان طریقوں کے صرف اس وجہ سے کہ گردوپیش کی زمینوں کی شرح بڑھ گئی ہے، کاشتکار پر دو روپے بیگھہ سے زیادہ کچھ واجب نہ ہوگا، اور یہ زیادہ لے گا تو ناواجب لے گا، اس مجمل بیان کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اس میں شرعی اطاعت بھی رہے اور قانونی رعایت بھی اور مالی حفاظت بھی، اور ان اصول مسائل سے آج کل کے بہت ذی علم بھی غافل ہیں عوام تو عوام، اب ہم بعض عبارات ذکر کریں کہ تفصیل موجبِ تطویل،

فی ردّ المحتار عن الخیریۃ عن الحاوی عن الاسرار اذا استاجر ارضا ملکا لیس للمستاجر ان یستبقیھا کذٰلک ان ابی المالک الا القلع بل یکلفہ علٰی ذٰلک[1]۔

ردالمحتار میں خیریہ سے انھوں نے حاوی سے بحوالہ الاسرار نقل کیا کہ اگر کسی نے کسی نجی ملکیت کو اجارہ پر لیا تو مستاجر کو حق نہیں کہ اس کو اپنے لئے باقی رکھے جس طرح سرکاری زمین کو باقی رکھ سکتا ہے جبکہ مالک اس کو اپنے تجاوزات ختم کرنے پر مصر ہو بلکہ مالک اس کو پابند بنا سکتا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

قال للساکن اسکن بکذا والا فانتقل، فسکت، لزم ما یسمی[2]۔

جب مالک نے کرایہ دار کو کہا اگر رہنا ہو تو اتنے معاوضہ پر رہو ورنہ منتقل ہوجاؤ تو اس پر کرایہ دار خاموش رہا تو مالک کا ذکر کردہ معاوضہ اس پر لازم ہوجائیگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹

[2] درمختار ؍ مسائل شتّٰی من الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۶

یجب اجر المثل فی المعد للاستغلال[1]

کرایہ حاصل کرنے کے لئے مخصوص شدہ زمین کی مثلی اجرت لازم ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

الاصل ان المستحق بجھۃ اذا وصل الی المستحق بجھۃ اخری اعتبر واصلا بجھۃ مستحقہ ان وصل الیہ من المستحق علیہ والا فلا، وتمامہ فی جامع الفصولین[2]

مستحق کو اس کا استحقاق کسی دوسرے طریقہ سے بھی ملے تو وہ استحقاق کے طریقہ پر ہی متصور ہوگا بشرطیکہ اس کو مدیون کی جانب سے پہنچے، ورنہ نہیں، اس کی تمام بحث جامع الفصولین میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا لم یمکنہ الرفع للحاکم فاذا ظفر بمال مدیونہ لہ الاخذ دیانۃ، بل لہ الاخذ من خلاف الجنس[3]۔

جب اس کو حاکم کے ہاں پیش کرنا ممکن نہ رہے تو جب اپنے مدیون کا مال ہاتھ لگے تو دیانۃً اس کو لینا جائز ہے بلکہ حق کی جنس کے خلاف بھی مال ملے تو لینے کا حق ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان[4] واللہ تعالٰی اعلم۔

آج کل فتوٰی یہ ہے کہ مدیون کے کسی بھی مال پر قدرت پائے تو لینا جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

جواب سوال دوم: جھوٹ بولنا حرام ہے، ہاں اپنا حق وصول کرنے یا اپنے اوپر سے ظلم دفع کرنے کے لئے پہلودار بات کی اجازت ہے، جس کا ظاہر کذب ہو اور باطن میں صحیح معنی مراد ہوں، وہ بھی اسی حالت میں کہ صدق محض سے وُہ حق نہ ملے اور ظلم نہ ٹلے، ورنہ یہ بھی جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

الکذب مباح لاحیاء حقہ ودفع الظلم عن نفسہ، والمراد التعریض، لان عین

اپنے حق کو ثابت اور ظلم کو ختم کرنے کے لئے جھوٹ مباح ہے، اس جھوٹ سے مراد تعریض ہے نہ کہ

---

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۰۸-۲۰۰
[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد " " " ۲/۲۸
[3] ردالمحتار کتاب السرقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۰۰
[4] ردالمحتار کتاب الحجر " " " ۵/۹۵

الکذب حرام[1] عین جھوٹ، کیونکہ یہ حرام ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حیث ابیح التعریض لحاجۃ لایباح لغیرھا، لانہ یوھم الکذب[2]۔ جہاں کسی حاجت کی وجہ سے تعریض جائز ہے وہاں بغیر حاجت جائز نہیں، کیونکہ تعریض جھوٹ کا وہم پیدا کرتی ہے (ت)

ہاں اگر ظلم شدید ایسا ہو کہ قابلِ برداشت نہیں، ضرر ایسا سخت ہے جس کا مفسدہ کذب کے مفسدہ سے بڑھ کر ہے، اور اس کا دفع بے کذب ناممکن ہو تو بمجبوری اجازت پا سکتا ہے لان الضرورات تبیح المحظورات (کیونکہ ضروریات ممنوع چیزوں کو مباح کرتی ہیں۔ ت)، ردالمحتار میں منقول:

ینبغی ان یقابل مفسدۃ الکذب بالمفسدۃ المترتبۃ علی الصدق فان کانت مفسدۃ الصدق اشد فلہ الکذب، وان بالعکس او شک حرم[3]، وقد نقلنا القول فیہ فی فتاوٰنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ جھوٹ کے فساد اور صدق پر مرتب ہونیوالے فساد کا تقابل کیا جانا مناسب ہے اگر صدق پر مرتب فساد شدید ہو تو جھوٹ مباح، اور اگر معاملہ بالعکس ہو یا دونوں صورتوں میں شک ہو تو پھر کذب حرام ہے' اور فیصلہ کن قول ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے' واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از کرتولی مرسلہ حکیم رضا حسین خاں سلمہٗ ۷ جمادی الآخرۃ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مشترک گاؤں میں اگر ایک شریک بے اذن دیگر شرکاء خود کاشت کرے، تو جائز ہے یا نہیں؟ اور دیگر شرکاء اس سے اپنے حصے کی لگان لیں گے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زمین مشترک میں ایک شریک کا زراعت کرنا اگر باذن جمیع شرکاء ہے، بلاشبہہ روا ہے، پھر جبکہ وہ زمین گاؤں کی ہے، اور دیہات کی زمین اجارہ ہی کے لئے ہوتی ہے، تو جب تک تصریح نہ ہو جائے کہ لگان نہ لیا جائے گا، شرکاء کے حصے کا اس پر لگان آئے گا،

---

[1] درمختار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۴

[2] ردالمحتار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۵

[3] " " " " ۵/ ۲۷۴

لان الاجارة من الشریك جائزة، لعدم الشیوع فی المنافع الحادثة اذالکل تحدث علی ملکه اما لملکه اوللاجارة، بخلاف الاجارة من احد شریکیه، اواجارة البعض من غیر الشریك حیث لاتجوز للشیوع کما فی الهدایة[1] والدر[2]

تمام شرکاء کی طرف سے اجارہ حاصل کرنا جائز ہے کیونکہ اب منافع میں شیوع نہ ہوگا کیونکہ پیدا ہونے والے تمام منافع اس کو اپنی ملکیت کی وجہ یا اجارہ کی وجہ سے حاصل ہوں گے بخلاف جبکہ تمام شرکاء میں سے ایک یا بعض سے اجارہ کرے تو ناجائز ہوگا، کیونکہ ان صورتوں میں شیوع پایا جائے گا، جیسا کہ ہدایہ اور درمختار میں ہے۔(ت)

اور اگر شرکاء کے خلافِ مرضی زراعت کرے گا گنہگار و غاصب ہوگا، پھر اگر اس کی زراعت سے زمین کو نقصان پہنچا تو حصص شرکاء کے لئے اس نقصان کا تاوان دے گا، اور اگر کوئی نقصان نہ پہنچا تو کچھ نہ دے گا، اس صورت میں لگان عائد نہیں ہوسکتا،

لانها وان کانت معدة للاستغلال فالشریك یتصرف فیها بتاویل الملك، والتصرف به بتاویل العقد یمنع الاجر فی المعد بخلاف الوقف ومال الیتیم حیث یجب فیهما مطلقا کما بینه فی الدر[3] المختار ورد[4] المحتار۔

کیونکہ اگرچہ وہ زمین کرایہ داری کے لئے تیار رکھی ہے تو شریک کا اس میں تصرف ملکیت کی تاویل سے ہے جبکہ عقد کی تاویل کرایہ داری والی چیز میں اجرت کے لئے مانع ہے بخلاف وقف اور مال یتیم کے، کیونکہ ان میں اجرت لازم ہے، جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار نے یہ بیان کیا ہے۔(ت)

اور اگر نہ شرکاء کا صریح اذن تھا نہ ممانعت، بلکہ اُن سے بے پُوچھے بطورِ خود اس نے زراعت کی تو اس میں حکم منقول و منصوص تو یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ زراعت یا اس خاص زراعت سے زمین کو نقصان پہنچے گا، یا زراعت نہ کرنے سے زمین کی طاقت بڑھے گی، تو اس صورت میں شرکاء سے بے پُوچھے اس کا زراعت کرلینا صورتِ غصب میں داخل ہے، اور حکم وہی ہے کہ نقصان کا تاوان ہے لگان کچھ نہیں، اور اگر معلوم ہے کہ

---

[1] الہدایہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۹

[2] درمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[3] درمختار کتاب الغصب " ۲/ ۲۰۸-۰۹

[4] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۲

زراعت سے زمین کو منفعت ہوگی، تو یہ صورت صورتِ اجازت میں داخل ہے کہ اگرچہ صراحۃً اذن نہ ہوا، مگر بوجہ منفعت دلالۃً اذن ہے، اس صورت میں بھی حکم یہ لکھتے ہیں کہ لگان دینا نہ آئے گا، ہاں شرکاء کو یہ اختیار ہوگا کہ اپنے اپنے حصوں کی قدر وہ بھی اتنی اتنی مدت تک اس کی زراعت کرلیں، مثلاً دو شریک تھے، ایک ایک ثلث کا دوسرا دو ثلث کا، ثلث والے نے ایک سال زراعت کی، تو دو ثلث والا دو سال زراعت کرسکتا ہے،

اقول مگر یہ حکم اُس صورت کا ہے کہ زمین اجارہ کے لئے معدو معروف نہ ہو کہ اس صورت میں اگرچہ بوجہ منفعت دلالۃً اذن ہے، مگر اذن عاریت و اجارہ دونوں کو محتمل ہے، اور عاریت اقل ہے، تو وہی متعین ہے، اور اجارہ بلا دلیل ثابت نہیں، لہذا اجر واجب نہ آیا، مگر جو زمین معد للاستغلال ہے، جیسے زمینِ دیہات، اس میں ثبوت اذن بحکم اعداد و عہد بروجہ اجارہ ہی مانا جائے گا، جب تک صراحۃً نفی اجازت یا تصریح عاریت نہ کردیں لان المعروف کالمشروط وھذا ظاھر جدًا (کیونکہ معروف چیز مشروط کی طرح ہے اور یہ بالکل واضح بات ہے۔ ت) تو یہ صورت مثل صورت اولٰی یعنی زراعت باذن صریح شرکاء ہوگی، اور لگان لازم آئے گا، اسے نہ مانئے تو بحال منفعت اذن دلالۃً ثابت ہونا، اگر وہاں چل سکے جہاں کوئی مزارع موجود نہیں، تو آباد دیہات میں اس کا ثبوت سخت دشوار ہے کہ غیر شخص زراعت کرتا تو شریک دیگر کو اپنے حصہ کی اجرت ملتی، اور شریک نے خود کاشت کی، اور لگان دلائیں نہیں، صرف یہ اختیار دیں کہ اتنی مدت یہ بھی زراعت کرلے، اور ممکن کہ یہ زراعت کے لئے آمادہ نہ ہو، اس کے اسباب نہ رکھتا ہو، اس کے کاموں کا متحمل نہ ہو، اُن کی فرصت نہ پاتا ہو، تو اس کا حصہ بلا معاوضہ دوسرے کے تصرف میں رہا، اس پر رضا و اذن دلالۃً ماننا بہت مشکل ہے بخلاف اس صورت کے کہ لگان لازم کریں کہ صریح نفع حاصل ہے، یہ دونوں صورتیں علم کی تھیں، اور اگر کچھ نہ معلوم ہو کہ زراعت سے زمین کو مضرت پہنچے گی یا منفعت، اس کا حکم نہیں لکھتے، **اقول** وہ صورت مضرت کے حکم میں ہے کہ دلالۃً ثبوت اذن بوجہ علم منفعت تھا، جب یہ نہیں وہ نہیں، تو نہ ہوا مگر مطلقاً بلا اذن تصرف، اور یہی غصب ہے،

وذٰلك لان الاصل فی التصرف فیما فیه ملك لغیرہ الحظر الا باذنه ولو دلالۃً، ولم یوجد ھو ولا ھی۔

اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ غیر کی ملک میں تصرف اس کی اجازت کے بغیر منع ہے اگرچہ وہ اجازت دلالۃً ہو، جبکہ یہاں کسی طرح اجازت نہیں (ت)

جامع الفصولین فصل ۳۳ بحث "انتفاع بمشترک" میں ہے:

یغرم المزارع لشریکه نقصان نصف الارض لو انتقصت لانه غاصب

ایک شریک نے زمین کاشت کی تو وہ دوسرے شریک کے نصف حصہ کے نقصان کا ضمان دے گا

فی نصیب شریکه (ص) وعن مرحمه الله تعالٰی، لوغاب احدھما فلشریکه ان یزرع نصف الارض، ولواراد الزراعة فی العام الثانی زرع النصف الذی کان زرعه، ویفتی بانه لوعلم ان الزرع ینفع الارض ولاینقصھا فله ان یزرع کلھا، ولو حضر الغائب فله ان ینتفع بکل الارض مثل تلك المدة، لرضا الغائب فی مثله دلالة، ولوعلم ان الزرع ینقصھا او الترك ینفعھا ویزیدھا قوة فلیس للحاضر ان یزرع فیھا شیئا اذ الرضا لم یثبت ھنالك کذا، (قفط)۔[1]

بشرطیکہ کاشت سے زمین کو نقصان ہو کیونکہ وہ اپنے شریک کے نصف کا غاصب ہے (ص)، اور محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ اگر ایک شریک غائب ہو تو دوسرے شریک کو نصف زمین کاشت کرنے کا اختیار ہے، اور اگر دوسرے سال بھی زراعت کرنا چاہے تو اسی حصہ کو کاشت کرے، اور فتوٰی یہ ہے اگر معلوم ہو کہ زراعت زمین کے لئے مفید ہے نقصان دہ نہیں ہے تو تمام زمین کو کاشت کرے اور غائب شریک آجائے تو اس کو حق ہوگا کہ وہ بھی اتنی ہی مدت کل زمین کو اپنے لئے کاشت کرے، یہ اس لئے کہ مفید ہونے کی صورت میں غائب کی دلالۃً رضا ہے، اور اگر معلوم ہو کہ کاشت زمین کے لئے نقصان دہ ہے یا ترکِ زراعت مفید ہے اور زمین کے لئے مزید قوت کا باعث ہے تو پھر حاضر شریک کو کوئی چیز کاشت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ نقصان کی صورت میں دوسرے شریک کی رضا ثابت نہیں ہے، یوں "قفط" میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار کتاب الغصب میں ہے:

نقل (ای فی تنویر الابصار) اولا عن العمادیة عن محمد (فذکر ماقدمنا عن الجامع قال) ثم نقل عن "القنیة" ان الحاضر لایلزمه فی الملك المشترك اجر، ولیس للغائب استعماله بقدر تلك المدة، لان المھایاة بعد الخصومة، قال وبینھما تدافع الا ان یفرق بین الارض و

تنویر الابصار میں اولاً عمادیہ سے بحوالہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نقل کیا اور جامع الفصولین سے ہمارے نقل کردہ کے موافق ذکر کیا، پھر انھوں نے قنیہ سے یہ نقل کیا کہ حاضر شریک پر مشترکہ ملکیت میں کوئی اجرت لازم نہیں ہوتی اور غائب کو اتنی مدت زمین کو استعمال کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ بدلہ کا لین دین قاضی کے ہاں خصومت کے بعد ہوتا ہے، اور کہا کہ ان دونوں منقولہ عبارتوں میں اختلاف ہے الا یہ کہ زمین اور

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۹

الدار، وھو بعید او انھما روایتان، ثم نقل عن الخانیۃ ان مسئلۃ الدار کمسئلۃ الارض، وان للغائب ان یسکن مثل ما سکن شریکہ، وان المشائخ استحسنوا ذٰلک و ھٰکذا روی عن محمد وعلیہ الفتوی[1]

دار کا فرق قائم کیا جائے اور یہ بعید ہے یا یہ کہا جائے یہ دو مختلف روایتیں ہیں، اس کے بعد انھوں نے خانیہ سے نقل کیا کہ دار کا مسئلہ اور زمین کا مسئلہ ایک ہے کہ مکان میں بھی شریک غائب کو اتنی مدت سکونت کا حق ہے جتنی مدت حاضر شریک سکونت پذیر رہا، اور اس کو مشائخ نے پسند فرمایا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی اسی طرح منقول ہے اور اسی پر فتوٰی ہے (ت)

نیز جامع الفصولین میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

(فص) سکن دارا مشترکۃ بغیبۃ شریکہ لایلزمہ اجر حصتہ ولو معدۃ للاستغلال (الی قولہ) علل فی (ذ) بانہ سکن بتاویل الملک فلا اجر (واقعۃ الفتوی) زرع ارضا بینہ وبین غیرہ ھل لشریکہ ان یطالبہ بربع او ثلث بحصۃ نفسہ کما ھو عرف ذٰلک الموضع، اجیب بانہ لا یملک ذٰلک ولکن یغرمہ نقصان نصیبہ فی الارض لو انتقصت[2]

(فص) ایک شریک مشترکہ مکان میں دوسرے کی غیر موجودگی میں سکونت پذیر رہا تو اس پر کوئی اجرت لازم نہ ہوگی اگرچہ مکان کرایہ داری کے لئے تیار کیا ہو، ان کا بیان اس قول تک کہ (ذ) میں اس کی علت یہ بیان کی گئی کہ وہ ملکیت کی تاویل پر سکونت پذیر ہوا ہے تو اجرت لازم نہ ہوگی، واقعۃ الفتوٰی میں ہے کہ اپنی اور غیر کی مشترکہ زمین میں کاشت کرے تو کیا دوسرے شریک کو اس سے ربع یا ثلث کا اپنے حصہ کے طور پر مطالبہ کا حق ہے جیسا کہ وہاں معروف ہے، جواب دیا گیا کہ دوسرے شریک کو یہ حق نہیں ہے، ہاں اگر زمین کو کاشت سے نقصان ہوا تو اس کو اپنے نصف کے نقصان کا ضمان لینا روا ہوگا۔ (ت)

اقول یہ ہے وہ حکم کہ اس صورت زراعت بے اطلاع شرکاء پر کتب میں مذکور ہے، مگر یہ احکام عرف کے ساتھ دائر ہیں، اور یہاں دیہات میں عموماً عرف دائر و سائر یہ ہے کہ زمین کا اجارہ پر اٹھنا ہی منفعت جانتے ہیں اور اس کا پڑا رہنا ہی نقصان سمجھتے ہیں کہ وہ صرف معد للاجارہ ہوتے ہیں، اس کے بعد اس پر کوئی نظر نہیں ہوتی کہ زراعت اس کے لئے نفع ہے یا ترک، تو یہاں یہ صورت صورت اولٰی یعنی اذن دلالۃً میں منحصر ہے، اور بوجہ اعداد اجر لازم، مگر کوئی خاص زراعت ایسی فرض کی جائے کہ زمیندار اس پر

---

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۲-۱۳۱

[2] جامع الفصولین الفصل الثالث الثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۹

راضی نہ ہوتے ہوں اور اُسے مضر ارض جانتے ہوں، تو وہ مستثنیٰ رہے گی، اس تقریر پر در بارۂ دیہات خلاصۂ حکم یہ ہے کہ شریک کو زراعت کرنا مطلقاً جائز اور حصۂ شرکا کا لگان مطلقاً لازم ہے، مگر اُس صورت میں کہ دیگر شرکائے صراحۃً منع کردیا ہو، یا کوئی ایسی زراعت کرے جس سے زمین بگڑتی ہو، اور زمیندار اس پر راضی نہ ہوتے ہوں، ان دونوں صورتوں میں نقصان زمین کا تاوان دے گا، اگر واقع ہو، اور لگان نہ آئے گا، اور شرکا نے صراحۃً بلا لگان اجازت دی، تو لگان نہیں، اور زراعت جائز ہے، ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی (یہ میری طرف سے ہے اور علم حق میرے رب کے پاس ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ مسئولہ محمد سید علی صاحب طالب العلم، از کانپور، مسجد حاجی بدنو، شطرنجی محل، ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ملک بنگالہ میں ظاہراً ملک تین قسم پر منقسم ہے:

اول ملک شاہی،

دوم ملک زمینداری،

سوم ملک رعیتی۔

رعایا زمیندار کو خراج دیتے ہیں، اور زمیندار بادشاہ کو، بادشاہ ہی اصل مالک زمین کا ہے، اور بالکل تصرفات کا اختیار رکھتا ہے، زمینداربادشاہ کے تحت میں زمین کا مالک ہے، اور زمیندار کے تصرفات بادشاہ کے تصرفات کے تابع ہیں، اور رعیت زمیندار کے تابع ہے، زمیندار رعایا کو زمین ومکان میں جتنے تصرفات کے لئے حکم دیتا ہے، اُسی کا اس کو اختیار ہوتا ہے زیادہ نہیں، اس حالت میں کوئی رعیت دوسری رعیت کے پاس اگر اپنی رعیتی زمین کو بیچے تو قیمت کے فی تولہ چار آنہ حساب سے (دیا کم وبیش) زمیندار کی سرکار میں نذرانہ دینا ہوتا ہے مثلاً زید اگر اپنی رعیتی زمین کو عمرو کے پاس قیمت دو سو روپے بیچے، اور عمرو دو سو روپے دے کر قبالہ کرلے، اور زید عمرو میں خرید و فروخت ہوگیا، تو اب عمرو زمیندار کے سرکار میں فی تولہ چار آنہ کے حساب سے دو سو کی نذر پچاس روپے علاوہ خراج کے جب تک ادا نہ کرے گا تب تک خریدی ہوئی زمین کی بابت زید کے نام کو خارج کرکے عمرو کے نام کو اپنے دفتر میں ثابت نہ کرے گا، عمرو کو اس زمین پر تصرف کرنے نہ دے گا، پس نذر مذکور علاوہ خراج کے زمیندار کو لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا بالدلائل (دلائل کے ساتھ بیان کرکے اجر حاصل کیجئے۔ ت)

الجواب

جو زمیندار آباؤ اجداد کے وقت سے وراثۃً مالک زمین چلے آتے ہیں، یا جس نے ایسے مالکوں

عہ فی الاصل کذٰلک لعلہ "زمیندار"۔

سے بیع وہبہ وغیرہ کسی عقدِ صحیح شرعی سے ملک حاصل کی وُہ زمیندار اُس زمین کا شرعاً مالک ہے، اب یہ زمین جو ایک کاشتکار نے دوسرے کے ہاتھ بیع کی، اس بیع سے اگر وُہ خریدنے والا کاشتکار اس زمین کا مالک مستقل نہیں سمجھا جاتا بلکہ زمیندار کو نذرانہ دینے کے بعد بھی کاشتکار ہی سمجھا جاتا ہے تو یہ بیع محض باطل ہے۔

کاشتکار اول نے جو ثمن کاشتکار دوم سے لیا وہ اس کے لئے ناجائز ہے، اس پر واجب ہے کہ کاشتکار دوم کو واپس دے، اور یہ نذرانہ کہ زمیندار کو دیا جائے گا کہ سالِ اول اُجرت زمین میں اضافہ تصور کیا جاتا تو زمیندار کو جائز ہوتا، مگر ظاہراً وُہ اضافہ نہیں سمجھا جاتا، بلکہ پہلے کاشتکار کی جگہ دوسرے کو قائم کرنے کی رشوت تو یہ زمیندار کو بھی جائز نہیں، ہاں جبکہ کاشتکار اول اس اجارہ سے دوسرے کے لئے دست بردار ہوچکا، اور زمیندار نے دوسرے کو مستاجر قبول کرلیا تو یہ دوسرا شرعاً مستاجر ہوگیا، خراج کہ زمیندار اس سے لے گا زمیندار کو حلال ہے، ظاہراً صورت یہی واقع ہوتی ہوگی، نہ یہ کہ کاشتکار کی بیع بیعِ شرعی سمجھی جائے اور کاشتکار دوم زمین کا مالک مستقل قرار پائے، اور اگر بالفرض کہیں ایسا ہو اور کاشتکار اول کا دوسرے کے ہاتھ بیچنا بیع فضول ہو، اور زمیندار کا اس نذرانہ پر قبول کرنا زرِ ثمن میں اضافہ اور بیع کی اجازت ہے، تو وہ روپیہ جو کاشتکار اول کو ملا برضائے زمیندار اس کے لئے حلال ہے، اور وہ نذرانہ کہ زمیندار نے لیا اس کے لئے جائز ہے، مگر اب جو خراج زمیندار اس کاشتکار دوم سے لے گا حرام و باطل ہے کہ اس تقدیر پر کاشتکار دوم زمین کا مالک مستقل ہوگیا، غیر مالک کا مالک سے خراج لینا کیا معنی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۶ ازشہر بریلی محلہ فراش ٹولہ مرسلہ مقصود علی خاں ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں، کہ اگر زمیندار بٹائی کے کھیت کو خواہ وہ کفار کی کاشت میں ہو یا مسلمان کاشتکار ہو، چار اشخاص اہل ہنود یا مسلمان کے بیچ اس بٹائی کے کھیت کی کنکوت کرادے اور کاشتکار جو زمین کی کاشت کرتا ہو اس سے کہہ دے کہ اگر تجھ کو یہ تخمینہ منظور ہو تو اس کو کاٹ لے، اور زمیندار کا حصہ جو طے پایا ہو دے دینا، اور اگر منظور نہ کرے تو اس تخمینہ کو منسوخ کردے، ایسی صورت میں جبکہ کاشتکار بھی تخمینہ منظور کرلے تو یہ تخمینہ شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی کمی بیشی کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ جبکہ زمیندار کو اگر اس تخمینہ سے بیشی ہو تو اس کا کچھ خیال یعنی بیشی کا نہ ہو، اور اگر اس تخمینہ سے کم ہو تو زمیندار پر کاشتکار کا مواخذہ جبکہ وہ تخمینہ منظور کرچکا ہو، ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

کنکوت باطل ہے، شرعاً اس کا کچھ اعتبار نہیں، تو سے من تخمینہ ہوا اور زمیندار کاشتکار دونوں نے منظور کرلیا، اور آدھے پر بٹائی ہے، تو اگر سو من پیدا ہوا زمیندار کے پانچ من کاشتکار پر اور رہے، اسے

جائز نہیں کہ پچاس من کی جگہ پچپن۵۵ من خود لے اور پینتالیس۴۵ من زمیندار کو دے، اور اگر اسّی من پیدا ہوا تو زمیندار کا حق صرف چالیس۴۰ من ہے پانچ من زیادہ لینا اُسے حرام ہے، ورنہ مسلمان کاشتکار کے حق میں ماخوذ رہے گا اُس کی باطل منظوری کہ برخلاف مقتضائے عقد وبے اذن شرع ہے، کچھ معتبر نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

من اشتری زیتا علی ان یزنه بظرفه، فیطرح عنه مکان کل ظرف خمسین رطلا، فهو فاسد، وان اشتری علی ان یطرح بوزن الظرف جاز، لان الشرط الاول لایقتضیه العقد، والثانی یقتضیه۔[1]

اگر کسی نے اس شرط پر زیتون خریدا کہ میں اپنے پیمانہ سے ناپ کروں گا اور اس ہر پیمانہ پر پچاس رطل کاٹوں گا، تو یہ عقد باطل ہے، اور اگر اس شرط پر خریدا کہ پیمانہ کے وزن برابر شمار ہوگا تو عقد جائز ہوگا کیونکہ پہلی شرط عقد سے لاتعلق ہے جبکہ دوسری شرط عقد کے موافق ہے۔ (ت)

ہاں ہندو کاشتکار سے اس کی مرضی و منظوری کی بناء پر اگر ایسے زیادہ مل جائے تو حرج نہیں،

لجوازان یاخذ منهم بغیر غدر، ولو بعقد ان وقع بین مسلمین کان فاسدا کما بیناه فی بیوع فتاونا۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ ہندوؤں سے غدر کے بغیر جو ملے لینا جائز ہے اگرچہ وہ ایسے عقد کے ذریعہ ملے جو مسلمانوں میں ہو تو فاسد قرار پائے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کے بیوع میں بیان کیا ہے۔ واﷲ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از بنارس گرانٹ بازار مسجد نواب ٹونک مرسلہ محمد شفیع صاحب ۴ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

ایک زمیندار نے کاشتکار کو بخوشی و رضامندی اپنی بیس بیگھہ اراضی کا پٹہ دوامی لکھ دیا اس شرط پر کہ فی بیگھہ اڑھائی روپے لگان جس کا جملہ پچاس روپیہ ہوتا ہے، اس قدر مالگزاری سال بسال ادا کیا کرو، اور ان اراضی کو چاہے خود کاشت کرو یا دُوسروں سے کاشت کراؤ، مگر مال گزاری اس کی حسب تحریر مندرجہ تم سے ادا کریں گے، اگر قسط پر ادا نہ کرو گے تو بنالش حق ادا کرنے کا ہم زمیندار کو ہوگا، اب کاشتکار ان اراضی کو خود ہی کاشت کرتا ہے اور دوسروں سے بھی کاشت کراتا ہے، اور جب دوسرے کاشتکار کے ساتھ بندوبست کرتا ہے تو فی بیگھہ پانچ روپے لیتا ہے اور جب بارہ۱۲ برس گزر گیا تو وہ اراضی انگریزی کاغذات میں قانوناً موروثی لکھی گئی، یعنی اب اُن اراضیوں کو زمیندار زبردستی بے دخل کرنے کا مستحق نہیں، اگر بخوشی و رضامندی اپنی کاشتکار واپس کردے تو زمیندار واپس کرسکتا ہے، یا اگر مال گزاری کاشتکار

---

[1] الهدایة کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۶۱

نے ادا نہ کیا تو بنالش گورنمنٹ زمیندار کو بذریعہ ڈگری کاشتکار سے وصول کرا دے گا، اور اراضیوں کو بھی واپس کرا دے گا، اگر کاشتکار بعد ڈگری زمیندار کے مال گزاری کچہری میں داخل کردیا، یا زمیندار کو دے کر رسید حاصل کیا تو پھر کاشت کار اُن اراضیوں سے بے دخل نہ ہوگا بدستور قائم رہے گا، ایسی حالت میں کاشتکار کو کاشتکار شکمی سے نفع لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور کاشتکار جو خود کاشت کرتا ہے اس کی پیداوار سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر زمیندار کاشت کار کو زبردستی بے دخل کرے تو کچہری میں استغاثہ کرنے کا حق شرعاً پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب

پٹہ دوامی شرع میں کوئی عقد لازم نہیں، ہر سال تمام پر وہ عقد ختم ہوتا اور طرفین کی رضا سے نیا شروع ہوتا ہے، ہر سال ختم ہونے پر شریعت مطہرہ کے نزدیک طرفین کو اختیار ہے کہ اس عقد سے باز رہیں، حالانکہ زمین میں مدت گزرنے سے شریعت کے حکم میں عقد لازم نہیں ہوتا، یہ قانونی بات ہے شرعی حکم نہیں، اگر رضائے زمیندار ہے تو جب تک بھی ہے کاشت کار اس میں کاشت کرسکتا ہے اور دوسروں کو ذیلی بھی بناسکتا ہے، مگر زرلگان جتنا خود ادا کرتا ہے اُس سے زیادہ دوسرے سے نہیں لے سکتا، اگر لے گا مال خبیث ہوگا، مگر تین صورتوں میں، ایک یہ کہ لگان کی جنس بدل دے مثلاً زمیندار سے روپے ٹھہرے ہیں، یہ ذیلی سے سونا یا نوٹ ٹھہرائے یا اس زمین میں کوئی مالیت کی چیز مثل کنویں کے اضافہ کرے یا اس زمین کے ساتھ دوسری زمین ملاکر مجموع کو ذیلی کی کاشت میں دے، مثلاً ڈھائی روپے بیگھہ پر اُس سے لی ہے، یہ ایک بیگھہ زمین اس میں اور شامل کرکے مجموع ۲۱ بیگھہ بلا تفصیل، ذیلی کو ایک سو پانچ روپے پر دے۔ یہ صورتیں جائز ہیں، اور اگر زمیندار کی رضامندی نہ ہو اور وہ اس سے زمین چھوڑ دینے کو کہے اور یہ مورثیت کے دباؤ سے جبراً نہ چھوڑے تو شریعت کے نزدیک گنہگار ہوگا، اور اُس میں جو تنا اس کو ناجائز، جو ناج پیدا ہوگا خباثت سے خالی نہ ہوگا اور ذیلی کو دے گا تو وہ روپیہ بھی اس کے لئے ناجائز ہوگا، اور اسے حکم ہوگا کہ زمیندار کو دے دے یا فقیروں پر تصدق کرے، اور اوّل اولٰی ہے، جو شخص ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے حکمِ شریعت پر عمل کرنا چاہے، تو حکم یہ ہے ورنہ وہ جانے اور اس کا کام، واللہ تعالٰی اعلم۔

اللّٰھم ارزقنا حسنًا واسعًا بحق مولانا محمّد النبی الامّی نبی الانبیاء والمرسلین صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ واٰلہ وصحبہ اجمعین۔

اے اللہ! ہمیں وسیع نیکی عطا فرما حضور نبی المرسلین ہمارے آقا محمد النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین کے وسیلہ سے۔ (ت)

مسئلہ ۵۸ تا ۶۱ از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) کہ مالک کافر ہو یا مسلمان، رعایا اس کو بعض زمین کی مال گزاری دے اور بعض کی نہیں، اس کے لئے کیا حکم ہے، آیا وہ رعایا عنداللہ وعندالرسول ماخوذ ہوگا یا نہیں؟

(۲) جس زمین کی رعایا مال گزاری دیتی ہے اس میں درخت لگایا، اب اس درخت کے فروخت کرتے وقت مالک اُس کی قیمت کا چوتھائی حصہ مانگتا ہے، نہ دینے پر اللہ ورسول کے نزدیک ماخوذ تو نہیں؟

(۳) کسی کھیت کے قریب مالک کی زمین غیر آباد ہے، رعایا نے اپنی زمین کے ساتھ اس غیر آباد زمین کو آباد کرلیا، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایک شخص کی زمین مثلاً ۴ کٹھا ہے سروے ناپ نے غیر کی زمین لے کر ۵ کٹھا لکھ دیا ہے، اب اس زمین کو وہ شخص اپنے تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں، اگر تصرف میں لائے تو عنداللہ ماخوذ ہوگا یا نہیں؟

الجواب

(۱) جو مالگزاری مقرر ہوئی اُسی کا نہ ادا کرنا ظلم وحرام ہے اگرچہ زمین والا کافر ہو۔

قال اللہ تعالٰی یاایھاالذین اٰمنوا اوفوا بالعقود[1]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔ (ت)

(۲) مالکِ زمین کا اس درخت میں کچھ حق نہیں، اس کا مانگنا ظلم ہے۔

(۳) جائز ہے جبکہ مالک کو لگان دے یا وہ معاف کردے۔

(۴) اگر وہ کٹھا اُس دوسرے کی ملک ہے تو بے اس کی اجازت کے غصب وحرام ہے، اور اگر وہ بھی کاشتکار ہے اور اس کے پٹے کی میعاد ابھی باقی ہے تو بے اس کی اجازت کے ناجائز ہے لانہ ان لم یملک رقبتھا فقد ملك منفعتھا (اگرچہ اس کے رقبے کا مالک نہیں تو وہ اس کے نفع کا مالک ہے۔ ت) اور اگر یہ بھی نہیں تو سابقاً یا لاحقاً اجازتِ زمیندار درکار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۲ تا ۶۵ مسئولہ مولوی محمد رضا خاں سلمہ ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۳ھ

(۱) زید سے اس کی رعایا نے جس میں مسلم ومشرک دونوں ہیں، ہیبت۲۰ روپے ایک سال کے واسطے قرض مانگے اور لگان کھاتے کا جو قرض چاہ رہا ہے مبلغ۲۰ روپے ہے، اس نے کہا کہ بیس روپے تم کو بلا سودی

---

[1] القرآن الکریم ۵/۱

بغیر کسی نفع کے دئے جاسکتے ہیں، مگر تم کو اپنے کھاتے پر معہ سال بھر کے اضافہ کرنے ہوں گے، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جن اسامیوں سے کہ بقایا پچھلی وصول کرنا، خواہ وہ تمسک ہے یا معاہدہ زبانی، ان سے ۳ روپیہ یا چھ آنہ روپیہ اس صورت میں لینا، اول اپنا اصلی مطالبہ لے لیا گیا تھا پھر زید نے مشرک کاشتکار سے کہا کہ مطالبہ تیرا ادا ہوگیا اب تو بیع سلم کے اس قدر روپے اور ادا کردے، یہ رقم لینا جائز ہوگی یا نہیں؟

(۳) اگر کاشت کار نے اپنا حساب سمجھا تو وہ رقم جو زائد ہے اُس کو حساب میں بتایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) جو تمسکات کہ ۱۳۲۱ف میں لکھے جاچکے اُن کا وصول بھی اسی طرح ہوسکتا ہے یا نہیں کہ تمھارا اصل مطالبہ ادا ہوگیا، اب اتنا بیع سلم کا دے دو، اگر دس روپے کسی مسلمان سے زائد لئے گئے اور اس کا مطالبہ صحیح اول لے لیا اور ان دس روپوں کے عوض مسلم یا مشرک کو سیر بھر گیہوں یہ کہہ کر دے دئے کہ ہم یہ گیہوں اتنے کو فروخت کرتے ہیں اور اس نے بخوشی لے لئے، تو یہ جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو کیا صورت ہے کہ مال مشرک سے منتفع ہوں؟

الجواب

(۱) یہاں کے مشرکین کے ساتھ یہ صورت جائز ہے، مسلمان کے ساتھ حرام ہے کہ یہ قرض سے نفع لینا ہے، اور حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[1] — قرض کے ذریعہ جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

خلاصہ میں ہے:

القرض بالشرط حرام والشرط لغو بان یقرض علی ان یکتب بہ الی بلد کذا لیوفی دینہ[2] اھ کذا[عہ] فی الدر المختار[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

قرض کے ساتھ شرط لگانا حرام ہے اور شرط لغو قرار پائے گی، مثلاً یوں کہ اس شرط پر قرض دوں گا کہ مجھے لکھ دے کہ یہ قرضہ فلاں شہر سے وصول کرلوں اھ درمختار میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

عہ فی الاصل درمختار میں ہے والمراد ان عبارۃ الخلاصۃ فی الدر المختار۔ عبدالمنان الاعظمی

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الخامس ۳/ ۵۳-۵۴

[3] درمختار بحوالہ خلاصۃ الفتاوٰی " فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰

(۲) یہاں کے مشرکین کے ساتھ اگر ابتداءً معاہدہ کاشت اس صورت پر کیا جائے کہ یہ زمین مثلاً اتنے سال کے لئے روپے بیگھے پر تمہیں دی، اگر کسی فصل یا سال تمام پر (جو باہم ٹھہر جائے) بقایا رہے گی تو سوائی یا ڈیوڑھی یا دُونی (جو قرار پائے) اُس زمین کی اُجرت متصور ہوگی، تو حسبِ قرار داد لے سکتا ہے، اور اگر پہلے معاہدہ صرف روپے بیگھے پر ہوا، اور باقی ٹوٹنے کے بعد باقی میں اس سے زیادہ کیا چاہے تو یہ حرام ہے، کہ خلافِ معاہدہ ہے،

قال اللہ تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود[1] — اللہ تعالٰی نے فرمایا اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔ (ت)

اور اگر باقی میں زیادہ نہ لے بلکہ اس سے صاف کہہ دے کہ باقی پوری ادا ہوگئی، اُس کا تم پر کچھ نہ رہا، مگر وقت پر ادا نہ کرنے کا اتنا حرجہ دے، تو یہاں کے مشرکین سے جائز ہے چاہے اس کا فرضی نام بیع سلم رکھے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) پہلی صورت میں کہ وہ داخلِ معاہدہ تھی حساب میں بتائی جاسکتی ہے، اور دوسری صورت میں اس کا حساب سے ادا کرنا لازم ہوگا، یعنی یُوں کہے گا کہ بقایا لگان تو تجھ پر اس قدر ہے، اور بوجہ تاخیر اتنا بیع سلم کا دینا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۴) ہاں ہو سکتا ہے جبکہ مزارع یہاں کا مشرک ہے، واللہ تعالٰی اعلم، مسلمان سے مطلقاً ناجائز، اور فرض ہے کہ اُسی کے وہ روپے اُسے واپس دے، وہ نہ رہا ہو، اس کے ورثہ کو دے، اُن کا پتہ نہ چلے تو اس کی طرف سے تصدق کرے، بخوشی کا لفظ بے معنی ہے، بغیر دباؤ کے ناممکن ہے کہ کوئی دس روپے کے بدلے سیر بھر گیہوں پر راضی ہو، اور اگر یہاں کا مشرک ہے، اور اُس سے قیدِ معاہدہ پر زیادہ لیا گیا تو وہ بھی حسبِ بیان جواب دوم ناجائز ہے، گیہوں کا یہ معاملہ اُس سے کرنا فضول ہے کہ یہ دس روپے بروجہ خبیث آئے، اس مشرک کی ایسی رضا سے وہ خبیث نہ جائے گا کہ وہ دباؤ کی رضا ہے نہ کہ حقیقۃً، اور حقیقۃً بھی ہو تو اس پر مواخذہ حق اللہ کا ہے کہ خلاف حکم کیا، بلکہ سیر بھر گیہوں کسی مسلمان محتاج کے ہاتھ جتنے کو وہ بخوشی راضی ہو بیع کرے پھر وہ روپیہ بہ نیت تصدق مال خبیث اس محتاج کو دے، پھر اس سے گیہوں کے زرِ ثمن میں لے، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۵/۱

مسئلہ ۶۶ از سنبھل ضلع مراد آباد محلہ دہلی دروازہ مرسلہ محمد ظہیر الدین ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید زمیندار نے ایک کاشتکار کو اپنی اراضی بنا بر کاشت بدیں شرط دس روپیہ لگان پر دی کہ پانچ روپیہ فصل خریف پر اور پانچ روپیہ فصل ربیع پر ادا کرتا رہے، بحالت عدم ادائے زر لقایا سوایا یعنی بجائے ایک روپیہ کے سوا روپیہ لگان کا لیا جائے گا، وقت مقررہ پر لگان کے نہ ادا کرنے کی صورت میں فصل بہ فصل و سال در سال لگان میں زیادتی ہوتی رہے گی، یہ زیادتی لگان کے بمقابلہ اراضی کے کی گئی ہے، آیا یہ زیادتی لگان کی جائز ہے یا ناجائز داخل سُود ہے؟

الجواب

یہ محض حرام و سُود ہے بلکہ اس شرط کی وجہ سے وہ اجارہ ہی فاسد و حرام ہوگیا، فان الاجارۃ تفسد بالشرط الفاسد کالبیع بانہا احد البیعین (کیونکہ فاسد شرط سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے جس طرح بیع فاسد ہوجاتی ہے کہ وہ شرّ میں سے ایک ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۶۷ از سنگرام پور ڈاکخانہ خاص ضلع بدایوں مسئولہ شیخ ضیاء الدین

جناب مولنا مولوی احمد رضا خاں صاحب!

بعد سلام علیک کے گزارش ہے کہ میرے قریب میں ایک موضع دھتوپورہ ہے، وہاں پر ٹھاکر دلاور سنگھ زمیندار موضع مذکور کے ہیں، اس پر ایک ہزار روپیہ ۱۴ر آنے کے سُود سے دیگر اشخاص کا قرض ہے، اب دلاور سنگھ ایک ہزار رقم سے بلا سُود مانگتے ہیں، اور ۱۰ پختہ اراضی سیر واسطے پانچ سال بالعوض ایک ہزار روپیہ کے دیتے ہیں، بعد پانچ سال کے اُن کی اراضی چھوٹ جائے گی، اور ہمارا روپیہ بے باق ہوجائیگا، شرعاً جائز ہے یا ناجائز، اور اگر ناجائز ہے تو کس طریقہ سے جائز ہوسکتی ہے؟ فقط زیادہ والسلام

الجواب

یہ صورت بلاشبہہ جائز ہے، زمیندار اپنی مملوکہ خالی زمین کہ دوسرے کے رہن یا اجارے میں نہیں، ایک مدت معینہ پانچ برس کے لئے ایک اُجرت معینہ پر ہزار روپیہ پر اجارہ دیتا ہے اور باہمی رضا سے زرِ اُجرت پیشگی دینا قرار پاتا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۶۸ از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ ایک اراضی کا لگان بندوبست میں عہ مقرر ہوا، اب اُسی اراضی کی حیثیت عہ کی ہے کسی شخص نے مبلغ ۵ پیشگی پانچ سال کا لگان اس وقت کی حیثیت سے ادا کرکے لی، اس طرح پر اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا کسی شخص نے بجائے عہ روپیہ کی شرح کے عہ سے بھی

14
14

وہ جائز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہوگی تو کن کن وجوہات سے جائز ہوگا؟

الجواب

بندوبست میں جو مقرر ہوا اس کی پابندی عاقدین پر لازم نہیں، باہم زمیندار و کاشتکار میں جس قدر پر رضامندی ہوجائے کم پر خواہ زائد پر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۹ از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ شرف الدین و مسیح الدین زمیندار ۳۰ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ کاشتکار کو اپنی موروثی اراضی مصدقہ بندوبست بشرح ؏ بیگھہ خام کو کسی دوسرے شخص یعنی اپنے ذیلی کاشتکار کو مبلغ ﷲ لے کر پانچ سال کو پٹہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ مبلغ پچاس روپے اسی میعاد پنجسالہ میں ذیلی کاشتکار کے وصول ہوجائیں گے، اور ؏ لگان زمیندار کو یہی ذیلی کاشتکار ادا کرے گا، مگر یہ کہ شرح لگان مصدقہ بندوبست ؏ لحاظ نہ کیا جائے خواہ بجائے ؏ کے ۶ر باہم کاشتکار اصلی و ذیلی طے ہو یا مبلغ ۶ر یا او رکم و بیش؟ بینوا توجروا۔

الجواب

کاشتکار کو جائز نہیں کہ جو زمین اس کے پاس جتنے لگان کو ہے اُس سے ایک پیسہ زائد پر ذیلی کو دے، جتنا زیادہ مقرر کرے گا اُسے لینا جائز نہ ہوگا، مگر تین صورتوں میں جائز ہے:

(۱) اس کے ساتھ اپنے پاس سے اور کوئی چیز ملا کر دونوں کو مجموعۃً زیادہ پر دے۔

(۲) اس زمین کو کنواں کھود کر یا اور کام نفع کا بڑھا کر کرایہ پر دے۔

(۳) کرایہ کی جنس بدل دے، مثلاً اس کے پاس دس روپے سال پر ہے یہ ذیلی کو ایک اشرفی کرائے پر دے یا جتنی اشرفیاں ٹھہریں یوں ہی نوٹ یا پیسہ یا اکنیاں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از ضلع سکھر سندھ ڈاک خانہ ڈھرکی مقام بھرچونڈی شریف درگاہ عالیہ سلسلہ قادریہ مسئولہ خدابخش صاحب ۲۳ رمضان ۱۳۳۹ھ چہارشنبہ

بخدمت عظامی منزلت شمس الشریعت حضرت مولٰنا صاحب سلمہ ربہ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی قانون کے مطابق جو شخص پانچ برس متواتر اپنی غیر آباد زمین کا محصول (یعنی خراج) نہیں دیتا وُہ زمین اُس کی ملک سے نکل کر گورنمنٹ کی ہوجاتی ہے کہ بعد دس برس گزرنے کے بغیر رضامندی شخص مذکور کے دوسرے کو دے دیتے ہیں، آیا زمین مذکورہ بالا بموجب شرع شریف مالک کی مِلک سے نکل کر گورنمنٹی بنتی ہے یا نہیں، اور اس زمین کا لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے خریدی ہو تو واپس دے یا نہیں؟ اگر دے تو جو خرچ اس زمین پر کیا ہے اُس سے واپس لے یا نہیں؟ نیز یہ کہ اگر مشتری مالک کو دے جب بھی گورنمنٹ

اس کو نہیں دیتی بغیر درخواست کے، اور درخواست بسبب مغلسی کے وُہ نہیں دیتا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

شریعت میں اس وجہ سے زمین مِلکِ مالک سے نہیں نکل سکتی، اس کا خریدنا ناجائز ہوگا، اور خرید لی تو مالک کو واپس دینا واجب ہوگا، اور جو قیمت وغیرہ دینے میں خرچ ہو وہ مالک سے واپس نہیں لے سکتا لانہ ھوالمضیع لمالہ (کیونکہ اس نے اپنا مال ضائع کیا۔ ت) اس پر حکم شرعی یہ ہے یہ بجالائے اگرچہ اس کے کرنے کو گورنمنٹ تسلیم نہ کرے، اس کا الزام اس پر نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الذبائح

(ذبح کا بیان)

مسئلہ ۱: شہر بریلی محلہ ابراہیم پورہ مسئولہ از عزیز الدین ۳ شوال ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ذبیحہ بعد غروبِ آفتاب وقبل طلوع آفتاب مکروہ ہے یا نہیں؟ اور اگر مکروہ ہے تو کس طرح کا؟ اور اگر ایسے ہی وقت مذکور میں بلّی کسی پرند یا مرغ کو ہلاک کرے، اور ذبح کچھ تھوڑا خون ذبیحہ فوراً یا کچھ دیر بعد دے، تو اُس کے واسطے کیا حکم ہے؟ آیا ذبیحہ جائز ہوگیا یا نہیں؟ اور وہ ذبیحہ اگر جائز ہوگیا تو وہ بھی مکروہ ہے یا نہیں؟ اور اگر مکروہ ہے تو کیسا؟ بینوا توجروا

الجواب

رات کو ذبح کرنا اندیشۂ غلطی کے باعث مکروہِ تنزیہی خلافِ اولیٰ ہے، اور ضرورت واقع ہو مثلاً صبح کے انتظار میں جانور مرجائے گا تو کچھ کراہت نہیں لانه الاٰن ماموربه حذرا عن اضاعة المال اھ (کیونکہ مال کے ضائع ہونے کے خطرہ کی بناء پر وہ اب اس کا مامور ہے۔ ت) پھر کراہت اس فعل میں ہے، ذبح اگر صحیح ہوجائے ذبیحہ میں کچھ کراہت نہیں لتبین ان الغلط لم یقع (واضح ہوجانے پر کہ غلطی نہ ہوئی۔ ت) درمختار میں ہے:

کرہ تنزیھا الذبح لیلا لاحتمال | غلطی کے احتمال کی وجہ سے رات کو ذبح کرنا

الغلط[1]

مکروہ تنزیہی ہے۔ (ت)

حرمت حلت کا مدار خون نکلنے نہ نکلنے پر نہیں، بلکہ یہ ثابت ہونا چاہئے کہ وقتِ ذبح جانور زندہ تھا، اگر یہ معلوم ہو اور خون اصلاً نہ دے حلال ہے، اور اگر نہ ثابت ہو اور خون زندہ کا سا دے تو بعض دفعہ کہیں رُکا ہوا خون کچھ دیر بعد مُردے کے بھی نکلتا ہے، جانور حلال نہ ہوگا۔ حیات کی علامت یہ ہے کہ جانور تڑپے یا منہ آنکھ بند کرے یا پاؤں سمیٹے یا اس کے بدن کے بال کھڑے ہو جائیں۔ دُرمختار میں ہے:

ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت وخرجت الدم حلت والالا ان لم تدرحیاتہ عند الذبح و ان علم حیاتہ حلت مطلقاً، وان لم تتحرک ولم یخرج الدم، ذبح شاۃ لم تدرحیاتہا وقت الذبح، ان فتحت فاھا لاتوکل، وان ضمتہ اکلت، وان فتحت عینہا لاتوکل، وان ضمتہا اکلت، وان مدت رجلہا لاتوکل، وان قبضتہا اکلت، وان نام شعرھا لاتوکل، وان قام اکلت، وھذا کلہ اذا لم تعلم الحیاۃ وان علمت وان قلّت اکلت مطلقا بکل حال، زیلعی[2]

مریضہ بکری کو ذبح کیا تو اس نے حرکت کی اور خون نکلا حلال ہوگئی، ورنہ نہیں، یہ جب ہے کہ ذبح کے وقت اس کا زندہ ہونا مشکوک ہو اور اگر زندہ ہونا یقینی ہو تو مطلقاً حلال ہوگی اگرچہ اس نے حرکت نہ کی اور نہ خون جاری ہوا ہو، اگر ذبح کے وقت زندہ ہونا مشکوک ہو تو ذبح کرنے پر اس نے منہ کھولا تو نہ کھایا جائے اور اگر اس وقت منہ بند کیا تو کھا لیا جائے یوں اگر اس نے آنکھیں کھول رکھیں تو نہ کھایا جائے اور اگر بند رکھیں تو کھایا جائے، اگر ٹانگیں دراز رکھیں نہ کھایا جائے اگر سمیٹ لیں تو کھایا جائے، اگر اس کے بال کھڑے نہ ہوئے تو نہ کھایا جائے اور کھڑے ہوں تو کھایا جائے، یہ سب اس صورت میں ہے جب ذبح کے وقت زندہ ہونا یقینی نہ ہو اور اگر زندہ ہونے کا یقین ہو تو مطلقاً کھانا جائز ہے خواہ کسی حال میں ہو۔ زیلعی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ اوخرج الدم ای کما یخرج من الحی، قال فی البزازیۃ وفی شرح الطحاوی

اس کا قول کہ خون نکلے یعنی جس طرح زندہ سے نکلتا ہے، بزازیہ میں کہا اور شرح طحاوی میں ہے

---

[1] درمختار | کتاب الاضحیۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲۳۲/۲
[2] " | کتاب الذبائح | " " " | ۲۳۰/۲

خروج الدم لایدل علی الحیاۃ الا اذا کان یخرج کما یخرج فی الحی عند الامام وھو ظاھر الروایۃ (باختصار)۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

خون نکلنا زندہ ہونے کی دلیل صرف اس صورت میں ہے کہ اس طرح نکلے جس طرح زندہ سے نکلتا ہے، امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب میں، اور وہی ظاہر روایت ہے (باختصار)۔ (ت)

مسئلہ ۷۲ از شہر کہنہ بریلی ۹ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

ایک مولوی صاحب آئے ہیں، وہ کہتے ہیں بسم اللہ واللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ اللھم منك ولك کہنا چاہئے بسم اللہ اللہ اکبر بغیر واؤ کے جو رائج ہو رہا ہے مکروہ ہے۔ اس میں کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بغیر واؤ کے مستحب ہے، اسے مکروہ کہنا صحیح نہیں، بلکہ تنویر الابصار وغیرہ میں واؤ بڑھانے کو مکروہ فرمایا، بہرحال بلا واؤ کے خالی از کراہت و پسندیدہ و مستحب ہونے میں کلام نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ذبح کرتا ہے، دوسرا پاؤں یا سر ذبیحہ کا پکڑے ہے، دونوں پر بسم اللہ ضرور ہے یا ذابح کی کافی ہے؟ اور اگر مددگار نے بسم اللہ ترک کی قصدًا یا یہ مددگار کوئی کافر مشرک ہندو وغیرہ تھا، تو ذبیحہ حلال رہا یا مردار ہوا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اصل ذابح پر تکبیر کہنی لازم اور اُسی کی تکبیر کافی ہے، سر یا پاؤں پکڑنے والے کی تکبیر کی اصلاً حاجت نہیں، نہ اس کا کافر مشرک ہونا کچھ مضر،

فان الذبح انما ھو قطع العروق لا الاخذ بالراس والقوائم کما لایخفی۔

ذبح جانور کی رگوں کے کاٹنے کا نام ہے جانور کے سر و پاؤں پکڑنے کا نام نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ت)

ہاں اگر ایک نے دوسرے کو نفسِ ذبح میں مدد دی، مثلاً زید ذبح کرتا ہے عمرو نے دیکھا اس کا ہاتھ ضعیف ہے ذبح میں دیر ہوگی اپنا ہاتھ بھی چھری پر رکھ دیا اور دونوں نے مل کر چھری پھیری تو بیشک دونوں میں جو کوئی قصدًا تکبیر نہ کہے گا جانور حرام ہو جائے گا، یونہی اگر اُن میں کوئی کافر مشرک تھا تو بھی ذبیحہ مردار ہو گیا،

فی الدر المختار تشترط التسمیۃ من

درمختار میں ہے کہ ذبح کرنے والے پر بسم اللہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۲

الذابح[1] وفیہ عن الخانیۃ ارادۃ التضحیۃ فوضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح و اعانہ علی الذبح، سمّی کل وجوبا فلو ترکہا احدھما، اوظن ان تسمیۃ احدھما تکفی حرمت[2] الخ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔

پڑھنا لازم ہے، اور اس میں خانیہ سے ہے قربانی کرتے ہوئے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ ذبح میں رکھا اور ذبح میں مدد کی تو ہر ایک بسم اللہ پڑھے، تو اگر ایک نے نہ پڑھا یا خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے تو جانور حرام ہوگا الخ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب (ت)

مسئلہ ۱۳ صفر ۱۳۳۲ھ

چہ فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ بہنگامِ ذبح کردن حیوان و ذابح سُوئے کدامے باید استاد، و راس حیوان کدام جانب می کند، استفتاءً اشاعت ست کہ بوقت ذبح حیوان سروی بجنوب می کند و چہرۂ ذابح بقبلہ مے کند، خلاصہ آنکہ اگر بجانب شمال وجنوب ومشرق شدہ ذبح سازد پس چہ حکم دارد، آیا کہ جائز مے شود یا بدعت، اگر بدعت شود کدام بدعت، وکدام اولٰی ست؟ مع ادلہ تصریحاً تحریر فرمایند۔ بیّنوا توجروا۔

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ حیوان کو ذبح کرتے ہوئے حیوان کا سر کس طرف ہونا چاہئے اور ذبح کرنے والا کس جانب کھڑا ہو، مشہور ہے کہ ذبح کے وقت جانور کا سر جنوب کی طرف اور ذبح کرنے والا رُو بقبلہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ جنوب، شمال اور مشرق کی طرف ہو کر ذبح ہوا تو کیا حکم ہے، کیا جائز ہُوا یا بدعت ہوئی، اگر بدعت ہے تو کون سی، اور کون سی جانب اولٰی ہے؟ دلائل کے ساتھ صراحۃً تحریر فرمایا جائے۔ بیّنوا توجروا (ت)

الجواب

سنّت متوارثہ آن ست کہ رُوئے خود و رُوئے ذبیحہ ہر دو سُوئے قبلہ کند، و سرِ ذبیحہ در بلادِ ما کہ قبلہ سُوئے مغرب ست جانبِ جنوب بود تا ذبیحہ بر پہلوئے چپ خودش خوابیدہ باشد، و پشتِ اُو جانبِ مشرق، تا رُوئے سمت قبلہ بود، و ذابح

سنّت یہ چلی آرہی کہ ذبح کرنے والا اور جانور دونوں قبلہ رُو ہوں، ہمارے علاقہ میں قبلہ مغرب میں ہے اس لئے سرِ ذبیحہ جنوب کی طرف ہونا چاہئے تاکہ جانور بائیں پہلو لیٹا ہو اور اس کی پیٹھ مشرق کی طرف ہو تاکہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو جائے، اور ذبح کرنے والا

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۲۸
[2] " کتاب الاضحیۃ " ۲/۲۳۵

پائے راست خود بر صفحۂ راست گردنش نہادہ ذبح کند، اگر توجیہ یا توجیہ بہ قبلہ ترک کند مکروہ است، اور اگر بپہلوئے راستش خواباند نزد بعض اجلۂ ائمۂ مالکیہ حرام گردد، خوردنش روا نبود، پس احتراز ازاں مناسب وموکد تر شد خروجاً عن الخلاف۔ احمد و دارمی و ابوداؤد وابن ماجہ از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ راوی قال ذبح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوأین، فلما وجھھما قال انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض[عـه] الحدیث، وبخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ از انس رضی اللہ تعالٰی عنہ آوردند قال ضحی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکبشین املحین: فرأیتہ واضعا قدمہ علی صفاحھما یسمی ویکبر فذبحھما بیدہٖ، امام عینی در عمدۃ القاری فرمود، فالتکبیر مع التسمیۃ مستحب وکذا وضع الرجل علی صفحۃ عنق الاضحیۃ

اپنا دایاں پاؤں جانور کی گردن کے دائیں حصہ پر رکھے اور ذبح کرے اور خود اپنا یا جانور کا منہ قبلہ کی طرف کرنا ترک کیا تو مکروہ ہے، اگر جانور دائیں پہلو لٹایا تو بعض اجلہ ائمہ مالکی کے نزدیک حرام ہوجائیگا اور اس کا کھانا جائز نہ ہوگا، لہٰذا اس سے پرہیز میں تاکید ہے تاکہ خلاف سے بچا جائے۔ احمد، دارمی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قربانی کے روز دو خصی، چتکبرے، سینگوں والے دُنبے ذبح فرمائے، آپ نے جب ان کو قبلہ رُو لٹایا تو آپ نے یہ دُعا پڑھی انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض الحدیث[۱]۔ بخاری، مسلم، دارمی[عـه] اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا انھوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو چتکبرے، موٹے دُنبے ذبح فرمائے تو میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنا پاؤں مبارک جانور کی گردن کے ساتھ والے حصہ پر رکھا اور بسم اللہ پڑھی اور تکبیر کہی تو دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا[۲]۔ امام عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا بسم اللہ کے ساتھ تکبیر مستحب ہے اور یوں قربانی کے

عـه: ھکذا فی الاصل لعلہ "الدارمی"۔

---

[۱] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب مایستحب من الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰

[۲] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہٖ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۴-۸۳۵

صحیح مسلم " " " " " " " " ۲/ ۱۵۶

الایمن ، واما التسمیۃ فھی شرط[1] وبھذا السنۃ قال ابن القاسم الصواب ان یضجعھا علی شقھا الایسر، وعلی ذٰلک مضی عمل المسلمین، فان جھل فاضجعھا علی الشق الاخر لم یجز اکلھا[2]۔ درتنویر الابصار کرہ ترک التوجہ الی القبلۃ[3]۔ ورد درمختار ست لمخالفتہ السنۃ[4]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جانور کی گردن کے دائیں پہلو پر پاؤں رکھنا مستحب ہے لیکن بسم اللہ پڑھنا شرط ہے، اور اسی میں ہے ابن قاسم نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ جانور کو بائیں پہلو لٹایا جائے مسلمانوں کا یہی طریقہ جاری ہے اگر جہالت کی اور جانور کو دوسرے پہلو لٹایا تو کھانا جائز نہ ہوگا۔ تنویر الابصار میں ہے کہ قبلہ کی جہت کا ترک مکروہ ہے، درمختار میں ہے کہ یہ سنّت کے مخالف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۵: از شہر لاہور مرسلہ انوار الحق تحصیل چونیاں روز جمعہ ۱۲ رذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس طرح ذابح پر تسمیہ پڑھنا ضروری ہے اسی طرح معین ذابح پر تسمیہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور معین ذابح کس کو کہتے ہیں؟

الجواب

معین ذابح سے یہی مراد ہے کہ ذابح کا ہاتھ کمزور ہو، ذبح میں وقت دیکھے تو دوسرا اس کے ساتھ چھُری پر ہاتھ رکھ کر دونوں مل کر ہاتھ پھیریں، اس صورت میں دونوں پر تکبیر واجب ہے، اگر اُن میں سے کوئی بھی قصداً تکبیر نہ کہے گا، ذبیحہ مردار ہوجائے گا اگرچہ دوسرا تکبیر کہے۔ دیوبندی قول محض غلط وجہالت ہے، تکبیر ذبح پر لازم فرمائی گئی ہے، اور ہاتھ پاؤں پکڑنا ذبح نہیں، ہاتھ پاؤں پکڑنے والا مثل رسّی کے وہی کام دے رہا ہے جو ایک رسّی دیتی ہے، اُس پر تکبیر لازم ہونا درکنار، اگر مجوسی یا بُت پرست ہاتھ پاؤں پکڑے گا ذبیحہ میں خلل نہ آئے گا۔ تنویر الابصار میں تھا، تشترط التسمیۃ[5] (بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔ ت) درمختار میں اس کی شرح فرمادی، من الذابح[6] (ذبح کرنے والے سے۔ ت) ردالمحتار میں فرمایا:

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہٖ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۲۱/ ۱۵۵

[2] " " " " " " " " " " ۲۱/ ۵۵-۱۵۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[4] " " " " " " " ۲/ ۲۲۸

[5] " " " " " " " ۲/ ۲۲۸

[6] " " " " " " " ۲/ ۲۲۸

شمل ما اذا کان الذابح اثنین فلوسمّٰی احدھما وترك الثانی عمدا حرم اکلہ[1]

جب ذبح میں دو شخص شریک ہوں تو بسم اللہ پڑھنا دونوں پر شرط ہے، اگر ایک نے پڑھا اور ایک نے پڑھنا ترک کیا یا یہ خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے کھانا حرام ہوگا۔ (ت)

درمختار میں خانیہ سے ہے:

فوضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح واعانہ علی الذبح، سمّی کل وجوبا فلوترکھا احدھما اوظن ان تسمیۃ احدھما تکفی حرمت[2]

ذبح کرنے میں معاون نے قصاب کے ساتھ اپنا ہاتھ بھی ذبح میں چھری پر رکھا تو دونوں بسم اللہ بطور وجوب پڑھیں، ایک نے پڑھا دوسرے نے ترک کیا یا ایک کے پڑھنے کو کافی جانا، جانور حرام ہوگا (ت)

شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے:

یشترط تسمیۃ من اعان الذابح بحیث وضع یدہ علی المذبح کما وضع الذابح حتی لو ترك احدھما التسمیۃ لایحل، ذکرہ فی فتاوی قاضی خان[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

ذبح میں معاون نے اپنا ہاتھ قصاب کے ساتھ چھری پر رکھا تو دونوں کا بسم اللہ پڑھنا شرط ہے اگر ایک نے بسم اللہ کو ترک کیا تو حلال نہ ہوگا، اس کو فتاوی قاضیخان میں ذکر کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۶: مرسلہ بھولا گھمیار دکاندار سیہراؤں، ڈاکخانہ پٹی، تحصیل قصور، ضلع لاہور ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ ذبح کے وقت جس بکرے کی گھنڈی سر کی طرف ایک چھلہ بھی نہ رہے وہ عند الشرع حلال ہے یا حرام؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس مقام میں تحقیق یہ ہے کہ ذبح میں گھنڈی کا اعتبار نہیں، چاروں رگوں میں سے تین کٹ جانے پر مدار ہے، اگر ایک یا دو رگ کٹی حلال نہ ہوگا اگرچہ گھنڈی سے نیچے ہو، اور اگر چاروں یا کوئی سی تین کٹ گئیں تو حلال ہے اگرچہ گھنڈی سے اوپر ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل

اگر گھنڈی سے اوپر ذبح میں چار میں سے تین رگیں

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۲

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

[3] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۱

قطع ثلثة من العروق فالحق ما قاله شراح الھدایۃ تبعا للرستغفنی، والا فالحق خلافہ، اذ لم یوجد شرط الحل باتفاق اھل المذھب، ویظھر ذلک بالمشاھدۃ او سوال اھل الخبرۃ، فاغتنم ھذا المقال ودع عنك الجدال[1]، وھو تعالٰی اعلم۔

کٹ گئیں جو ہدایہ کے شارحین نے رستغفنی کی اتباع میں کہا وہ حق ہے ورنہ حق اس کے خلاف ہے کیونکہ اہل مذہب کی متفقہ شرط برائے حلت نہ پائی گئی، یہ معیار مشاہدہ سے ظاہر ہوگا یا ماہرین سے پُوچھنے پر ظاہر ہوگا اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور جھگڑا ختم کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از چوکی زیریں مسجد کلاں ضلع ڈیرہ غازی خاں مرسلہ جناب عبداللہ صاحب ۱۲ رمضان ۱۳۳۵ھ

جناب حضرت مولٰنا و بالفضل اولٰنا جناب شمس العلماء و مفتی العصر سلامت، حضور انور! مذبوحہ فوق العقدہ کا مسئلہ جو اختلاف میں ضبط ہے، آں صاحب مہربانی فرما کر مرجح قول کو بدلائل تحریر فرما کر دستخط فرمادیں، تکلیف سے بالکل عفو کریں۔

الجواب

اس مسئلہ پر تحقیق و قول فیصل یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ سے اگر چاروں یا تین رگیں کٹ گئیں ذبح ہوگیا' جانور حلال، اور اگر صرف دو ہی کٹیں' حلقوم و مری نیچے رہ گئے' ذبح نہ ہوا' اور جانور مردار۔ یہ بات دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے، خود پہچان نہ ہو تو پہچان والوں کے بیان سے۔ ردالمحتار میں ہے:

والتحریر للمقام ان یقال ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلثۃ من العروق، فالحق ما قالہ شراح الھدایۃ تبعا للرستغفنی والا فالحق خلافہ، اذ لم یوجد شرط الحل باتفاق اھل المذھب، ویظھر ذلك بالمشاھدۃ او سوال اھل الخبرۃ فاغتنم ھذا المقال، ودع عنك الجدال[2] اھ

مقام کی وضاحت یہ ہے کہ یُوں کہا جائے کہ اگر گھنڈی سے اوپر ذبح میں تین رگیں کٹ گئی ہوں تو شروح ہدایہ نے رستغفنی کی اتباع میں جو کہا وہ حق ہے ورنہ حق اس کے خلاف ہے کیونکہ اہل مذہب کی متفقہ شرط برائے حلت نہ پائی گئی، یہ معیار مشاہدہ سے یا ماہرین کے بتانے پر ظاہر ہوگا، اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور جھگڑا ختم کرو اھ، اس

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۸۷

[2] ردالمحتار " " " ۵/۱۸۷

وفیما کتبت علیہ فان قلت سیأتی عن البدائع ان الاوداج متصلۃ من القلب بالدماغ، فیحصل فریھا بالذبح فوق العقدۃ ایضا لامحالۃ، ولا شك ان ذٰلك بین اللبۃ واللحیین، فیجب الحل قلت سنذکرھناك ان المراد ثمہ بالاوداج الودجان اذھما المتصلان من الدماغ الی القلب لا الحلقوم والمریٔ. واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

پر میں نے حاشیہ میں لکھا اگر تجھے اعتراض ہو کہ بدائع سے عنقریب نقل ہوگا کہ اوداج رگیں دل و دماغ سے متصل ہوتی ہیں تو گھنڈی سے اوپر ذبح کرنے میں لازماً یہ رگیں کٹ جائیں گی، اور اس میں شک نہیں کہ یہ جبڑوں اور لبہ کے درمیان میں ہے، تو گھنڈی سے اُوپر ذبح میں حلال ہوجانا لازمی ہے، میں جواب میں کہوں گا کہ وہاں اوداج سے دو ودجان رگیں مراد ہیں کیونکہ یہ دونوں دل تا دماغ متصل ہوتی ہیں باقی دو یعنی حلقوم اور مری مراد نہیں ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ از شہر گورکھپور محلہ اسمٰعیل پور مرسلہ محمد عبدالواسع صاحب حنفی ۲۳ ذیلقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص ذبیحہ کو ذبح کرتا ہے اور اُس کے ساتھ دوسرا ایک اور جو شریک حال ہو کر ذبیحہ کے اعضاء پکڑے ہوئے ہے، اگر ذبح کرنے کے علاوہ یہ ایک اس کا شریک حال تکبیر نہ کہے تو کیا ذبیحہ حرام ہوجائے گا؟ یعنی کیا ذبح کرنے والے اور اُس کے شریک حال دونوں کے لئے ذبح کے وقت تکبیر کہنا لازمی وضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

ذبیحہ کا ہاتھ پاؤں پکڑنے والا بندش کی رسّی کی طرح ہے، اُس پر تکبیر کچھ ضروری نہیں، بلکہ وہ اہل تکبیر میں سے بھی ہونا ضروری نہیں، اگر مشرک یا مجوسی ہو جب بھی ذبیحہ میں فرق نہ آئے گا، وہ معین ذابح جس پر تکبیر کہنا ضرور ہے وُہ ہے کہ ذابح کا ہاتھ ضعیف ہو تنہا اس کی قوت سے ذبح نہ ہوسکتا ہو، یہ شخص نفس فعل میں اس کی امداد کرے اس کے ساتھ چھُری پر ہاتھ رکھے اور ذبح دونوں قوتوں کے اجتماع سے واقع ہو، اس حالت میں دونوں پر تکبیر لازم ہے، ایک بھی قصداً چھوڑے گا ذبیحہ مردار ہوجائے گا لانہ اذا اجتمع المبیح والمحرم غلب المحرم (کیونکہ مباح کرنیوالی اور حرام کرنیوالی دونوں دلیلیں جمع ہوں تو حرام کی دلیل کو غالب کیا جاتا ہے۔ ت)

درمختار میں ہے:

---

[1] جد الممتار علی رد المحتار

وتشترط التسمیۃ من الذابح حال الذبح[1] اھ فدل علی عدم اشتراطھا من غیر الذابح۔

حالتِ ذبح میں ذبح کرنے والے کے لئے بسم اللہ پڑھنا شرط قرار دیا گیا ہے اھ تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ غیر ذابح کے لئے یہ شرط نہیں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

اذاکان الذابح اثنین فلوسمی احدھما وترک الثانی عمدا حرم اکلہ کما فی التاترخانیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جب دو مل کر ذبح کریں تو ایک نے بسم اللہ پڑھی اور دوسرے نے قصداً ترک کی تو اس کا کھانا حرام ہے جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹: از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ فرمایند علمائے دین دریں مسائل :

علمائے دین کیا فرماتے ہیں ان مسائل میں :

(۱) حکم ذبح فوق العقدہ نوشتہ شدہ بمن رسید لیکن جناب اعلیحضرت فیصلہ بانہ کردہ، ہمیں اختلاف دریں ملک بسیارست، کسے می گوید کہ ہر چہار رگ بریدہ شود، کسے می گوید کہ نہ، براہِ کرم نویسند صاحب بکدام روایت قائل است، ہرچہ رائے مولوی صاحب واتفاق فتوٰی است، تحریر فرمایند تاکہ براں عمل درآمد کردہ باشد۔

(۱) فوق العقدہ (گھنڈی کے اوپر) ذبح کا حکم لکھا ہوا مجھے ملا، لیکن جناب اعلحضرت نے فیصلہ نہ فرمایا، اس ملک میں اس مسئلہ میں کثیر اختلاف ہے کوئی کہتا ہے چاروں رگیں کٹی ہونی چاہئیں، کوئی اس کے خلاف کہتا ہے، برائے مہربانی مولوی صاحب جس روایت کے قائل ہوں اور جو رائے ہو اور فتوٰی کا جس پر اتفاق ہو وہ لکھیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔

(۲) بریتیم قربانی واجب ست یا نہ ؟

(۲) یتیم پر قربانی واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب

(۱) اجماعِ ائمہ ماست کہ اگر سہ رگ بریدہ شود ذبیحہ حلال ست، وایں معنی بمشاہدہ یا رجوع باہل تجربت تواں دریافت، ہمیں در فتوٰی سابقہ نوشتہ شدہ وہمیں است فیصلہ علامہ شامی در ردالمحتار،

(۱) ہمارے ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ اگر تین رگیں کٹ گئی ہوں تو ذبیحہ حلال ہے، یہ معیار مشاہدہ سے یا ماہر سے دریافت کریں، پہلے فتوٰی میں یہی لکھا گیا تھا اور یہی فیصلہ علامہ شامی کا ردالمحتار میں

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۲

وانچہ یکبار برائے امتحان مشہود فقیر شد آنست کہ بذبح فوق العقدہ نیز رگہا بریدہ مے شود۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہے، اور ایک بار اس فقیر نے بطور امتحان مشاہدہ کیا تو فوق العقدہ سے بھی تمام رگیں کٹی ہوئی تھیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲)

مسئلہ ۸۱: از سرال ڈاکخانہ بشندور تحصیل وضلع جہلم مرسلہ حافظ سجاد شاہ ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقدہ مذبوح بطرف صدر ہو جائے تو کیا حکم ہے۔

قال عینی وذکر العقدۃ لا فی کلام اللہ و لا فی کلام رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا عقدہ (گھنڈی) کا ذکر اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلام میں موجود نہیں ہے۔ (ت)

اس مسئلہ میں تردد ہے۔

الجواب

کم از کم تین رگیں کٹنا لازم ہے، اگر عقدہ طرف راس رہا اور تین سے کم رگیں کٹیں مردار ہو گیا، اور عقدہ طرفِ صدر رہا اور ذبح بین اللبۃ واللحیین ہوا اور تین رگیں کٹ گئیں حلال ہو گیا، ھو التحقیق الذی لا یحل العدول عنہ (یہی تحقیق ہے اس سے عدول نہ چاہئے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۲: از مدرسہ اسلامیہ عربیہ ریلوی ہمایوں پوسٹ پٹ میاں تعلقہ شکارپور ضلع سکھر مسئولہ محمد محسن علی ہاشمی مدرس اول ۸ شوال ۱۳۳۵ھ

چہ مے فرمایند علمائے عظام دریں مسئلہ کہ مذبوح فوق العقدہ حلال ست یا حرام؟ بینوا توجروا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے عظام اس مسئلہ میں کہ فوق العقدہ ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔ (ت)

الجواب

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الذکاۃ مابین اللبۃ واللحیین[2]، ولا شك ان

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ذبح لبہ اور دو جبڑوں کے درمیان ہے، اور شک نہیں کہ فوق العقدہ

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الذبائح المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۱۳۷

[2] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ " المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۱۸۵

ما فوق العقدۃ مما یلیھا بین المحلین وکلام التحفۃ والکافی وغیرھما یدل علی ان الحلق یستعمل فی العنق کما فی ابن عابدین فتحریر العلامۃ عندی ما افادہ فی رد المحتار، اذ قال والتحریر للمقام ان یقال ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلثۃ من العروق، فالحق ماقالہ شراح الھدایۃ تبعا للرستغفنی، والا فالحق خلافہ اذا لم یوجد شرط الحل باتفاق اھل المذھب، ویظھر ذٰلک بالمشاھدۃ او سؤال اھل الخبرۃ فاغتنم ھذا المقال ودع عنک الجدال[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ان دونوں کے درمیان سے متصل ہے، اور کافی اور تحفہ وغیرہما کا کلام دلالت کرتا ہے کہ حلق کا استعمال گردن پر ہوتا ہے جیسا کہ ابن عابدین کے کلام میں ہے تو علامہ ابن عابدین کا فیصلہ کن کلام میرے نزدیک معتبر ہے جس کا انھوں نے ردالمحتار میں افادہ کیا جب انھوں نے فرمایا: تحریرِ مقام یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ فوق العقدہ ذبح میں اگر تین رگوں کا کٹنا پایا گیا تو حق وہ ہے جو شراح ہدایہ نے رستغفنی کی اتباع میں کہا ورنہ حق اس کے خلاف میں ہے کیونکہ تین رگیں نہ کٹنے کی صورت میں اہل مذہب کی متفقہ شرط حلال ہونے کی نہ پائی گئی اور یہ معیار مشاہدہ یا ماہرین سے پوچھنے پر معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور تنازع کو ختم کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۳: ازشہر بریلی محلہ بہاری پور مسئولہ جناب مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب زید مجدہم بتاریخ ۴ صفر المظفر قدسی ۱۳۳۰ھ

بندوق سے ایک ہرن شکار ہوا، چونکہ اس وقت چاقو یا چھری موجود نہ تھے، تو ایک سوار کو گاؤں کی طرف چھری لینے کو دوڑایا، اتنے میں ہرن قریب مرنے کے ہوگیا، تو ایک زمیندار سے جو اتفاقیہ وہاں موجود تھا درانتی جس سے چارہ کاٹا جاتا ہے اور دندانہ دار ہوتی ہے، لی گئی، اور ایک مرد عادل مسلمان نے ذبح کیا، اس شکار کو کھایا گیا، اس پر چند لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے آلہ سے ذبح کیا ہوا حرام ہے، تو یہ اعتراض ان کا بجا ہے یا بیجا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

درانتی بھی آلاتِ ذبح سے ہے، ردالمحتار کتاب الصید میں ہے:

لو نصب شبکۃ وکان بھا اٰلۃ جارحۃ

اگر ایسا جال لگایا جس کے ساتھ کوئی آلہ جارحہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۷

كمنجل وسمّى عليه وجرحه حل عندنا كما لو رماه بها[1] انتهى مختصرًا۔

لگا ہوا ہو مثلاً منجل، اور بسم اللہ پڑھی ہو اور آلہ نے اسے زخمی کردیا تو ہمارے نزدیک حلال ہوجائیگا، جیساکہ آلہ جارحہ پھینکنے کی صورت میں حلال ہوجاتا ہے انتہی مختصراً۔ (ت)

تاج العروس شرح قاموس میں ہے:

المنجل کمنبر حدیدة ذات اسنان یقضب بها الزرع وقیل هو ما یقضب به العود من الشجر[2]۔

منجل بروزن منبر، وُہ ایک دانتوں والا لوہے کا آلہ (درانتی) ہے، اس کے ساتھ فصل کو کاٹا جاتا ہے، اور بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ درخت کی ٹہنی کاٹی جاتی ہے۔ (ت)

مگر اس سے ذبح کرنا ممنوع و گناہ ہے کہ بے سبب ایذا ہے، جیسے کُند چھری یا اس سے بھی زائد، ذبائح الھندیہ میں محیط امام سرخسی سے ہے:

الکلیلة یجوز الذبح بها ویکرہ[3]۔

کُند چھری سے ذبح جائز ہے اور مکروہ ہے (ت)

لیکن ایسی صورت میں کہ جانور مرا جاتا ہے اور اس کے سوا کوئی آلہ نہیں، اجازت بعید نہیں،

فان الضرورات تبیح المحذورات[4]، وربما یفیدہ قول الدر المختار کل تعذیب بلا فائدة، مثل قطع الراس والسلخ قبل ان تبرد ای تسکن عن الاضطراب[5] اھ فھذا وان کان تعذیبا فلا فائدة بل للضرورة۔

ضروریات مباح کردیتی ہیں ممنوعات کو، اور درمختار کا قول اس کے لئے مفید ہے کہ سرد ہونے سے قبل یعنی اضطراب ختم ہونے سے قبل جانور کا سر کاٹنا اور جانور کی کھال اتارنا مثلاً یہ بیفائدہ عذاب ہے اھ تو یہ اگرچہ بے فائدہ عذاب دینا ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۰۲

[2] تاج العروس شرح القاموس باب اللام فصل النون " " " ۸/۱۲۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۸۶

[4] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۱۸

[5] درمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۲۸

15
15

پھر اگر رگیں کٹنے سے پہلے جانور میں مذبوح کی حیات سے زیادہ حیات باقی تھی جب تو بالاتفاق حلال ہوگیا، اور اس کا کھانا بے تامل روا، اور اس پر اعتراض محض باطل و بے جا، اور اگر آلہ کُند تھا اور بہت سختی کرنی پڑی کہ اکثر رگیں کٹنے سے پہلے ہی دانتوں کی رگڑوں، صدموں سے اس کی روح فنا ہوگئی، یا رہی تو صرف اُتنی ہی رہی جو بعد ذبح ہوتی ہے کہ فقط موت کا تڑپنا باقی ہوتا ہے، اس کے بعد دو چار پہر جی نہیں سکتا، تو اس صورت میں یہاں کہ اور کوئی آلہ ملتا ہی نہ تھا اختلاف علماء ہے بعض فرماتے ہیں حرام ہوگیا کہ ذکوٰۃ اختیاری یعنی رگوں کے کاٹنے سے اس کی موت نہ ہوئی، بلکہ بسبب موت قطع عروق سے پہلے ہی متحقق ہولیا، اور بعض نے کہا حلال ہے کہ جب آلہ میسر ہی نہ تھا تو یہ بھی ایک ذکوٰۃ اضطراری کی شکل میں آگیا۔ اور رجحان موجودہ جانب حرمت ہی پایا جاتا ہے، اور اسی میں احتیاط،

نقل المصنف ان من التعذر ما لو ادرك صيده حيا، او اشرف ثورة على الهلاك، وضاق الوقت عن الذبح، او لم يجد اٰلة الذبح فجرحه حل فی روایة۔[1]

مصنف نے نقل کیا متعذر صورتوں میں، یہ کہ شکار کو زندہ حالت میں پایا یا وہ موت کے قریب تھا، اور ذبح کرنے والے کو وقت کی تنگی تھی یا ذبح کا آلہ نہ پایا تو ایسی صورتوں میں اگر زخمی کر دیا تو حلال ہوگا، یہ ایک روایت ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الاولی ان یقول فی قول لانه نقله المصنف عن القنیة معزوا الی بعض المشائخ، وقال البعض الاٰخر لایحل اکله الا اذا قطع العروق، افاده ط۔[2]

روایت کی بجائے ایک قول کہنا مناسب ہے کیونکہ اس کو مصنف نے قنیہ سے بحوالہ بعض مشائخ نقل کیا ہے، اور بعض دیگر نے کہا اس کا کھانا حلال نہیں جب تک اس کی رگیں نہ کاٹ دے، اس کا افادہ علامہ طحطاوی نے کیا۔ (ت)

اور ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

اشرف ثورہ علی الهلاك ولیس معه الا ما یجرح مذبحه،

جانور موت کے قریب ہے اور ذبح کرنیوالے کے پاس صرف ایسی چیز ہے جو ذبح والے مقام کو زخمی

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹
[2] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

ولو طلب اٰلة الذبح لایدرك ذکاتہ فجرح مذبحہ لایحل، الا اذا قطع العروق، قال القاضی عبدالجبار یحل ان جرحہ کذا فی القنیۃ[1]

کرسکتا ہے اور اگر وہ ذبح کا آلہ تلاش کرے تو جانور مردار ہو جائے ایسی صورت میں مقام ذبح کو زخمی کر دینے سے حلال نہ ہوگا جب تک اس کی رگوں کو کاٹ نہ دے۔ قاضی عبدالجبار نے کہا ہے کہ اگر زخمی کر دیا جس سے موت واقع ہوئی تو حلال ہے یوں قنیہ میں ہے۔ (ت)

تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار کتاب الصید میں ہے:

ان ادرکہ الرامی والمرسل حیا ذکاہ وجوبا، فلو ترکہا حرم، وکذا یحرم لو عجز عن التذکیۃ (بان لم یجد اٰلۃ اولا یبقی من الوقت مایمکن تحصیل الاٰلۃ والاستعداد للذبح) لان العجز عن التذکیۃ لایحل الحرام[2] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کتا چھوڑنے والے یا تیر مارنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کرنا واجب ہے اگر نہ کیا تو حرام ہوگا، اور یونہی اس صورت میں ذبح کرنے سے عاجز رہا تو بھی حرام ہوگا۔ عجز کی صورت یہ کہ ذبح کا آلہ نہ پائے یا اتنا وقت نہ پایا کہ آلہ حاصل کر سکے یا ذبح کی استعداد نہ پائے، کیونکہ عجز حرام کو حلال نہیں کرتا اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۸۵: از ڈیرہ اسمٰعیل خاں ملک وزیرستان چھاؤنی ٹانک پوسٹ کرگٹی ورکس کمپنی مرسلہ مولوی اکبر حسین صاحب اسٹون ۲۶۰۴ ۱۳ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ لوہے کی پتی کی چھری بنی ہو، نہ اس میں دستہ ہو نہ دستہ کی جگہ پر کوئی سوراخ ہو، اُس سے ذبح کرنا درست ہے یا نہیں؟ یہ جگہ فیلڈ ہے، اور گرمی بہت سخت اور دھوپ میں کام کرنا پڑتا ہے، یہاں روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب

اگر اس میں کسی طرف دھار رکھی گئی ہو جیسے چھری میں، تو دھار سے ذبح جائز ہے، اور دھار نہ ہو

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳

ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۳

تو ذبح ناممکن اور جانور مردار ہوجائے گا، نص علیہ الامام النسفی فی الکافی (اس پر امام نسفی نے کافی میں نص فرمائی ہے۔

اگر دھوپ میں کام کرنے کے ساتھ روزہ ہوسکے اور آدمی مقیم ہو مسافر نہ ہو تو روزہ فرض ہے، اور اگر نہ ہوسکے روزہ رکھنے سے بیمار پڑ جائے، ضرر قوی پہنچے، تو مقیم غیر مسافر کو ایسا کام کرنا حرام ہے۔ اگر ترک پر قدرت نہ ہو اور کسی طرح نہ ممکن ہو قضا رکھے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۶ از سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

کوئی جانور دیوار سے دب گیا، گردن مٹی سے دب گئی، تو کس ترکیب سے ذبح کرے؟

الجواب

اگر اندیشہ ہے کہ نکالنے تک اُس کا دم نکل جائے گا، تو جہاں چاہے تکبیر کہہ کر خُون نکال دے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ مرسلہ مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی پیلی بھیت ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بھنگی نے ظاہر کے نام کا بکرا مانا، اُسے ایک فقیر مسلمان نے بھنگی کے گھر جاکر ذبح کیا اور اُس کا کلیجہ نکال کر بھونا، اور اس فقیر کے ہمراہ چار مسلمان اور تھے، پانچوں نے کھایا، فقیر کافر ہوا یا مسلمان رہا؟ مرتکب حرام ہوا یا نہیں؟ اور بقیۂ آکلین کا کیا حکم ہے؟ اور یہ ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ مثل میتہ ہے یا اس سے کچھ اوتر تا؟ اور جو اس ذبیحے کو حلال بتائے وُہ بر تقدیر حرمت کافر ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ذابح اگر غیر خدا کے نام پر ذبح کرے یعنی وقتِ ذبح جس طرح تکبیر کا حکم ہے یہ غیر خدا کا نام لے مثلاً بسم اللہ کی جگہ باسم فلاں کہے تو ذبیحہ قطعاً حرام ہے، قال اللہ تعالٰی وما اھل بہ لغیر اللہ[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا۔ ت) اسی طرح اگر مسلمان[ع] کلمہ گو نے اُس ذبح

ع خصصت الکلام بالمسلم لان الشرك میں نے مسلمان کو خاص ذکر کیا کیونکہ مشرک اگرچہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

سے غیر خدا کی عبادت کا قصد کیا اور اہلِ اسلام اراقۃ دم لوجہ اللہ سے جس طرح کا تقرب اللہ جل جلالہ کی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لا تحل ذبیحتہ مطلقا وان سمی اللہ تعالٰی وقصد بہ التقرب الیہ وحدہ عزّوجل والکتابی تحل ذبیحتہ اذا سمی اللہ تعالٰی وحدہ وان قصد بہ التقرب الٰی غیرہ تعالٰی، قال النیشاپوری فی تفسیرہ قال مالک والشافعی وابوحنیفۃ و اصحابہ، اذا ذبحوا علی اسم المسیح فقد اھلوا بہ لغیر اللہ فوجب ان یحرم، واذا ذبحوا علی اسم اللہ فظاھر اللفظ یقتضی الحل ولاعبرۃ بغیر اللفظ[1] اھ وقال فی الھندیۃ عن البدائع لو سمع منہ یعنی من الکتابی ذکر اسم اللہ تعالٰی لکنہ عنی باللہ تعالٰی وعزوجل المسیح علیہ السلام قالوا توکل الا اذا نص فقال بسم اللہ الذی ھو ثالث ثلثۃ فلا یحل[2] الخ، اقول

اللہ وحدہٗ تعالٰی کے نام اور اسی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کرے تب بھی اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا، اور اہلِ کتاب (یہودی یا عیسائی) اگر اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا اگرچہ وُہ غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کرے۔ علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ امام مالک، شافعی، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے فرمایا کہ اگر عیسائی مسیح کے نام پر ذبح کریں تو اس نے یقیناً غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا، لہٰذا ضروری ہے کہ وُہ ذبیحہ حرام ہو، اور اگر وہ اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کریں تو ظاہر الفاظ کے اعتبار پر وہ ذبیحہ حلال ہوگا اور غیر لفظ کا اعتبار نہ ہوگا اھ، ہندیہ میں فرمایا کہ بدائع میں ہے اگر کتابی عیسائی سے ذبح کے وقت اللہ تعالٰی کا نام سُنا لیکن اس نے اللہ تعالٰی سے مراد مسیح علیہ السلام کو لیا تو فقہاء نے فرمایا کہ اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا جب تک کہ صریح الفاظ میں یُوں کہے اللہ کے نام سے جو تین میں سے تیسرا ہے، اگر صریح طور پر ایسے کہے تب حرام ہوگا الخ اقول (میں کہتا ہوں)

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] غرائب القرآن (تفسیر النیسابوری) تحت آیۃ ۲/۱۷۳ مصطفٰے البابی مصر ۲/۲
[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۸۵

چاہتے ہیں، اس نے اس ذبح سے اسی نوع کا تقرب غیر خدا کی طرف چاہا، تو بھی حرمتِ ذبیحہ میں کلام نہیں، اگرچہ اس پر زبان سے خالص تکبیر ہی کہی ہو کہ جبکہ اس نے غیر خدا کو معبود قرار دیا یا اس ذبح سے اس کی عبادت کا قصد کیا مرتد ہوگیا، اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں، مگر نازلہ مسئولہ سائل ان صورتوں سے بری ہے کہ یہ تو یقیناً معلوم کہ کوئی کلمہ گو ذبح کرتے وقت بسم اللہ کی جگہ باسم ظاھر ہرگز نہیں کہتا، نہ زنہار کسی مسلمان پر یہ گمان ہوسکتا ہے کہ وہ غیر خدا کی عبادت چاہے اور ظاہر واہر بھنگیوں وغیرہم کفار کے باطل معبودان کو معاذ اللہ معبود قرار دے، تو لاجرم اس نے اللہ ہی کے نام ذبح کیا اور عبادتِ غیر خدا کا خیال بھی اس کے دل میں نہ آیا بلکہ اصلاً اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کہ اس کی جان دینے سے فقیر مسلم اس معبود باطل کی مجرد تعظیم (جو مثل تعظیم اہل دنیا بوجہ عدمِ انحائے تعظیم الٰہی سے نہیں ہوسکتی) منظور رکھی ہو، کہ مسئلہ ذبح عند قدوم الامیر کو اس سے تعلق ہو سکے، انصاف یہ ہے کہ اس طرح کے فقیروں کو صرف اپنے کھانے سے غرض ہوتی ہے، کافر بلا کر لے گیا انھوں نے تکبیر کہہ کر بطور مسلمانان ذبح کیا اور اپنے کھانے کے قابل کردیا، اس کے سوا انھیں دوسری نیتِ فاسدہ کا مرتکب جاننا مسلمان پر نری بدگمانی ہے جو بنصِ قطعی قرآن حرام،

قال اللہ تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم۱؎۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کچھ گمان گناہ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والسرفیہ ما اشرنا الیہ ان الکتابی لایخرج بھذا عن کونہ کتابیا فتحل اذا جرد التسمیۃ للہ تعالٰی کما ان المشرك لایخرج عن الاشراك بتجرید التسمیۃ فلا تحل وان سمی اللہ تعالٰی اما المسلم لیخرج بھذا القصد عن الاسلام فلا تحل ھکذا ینبغی ان یفھم ھذا المقام ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز۔

اس میں نکتہ یہ ہے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے کہ عیسائی وکتابی خالص اللہ تعالٰی کا نام لینے اور مراد مسیح علیہ السلام لینے پر کتابی ہونے سے باہر نہ ہوگا، لہذا اس کا ذبیحہ حلال جس طرح مشرک خالص اللہ تعالٰی اور اسی کا تقرب مراد لینے سے شرک سے باہر نہ ہوگا لہذا اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا جبکہ مسلمان غیر اللہ کا تقرب وعبادت مراد لینے پر اسلام سے باہر ہوجاتا ہے لہذا وہ ذبیحہ حلال نہ ہوگا، اسی مقام کو یوں سمجھنا مناسب ہے ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

۱؎ القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب[1] الحدیث، رواہ الائمۃ مالک والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) گمان سے دُور رہو کہ گمان سے بڑھ کر کوئی بات جھوٹی نہیں الحدیث (اس کو ائمہ مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور دل کے ارادے پر حکم کرنا خصوصاً ایسا کہ صراحۃً خلافِ ظاہر و موہوم مضمحل بلکہ محض غلط باطل ہے، بیشک جرم عظیم ہے،

قال اللہ تعالٰی ولاتقف مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولا[2]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ بیشک کان، آنکھ، دل سب سے سوال ہونا ہے (ت)

وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالہا ام لا[3]۔ اخرجہ مسلم عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

(رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) تُو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا (اس کو مسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

سیدی عارف باللہ احمد زروق روح اللہ تعالٰی روحہ فرماتے ہیں:

انما ینشؤ الظن الخبیث عن القلب الخبیث[4]۔ ذکرہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی الحدیقۃ الندیۃ۔

خبیث گمان خبیث دل سے نکلتا ہے۔ (اس کو سیدی عبدالغنی النابلسی نے حدیقۃ الندیہ میں ذکر کیا ہے۔ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب لایخطب علی خطبۃ اخیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷۲ و ۸۹۶
صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظن " " " ۲/ ۳۱۶
جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی ظن السوء امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لاالٰہ الا اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۸

[4] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الرابع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۹

تفسیر کبیر میں فرمایا،

انما کلفنا بالظاھر لابالباطن فاذا ذبحہ علی اسم اللہ وجب ان یحل ولاسبیل لنا الی الباطن[1]

ہم ظاہر کے مکلف ہیں باطن کے نہیں، تو جب اس نے اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کیا تو ضرور حلال ہوگا، ہمیں اس کے باطن کی طرف راہ نہیں ہے (ت)

غنیہ و ذخیرہ وشرح وہبانیہ و درمختار وغیرہا میں ہے،

انا لانسیئ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الأدمی بھذا النحر[2]

ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ اس نے اس ذبح سے کسی آدمی کا تقرب چاہا ہے (ت)

دیکھو ائمہ دین وعلمائے معتمدین کیونکر صاف تصریحیں فرماتے ہیں کہ ہمیں باطن کی طرف کوئی راہ نہیں، ظاہر پر عمل کا حکم ہے، جب مسلمان نے خدا کا نام لے کر ذبح کیا واجب ہوا کہ ذبیحہ حلال ہو، ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ اس نے ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہا ہو، جبکہ فقہائے عدول کے یہ اقوال، خدا و رسول کے وہ ارشاد، تو اب سُوئے ظن پر بنا نہ کرے گا مگر خبیث الباطن کج نہاد،

وما اللہ بغافل عما تعملون[3]، واللہ لایحب الفساد[4]

اللہ تعالٰی غافل نہیں اس سے جو تم کرتے ہو۔ اور اللہ تعالٰی فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں وہ ذبیحہ قطعاً حلال ہے، اور اس فقیر اور اس کے ساتھ والوں نے لحمِ مذکی کھایا نہ مردار۔ فقہائے کرام نے خاص اس جزئیہ کی تصریح فرمائی کہ مثلاً مجوسی نے اپنے آتشکدے یا مشرک نے اپنے بتوں کے لئے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور اس نے خدا کا نام پاک لے کر ذبح کی بکری حلال ہے، کھائی جائے۔ فتاوٰی عالمگیری و فتاوٰی تاتارخانیہ و جامع الفتاوٰی میں ہے،

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم، او الکافر لألھتھم توکل، لانہ سمی اللہ تعالٰی[5]

مسلمان نے مجوسی کی بکری اسکے آتشکدہ کے لئے یا کافر کی بکری ان کے بتوں کے لئے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی تو وہ کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کے نام کو ذکر کیا ہے (ت)

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲/۱۷۳ المطبعۃ البہیۃ مصر ۵/۲۳

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۰

[3] القرآن الکریم ۲/۸۵ [4] القرآن الکریم ۲/۲۰۵

[5] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ التتارخانیۃ عن جامع الفتاوٰی کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۸۶

البتہ مسلمان کے لئے اس صورت میں کراہت لکھتے ہیں، ہندیہ میں عبارتِ مذکورہ کے بعد ہے: ویکرہ للمسلم[1] (مسلمان کے لئے اس میں کراہت ہے۔ ت) ظاہر ہے کہ مسلمان کو ایسا فعل کرنا نہ تھا کہ اس میں بظاہر گویا اُس کافر کا کام پُورا کرنا اور اس کے زعم میں اس کے قصد مذموم کا آلہ بننا ہے، اگرچہ حقیقتِ امر بالکل اس کے مباین ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) بالجملہ اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ یہاں صرف وقتِ ذبح قول ونیتِ ذابح کا اعتبار ہے، اگر ذابح مسلم نے اللہ ہی کے لئے ذبح کیا اور وقتِ ذبح اللہ ہی کا نام لیا تو ذبیحہ قطعاً حلال، اگرچہ مالک نے کسی کے نام پر مشہور کر رکھا ہو۔

قال اللہ تعالٰی وما لکم ان لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ تم اللہ تعالٰی کے نام پر ذبیحہ کو نہیں کھاتے (ت)۔

یُوں ہی کتابی کا ذبیحہ، اگر وقتِ ذبح خالص نام خدا لے۔

قال تعالٰی طعام الذین اوتوا الکتٰب حل لکم[3] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اہلِ کتاب کا طعام تمھارے لئے حلال ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھالِ مذبوح حلال مثل گائے بھینس، بکری، مرغ وغیرہ کے حلال ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مذبوح حلال جانور کی کھال بیشک حلال ہے، شرعاً اس کا کھانا ممنوع نہیں، اگرچہ گائے بھینس بکری کی کھال کھانے کے قابل نہیں ہوتی،

فی الدرالمختار اذا ما ذکیت شاۃ فکلھا سوی سبع ففیھن الوبال، فحاء ثم خاء ثم غین ودال ثم میمان وذال انتھی، فالحاء الحیاء[4]

درمختار میں ہے جب بکری ذبح کی گئی تو سات اجزاء جن میں وبال ہے کے ماسوا کو کھاؤ، سات یہ ہیں: ح، پھر خ، پھر غ اور د، پھر دو میم اور ذ، انتہی۔ حاء حیا کی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۲۸۶/۵

[2] القرآن الکریم ۱۱۹/۶

[3] " ۵/۵

[4] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۳۴۹/۲

وهو الفرج، والخاء الخصیۃ، والغین الغدۃ، والدال الدم المفسوح، والمیمان المرارۃ والمثانۃ، والذال الذکر۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

وہ شرمگاہ، خاء خصیہ کی، غین غدود کی، دال دمِ مفسوح کی، اور دو میم مرارہ (پتّہ) اور مثانہ، اور ذال ذکر ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدن حیوان ماکول اللحم میں کیا کیا چیزیں مکروہ ہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سات چیزیں تو حدیثوں میں شمار کی گئیں: (۱) مرارہ یعنی پتّہ (۲) مثانہ یعنی پھکنا (۳) حیا یعنی فرج (۴) ذکر (۵) انثیین (۶) غدہ (۷) دم یعنی خون مسفوح۔

اخرج الطبرانی فی المعجم الاوسط عن عبداللہ بن عمرو ابن عدی، والبیھقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکرہ من الشاۃ سبعا المرارۃ والمثانۃ والحیاء والذکر والانثیین والغدۃ والدم وکان احب الشاۃ الیہ مقدمھا۔[1]

طبرانی نے معجم الاوسط میں عبداللہ بن عمر اور ابن عدی سے اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ذبیحہ جانور کے سات اجزاء کو مکروہ فرماتے تھے، سات یہ ہیں: مرارہ (پتّہ)، مثانہ، حیاء (شرمگاہ)، ذکر، خصیے، غدود اور خون۔ اور آپ کو بکری ذبیحہ کا مقدم حصہ پسند تھا۔ (ت)

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا، خون تو حرام ہے کہ قرآن عظیم میں اس کی تحریم منصوص، اور باقی چیزیں میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ سلیم الطبع لوگ اُن سے گھن کرتے ہیں اور انھیں گندی سمجھتے ہیں اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے ویحرم علیھم الخبٰئث[2] یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُن پر سب گندی چیزیں حرام فرمائیگا۔

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اما الدم

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا لیکن خون

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۹۴۸۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۰/۲۱۷

[2] القرآن الکریم ۷/۱۵۷

فحرام بالنص والکرہ الباقیۃ لانہا مما تستخبثہ الانفس[1]، قال اللہ تعالٰی ویحرم علیہم الخبٰئث[2]۔

تو وُہ حرام ہے قرآنی نص سے ثابت ہے اور باقی کو میں مکروہ تحریمہ سمجھتا ہوں کیونکہ ان سے نفوس نفرت کرتے ہیں اور جبکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے ویحرم علیہم الخبٰئث۔ (ت)

اسی طرح ینابیع میں ہے کما سیأتی (جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ ت)، اور مختار و معتمد یہ ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے یہاں تک کہ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ نے بلفظ حرمت تعبیر کی، عالمگیری میں ہے:

اما بیان ما یحرم اکلہ من اجزاء الحیوان سبعۃ الدم المسفوح والذکر والانثیان والقبل والغدۃ والمثانۃ والمرارۃ[3]۔

لیکن یہ بیان کہ حیوان کے اجزاء میں سے جن کا کھانا حرام ہے وہ سات ہیں: بہنے والا خون، ذکر، خصیے، شرمگاہ، غدود، مثانہ اور پتہ۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

کرہ تحریما من الشاۃ سبع[4] الخ

بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمہ ہیں الخ (ت)

درمختار میں ہے:

وقیل تنزیہا، والاول اوجہ[5]۔

بعض نے کہا مکروہ تنزیہی ہیں، جبکہ پہلا قول زیادہ معتبر ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وھو ظاھر اطلاق المتون الکراھۃ[6]۔

یہی ظاہر ہے کہ متون نے کراہت کو مطلق ذکر کیا۔ (ت)

مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں ہے:

المکروہ تحریما من الشاۃ سبع[7] الخ۔

بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں (ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار مسائل شتی دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶۰

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ البدائع کتاب الذبائح الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[4] درمختار شرح تنویر الابصار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۹

[5] " " " " " " " ۲/ ۳۴۹

[6] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۷

[7] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

یہ تو سات تو بہت کتبِ مذہب، متون و شروح و فتاوٰی میں مصرح، اور علامہ قاضی بدیع خوارزمی صاحب غنیۃ الفقہاء و علامہ شمس الدین محمد قہستانی شارح نقایہ و علامہ سیدی احمد مصری محشی درمختار وغیرہم علماء نے دو چیزیں اور زیادہ فرمائیں (۸) نخاع الصلب یعنی حرام مغز۔ اس کی کراہت نصاب الاحتساب میں بھی ہے (۹) گردن کے دو پٹھے جو شانوں تک ممتد ہوتے ہیں، اور فاضلین اخیرین وغیرہما نے تین اور بڑھائیں (۱۰) خونِ جگر (۱۱) خونِ طحال (۱۲) خونِ گوشت یعنی دمِ مسفوح نکل جانے کے بعد جو خون گوشت میں رہ جاتا ہے۔ بحرالمحیط میں ہے:

الغدد والذکر والانثیان والمثانۃ والعصبان اللذان فی العنق والمرارۃ والقصید مکروہ[1] اھ ملخصا۔

غدود، ذکر، خصیے، مثانہ، گردن کے دو پٹھے، پتہ، پیٹھ کا گودا مکروہ ہیں اھ ملخصاً (ت)

جامع الرموز میں اس کے بعد ہے:

وکذا الدم الذی یخرج من اللحم والکبد والطحال[2]۔

یُوں ہی وہ خون جو گوشت، جگر اور تلی سے نکلے۔ (ت)

ذبائح الطحاوی میں ہے:

الذکر والانثیان والمثانۃ والعصبان اللذان فی العنق والمرارۃ تحل مع الکراھۃ، وکذا الدم الذی یخرج من اللحم والکبد والطحال دون الدم المسفوح، وھل الکراھۃ تحریمیۃ او تنزیھیۃ قولان[3]۔

ذکر، خصیے، مثانہ، گردن کے دو پٹھے، پتہ کراہت کے ساتھ حلال ہیں، اسی طرح وُہ خون جو گوشت، جگر اور تلی سے نکلے جو بہنے والے خون سے بچا ہوا ہو، اور کیا یہ کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی، دو قول ہیں (ت)

اسی میں مسائل شتّٰی میں ہے: ونزید نخاع الصلب[4] (اور مزید پیٹھ کا گودا۔ ت)

اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی اوج التحقیق (میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہی تحقیق کی بلندی تک وصول ہے۔ ت) علماء کی ان زیادات سے ظاہر ہوگیا کہ سات میں حصر مقصود نہ تھا،

---

[1] جامع الرموز بحوالہ المحیط کتاب الذبائح مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۵۱
[2] " " " " " " ۳/ ۳۵۱
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار " دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷
[4] " " " مسائل شتی مکتبہ عربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۶۰

بلکہ صرف باتباع نظم حدیث ونص امام ان پر اقتصار واقع ہوا، اور خود ان علمائے زائدین نے بھی قصد استیعاب نہ فرمایا یہ امر انھیں عبارات مذکورہ سے ظاہر، اور اس پر دوسری دلیل واضح یہ کہ جگر وطحال وگوشت کے خون گنائے اور (۱۳) خون قلب چھوڑ گئے حالانکہ وہ قطعًا ان کے مثل ہے، یہاں تک کہ عتابیہ وخزانہ وقنیہ وغیرہا میں اس کی نجاست پر جزم کیا اور اسی طرح امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ نے کتاب التجنیس والمزید میں فرمایا، اگرچہ روضہ ناطفی ومراقی الفلاح ودرمختار وردالمحتار وغیرہا اسفار میں طہارت کو مختار رکھا، اور ظاہر ہے کہ نجاست مثبت حرمت ہے اور طہارت مفید حلت نہیں۔ حلیہ میں ہے:

فی القنیۃ دم قلب الشاۃ نجس والیہ مال کلام صاحب الھدایۃ فی التجنیس وفی خزانۃ الفتاوی دم القلب نجس ودم الکبد والطحال لا۔[1]

قنیہ میں ہے بکری کے دل کا خون نجس ہے، تجنیس میں صاحب ہدایہ کا میلان اسی طرف ہے، اور خزانۃ الفتاوٰی میں ہے کہ دل کا خون نجس ہے تلی اور جگر کا خون نجس نہیں ہے (ت)

رحمانیہ میں ہے:

فی العتابیۃ دم القلب نجس، ودم الکبد والطحال لا۔[2]

عتابیہ میں ہے دل کا خون نجس ہے، جگر اور تلی کا خون نجس نہیں (ت)

اور نیز عدم حصر پر ایک اور دلیل قاطع یہ ہے کہ عامہ کتب میں دم مسفوح، اور ان کتابوں میں دم لحم وکبد وطحال کو شمار کیا، تو اس سے واضح کہ کلام اعضاء سے اخلاط تک متجاوز ہوا، اور بیشک اخلاط سے (۱۴) مرہ بھی ہے یعنی وہ زرد پانی کہ پتّہ میں ہوتا ہے جسے صفرا کہتے ہیں، اور ہمارے علماء کتاب الطہارۃ میں تصریح فرماتے ہیں کہ اس کا حکم مثل پیشاب کے ہے، بلکہ بعض نے تو مثل خون کے ٹھہرایا۔ درمختار میں ہے:

مرارۃ فی حیوان کبولہ[3] (حیوان کا پتہ پیشاب کی مانند ہے۔ ت) حلیہ میں ہے:

قیل مرارۃ الشاۃ کالدم وقیل کبولہا، خفیفۃ عندھما، طاھرۃ عند محمد۔[4]

بعض نے کہا ہے پتہ جانور کا خون کی طرح ہے، بعض نے کہا پیشاب کی طرح ہے۔ شیخین کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک پاک ہے۔ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] رحمانیہ

[3] درمختار کتاب الطہارۃ باب الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۷

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

بہرحال کھانا اس کا بیشک ناجائز ہے کما ھو المذھب فی البول (جیسا کہ پیشاب کے بارے میں ان کا مذہب ہے۔ ت) باوجود اس کے یہاں شمار میں نہ آیا، یونہی اخلاط سے بلغم ہے کہ جب براہ بینی مندفع ہو جیسے بھیڑ وغیرہ میں مشاہد ہے، اسے عربی میں مخاط اور فارسی میں آب بینی کہتے ہیں (۱۵) اس کا کھانا بھی یقیناً ناجائز، صرح بہ فی العقود الدریۃ تنقیح الفتاوی الحامدیۃ (یہی تصریح عقود الدریۃ تنقیح الفتاوی الحامدیۃ میں ہے۔ ت) یہ بھی یہاں غیر معدود اور منجملہ دماء (۱۶) وہ خون بھی ہے جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے منجمد ہو کر علقہ نام رکھا جاتا ہے، وہ بھی قطعاً حرام۔ نہایہ و تبیین الحقائق و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

العلقۃ والمضغۃ نجسان کالمنی[1]۔ علقہ (منجمد خون) اور مضغہ (ابتدا تخلیق کا خون اور لوتھڑا) منی کی طرح ناپاک ہیں (ت)

یہ بھی نہ گنا گیا، تو واضح ہوا کہ عامہ کتب میں لفظ سبع (سات) صرف باتباع حدیث ہے، جس طرح کتب کثیرہ میں شاۃ (بکری) کی قید، کما مرعن تنویر الابصار و مغنی المستفتی و مثلہ فی غیرھا (جیسا کہ تنویر الابصار اور مغنی المستفتی سے گزرا، اور اسی کی مثل ان کے غیر میں ہے۔ ت) حالانکہ حکم صرف بکری سے خاص نہیں، یقیناً سب جانوروں کا یہی حکم ہے۔ حاشیہ طحطاویہ میں ہے:

قولہ من الشاۃ ذکر الشاۃ اتفاقی لان الحکم لایختلف فی غیرھا من الماکولات[2]۔ بکری کا ذکر اتفاقی ہے کیونکہ دوسرے جانوروں کے ماکولات میں فرق نہیں (ت)

تو جیسے لفظ شاۃ محض باتباع حدیث واقع ہوا، اور اس کا مفہوم مراد نہیں، یونہی لفظ سبع، اور اہل علم پر مستتر نہیں کہ استدلال بالفحوی یا اجرائے علت منصوصہ خاصہ مجتہد نہیں کما نص علیہ العلامۃ الطحطاوی تبعالمن تقدمہ من الاعلام (جیسا کہ اس پر علامہ طحطاوی نے اپنے گزرے ہوئے بزرگوں کی اتباع میں نص کی ہے۔ ت) اور یہاں خود امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اشیائے ستہ کی علت کراہت پر نص فرمایا کہ خباثت ہے، اب فقیر متوکلاً علی اللہ تعالٰی کوئی محل شک نہیں جانتا کہ (۱۷) دُبر یعنی پاخانے کا مقام (۱۸) کرش یعنی اوجھڑی (۱۹) امعاء یعنی آنتیں بھی اس حکم کراہت میں داخل ہیں، بیشک دُبر فرج و ذکر سے اور کرش و امعاء مثانہ سے اگر خباثت میں زائد نہیں تو کسی

---

[1] ردالمحتار بحوالہ نہایہ و زیلعی کتاب الطہارۃ باب الانجاس دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۸
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار مسائل شتی دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶۰

طرح کم بھی نہیں، فرج و ذکر اگر گزرگاہِ بول و منی ہیں دُبر گزرگاہ سرگین ہے، مثانہ اگر معدنِ بول ہے شکنبہ و رُودہ مخزنِ فرث ہیں، اب چاہے اسے دلالۃ النص سمجھے خواہ اجرائے علّتِ منصوصہ، الحمد للہ بعد اسکے فقیر نے ینابیع سے تصریح پائی کہ امام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دُبر کی کراہت پر تنصیص فرمائی۔ رحمانیہ میں ہے:

فی الینابیع کرہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الشاۃ سبعۃ اشیاء الذکر والانثیین والقبل والدبر والغدۃ و المثانۃ والدم، قال ابوحنیفۃ الدم حرام بالنص، والستۃ نکرھھا لانھا تکرھھا الطبائع[1]۔

ینابیع میں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بکری کے سات اجزاء ذکر، خصیے، مادہ کی شرمگاہ، پاخانہ کی جگہ، غدود، مثانہ اور خون کو مکروہ فرمایا۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: خون نص کے ذریعہ حرام اور باقی چھ کو ہم مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ طبائع ان سے نفرت کرتی ہیں (ت)

(۲۰) وُہ گوشت کا ٹکڑا جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے جسے مضغہ کہتے ہیں، اجزائے حیوان سے ہے، اور وُہ بھی بلاشُبہہ حرام، عام ازیں کہ مخلقہ ہو یا غیر مخلقہ، یعنی ہنوز اس میں اعضاء کی کلیاں پھُوٹی ہوں یا صرف لوتھڑا ہو،

فقد اسلفنا عن السغناقی والزیلعی والشامی انھا نجسۃ، ومعلوم ان کل نجس حرام، وقد قال فی الھدایۃ فی الجنین التام الخلقۃ انہ جزء من الام حقیقۃ لانہ متصل بھا حتی یفصل بالمقراض[2] الخ قلت ویدل علیہ صحۃ الاستثناء، وھو حقیقۃ فی الاتصال، واذا کان ذٰلک کذٰلک فالمضغۃ اولی بالجزئیۃ، وھذا یدل ان السبع لم تستوعب الاجزاء، فضلا من الاخلاط اخوات الدماء۔

ہم سغناقی، زیلعی اور شامی سے پہلے نقل کرچکے ہیں کہ وہ نجس ہے اور ہر نجس کا حرام ہونا معلوم ہے اور ہدایہ میں فرماچکے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں مکمل خلقت بچہ ماں کا جز ہے کیونکہ وہ حقیقی جز ہے حتی کہ اس کو کاٹ کر جُدا کیا جاتا ہے الخ، میں کہتا ہوں، اور اس پر استثناء کی صحت دلالت کرتی ہے اور استثناء کی حقیقت اتصال ہے توجب معاملہ یُوں ہے تو مضغہ بطریقِ اولٰی ماں کا جز ہے، اس سے اس بات پر دلالت ہے کہ سات کا عدد پورے اجزاء کو شامل نہیں چہ جائیکہ خون کی آمیزش سے پیدا ہونے والے امور کو شامل ہو (ت)

---

[1] رحمانیہ

[2] الہدایۃ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۳۸

(۲۱) ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک بچہ تام الخلقۃ بھی کہ من وجہ جزو حیوان ہے یتصل بالام ویتغذی بغذائہا، ویتنفس بتنفسھا (ماں سے متصل، ماں کی غذا سے غذا اور اس کی سانس سے سانس پاتا ہے۔ ت) حرام ہے خواہ اس کے پوست پر بال آئے ہوں یا نہیں، مگر جبکہ زندہ نکلے، اور ذبح کرلیں۔ ہدایہ میں ہے:

من نحر ناقۃ او ذبح بقرۃ، فوجد فی بطنھا جنینا میتا لم یوکل، اشعر اولم یشعر[1]

جس نے اونٹنی یا گائے ذبح کی تو اس کے پیٹ میں بچہ مُردہ ہو تو نہ کھایا جائے اس پر بال ہوں یا نہ ہوں۔ (ت)

شامی میں علقہ ومضغہ کی نجاست لکھ کر فرماتے ہیں: وکذا الولد اذا لم یستھل[2] (یونہی بچہ جب نہ چیخے۔ ت) (۲۲) یونہی نطفہ بھی حرام ہے، خواہ نر کی منی مادہ کے رحم میں پائی جائے یا خود اسی جانور کی منی ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البحر والتاتارخانیۃ ان منی کل حیوان نجس[3]

بحر اور تتارخانیہ میں ہے کہ ہر حیوان کی منی نجس ہے۔ (ت)

اب سات کے سہ گونہ سے بھی عدد بڑھ گیا اور ہنوز اور زیادات ممکن، وہ سات اشیاء حدیث میں آئیں، اور پانچ چیزیں کہ علماء نے بڑھائیں، اور دس فقیر نے زیادہ کیں۔ ان بائیس[۲۲] مسائل اور باقی فروع وتفاریع سب کی تفصیل تام وتحقیق تمام فقیر کے رسالہ المنح الملیحۃ فیما نھی من اجزاء الذبیحۃ میں دیکھی جائے، الحمد للہ علی ما الھم۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۰: از جڑودہ ضلع میرٹھ مرسلہ سید صابر جیلانی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جانور کی کون سی چیز جائز اور حلال ہے اور کون سی چیز ناجائز وحرام ہے؟

الجواب

حلال جانور کے سب اجزاء حلال ہیں مگر بعض کہ حرام یا ممنوع یا مکروہ ہیں (۱) رگوں کا خون (۲) پتا

---

[1] الہدایۃ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۰۸

[3] " " " " " " " " ۱/۲۰۸

(۳) پُھکنا (۴) و (۵) علاماتِ مادہ ونر (۶) بیضے (۷) غدود (۸) حرام مغز (۹) گردن کے دو پٹھے کہ شانوں تک کھنچے ہوتے ہیں (۱۰) جگر کا خون (۱۱) تلی کا خون (۱۲) گوشت کا خون کہ بعد ذبح گوشت میں سے نکلتا ہے (۱۳) دل کا خون (۱۴) پت یعنی وہ زرد پانی کہ پتے میں ہوتا ہے (۱۵) ناک کی رطوبت کہ بھیڑ میں اکثر ہوتی ہے (۱۶) پاخانہ کا مقام (۱۷) اوجھڑی (۱۸) آنتیں (۱۹) نطفہ (۲۰) وہ نطفہ کہ خون ہوگیا (۲۱) وہ کہ گوشت کا لوتھڑا ہوگیا (۲۲) وہ کہ پُورا جانور بن گیا اور مُردہ نکلا یا بے ذبح مرگیا۔

مسئلہ ۹۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زندہ جانور کا کوئی عضو مثلاً دُنبہ کی چکّی کاٹ کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جو عضو مچھلی اور ٹڈی کے سوا کسی زندہ جانور سے جُدا کرلیا جائے مُردہ ہے اور کھانا اس کا حرام،

رواہ الحافظ ابوعیسٰی محمد الترمذی عن ابی واقد اللیثی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قدم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المدینۃ وھم یجبون اسنمۃ الابل، ویقطعون الیات الغنم فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مایقطع من البھیمۃ وھی حیۃ فھو میتۃ[1] قال الحافظ والعمل علٰی ھذا عند اھل العلم۔ فی الھدایۃ فی مسائل السمک، اذا قطع بعضھا فمات یحل اکل ماابین ومابقی لان موتہ بآفۃ وماابین من الحی، وان کان میتا فمیتتہ حلال[2]، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

ابوعیسٰی محمد ترمذی نے ابوواقد لیثی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ زندہ اونٹوں کی کہانوں اور دُنبوں کی چکیوں کو کاٹ کھانا پسند کرتے تھے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، زندہ جانور کا کاٹا ہوا حصہ مردار ہے۔ حافظ ترمذی نے فرمایا: اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے۔ ہدایہ کے مچھلی کے مسائل میں ہے کہ اگر مچھلی کا کچھ حصہ کاٹ کر جُدا کرلیا اور مچھلی مرجائے تو اس کے دونوں ٹکڑے حلال ہیں کیونکہ اس کی موت سماوی ہوتی ہے تو زندہ سے ٹکڑا جُدا کیا ہوا اگرچہ مُردہ ہے لیکن اس کا مُردہ حلال ہے۔ اللہ تعالٰی حقیقت حال بہتر جانتا ہے (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصید باب ماجاء ماقطع من الحی فھو میتۃ امین کمپنی دہلی ۱/۱۷۹

[2] الھدایہ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ دہلی ۴/۴۴۱

16
16

مسئلہ ۹۲ موضع بکہ جیبی والا، علاقہ جاگل، تھانہ ہری پور، ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خاں
مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذبح کس شخص کا جائز اور کس کا ناجائز ہے؟

الجواب

جن[۱]، مرتد[۲]، مشرک[۳]، مجوسی[۴]، مجنون[۵]، ناسمجھ[۶] اور اس شخص کا جو قصداً تکبیر ترک کرے ذبیحہ حرام و مردار ہے، اور ان کے غیر کا حلال جبکہ رگیں ٹھیک کٹ جائیں، اگرچہ ذابح عورت یا سمجھ والا بچہ یا گونگا یا بے ختنہ ہو، اور اگر ذبیحہ صید ہو تو یہ بھی شرط ہے کہ ذبح حرم میں نہ ہو، ذابح احرام میں نہ ہو۔

فی الدر المختار شرط کون الذابح مسلما حلالا اوکتابیا ولو مجنونا او امرأۃ اوصبیا یعقل التسمیۃ والذبح ویقدر اواقلف اواخرس لاوثنی ومجوسی ومرتد وجنی وتارك تسمیۃ عمدا[۱] اھ ملخصا فی رد المحتار، قولہ مجنونا، المراد بہ المعتوہ کما فی العنایۃ عن النہایۃ لان المجنون لاقصد لہ ولانیۃ لان التسمیۃ شرط بالنص وھی بالقصد[۲] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے ذبح کرنے والے مسلمان کا حالت احرام میں نہ ہونا یا کتابی ہو اگرچہ مجنون ہو یا عورت ہو یا بچہ عقلمند ہو جو بسم اللہ و ذبح کو سمجھتا ہو اور قادر ہو، بے سنت ہو یا گونگا ہو۔ بت پرست، مجوسی، مرتد، جن اور قصداً بسم اللہ کو ترک کرنے والا نہ ہو اھ ملخصاً ردالمحتار میں ہے، اس کا قول "مجنون ہو" سے مراد معتوہ (نیم پاگل) ہے کیونکہ مکمل مجنون کا قصد نہیں ہوتا اور نہ نیت ہوتی ہے جیسا کہ عنایہ میں نہایہ سے ہے کیونکہ قصد کے بغیر بسم اللہ کی شرط پوری نہیں ہوتی جبکہ بسم اللہ پڑھنا نص سے ثابت ہے الخ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۳ از اوجین مرسلہ ملا یعقوب علی خاں یکم رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے نامدار مفتیان ذوی الاقتدار اس مسئلہ میں کہ اقوام بواہر اور عورات اور خنثی[عہ] اور کتابی اور مجوسی اور نصرانی اور مردم مشرک، یہ سب بہ تکبیر اللہ اکبر ذبح کریں درست ہے یا نہیں؟ اور اہل علم ذبح کرے اور ہنود جانور کو دبائے تو مددگار اور ذابح دونوں پر تکبیر کہنا واجب ہے یا فقط ذبح کنندہ

عہ ھکذا فی الاصل ۱۲

---

[۱] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸
[۲] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

پر؟ اور سوائے ذابح کے اور نے تکبیر نہ کہی تو وہ جانور حلال ہے یا حرام؟ بسندِ عبارتِ کتب بیان فرمائیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب

مسلمان وکتابی کا ذبیحہ حلال ہے اگرچہ عورت یا عنین ہو، اور ان کے سوا مشرک، مجوسی، مرتد کسی کا ذبیحہ اصلاً حلال نہیں اگرچہ تکبیر کہہ کر ذبح کریں۔ درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما اوکتابیا ولو امرأۃ لاذبیحۃ غیرکتابی من وثنی ومجوسی ومرتد[1] اھ ملخصًا۔

ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا اگرچہ عورت ہو، شرط ہے، کافر غیر کتابی مثلاً بُت پرست، مجوسی اور مرتد نہ ہو۔ اھ ملخصًا (ت)

قوم بوہرہ میں جو شخص صرف بدعت رفض وغیرہ رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ضروریاتِ دین کا منکر نہ ہو تو اس کا بھی ذبیحہ حلال، کہ اگرچہ بدعتی مذہب ہے مگر اسلام رکھتا ہے، اور اگر ضروریاتِ دین سے کسی امر کا انکار کرے گو دعوی اسلام رکھتا اور کلمہ طیبہ پڑھتا ہو، جیسے آج کل اکثر روافضِ زمانہ کا حال ہے، تو کافر ہے اور اس کا ذبیحہ حرام مطلقاً کما حققناہ فی السیر من فتاونا بتوفیق اللہ سبحٰنہ تعالٰی (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کے باب سیر میں اس کی تحقیق کی ہے بتوفیق اللہ تعالٰی۔ ت) نصارٰی زمانہ کہ علی الاعلان الوہیت وابنیت بندہ خدا و زادہ کنیز خدا سیدنا مسیح عیسٰی بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کے قائل ہیں، ان کے بارہ میں علماء مختلف، بہت مشائخ کرام ان کے ذبیحہ کو حرام فرماتے ہیں، یہاں تک کہ کہا گیا اسی پر فتوٰی ہے، مگر ظاہر الروایہ اطلاق حل ہے والتحقیق فی سیر فتاونا (اور ہمارے فتاوٰی کے باب سیر میں اس کی تحقیق ہے۔ ت) بہرحال اس قدر ضروری ہے کہ مسلمان کو اُن کے ذبیحہ سے احتراز چاہئے، بلکہ مجمع الانہر میں ہے:

النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیۃ قبحھم اللہ تعالٰی، وعدم الضرورۃ متحقق، والاحتیاط واجب لان فی حل ذبیحتھم اختلاف العلماء، کما بیناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولٰی[2]۔

ہمارے زمانے میں نصرانی عیسٰی علیہ السلام کی ابنیّت کی تصریح کرتے ہیں اللہ تعالٰی ان کو قبیح کرے، جبکہ عدمِ ضرورت بھی متحقق ہے اور احتیاط واجب ہے کیونکہ ان کے ذبیحہ میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے لہٰذا حرام ہونے کا پہلو اولٰی ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] مجمع الانہر کتاب النکاح باب المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۸

پھر یہ بھی اُس حالت میں ہے کہ وُہ ذبح بطور ذبح کریں ورنہ جانور کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا، یا گلے میں ایک طرف چُھری بھونک دی رگیں نہ کاٹیں جیسا کہ فقیر نے جہاز میں بچشم خود معاینہ کیا تو اس کے حرام قطعی ہونے میں اصلاً کلام نہیں کہ ایسا مقتول تو مسلمان کے ہاتھ کا بھی مردار ہے نہ کہ کافر کا۔ اور جو شخص جانور کو دبائے یا ہاتھ پاؤں پکڑے ایسے مددگار پر تکبیر ضرور نہیں، نہ اس کے ہندو وغیرہ ہونے سے کچھ حرج کہ وہ ذابح نہیں، ہاں جو نفس فعل ذبح میں مدد دے یعنی ذابح کا ہاتھ مثلاً کمزور تھا اُس نے بھی اُس کے ساتھ چُھری پر ہاتھ رکھ کر پھیرا کہ دونوں کے فعل سے ذبح واقع ہوا، تو ایسی حالت میں دونوں پر تکبیر لازم ہے، ان میں جو قصداً تکبیر نہ کہے گا یا حرام الذبیحہ مثلاً ہندو، مجوسی، مرتد ہوگا تو جانور حرام مردار ہوجائے گا۔ درمختار میں ہے: تشترط التسمیۃ من الذابح[1] (ذابح کا تسمیہ پڑھنا شرط ہے۔ ت)، اُسی میں ہے:

اراد التضحیۃ فوضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح واعانہ علی الذبح سمی کل وجوبا فلو ترکہا احدھما اوظن ان تسمیۃ احدھما تکفی حرمت[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

قربانی کرنے کے ارادے سے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ ذبح کرنے میں شریک کیا اور ذبح میں مدد کی تو دونوں پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے، اگر ایک نے پڑھنا ترک کیا یا یہ خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے تو ذبیحہ حرام ہوگا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی (ت)

مسئلہ ۹۴: از گلگٹ چھاؤنی جونال مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب ۷ رشعبان معظم ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ کے یہاں کا ذبح کرا کھانا، دیگر جس کا عقیدہ درست نہ ہو اُس کا ذبح کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

آج کل کے رافضی تبرائی علی العموم کافر مرتد ہیں، شاید اُن میں گنتی کے ایسے نکلیں جو اسلام سے کچھ حصہ رکھتے ہوں، اُن کا عام عقیدہ یہ ہے کہ یہ قرآن شریف جو بحمد اللہ تعالٰی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد پُورا نہ رہا، اس میں سے کچھ پارے یا سورتیں یا آیتیں صحابۂ کرام یا اور اہلسنت نے معاذ اللہ کم کردیں، اور یہ بھی ان کے چھوٹے بڑے سب مانتے ہیں کہ حضرت مولا علی و دیگر ائمۂ اطہار کرم اللہ تعالٰی وجوہہم اگلے انبیائے کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام سے افضل تھے، یہ دونوں عقیدے خالص کفر ہیں، جو شخص

---

[1] درمختار | کتاب الذبائح | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۲۲۸

[2] درمختار | کتاب الاضحیۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۲۳۵

قرآن مجید سے ایک حرف، ایک نقطہ کی نسبت ادنیٰ احتمال کے طور پر کہے کہ شاید کسی نے گھٹا دیا یا بڑھا دیا یا بدل دیا ہو وہ کافر ہے، اور قرآن عظیم کا منکر، یُونہی جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل بتائے وُہ بھی کافر، اور جبکہ ان اشقیاء نے باوصف ادعائے اسلام عقائدِ کُفر اختیار کیے تو مرتد ہوئے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

هؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام و احکامهم احکام المرتدین[1]۔ یہ قوم ملتِ اسلامیہ سے خارج ہے ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ (ت)

اور مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ نرا حرام و مردار سوئر کی مانند ہے، اگرچہ اس نے لاکھ تکبیریں پڑھ کر ذبح کیا ہو۔ درمختار میں ہے:

لا تحل ذبیحة غیر کتابی من وثنی و مجوسی و مرتد[2]۔ غیر کتابی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے خواہ وہ بت پرست ہو، مجوسی ہو یا مرتد ہو۔ (ت)

اسی طرح جس بدمذہب کا عقیدہ حدِ کفر تک پہنچا ہو، جیسے نیچری کہ وجودِ ملائکہ و وجودِ جن و وجودِ شیطان و وجودِ آسمان و صحتِ معجزاتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام و حشر و نشر و جنت و نار بطور عقائدِ اسلام وغیرہا بہت ضروریاتِ دینیہ سے منکر ہیں، یونہی وُہ وہابی کہ حضور پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مثل سات یا چھ یا دو یا ایک خاتم النبیین کسی طبقہ زمین میں بھی موجود مانے یا ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو نبوت ملنی جائز جانے، اور اُسے آیۂ وخاتم النبیین کے مخالف نہ سمجھے، یا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہینِ شانِ اقدس کے لئے حضور کو بڑا بھائی، اپنے آپ کو چھوٹا بھائی کہے، یا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت یہ ناپاک کلمہ لکھے کہ مرکر مٹی میں مل گئے، وعلٰی ہذا القیاس جو بدمذہب ضروریاتِ دین اسلام میں سے کسی عقیدہ کا منکر ہو یا اُس میں شک کرے یا تاویلیں گھڑے، باجماعِ تمام علمائے اسلام وُہ سب کے سب کافر و مرتد ہیں اگرچہ لوگوں کے سامنے کلمہ، نماز، قرآن پڑھتے، روزہ رکھتے، اپنے آپ کو سچا پکا مسلمان جتاتے ہوں کہ جب وُہ ضروریاتِ اسلام کے منکر ہُوئے تو انھوں نے خدا اور رسول و قرآن کو صاف صاف جھٹلایا، پھر یہ جھوٹے طور پر کلمہ وغیرہ کیا نفع دے سکتا ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی منافق لوگ کلمہ و نماز پڑھتے اور اپنے آپ کو قسمیں کھا کھا کر مسلمان بتاتے تھے، اللہ تعالٰی نے اُن کی ایک نہ سُنی اور صاف فرمادیا واللہ یشهد ان المنٰفقین لکٰذبون[3] اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ نرا جھوٹا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۶۴
[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۲۸
[3] القرآن الکریم ۶۳/۱

دعویٰ اسلام کرتے ہیں۔

خاص ایسے لوگوں کے کفر میں ہرگز شک نہ کیا جائے کہ جو اُن کے عقیدہ پر مطلع ہو کر پھر سمجھ بوجھ کر اُن کے کفر میں شک کرے وُہ خود کافر ہوجاتا ہے، درمختار میں ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔ و اما ارتدادھم فھو الصحیح الثابت المنصوص علیہ کما اوضحناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی السیر من فتاوٰنا وفی رسالتنا "المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ"۔

جو ان کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔ لیکن ان کا ارتداد تو صحیح ثابت اور منصوص علیہ ہے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی کے باب السیر میں واضح کردیا ہے، نیز اپنے رسالہ "المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ" میں بیان کیا ہے۔ (ت)

اس قسم کے ہر بدمذہب کا ذبیحہ مردار وحرام، ان کے ساتھ نکاح حرام وباطل ومحض زنا، اُن کے ساتھ کھانا پینا، بیٹھنا اٹھنا، ملنا جلنا، کوئی برتاؤ مسلمان کا سا کرنا ہرگز ہرگز کسی طرح جائز نہیں، ہاں جو بدمذہب دین اسلام کی ضروری باتوں سے کسی بات میں شک نہ کرتا ہو، صرف اُن سے نیچے درجہ کے عقیدوں میں مخالف ہو، جیسے رافضیوں میں تفضیلی، یا وہابیوں میں اسحاقی وغیرہم وہ اگرچہ گمراہ ہے کافر نہیں اُسکے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۵: از گونڈہ ملک اودھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ مذکورہ ۱۷ رجادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

یہ جو اکثر کتب دینیہ میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ درست ہے، تو آج کل یہود ونصارٰی جو ہیں ان کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب

شک نہیں کہ یہ نصارٰی الوہیت وابنیت عبداللہ وابن امتہ، سیدنا مسیح ابن مریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وسلم کی صاف تصریح کرتے ہیں، جو نصارٰی ایسے ہیں اور یونہی وہ یہود کہ ابنیت عبداللہ عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام مانیں ان کا ذبیحہ حلال ہونے میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے، جمہور مشائخ جانب حرمت گئے، اور کہا گیا کہ اسی پر فتوٰی ہے، اور بکثرت محققین تحقیق جواز فرماتے ہیں یہی ظاہر الروایۃ اور یہی اقوی من حیث الدلیل ہے

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶

وقد حققناہ فی فتاوٰنا بما یتعین المراجعۃ الیہ (اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کردی ہے اس کی طرف مراجعت کی جائے۔ ت) مستصفٰی میں ہے:

فی مبسوط شیخ الاسلام یجب ان لایاکلوا ذبائح اھل الکتاب اذا اعتقدوا ان المسیح الٰہ، و ان عزیرا الٰہ، ولا یتزوجوا نساءھم، وقیل علیہ الفتوی لکن بالنظر الی الدلائل ینبغی ان یجوز الاکل والتزوج[1]

شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے جب اہل کتاب کا عقیدہ ہو کہ مسیح علیہ السلام اللہ ہے، تو ان کے ذبیحہ کو مت کھاؤ اور ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو، اور یوں اگر عزیر علیہ السلام کو الٰہ کہتے ہوں، بعض کے نزدیک اس پر فتوٰی ہے، لیکن دلائل کی روشنی میں کھانا اور نکاح کرنا جائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

صح نکاح کتابیۃ، وان اعتقدوا المسیح الٰھا، وکذا حل ذبیحتھم علی المذھب، بحر[2] مختصرًا۔

کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے اگرچہ وہ مسیح کے الٰہ ہونے کا عقیدہ رکھے، یونہی ان کا ذبیحہ بھی مذہب میں جائز ہے، بحر اھ مختصرًا (ت)

ہاں کراہت میں شک نہیں کہ جب بےضرورت کتابی خالص کے ذبیحہ کو علماء ناپسند کرتے ہیں تو یہ بدتر درجے میں ہیں، فتح القدیر میں ہے:

یجوز تزوج الکتابیات والاولٰی ان لایفعل، ولا یاکل ذبیحتھم الا للضرورۃ[3]۔

کتابی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور اولٰی یہ ہے کہ نہ کیا جائے اور ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے ماسوائے ضرورت کے۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیۃ قبحھم اللہ تعالٰی، وعدم الضرورۃ متحقق، والاحتیاط واجب، لان

ہمارے زمانہ کے نصرانی عیسٰی علیہ السلام کی ابنیت کی تصریح کرتے ہیں اللہ تعالٰی ان کو قبیح کرے، ضرورت بھی متحقق نہیں ہے اور احتیاط واجب ہے کیونکہ ان کے

---

[1] ردالمحتار بحوالہ المستصفی کتاب النکاح فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۹
[2] درمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹
[3] فتح القدیر " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

فی حل ذبیحتھم اختلاف العلماء کما بینّاہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولٰی عند عدم الضرورۃ۔[1]

ذبیحہ کے حلال ہونے میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ضرورت نہ ہو تو حرمت کی جانب کو ترجیح ہے۔ (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ وہ ذبح بطور ذبح کریں، اور وقتِ ذبح خالص اللہ عزّوجل کا نام پاک لیں، مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام شریک نہ کریں اگرچہ دل میں مسیح ہی کو خدا جانیں، بالجملہ نہ قصداً تکبیر چھوڑیں نہ تکبیر میں شرک ظاہر کریں، ورنہ جو ذبیحہ ان شرائط سے خالی ہو وہ مسلمان کا بھی حرام و مردار ہوتا ہے چہ جائیکہ کتابی۔ ردالمحتار میں ہے:

لاتحل ذبیحۃ من تعمد ترک التسمیۃ مسلما او کتابیا لنص القراٰن۔[2]

قصداً بسم اللہ کو ترک کرنے والے کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، وہ مسلم ہو یا کتابی، قرآن کی نص کی بناء پر۔ (ت)

درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما او کتابیا ذمیا او حربیا الا اذا سمع منہ عند الذبح ذکر المسیح۔[3]

ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ذمی یا حربی ہونا شرط ہے، ہاں اگر ذبح کے وقت ان سے مسیح کا نام سُنا جائے تو ناجائز ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ولو سمع منہ ذکر اللہ تعالٰی لکنہ عنی بالمسیح، قالوا یؤکل الا اذا نص فقال باسم اللہ الذی ھو ثالث ثلٰثۃ، ھندیۃ۔[4]

اگر عیسائی سے اللہ تعالٰی کا نام سنا لیکن اس سے مراد اس نے مسیح لیا تو فقہاء نے فرمایا کھایا جائے ہاں اگر صراحۃً "باسم اللہ جو کہ تین کا تیسرا ہے" کہیں تو نہ کھائیں، ہندیہ (ت)

نصارائے زمانہ کا حال معلوم ہے کہ نہ وہ تکبیر کہیں نہ ذبح کے طور پر ذبح کریں، مرغ و پرند کا تو گلا گھونٹتے ہیں، اور بھیڑ بکری کو اگرچہ ذبح کریں رگیں نہیں کاٹتے، فقیر نے بھی اسے مشاہدہ کیا ہے۔

ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں کپتان کی ملک سے سمور کا ایک مینڈھا جہاز میں دیکھا جسے وہ چالیس روپے

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب النکاح باب المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۲۸
[2] ردالمحتار کتاب الذبائح " " " ۵/۱۹۰
[3] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۲۸
[4] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۸۸

کے خرید بتاتا تھا، مول لینا چاہا کہ گوشت درکار تھا، نہ بیچا اور کہا جب ذبح ہوگا گوشت کا حصہ خرید لینا، ذبح کیا تو گلے میں ایک کروٹ کو چھری داخل کردی تھی رگیں نہ کاٹیں، اس سے کہہ دیا گیا کہ اب یہ سؤر ہے ہمارے کسی کام کا نہیں، بلکہ نصاریٰ کے یہاں صدسال سے ذبح شرعی نہیں۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں نقل فرمایا:

النصرانی لاذبیحۃ لہ، وانما یاکل ھو ذبیحۃ المسلم و یخنق[1] — نصرانی کا ذبیحہ ہی نہیں، وہ مسلمان کا ذبیحہ کھالیتا ہے اور وہ جانور کا گلا گھونٹتا ہے۔ (ت)

تو نصارائے زمانہ کا ذبیحہ ضرور حرام ہے، یہود کا حال معلوم نہیں، اگر اُن کے یہاں بھی ترکِ تکبیر یا ذبح کی تغییر ہو تو حکمِ حُرمت ہے ورنہ بے ضرورت ناپسندی وکراہت۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص فرقہ غیر مقلدین یا فرقہ قادیانی یا وہابیہ سے ہو اس کے ہاتھ کا ذبیحہ واسطے اہلِ سنّت وجماعت کے کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب

قادیانی صریح مرتد ہیں، ان کا ذبیحہ قطعی مردار ہے۔ اور غیر مقلدین ووہابیہ پر بوجوہ کثیرہ الزامِ کفر ہے ان میں جو منکر ضروریاتِ دین ہیں وُہ تو بالاجماع کافر ہی ہیں، ورنہ فقہائے کرام اُن پر حکمِ کفر فرماتے ہیں اور ذبیحہ کا حلال ہونا نہ ہونا حکمِ فقہی ہے بخصوصہا ہی احتیاط کہ مانع تکفیر ہو، یہاں اُن کے ذبیحہ کے کھانے سے منع کرتی ہے کہ جمہور فقہائے کرام کے طور پر حرام ومردار کا کھانا ہوگا، لہذا احتراز لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۷: از بریلی محلہ قراولاں مسئولہ عبدالکریم خیاط قادری رضوی ۲۳ محرم ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید کا خسر دیوبندی ہے وُہ اپنی قیمت سے گوشت خرید کر بھیجتا ہے، لانے والا بھی دیوبندی ہے، تو یہ گوشت حلال ہے یا نہیں، نیز دیوبندی کی قربانی کا گوشت کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

دیوبندی کا ذبیحہ مردار ہے، اور دیوبندی کا بھیجا ہوا گوشت اگرچہ مسلمان کا لایا ہوا ہو مردار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۸: از نجیب آباد مسئولہ جناب احمد حسن خاں صاحب رضوی بتاریخ ۲۸ محرم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض اوقات وہابیوں سے ذبیحہ

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الحظر والاباحۃ مسائل مایکرہ اکلہ ومالا یکرہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۷۸

کرایا جاتا ہے جس کا گوشت گھر میں پکتا ہے کھانا کیسا ہے؟

الجواب

وہابی رافضی قادیانی وغیرہم جن جن کی گمراہی حدِ کفر تک ہے اُن کا ذبیحہ مردار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۹ از بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضا خاں صاحب رضوی ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہابی یا رافضی کا ذبیحہ گائے یا بکری یا مرغی کا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہابیہ اور رافضی کے یہاں کا گوشت پکا ہوا بطورِ دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

وہابیہ اور رافضی کا ذبیحہ مردار ہے اور ان کے یہاں کا گوشت کھانا حرام ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے: احکامھم احکام المرتدین[1] (ان کے احکام مرتدین کے احکام ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۱ از ڈونگر پور ملک میواڑ راجپوتانہ مکان جمعدار سمندر خاں مسئولہ عبدالرؤف خاں ۱۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) بوہروں کے یہاں کا ذبیحہ کیا ہوا گوشت، ان کے یہاں کا پکا ہوا کھانا اہلسنت وجماعت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اور کوئی شخص ذبیحہ کرتا ہو اور اس سے اپنی اور اپنے بچّوں کی گزر اوقات کرتا ہو وہ خدا کے یہاں مواخذ حشر میں تو نہ ہوگا؟ یا نامہ اعمال میں اس کے کچھ لکھا جائے گا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) بوہرے کہ اسمٰعیلی رافضی ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے اور ان کے یہاں کا گوشت پکا ہوا بھی حرام ہے مگر یہ کہ مسلمان نے ذبح کیا اور اس وقت سے اس وقت تک مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہوا ہو، گوشت کے علاوہ باقی کھانوں پر اگرچہ قطعی حکم حُرمت نہیں، مگر بہرحال احتراز ہی مناسب ہے۔

(۲) ذبح کا پیشہ شرعًا ممنوع نہیں، نہ اس پر کچھ مواخذہ ہے، اگرچہ گائے ذبح کرنے کا پیشہ ہو، وُہ جو حدیث لوگوں نے دربارۂ ذابح بقر وقاطع شجر بنا رکھی ہے محض باطل وموضوع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الظہیریۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

مسئلہ ۱۰۲: از شہر کہنہ بریلی محلہ کوٹ مرسلہ محمود علی صاحب بنگال ۲ صفر ۱۳۳۱ھ

عورت کا ذبح کیا ہوا حلال اور درست ہے یا نہیں؟

الجواب

عورت کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ ذبح کرنا جانتی ہو، اور شرائط حلت مجتمع ہوں۔ درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما او کتابیا، ولو امرأۃ[1] (بالاختصار)۔ ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا شرط ہے اگرچہ عورت ہو (بالاختصار)۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات ضلع بریلی

عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مسلمان عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ وہ ذبح کرنا جانتی ہو اور ٹھیک ذبح کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴: از مقام سیدپور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مسئولہ سید احمد حسین صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز و روزہ کرتا ہے لیکن شراب خور ہے، سفلہ وچنڈو وبھنگ وغیرہ، زنا وحرام خوری، چوری، آگ دیتا ہے، مگر ان فعلوں کو بُرا جانتا ہے، تو ایسے شخص کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں زید فاسق ہے، مستحقِ عذاب جہنم ہے، مگر اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۵ تا ۱۰۷: از بھوٹا بھوئی موٹولانگر علاقہ جام نگر کاٹھیاوار مرسلہ حاجی اسمٰعیل میاں صدیقی حنفی ابن امیر میاں ۲۳ صفر ۱۳۳۶ھ

(۱) اگر ایک مرد نے طاہر عورت کو بغیر نکاح کے گھر میں رکھا ہے، آیا اُس شخص کا ذبیحہ کھانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) قربانی کرنا واجب ہے، اگر کوئی شخص ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد اور نماز سے

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

پہلے قربانی کرے تو وہ قربانی جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) قربانی کے حصے تین کرنا، ایک حصہ اپنا، دُوسرا خویش واقارب کا، تیسرا مسکینوں کا، آیا اگر مساکین لوگ اسلام میں سے نہیں ہیں، تو اس حصہ کا کیا حکم ہے، اور اگر کسی شخص نے قربانی کی اور تین حصے نہیں کئے اور سارا گھر میں رکھ لیا آیا قربانی درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

(۱) اگر بالفرض اس پر زنا ثابت بھی ہو جب بھی زانی کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے کہ ذبح کے لئے دین سماوی شرط ہے اعمال شرط نہیں، اور اتنی بات پر کہ گھر میں رکھا ہے اور ہمارے سامنے نکاح نہ ہوا، نسبتِ زنا کر بھی نہیں سکتے، بنصِ قطعی قرآن مجید حرام شدید ہے، بلکہ اگر گھر میں بیبیوں کی طرح رکھتا ہو اور بیبیوں کا سا برتاؤ برتتا ہو تو ان کو زوج وزوجہ ہی سمجھا جائے گا اور ان کی زوجیت پر گواہی دینی حلال ہوگی، اگرچہ ہمارے سامنے نکاح نہ ہُوا، کما فی الھدایۃ والدر المختار والھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ ہدایہ، درمختار اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) دیہات میں عید جائز نہیں، قربانی اگر گاؤں میں ہو طلوعِ صبح کے بعد ہوسکتی ہے اگرچہ شہری نے اپنی قربانی وہاں بھیج دی ہو، اور اگر قربانی شہر میں ہو جہاں نمازِ عید واجب ہے تو لازم ہے کہ بعد نماز ہو، اگر نماز سے پہلے کرلی قربانی نہ ہوئی اگرچہ قربانی دیہاتی کی ہو کہ اس نے شہر میں کی۔ درمختار میں ہے :

(اول وقتھا بعد الصلاۃ ان ذبح فی مصر) ای لو اسبق صلوۃ عید ولو قبل الخطبۃ لکن بعدھا احب (و بعد طلوع فجر یوم النحر ان ذبح فی غیرہ) والمعتبر مکان الاضحیۃ لا مکان من علیہ فحیلۃ مصری ارادالتعجیل ان یخرجھا لخارج المصر فیضحی بھا اذا طلع الفجر، مجتبٰی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر شہر میں قربانی دینی ہو تو اس کا وقت نماز کے بعد شروع یعنی نماز عید پہلے ہو اگرچہ قربانی خطبہ سے پہلے کرے بعد از خطبہ افضل ہے، اور قربانی شہر میں نہ ہو تو اس کا اول وقت بعد از طلوعِ فجر بروز عید قربان، اس فرق میں قربانی کا مقام معتبر ہے نہ کہ قربانی والے کا مقام شہری کے لئے قربانی جلدی کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ جانور کو شہر سے خارج لیجا کر فجر کے بعد قربانی کرے، مجتبٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

(۳) تین حصے کرنا صرف استحبابی امر ہے کچھ ضروری نہیں، چاہے سب اپنے صرف میں کرلے یا سب عزیزوں قریبوں کو دے دے، یا سب مساکین کو بانٹ دیں، یہاں اگر مسلمان مسکین نہ ملے تو کافر کو اصلاً نہ دے کہ یہ کفار ذمی نہیں، توان کو دینا قربانی ہو خواہ صدقہ، اصلاً کچھ ثواب نہیں رکھتا۔ درمختار میں ہے:

اماالحربی ولو مستامنا فجمیع الصدقات لایجوزله اتفاقا، بحرعن الخانیة وغیرھا۔[1]

حربی اگر مستامن بھی ہو تو اسکو کوئی بھی صدقہ دینا بالاتفاق ناجائز ہے، بحر نے خانیہ وغیرہا سے نقل کیا۔ (ت)

بحرالرائق میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ سے ہے:

صلته لاتکون براشرعا، ولذا لم یجز التطوع الیه فلم یقع قربة[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

اس سے صلہ شرعاً نیکی نہیں اسی لئے اس کو نفلی صدقہ بھی جائز نہیں لہذا عبادت نہ بنے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۸: از سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

زید نماز روزے سے بالکل بے خبر ہے، اور ذبح کے وقت کلمہ بھی نہیں کرتا، تو اس کا ذبح کیسا ہے؟

الجواب

اگر مسلمان ہے اور ذبح کرنا جانتا ہے اور تکبیر کہے تو ذبح ہوجائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۹: از گوری ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ عبدالجبار صاحب یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

ایک شخص مسلمان کلمہ گو اپنی بدقسمتی سے ادائے نماز میں غفلت کرتا ہے، پس اس صورت میں ذبیحہ و ضیافت اس کا مسلمانوں کو کھانا و نماز جنازہ، دفن مقبرۂ مومنین میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کس دلیل سے، ذبیحہ اہل کتاب و ضیافت مسلمانوں کو جائز کیا گیا؟

الجواب

ضرور اس کا ذبیحہ جائز، اور اس کے جنازہ کی نماز، اور اُسے اسلامی طور پر دفن کرنا مسلمانوں پر فرض،

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۱

[2] بحر الرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۴۲

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما الدیوان الذی لایعبؤ اللہ بہ شیئا فظلم العبد نفسہ فیما بینہ وبین ربہ، من صوم یوم ترکہ، اوصلٰوۃ ترکہا، فان اللہ تعالٰی یغفر ذٰلک ان شاء ویتجاوز۔[1]

حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اس ارشاد کی بناء پر کہ گناہوں کا دفتر اللہ تعالٰی کے ہاں اس کی حیثیت نہیں ہے تو بندے کا اپنے نفس پر ظلم اس کے اور اس کے رب کے درمیان معاملہ ہے کسی دن کا روزہ یا کوئی نماز ترک کی ہو تو اللہ تعالٰی چاہے تو اسے بخش دے اور درگزر فرمادے۔ (ت)

ضیافت بھی جائز ضرور ہے، اس سے بچنے نہ بچنے میں عمل سلف مختلف ہے کما فصلہ الامام حجۃ الاسلام فی الاحیاء (جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ت) اس کا بیان ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۰ ازمدرسہ مڈھاوی ڈاکخانہ کوراولی ضلع مین پوری مرسلہ محمد بختیار صاحب مدرس ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ

قصاب پیشہ شخص جو ذبح کرے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے؟

الجواب

درست ہے جبکہ تکبیر کے ساتھ ذبح کرے۔ فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

یلزم علی ھذا الجاھل ان لایاکل ماذبح القصاب۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

ایسے جاہل کو لازم آتا ہے کہ وہ قصاب کے کسی ذبیحہ کو نہ کھائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۱ ازکانپور مدرسہ فیض عام مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، کہ قصاب کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ذبح میں قصاب وغیرہ سب کا ایک حکم ہے، مسلمان یا کتابی، عاقل ہونا چاہئے کہ ذبح جانتا ہو اور عمداً تسمیہ ترک نہ کرے، کسی قوم یا پیشہ کی تخصیص محض جہالت ہے۔ درمختار میں ہے:

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ۲۵۵۰۰ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۴۲/۷
،، ،، ،، ازمسند عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۲۴۰/۶

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الصید الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳۰۲/۶

لا یعطی اجر الجزار منها لانہ کبیع[1]

قربانی کا کوئی حصہ قصاب کی اجرت میں نہ دے کیونکہ یہ معاوضہ سوداکاری کے معنیٰ میں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانہ انما یعطی الجزار بمقابلۃ جزرہ[2]

کیونکہ یہ قصاب کے عمل کے بدلے میں دیگا۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

وضع صاحب الشاۃ یدہ مع ید القصاب فی المذبح واعانہ علی الذبح، سمی کل وجوبا[3] الخ (ملخصاً)۔

بکری والے نے ذبح میں قصاب کے ساتھ اپنا ہاتھ شریک کیا تو دونوں پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے الخ (ملخصاً)۔ (ت)

بزازیہ میں ہے:

لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انہ نجس لایذبح، فیلزم علی ھذا الجاھل ان لایاکل ماذبحہ القصاب[4] واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

بے شک قصاب نفع حاصل کرنے کے لئے ذبح کرتا ہے اگر اسے معلوم ہو کہ یہ نجس ہے تو ذبح نہ کرے گا' تو ایسے جاہل پر لازم آتا ہے کہ قصاب کا ذبیحہ نہ کھائے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۲ ازاوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی محمد یعقوب علی خانصاحب ۱۱ رجادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

خنثیٰ جانور کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

خنثیٰ کہ نر و مادہ دونوں کی علامتیں رکھتا ہو، دونوں سے یکساں پیشاب آتا ہو، کوئی وجہ ترجیح نہ رکھتا ہو، ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں کہ اس کا گوشت کسی طرح پکائے نہیں پکتا، ویسے ذبح سے حلال ہوجائیگا، اگر کوئی کچّا گوشت کھائے، کھائے۔ دُرمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۳

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۰۹

[3] فتاوٰی قاضیخان " فصل مسائل متفرقہ نولکشور لکھنؤ ۴/۳۵۰

[4] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الصید الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۳۰۲

ولا بالخنثٰی لان لحمها لاینضج ، شرح وھبانیۃ۔[1]

خنثٰی بکرے کی قربانی جائز نہیں کیونکہ اس کا گوشت پکتا نہیں ، شرح وہبانیہ ۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے :

لاتجوز التضحیۃ بالشاۃ الخنثٰی لان لحمها لاینضج ، کذا فی القنیۃ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

خنثٰی بکرے کی قربانی جائز نہیں کیونکہ اس کا گوشت پکتا نہیں ۔ قنیہ میں اسی طرح ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳ از کلکتہ دھرم تلا اسٹریٹ ۱۶۲ مرسلہ حافظ عبدالرحمان صاحب ۲ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری بچہ جنی ، اور بعد جننے کے مرگئی ، اب وہ بچہ ایک کُتیا کا دُودھ پی کر سیانا ہُوا ، پس وُہ بچہ حلال ہے یا حرام ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر ایسا سیانا ہوگیا کہ دُودھ چُھٹے کچھ مدت گزری ، جب تو بالاتفاق بلاکراہت حلال ہے ، یونہی دودھ پیتے کو چند روز اس دُودھ سے جدا رکھ کر حلال جانور کا دُودھ یا چارا دیا اور اس کے بعد ذبح کیا ، جب بھی بالاتفاق بے کراہت حلال ہے ، اور اگر اسی حالت میں ذبح کرلیا تو اس کا کھانا مکروہ ہے ، اس صورت میں کراہت بھی محلِ نزاع نہیں ، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے یعنی کھانا بہتر نہیں ، اور کھالے تو گناہ نہیں ، یا تحریمی یعنی کھانا ناجائز و گناہ ہے ۔ عامہ کتبِ معتمدہ مذہب مثل نوازل و خلاصہ و خانیہ و ذخیرہ و بزازیہ و تبیین الحقائق و تکملہ لسان الحکام للعلامۃ ابراھیم الحلبی و درمختار وغیرہا میں قولِ اول ہی پر جزم فرمایا اور خود محررِ مذہب سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے اس پر نص صریح آیا ، اور شک نہیں کہ وہی اقوٰی من حیث الدلیل ہے ، درمختار میں ہے :

حل اکل جدی غذی بلبن خنزیر لان لحمہ لایتغیر وما غذی بہ یصیر مستہلکا ، لایبقی لہ اثر۔[3]

بھیڑ کے جس بچّے نے خنزیر کا دودھ بطور خوراک پیا تو تو اسے کھانے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اسکا گوشت متغیر نہ ہُوا اور جو خوراک دی گئی وہ ہلاک ہوگئی اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا ۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۹۹

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۶

خلاصہ میں ہے :

فی النوازل لو ان جدیا غذی بلبن الخنزیر فلاباس باکلہ، فعلی ھذا قالوا لاباس باکل الدجاج الذی یخلط ولا یتغیر لحمہ، والذی روی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال تحبس الدجاجۃ ثلثۃ ایام کان للتنزیہ[1] (باختصار)۔

نوازل میں ہے جو بچہ خنزیر کے دودھ کی خوراک سے پرورش پایا اس کو کھانے میں حرج نہیں ہے، اسی لئے فقہاء نے فرمایا جو مرغ گندگی کھائے اور اس کا گوشت متغیر نہ ہو تو کھانے میں حرج نہیں ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد کہ مرغی کو تین دن قید رکھ کر ذبح کیا جائے، یہ ارشاد تنزیہ کے طور پر ہے (باختصار)(ت)

اُسی سے تکملہ لسان میں فرمایا، اسی طرح بقیہ کتب میں مذکور ہے۔ ہندیہ کی کتاب الکراھۃ میں قنیہ سے ہے :

ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی جدی او حمل یرضع بلبن الاتان یحل اکلہ ویکرہ[2]۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا بکری یا گائے کا بچہ گدھی کے دودھ سے پرورش پائے اس کا کھانا حلال ہے اور مکروہ ہے (ت)

اسی قنیہ میں بعض علماء سے قول ثانی نقل کیا، وہی ظاہر کلام حاوی کبری و خزانۃ المفتین کا مفاد، اور امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے ارشاد سے مستفاد۔ ردالمحتار میں ہے :

فی شرح الوھبانیۃ عن القنیۃ راقما انہ یحل اذا ذبح بعد ایام والا لا[3]۔

شرح وہبانیہ میں قنیہ سے نقل کیا کہ اگر چند روز کے بعد ذبح کیا تو حلال ہے ورنہ نہیں (ت)

سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین حاشیہ کنز میں فرماتے ہیں :

الجدی اذا ربی بلبن الاتان، قال ابن المبارک یکرہ اکلہ قال واخبرنی رجل عن الحسن، قال اذا ربی الجدی بلبن الخنزیر لاباس

بھیڑ کا بچہ گدھی کے دُودھ سے پرورش پائے تو ابن مبارک نے فرمایا اس کا کھانا مکروہ ہے مجھے ایک شخص نے حسن سے خبر دی انھوں نے کہا بھیڑ کا بچہ اگر خنزیر کے دُودھ سے پرورش پائے تو حرج

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصید الفصل الخامس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/۳۰۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۳۹

[3] ردالمحتار ؍؍ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۱۶

به، قال معناه اذا اعتلف ایاما بعد ذٰلك کالجلّالة کذا بخط شیخنا عن الخانیة[1]۔

نہیں، انھوں نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے بعد وُہ چارہ کھاتا رہا تو وہ جلّالہ یعنی گندگی کھانیوالے جانور کی طرح ہے، ہمارے شیخ کے قلم سے یوں خانیہ سے منقول ہے۔ (ت)

ہندیہ کی کتاب الصید والذبائح میں ہے:

الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیران اعتلف ایاما، فلاباس لانه بمنزلة الجلّالة والجلّالة اذا حبست ایاما فعلفت لاباس بها فکذا هذا، کذا فی الفتاوی الکبرٰی[2]۔

بکری کا بچہ گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے پھر چند روز چارہ کھالے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ گندگی کھانے والے جانور کی طرح ہے اور یہ گندگی کھانے والا اگر چند روز قید میں رکھا جائے اور چارہ کھائے تو کوئی حرج نہیں، اسی طرح یہ بھی ہے۔ فتاوٰی کبرٰی میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

اسی طرح خزانۃ المفتین میں برمز ک فتاوٰی کبرٰی سے منقول:

فقد علق نفی الباس علی الاعتلاف فافاد وجوده عند عدمه، والباس انما هو فیما ینهی عنه۔

انھوں نے حرج کی نفی کو چارہ کھانے سے معلق کیا ہے تو چارہ نہ کھانے کی صورت میں حرج کا وجود ثابت ہوتا ہے اور حرج کا تعلق ممنوع چیز سے ہے (ت)

لہذا اختلافِ علماء سے بچنے کے لئے اسلم وہی ہے کہ چند روز کا وقفہ دے کر ذبح کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۴: از شیر پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد منگل خانصاحب تعلقہ دار ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بچہ ہرنی کا کُتّی کا دُودھ پی کر پرورش ہوا اُس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر اب دُودھ چھوڑے ہُوئے ایک زمانہ گزرا تو اس کا گوشت حلال ہے، اور اگر اب بھی پیتا ہے تو چند روز وہ دودھ چھڑائیں، پاک دُودھ پلائیں یا چارہ کھلائیں، یہاں تک کہ پیٹ میں وُہ دُودھ

---

[1] فتح المعین علی شرح الکنز لمنلا مسکین کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۸۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

بالکل نہ رہے، اُس وقت اُسے ذبح کرکے کھاسکتے ہیں، عالمگیریہ میں ہے،

الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلاباس، لانہ بمنزلۃ الجلالۃ، والجلالۃ اذا حبست ایاما فعلفت لاباس بھا فکذا ھذا، کذا فی الفتاوی الکبرٰی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بھیڑ کا بچہ اگر گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے اور بعد میں چند روز چارہ کھائے تو حرج نہیں ہے کیونکہ وہ جلالہ (گندگی کھانے والے جانور) کی طرح ہے اور جلالہ کو چند روز قید میں رکھا جائے چارہ کھائے تو اس کے کھانے میں حرج نہیں ہے، تو یہ بھی ایسا ہے۔ فتاوٰی کبرٰی میں یونہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۵: از شہر کہنہ اپر بریلی مرسلہ محمد یعقوب صاحب امام مسجد شہر مذکور ۱۷ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی جانور آدمی کا دودھ پئے گا تو اس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جس جانور نے آدمی کا دُودھ پیا ہو وہ اس کے باعث حرام نہیں ہوجاتا، اگرچہ پوری پرورش انسان بلکہ خنزیر کے دُودھ سے پائی، غایت یہ کہ چند روز بند کرکے چارہ کھلائیں یا حلال جانور کا دودھ پلائیں، اس کے بعد ذبح کریں۔ خانیہ میں ہے:

لوان جدیا غذی بلبن الخنزیر لاباس باکلہ[2]۔

بھیڑ کا بچہ اگر خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے تو اس کے کھانے میں ممانعت نہیں (ت)

ہندیہ میں ہے:

الجدی یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلاباس[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بھیڑ کا بچہ اگر گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے تو اس نے چند روز بعد میں چارہ کھالیا تو کھانے میں حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۹۰

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الذبائح مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/۷۵۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۹۰

مسئلہ ۱۱۶: مرسلہ مولا بخش ہولا پاڑنگ چاہ بگان ڈاکخانہ لٹاکو باڑی ضلع ڈونگ
بتاریخ ۷ شعبان ۱۳۳۳ھ

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب مصدر اشفاق فراواں ومخزن الطاف بیکراں بر حال بیکساں، بعد سلام مسنون اسلام مشہود، ضمیر مبین باد کے عرصہ بعید منقضی ہوتا ہے کہ خاکسار نے حضور کے گوش گزار کیا تھا کہ کوئی مشرک یا کافر کسی جانور کو کالی یا بھوانی کے بھوگ چڑھاوے، اور بَل دینے کو لے جائے اور بَل نہ دے یعنی گردن نہ مارے صرف کان کاٹ کر چھوڑ دے یہ کہہ کر کے "یا بھوانی یا کالی یہ تمھارا بھوگ ہے" تو اس جانور کو ذبح کرنا اور کھانا مسلمانوں کو جائز اور درست ہے یا نہیں؟ ہم نے ان کو بموجب آیہ شریف وما اھل بہ لغیر اللہ[1] (ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ ت) منع کیا کہ جس جانور یا مٹھائی وغیرہ کو مشرک یا کافر اپنے بتوں کو چڑھائیں وہ نہ کھانا چاہئے، تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ عالموں نے فتوٰی دیا ہے کھانے کے لئے، اس وجہ سے ہم لوگ چڑھائے ہوئے جانور کو کھاتے ہیں، چونکہ اس زمانہ میں بہت سا اختلاف ہو رہا ہے اور لوگوں نے کئی ایک طریقہ اختیار کیا ہے اس لئے آپ سے التجا ہے کہ آپ گویا اس وقت کے امام ہیں ہادیِ گمراہاں سمجھ کر درخواست کرتے ہیں شاید ہم غلطی پر ہوں اور آپ کے باعث ہم کو راہِ راست نصیب ہو، لہٰذا جواب خط سے ضرور سرفراز فرمائیں، اس کا اجر آپ کو اللہ تعالٰی عطا فرمائے گا، جواب کے لئے لفافہ خط کے شامل خدمت والا میں ارسال کرتا ہوں۔

الجواب

مشرکین اپنے بتوں کے لئے سانڈ چھوڑتے اُسے سائبہ کہتے جسے کان چیر کر چھوڑتے اُسے بحیرہ کہتے اور ان جانوروں کو حرام جانتے، اللہ تعالٰی نے اُن کا رَد فرمایا کہ:

ماجعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب واکثرھم لایعقلون[2]

اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چِرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی، ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں۔ (ت)

یعنی یہ باتیں اللہ نے تو ٹھہرائیں نہیں لیکن کافر ان پر جھوٹ باندھتے ہیں، تو ان جانوروں کو حرام بنانا کافروں کا

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳
[2] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

قول، اور قرآن مجید کے خلاف ہے، اور آیہ ما اھل بہ لغیر اللہ اُس جانور کے لئے ہے جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا جائے، چھوڑے ہوئے جانور سے اسے کوئی تعلق نہیں، نہ کہ مٹھائی تک پہنچے، یہ تعصب وہابیوں کے جاہلانہ خیال ہیں کہ "جاندار یا بے جان، ذبیحہ ہو یا غیر، جس چیز کو غیر خدا کی طرف منسوب کرکے پکاریں گے حرام ہوجائیگی"۔ ایسا ہو تو اُن کی عورتیں بھی اُن پر حرام ہوں کہ وہ بھی انھیں کی عورتیں کہہ کر پکاری جاتی ہیں اللہ تعالٰی کا نام ان پر نہیں لیا جاتا، ایسے بیہودہ خیالوں سے بچنا لازم ہے، ہاں بُت کے چڑھاوے کی مٹھائی پرشاد مسلمانوں کو نہ لینا چاہئے کہ کافر اسے صدقہ کے طور پر بانٹتے ہیں، وہ لینا ذلت بھی ہے اور معاذ اللہ جو چیز انھوں نے تعظیم بُت کیلئے بانٹی اس کا اُن کے موافق مراد استعمال بھی ہے بخلاف چھوڑے ہوئے جانور کے کہ اس کا کھانا کافروں کے خلاف مراد اور ان کی ذلت ہے، اس میں حرج نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو، ورنہ فتنہ سے بچنا لازم ہے۔

قال اللہ تعالٰی الفتنۃ اشد من القتل[1] اللہ تعالٰی نے فرمایا، فتنہ قتل سے شدید تر ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۷ مسئولہ مسلمانان کاٹھیاواڑ جام جودھپور معرفت شیخ عبدالستار پوربند کاٹھیاواڑ

۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۳ھ

اس ملک میں یہ رواج ہے کہ اہل ہنود بکریوں کے چرواہے مندروں پر بکرا چڑھانے کے واسطے لے جاتے ہیں اور اس کے ذبح کرنے کے واسطے مسلمان قصاب کو بلاتے ہیں اور اکثر قصاب نہیں ہوتے تو پیش امام کو لے جاتے ہیں، اور بعد ذبح کے وہ گوشت انھیں لوگوں پر تقسیم کیا جاتا ہے، اس گوشت کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ذبح کرنے کے واسطے جانا چاہئے یا نہیں؟ اور قصاب وہاں سے گوشت لے کر فروخت کرتے ہیں اُن سے خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ذبح میں ذابح کی نیت شرط معتبر ہے، اگر کافر اپنے معبودوں کے لئے ذبح کرائے اور مسلمان اللہ عزوجل کے لئے اس کا نام لے کر ذبح کرے جانور حلال ہوجائے گا مگر یہ فعل مسلمان کے لئے مکروہ ہے، اور اس گوشت کا اس سے لینا بھی نہ چاہئے کہ اس میں کافر کے زعم میں اُس کے مقصد باطل کا پورا کرنا ہے، اور یہ گوشت گویا اس کی طرف سے تصدق لینا ہے،

والید العلیا خیر من الید السفلٰی، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، تو یہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱

ولا ینبغی لید کافر ان تکون اعلیٰ من ید مسلم، والمسئلۃ منصوص علیہا فی العالمگیریۃ والتتارخانیۃ، انہ یحل ویکرہ للمسلم۔[1]

مناسب نہیں کہ کافر کا ہاتھ مسلمان کے ہاتھ سے افضل ہو، اس مسئلہ پر عالمگیری میں نص ہے، تاتارخانیہ میں ہے حلال ہے اور مکروہ ہوگا مسلم کے لئے۔ (ت)

ہاں قصاب وغیرہ جس مسلمان نے اُس سے گوشت لیا اور بعد ذبح مسلم نظر مسلم سے غائب نہ ہوا تھا اس کے خریدنے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۸: مرسلہ شیخ گھورا موضع بکسڑا ڈاکخانہ ایاری ضلع شاہ آباد آرہ ۱۷ صفر ۱۳۳۵ھ

اگر ہندو کسی جانور یعنی بکرا بکری، بھیڑا بھیڑی وغیرہ کو کسی اپنے دیوتا کے نام پر یا دیوتا کی جگہ پر لے جاکر اس کا کان کاٹ ڈالے اور بعد میں اس جانور کو کسی مسلمان کے ہاتھ بیچ ڈالے اور وہ مسلمان اس جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کرکے کھائے تو وہ جانور یا اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

حلال ہے،

قال اللہ تعالٰی ومالکم الّا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا کہ نہیں کھاتے جس پر اللہ تعالٰی کا نام پکارا گیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹ و ۱۲۰: از چتوڑ گڑھ علاقہ اودیہ پور راجپوتانہ مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ بروز شنبہ

(۱) سانڈ حرام ہے یا حلال، فتاوٰی عبدالحی صاحب لکھنوی جلد سوم میں حرام لکھا ہے اس بناء پر کہ وہ سانڈ مالک کی ملک سے خارج نہیں۔

(۲) خراطین یا کسی مکروہ تحریمی یا حرام شئے کا جلا کر کھانا، یا جس شیَ میں جلائی ہے مثلاً گھی وغیرہ، اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب

(۱) سانڈ اگر اللہ کے لئے ذبح کرلیا جائے گا تو اس کے گوشت کی حلت میں تو کوئی کلام ہی نہیں،

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۸۶

[2] القرآن الکریم ۶/۱۲۱

قال اللّٰه تعالٰی ماجعل اللّٰه من بحیرۃ و لاسائبۃ[1] | اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے بحیرہ اور سائبہ نہیں بنائے۔ (ت)

کافروں کا یہ اعتقاد تھا کہ کان چیر کر چھوڑ دیا یا بجار کر دیا تو اس کا کھانا حرام ہے، قرآن عظیم نے اس کا رَد فرمادیا، رہا ملکِ غیر کی وجہ سے حرام ہونا یہ معصوم وغیر معصوم میں عدم تفرقہ سے ناشی ہے، کافر کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن نہ مستامن منہ، یعنی نہ وہ اس کی امان میں ہو نہ یہ اس کی امان میں، اس سے صرف غدر حرام ہے، ہاں ایک اور راہ سے یہاں عدمِ جواز آسکتا ہے، وہ یہ کہ یہ صورت اگر قانوناً جُرم ہو تو ایسا مباح جو مسلمان کو معاذ اللہ ذلت پر پیش کرے شرعاً ممنوع ہو جاتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) حرام شئی جلنے کے بعد بھی حرام ہی رہے گی، اور دوسری شئی میں اگر ایسی مخلوط ہو گی کہ تمیز ناممکن ہے، تو اُسے بھی حرام کر دے گی،

اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام[2] | حلال اور حرام مجتمع ہوں تو حرام کو غلبہ ہوتا ہے۔

واللّٰه تعالٰی اعلم۔ | واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱ از ملک آسام مقام نُوعلی کُل گاؤں ضلع شیب ساگر مرسلہ پیر ملّا مولوی سید عبدالمجید صاحب ۱۶ رمضان ۱۳۱۳ھ

علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ایک بیل غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا ہے، آیا اس جانور کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں یہاں پر بہت اختلاف ہے اس کو معہ دلیل تحریر فرمائیں۔

الجواب

اس چھوڑ دینے سے وہ جانور حرام نہیں ہو جاتا،

قال اللّٰه تعالٰی ماجعل اللّٰه من بحیرۃ و لا سائبۃ و لا وصیلۃ و لا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللّٰه الکذب و اکثرھم لایعقلون[3]۔ | اللہ تعالٰی نے فرمایا: بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام اللہ تعالٰی نے نہیں بنائے لیکن کافروں نے اللہ تعالٰی پر جھوٹ افترا باندھا جبکہ ان کی اکثریت بے عقل ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۴

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

تفسیر مدارک شریف میں ہے :

یفترون علی اللہ الکذب فی نسبتھم ھذا التحریم الیہ ، واکثرھم لا یعقلون ان اللہ تعالٰی لا یحرم ذٰلک[1]

اللہ تعالٰی پر ان کے حرام کرنے کی نسبت میں افترا باندھتے ہیں جبکہ ان کی اکثریت بے عقل ہے اللہ تعالٰی نے ان کو حرام نہیں کیا (ت)

مگر اس چھوڑ دینے سے وہ ملکِ مالک سے بھی خارج نہیں ہوتا ، اُسی کی ملک پر باقی رہتا ہے کہ بیل چھوڑنے والے چھوڑتے وقت نہ یہ کہتے کہ جو اسے پکڑلے اس کا مالک ہوجائے ، نہ وہ ہرگز اس کا پکڑنا روا رکھتے ہیں ، بلکہ اُن کی نیت یہی ہوتی ہے کہ یہ یُونہی چھوٹا پھرے ، تو جانور بدستور انھیں کا مملوک رہتا ہے ۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے :

لو سیب دابۃ ، وقال لا حاجۃ لی الیھا ، ولم یقل ھی لمن اخذھا فاخذھا الانسان لا تکون لہ[2]

اگر کوئی جانور آزاد چھوڑ دیا گیا اور یہ نہ کہا جو پکڑلے اس کا ہوگا تو کوئی انسان پکڑلے تو وہ اس کا مالک نہ بنے گا ۔ (ت)

اس وجہ سے اس کا پکڑنا ، ذبح کرنا ، کھانا کچھ جائز نہیں کہ وہ مِلکِ غیر ہے ، یہاں تک کہ اگر مالک اجازت دیدے بلا شبہہ حلال ہوجائے ، یا اگر کسی شخص کا اس بیل چھوڑنے والے پر کچھ دین آتا ہو مثلاً اس نے کچھ مال اس کا چھینا یا چرایا یا سُود یا رشوت میں لیا ہو اور اس سے وصول کی امید نہیں تو یہ شخص اپنے آتے میں اس بیل کو لے سکتا ہے جبکہ اس کی قیمت اس کے مقدارِ حق سے زائد نہ ہو ،

وھی مسئلۃ الظفر بخلاف جنس الحق المفتی الاٰن بجواز اخذہ کما فی رد المحتار وغیرہ[3] ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

یہ مسئلہ اپنے حق کے خلاف جنس پر قابو پانے کا ہے جس پر آج کل فتوٰی ہے کہ قابو پانا جائز ہے جیسا کہ رد المحتار وغیرہ میں ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۲ : از اودے پور ، میواڑ مہارانا ہائی اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب ۱۰ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بکرا جو شیخ سدّو کے نام سے یا دوسرے کسی بزرگ کے نام سے موسوم کیا جائے ، اور وُہ بکرا اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا جائے اس کا کھانا مسلمان

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ یفترون علی اللہ الکذب الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۳۰۵
[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الہبۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲
[3] رد المحتار کتاب الحجر دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

کو جائز ہے یا نہیں ؟ اور وما اھل لغیر اللہ بہٖ[1] سے مراد قبل ذبح کے پکارا جانا ہے یا وقت ذبح کے؟

الجواب الملفوظ

اصل کلی اس میں یہ ہے کہ ذابح کی نیت اور وقت ذبح اس کے تسمیہ کا اعتبار ہے، اس کے سوا کسی بات کا لحاظ نہیں، اگر مالک نے خاص اللہ عزوجل کے لئے نیت کی اور ذابح نے بسم اللہ کی جگہ بسم فلاں کہا، یا بسم اللہ ہی کہا اور اراقت دم سے عبادت غیر خدا مقصود رکھی ذبیحہ مردار ہوگیا، اور اگر مالک نے کسی غیر خدا اگرچہ بُت یا شیطان کے لئے نیت کی اور اسی کے نام کی شہرت دی اور اسی کے ذبح کرنے کے واسطے ذابح کو دیا، اور ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لئے اس کا نام پاک لے کر ذبح کیا بنص قطعی قرآن حلال ہوگیا،

قال اللہ تعالٰی وما لکم ان لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ اس چیز میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی، لبیت نارھم او الکافر لاٰلھتھم، توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم، کذا فی التاتارخانیۃ۔[3]

مسلمان نے مجوسی کی بکری ذبح کی ان کے آتشکدہ کے لئے یا کسی کافر کی بکری ان کے معبودوں کیلئے ذبح کی تو کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کا نام لے کر ذبح کی ہے اور مسلمان کو یہ عمل مکروہ ہے، تاتارخانیہ میں یونہی ہے (ت)

اس مسئلہ کی تحقیق و تفصیل ہمارے رسالے سبل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء میں ہے، اور شیخ سدو کوئی بزرگ نہیں بلکہ ایک خبیث روح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۳ از قصبہ کلی ناگر، تھانہ مادھوٹانڈہ، پرگنہ پورنپور، ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد اکبر علی صاحب ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے شیخ سدو کے نام سے مرغ وغیرہ ذبح

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] " ۶/ ۱۲۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

کرایا، اور میلاد بھی زید نے پڑھوایا، تو زید کے مکان پر میلاد پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور کھانا زید کا میلاد خواں نے کھایا تو وہ اس کے حق میں کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ذکر میلاد شریف بہ نیت ہدایت پڑھے، اور اس میں ایسی ارواح کی تکریم سے ممانعت کرے جن کا اسلام تک معلوم نہیں، بلکہ بعض علماء نے انھیں ارواح خبیثہ لکھا، اور وہ مرغ وغیرہ ذبیحہ نہ کھائے جو الیسوں کیلئے ذبح ہوا، اور بہتر یہ ہے کہ اس کے یہاں کا اور کھانا بھی نہ کھائے، جب تک وہ توبہ نہ کرے زجراً لہ و توبیخاً، اور اگر یہ عالم مقتدٰی ہے تو الیسوں کے ساتھ اور ان کے یہاں کھانا کھانے سے احتراز اور اہم ہے کما نص علیہ فی الھندیۃ وغیرھا (جس طرح کہ ہندیہ وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۴ ازکلی ناگر ضلع پیلی بھیت مرسلہ اکبر علی صاحب ۶ رجمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان میں چچا اور بھائی اور بھتیجا رہتے ہیں، اور حقہ پانی ان سب کا ایک ہے، اور بھتیجے نے شیخ سدو کے نام سے جانور ذبح کیا، اور کوئی مولوی صاحب اس کے چچا یا بھائی کے یہاں آکر ٹھہرے، اور مولوی صاحب کو معلوم ہوگیا کہ ان کا بھتیجا غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرواتا ہے اور چچا اور بھائی کو کھلاتا ہے، تو مولوی صاحب اس کے چچا کے یہاں مقیم ہیں اُن مولوی صاحب کو ان کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں، اور مولوی صاحب سے کہا گیا کہ اس کے گھر کا کھانا نہ کھاؤ، تو درجواب مولوی صاحب نے کہا کہ تم کون ہو ہم کسی کا کہنے کو نہیں مان سکتے ہیں، مولوی صاحب کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جانور جو اللہ عزوجل کے نام پر ذبح کیا جائے اور اس سے اللہ عزوجل ہی کی طرف تقرب مقصود ہو، اگرچہ اس پر باعث مسلمان کا اکرام، یا اولیاء کرام کا، خواہ اموات مسلمین کو ایصال ثواب یا اپنے کوئی جائز مثل تقریب شادی نکاح وغیرہ یا جائز انتفاع مثل گوشت فروشی قصاباں ہو تو اس کے جائز وحلال ہونے میں شک نہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وما لکم الا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ۔[1] تمھیں کیا ہوا کہ اس چیز سے نہ کھاؤ جس پر اللہ سبحٰنہ کا نام پاک لیا گیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۱

مگر خبیث روحوں کو منانا تقرب الی اللہ نہیں ہوسکتا، شیخ سدو بھی ارواحِ خبیثہ سے شمار کیا گیا ہے، تو ذبح کرنے والے کی نیت اگر شیخ سدو کی طرف تقرب کی ہو جانور بلا شُبہہ مردار ہوجائے گا، اگرچہ بظاہر تکبیر ہی کہہ کر ذبح کیا گیا ہو، یہاں ذابح کی ہی نیت کا اعتبار ہے اگرچہ مالک کی نیت کچھ ہو، مثلاً مالک نے خالص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کرنے کو جانور دیا ہو، ذابح نے اُسے کسی بُت کی بھینٹ چڑھادیا جانور بیشک حرام ہوگیا مالک کی نیت کچھ نفع نہ دے گی، یُوہیں مالک نے اگر کسی بُت یا شیطان ہی کے لئے ذبح کرنے کو کہا اور ذابح نے معبود برحق جل جلالہٗ کے لئے ذبح کیا جانور بیشک حلال ہے، مالک کی نیت کچھ نقصان نہ دے گی۔ پس صورتِ مذکورہ میں اگر ذابح نے سدو کی طرف تقرب کی نیت سے ذبح کیا اور ان مولوی کو اس کا یہ حال معلوم تھا، پھر اس سے گوشت کھایا، تو یہ شخص مردار خوار ہوا اور اس کے پیچھے نماز منع ہے، اور اگر اُسے ذابح کی نیت معلوم ہوگئی تھی کہ اس نے وہ نیت فاسدہ نہ کی بلکہ خالص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کیا، تو اگرچہ جانور حلال ہوگیا مگر بہتر اس سے بچنا تھا جبکہ مالک نے غیر خدا کے تقرب کے لئے دیا تھا خصوصاً اس شخص کو جو مولوی کہلاتا ہو، اور لوگ اُس کے فعل کو حُجت جانتے ہوں۔ عالمگیری میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم او الکافر لاٰلھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم[1]

مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے آتشکدہ کے لئے یا کسی اور کافر کی بکری اس کے معبود کے لئے ذبح کی تو کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی ہے اور مسلمان کو یہ عمل مکروہ ہے (ت)

اور اگر نیت معلوم نہ تھی اور یہ جان چکا تھا کہ یہ لوگ شیخ سدو کے منانے والے ہیں، اور بچنا اور اہم تھا کہ ارواح خبیثہ کے منانے والوں اور اس سے استعانت کرنے والوں کا ظاہر حال سخت مخدوش ہے، اور ایسی جگہ شبہات سے احتراز لازم، اور اگر گوشت نہ کھایا بلکہ اور کھانا کھایا تو جب بھی مولوی کہلا کر ایسے لوگوں کے یہاں اکلِ طعام کہ قلوب مسلمین میں شُبہہ ڈالے ہرگز مناسب نہ تھا۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۸۶

سُبُل الاصفیا فی حُکمِ الذّبح للاولیاء[12][13]

(اولیاء اللہ کے لئے ذبح کرنے میں اصفیاء کے طریقے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۲۵ در رد فتوٰی بعض معاصرین ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

ازلشکر گوالیار ڈاک دربار بجواب سوال مولوی نورالدین صاحب اوائل ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے ایک بکرا میاں کا اور عمرو نے ایک گائے چہل تن کی اور مرغ مدار کا پالا، اور پال کران کو باتکبیر ذبح کیا یا کرایا اس کا کھانا مسلمانوں کو عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

حامدًا لك ومصلیا ومسلما علٰی حبیبك واٰلہ یا وھّاب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔

یا اللہ! تیرے لئے حمد کرنے والا اور تیرے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والا اور ان کی آل پر، حق وصواب کی رہنمائی فرما اے میرے رب! (ت)

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) حق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ حلّت وحرمت ذبیحہ میں حال وقول ونیتِ ذابح کا اعتبار رہے نہ کہ مالک کا، مثلاً مسلمان کہ

جانور کوئی مجوسی ذبح کرے تو حرام ہوگیا اگرچہ مالک مسلم تھا، اور مجوسی کا جانور مسلمان ذبح کرے تو حلال اگرچہ مالک مشرک تھا، یا زید کا جانور عمرو ذبح کرے اور قصداً تکبیر نہ کہے حرام ہوگیا، اگرچہ مالک برابر کھڑا سو بار بسم اللہ اللہ اکبر کہتا رہے، اور ذابح تکبیر سے ذبح کرے تو حلال، اگرچہ مالک ایک بار بھی نہ کہے۔ ذابح کلمہ گو نے غیر خدا کی عبادت و تعظیم مخصوص کی نیت سے ذبح کیا تو حرام ہوگیا اگرچہ مالک کی نیت خاص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کی تھی۔

یونہی ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کیا تو حلال، اگرچہ مالک کی نیت کسی کے واسطے تھی۔ تمام صورتوں میں حالِ ذابح کا اعتبار ماننا اور اس شکلِ خاص میں انکار کر جانا محض تحکم باطل ہے جس پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں، ولہٰذا فقہائے کرام خاص اس جزئیہ کی تصریح فرماتے ہیں کہ مثلاً مجوسی نے اپنے آتشکدہ یا مشرک نے اپنے بتوں کے لئے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور اس نے تکبیر کہہ کر ذبح کی حلال ہے، کھائی جائے، اگرچہ یہ بات مسلم کے حق میں مکروہ۔ فتاوٰی عالمگیری و فتاوٰی تاتارخانیہ و جامع الفتاوٰی میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم او الکافر لاٰلھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم[1]

مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے آتشکدہ کیلئے یا کسی اور کافر کی اس کے معبودوں کیلئے ذبح کی تو بکری کھائی جائے کیونکہ اس نے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی ہے، اور یہ عمل مسلمان کو مکروہ ہے۔ (ت)

پھر مسلمان ذابح کی نیت بھی وقت ذبح کی معتبر ہے، اس سے قبل و بعد کا اعتبار نہیں، ذبح سے ایک آن پہلے تک خاص اللہ عزوجل کے لئے نیت تھی، ذبح کرتے وقت غیر خدا کے لئے اس کی جان دی، ذبیحہ حرام ہوگیا، وہ پہلی نیت کچھ نفع نہ دے گی، یونہی اگر ذبح سے پہلے غیر خدا کے لئے ارادہ تھا ذبح کے وقت اس سے تائب ہو کر مولٰی تبارک و تعالٰی کے لئے اراقتِ دم کی تو حلال ہوگیا، یہاں وہ پہلی نیت کچھ نقصان نہ دے گی۔ ردالمحتار میں ہے:

اعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح[2]

معلوم ہونا چاہئے کہ ذبح کی ابتداء میں قصد کا اعتبار ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

غرض ہر عاقل جانتا ہے کہ تمام افعال میں اصل نیتِ مقارنہ ہے، نماز سے پہلے خدا کے لئے نیت تھی تکبیر کہتے وقت دکھاوے کے لیے پڑھی، قطعاً مرتکب کبیرہ ہوا، اور نماز نا قابل قبول، اور اگر دکھاوے کے لئے اٹھا تھا نیت باندھتے وقت تک یہی قصد تھا، جب نیت باندھی قصد خالص رب جل وعلا کے لئے کرلیا تو بلاشبہہ وہ نماز پاک وصاف وصالح قبول ہوگی، تو ذبح سے پہلے کی شہرت، پکار کا کچھ اعتبار نہیں، نہ نافع نفع دے نہ مضر ضرر، خصوصاً جبکہ پکارنے والا غیر ذابح ہو کہ اسے تو اس باب میں کچھ دخل ہی نہیں،

کما قد علمت و ھذا کلہ ظاھر جداً لا یصلح ان یتناطح فیہ قرناء وجماء۔

جیسا کہ معلوم ہے اور یہ تمام ظاہر ہے اس میں بالکل گنجائش نہیں کہ اس میں بحث کی جائے (ت)

پھر اضافت معنی عبادت میں منحصر نہیں کہ خواہی نخواہی مدار کے مرغ یا چہل تن کی گائے کے معنی ٹھہرا لئے جائیں کہ وہ مرغ و گاؤ جس سے ان حضرات کی عبادت کی جائے گی، جس کی جان ان کے لئے دی جائیگی، اضافت کو ادنیٰ علاقہ کافی ہوتا ہے، ظہر کی نماز، جنازہ کی نماز، مسافر کی نماز، امام کی نماز، مقتدی کی نماز، بیمار کی نماز، پیر کا روزہ، اونٹوں کی زکوٰۃ، کعبہ کا حج، جب ان اضافتوں سے نماز وغیرہ میں کفر و شرک وحرمت درکنار نام کو بھی کراہت نہیں آتی، تو حضرت مدار کے مرغ، حضرت احمد کبیر کی گائے، فلاں کی بکری کہنے سے یہ خدا کے حلال کئے ہوئے جانور کیوں جیسے جی مردار اور سور ہوگئے کہ اب کسی صورت حلال نہیں ہوسکتے، یہ شرع مطہر پہ سخت جرأت ہے۔ خود حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان احبَّ الصیامِ الی اللہ تعالیٰ صیامُ داؤد واحبُّ الصلوٰۃ الی اللہ عزوجل صلوٰۃُ داؤد[1] رواہ الائمۃ احمد والستۃ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما الا الترمذی فعندہٗ فضل الصیام وحدہ[2]۔

بیشک سب روزوں میں پیارے اللہ تعالےٰ کو داؤد کے روزے ہیں اور سب نمازوں میں پیاری داؤد کی نماز ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ (اس کو ائمہ صحاح ستہ اور امام احمد نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت کیا ہے لیکن امام ترمذی کی روایت میں صرف روزوں کی فضیلت کا ذکر ہے)

علماء فرماتے ہیں مستحب نمازوں میں صلوٰۃ الوالدین یعنی ماں باپ کی نماز ہے،

فی ردالمحتار عن الشیخ اسمٰعیل عن شرح شرعۃ الاسلام من المندوبات صلوٰۃ التوبۃ

ردالمحتار میں شیخ اسمٰعیل سے بحوالہ شرح شرعۃ الاسلام منقول ہے کہ مستحب نمازوں میں صلوٰۃ التوبہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب التہجد باب من نام عند السحر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۲ و ۴۸۶

[2] صحیح مسلم کتاب الصیام باب النہی عن صوم الدہر الخ " " " ۱/ ۳۶۷

وصلوٰۃ الوالدین[1] اور صلوٰۃ الوالدین ہے (ت)

سبحان اللہ! داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز، داؤد (علیہ السلام) کے روزے، ماں باپ کی نماز کہنا صواب، پڑھنا ثواب، اور جانور کی اضافت وہ سخت آفت کہ قائلین کفار، جانور مردار، کیا ذبح نماز روزے سے بڑھ کر عبادتِ خدا ہے یا اس میں شرک حرام ان میں روا ہے۔

خود اضافتِ ذبح کا فرق سنئے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ[2]۔ رواہ مسلم والنسائی عن امیر المومنین علی و نحوہ احمد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

خدا کی لعنت ہے اس پر جو غیر خدا کے لئے ذبح کرے (اس کو مسلم اور نسائی نے امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس کی مثل امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ ت)

دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ذبح لضیف ذبیحۃ کانت فداءہ من النار[3]۔ رواہ الحاکم فی تاریخہ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

جو اپنے مہمان کے لئے جانور ذبح کرے وہ ذبیحہ اس کا فدیہ ہو جائے آتشِ دوزخ سے۔ (اس کو امام حاکم نے اپنی تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

تو معلوم ہوا کہ ذبیحہ میں غیر خدا کی نیت اور اس کی طرف نسبت مطلقًا کفر کیا حرام بھی نہیں، بلکہ موجبِ ثواب ہے، تو ایک حکم عام کفر و حرام کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔

ولہذا علماء فرماتے ہیں، مطلقًا نیت غیر کو موجبِ حرمت جاننے والا سخت جاہل اور قرآن و حدیث و عقل کا مخالف ہے، آخر قصاب کی نیت تحصیلِ نفعِ دنیا اور ذبائحِ شادی کا مقصود برات کو کھانا دینا ہے، نیتِ غیر تو یہ بھی ہوئی، کیا یہ سب ذبیحے حرام ہو جائیں گے۔ یونہی مہمان کے واسطے ذبح کرنا درست و بجا ہے کہ مہمان کا اکرام عین اکرامِ خدا ہے۔ درمختار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الوتر والنوافل داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۶۲/۱

[2] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب تحریم الذبح لغیر اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۶۰/۲

[3] الجامع الصغیر بحوالہ الحاکم فی التاریخ حدیث ۸۶۷۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۵۲۶/۲

۱۴

لوذبح للضیف لایحرم لانه سنة الخلیل و اکرام الضیف اکرام الله تعالٰی۔[1]

جس نے مہمان کی نیت سے ذبح کیا تو حرام نہیں کیونکہ یہ خلیل علیہ السلام کی سنت اور مہمان کا اکرام ہے، اور مہمان کا اکرام اللہ تعالٰی کا اکرام ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال البزازی ومن ظن انه لایحل لانه ذبح لاکرام ابن اٰدم فیکون اهل به لغیرالله تعالٰی فقد خالف القراٰن والحدیث و العقل فانه لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انه نجس لایذبح فیلزم هذا الجاهل ان لایاکل ماذبح القصاب وما ذبح للولائم والاعراس والعقیقة۔[2]

بزازی نے کہا اور جس نے گمان کیا کہ وہ اس لئے حلال نہیں کہ اس میں بنی آدم کا اکرام ہے تو یہ غیر اللہ کے نام سے ذبح ہوا تو اس نے قرآن وحدیث اور عقل کے خلاف بات کی، کیونکہ بلاشبہہ قصاب اپنے نفع کے لئے ذبح کرتا ہے اگر اسے معلوم ہو کہ یہ نجس ہے تو وہ ذبح نہ کرے، تو ایسے جاہل کو چاہئے کہ وہ قصاب کے ذبح کردہ کو نہ کھائے اور ولیمہ اور شادی اور عقیقہ کے لئے ذبح کردہ کو بھی نہ کھائے۔(ت)

دیکھو علمائے کرام صراحۃً ارشاد فرماتے ہیں کہ مطلقاً نیت و نسبتِ غیر کو موجبِ حرمت جاننا اور مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ میں داخل ماننا نہ صرف جہالت بلکہ جنون و دیوانگی اور شرع و عقل دونوں سے بیگانگی ہے، جب نفع دنیا کی نیت مخل نہ ہوئی تو فاتحہ اور ایصالِ ثواب میں کیا زہر مل گیا، اور اکرام مہمان عین اکرام خدا ٹھہرا تو اکرامِ اولیاء بدرجۂ اولٰی۔

ہاں اگر کوئی جاہل اجہل یہ نسبت و اضافت بقصد عبادتِ غیر ہی کرتا ہے تو اس کے کفر میں شک نہیں، پھر بھی اگر ذابح اس نیت سے بری ہے تو جانور حلال ہوجائے گا کہ نیتِ غیر اس پر اثر نہیں ڈالتی، کما حققناہ اٰنفاً (جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ت)

مگر جب کہ حدیثاً و فقہاً دلائل قاہرہ سے ثابت کرچکے کہ اضافت معنیٰ عبادت ہی میں منحصر نہیں، تو صرف اس بناء پر حکم کفر محض جہالت و جرأت و حرام قطعی اور مسلمانوں پر ناحق بدگمانی ہے، تم سے کس نے کہہ دیا کہ وہ آدمیوں کا جانور کہنے سے عبادت آدمیان کا ارادہ کرتے اور انھیں اپنا معبود و خدا بنانا چاہتے ہیں،

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار ″ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

اللہ عزوجل فرماتا ہے :

یاایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم[1]

اے ایمان والو! بہت سے گمان سے بچو بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اور فرماتا ہے :

ولا تقف مالیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسؤلا[2]

بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ، بیشک کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہونا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[3]، رواہ الائمۃ مالک والشیخان وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے (اس کو امام مالک، شیخین، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالھا ام لا[4]۔ رواہ مسلم، عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

تُو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا (اس کو امام مسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

امام عارف باللہ سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں :

انما ینشأ الظن الخبیث عن القلب الخبیث[5]

بدگمانی خبیث دل سے ہی پیدا ہوتی ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] " ۱۷/ ۳۶

[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا باب قول عزوجل من بعد وصیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴
صحیح مسلم کتاب البر باب تحریم الظن الخ " " " ۲/ ۳۱۶

[4] " کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر الخ " " " ۱/ ۶۸

[5] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الرابع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۹

نقلہ سیدی عبد الغنی النابلسی فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ۔ (اس کو سیدی عبد الغنی نابلسی نے شرح طریقہ محمدیہ میں نقل کیا ہے۔ت)

ولہذا غنیہ و ذخیرہ و شرح وہبانیہ و درمختار وغیرہا میں ارشاد فرمایا:

انا لانسیئ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الاٰدمی بھذا النحر[1] ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہتا ہو۔

رد المحتار میں ہے:

ای علی وجہ العبادۃ لانہ المکفر وھذا بعید من حال المسلم[2] یعنی اس تقرب سے تقرب بروجہ عبادت مراد ہے کہ اس میں کفر ہے اور اس کا خیال مسلمان کے حال سے دُور ہے۔

بلکہ علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود ذابح خاص وقتِ ذبح تکبیر میں یوں کہے "بسم اللہ بنام خدائے بنامِ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" تو یہ کہنا مکروہ تو بیشک ہے مگر کفر کیسا! جانور حرام بھی نہ ہوگا، جبکہ اس لفظ سے اس کی نیت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم محض ہو، نہ معاذ اللہ حضور کو رب عزوجل کے ساتھ شریک ٹھہرانا۔

امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں اپنے فتاوٰی میں تحریر فرماتے ہیں:

رجل ضحی و ذبح وقال بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد علیہ السلام، قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالٰی ان اراد الرجل بذکر اسم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتبجیلہ وتعظیمہ جاز ولا باس وان اراد بہ الشرکۃ مع اللہ تعالٰی لاتحل الذبیحۃ[3] کسی نے بنام خدا بنام محمد علیہ السلام قربانی کی یا ذبح کیا، شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر اس شخص نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے نام سے صرف تعظیم و تبجیل مراد لی تو جائز ہے اور اگر اللہ تعالٰی کے ساتھ شریک بنایا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ اس سے بھی زائد خاص صورت عطف میں مثلاً "بنام خدا و بنام فلاں" جس سے صاف معنی

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۰

[2] رد المحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۹۶

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل فی الانتفاع بالاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۴/۷۵۰

شرکت ظاہر ہے اگرچہ مذہب صحیح حرمتِ جانور ہے، مگر حکم کفر نہیں دیتے کہ وہ امر باطنی ہے، کیا معلوم کہ اس کی نیت کیا ہے۔ درمختار میں ہے:

ان عطف حرمت نحو باسم الله و اسم فلان[1]۔

اگر اللہ تعالٰی کے نام پر دوسرے نام کا عطف کیا تو حرام ہے، مثلاً باسم اللہ واسم فلاں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

هو الصحیح وقال ابن سلمة لا تصیر میتة لانها لو صارت میتة یصیر الرجل کافرا، خانیة، قلت تمنع الملازمة بان الکفر امر باطنی والحکم به صعب فیفرق کذا فی شرح المقدسی، شرنبلالیة[2]۔

وہی صحیح ہے اور ابن سلمہ نے فرمایا مردار نہ ہوگا کیونکہ اگر مردار کہیں گے تو ذبح کرنے والے کو کافر قرار دینا ہوگا، خانیہ۔ میں کہتا ہوں یہ ملازمہ ممنوع ہے کیونکہ کفر باطنی امر ہے اور اس کا حکم دشوار ہے تو فرق کرنا ضروری ہے، شرح مقدسی میں اسی طرح ہے، شرنبلالیہ۔ (ت)

اللہ اکبر! خود ذابح خاص تکبیرِ ذبح میں نام خدا کے ساتھ نام غیر ملا کر پکارے اور کافر نہ ہو، جب تک معنی شرک کا ارادہ نہ کرے بلکہ بے حرف عطف "بنام خدا بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" کہے اور اس نام پاک کے لینے سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہی چاہے، حضور کی عظمت ہی کے لئے خاص وقت ذبح بنام خدا کے ساتھ بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہے تو جانور میں اصلاً حرمت وکراہت بھی نہیں مگر پیش از ذبح اگر کسی نے یوں پکار دیا کہ "فلاں کا بکرا، فلاں کی گائے" تو پکارنے والا مشرک اور اس کے ساتھ یہ لفظ منہ سے نکلتے ہی جانور کی بھی کایا پلٹ ہو کر فوراً بکری سے کتا، گائے سے سور، اگرچہ وہ منادی غیر ذابح ہو، اگرچہ ابھی نہ وقتِ ذبح نہ دم تکبیر، معاذ اللہ۔ وہ لفظ کیا تھے جادو کے انچھر تھے کہ چھوتے ہی جانور کی ماہیت بدل گئی، ایسے زبردستی کے احکام شرع مطہر سے بالکل بیگانہ ہیں۔

بڑی دلیل ان کے قصدِ عبادتِ غیر ومعنی شرک پر یہ پیش کی جاتی ہے کہ "اس ذبح کے بدلے گوشت خرید کر تصدق کرنا ان کے نزدیک کافی نہیں ہوتا، تو معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب مقصود نہیں بلکہ خاص ذبح للغیر و شرکِ صریح مراد ہے، اگرچہ وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہمارا مطلب صرف ایصال ثواب ہی ہے"۔

---

[1] درمختار | کتاب الذبائح | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۲۲۹
[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/۱۹۱

اقول اس سے صرف اتنا ثابت ہُوا کہ خاص ذبح مراد ہے، ذبح للغیر کہاں سے نکلا، کیا ثواب ذبح کوئی چیز نہیں، یا گوشت دینے میں وہ بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ عنایہ میں ہے:

التضحیۃ فیھا افضل من التصدق بثمن الاضحیۃ لان فیھا جمعا بین التقرب باراقۃ الدم والتصدق والجمع بین القربتین افضل[1] اھ ملخصًا۔

اس صورت میں قربانی کرنا اس کی قیمت کے صدقے سے افضل ہے کیونکہ قربانی میں دونوں قربتیں حاصل ہوتی ہیں' خون بہاؤ اور صدقہ بھی، جبکہ دو قربتوں کو جمع کرنا افضل ہے اھ ملخصًا (ت)

معہذا عوام ایسی اشیاء میں مطلقًا تبدیل پر راضی نہیں ہوتے، مثلاً جو آٹے کی چٹکی روزانہ اپنے گھر کے خرچ سے نکالتے اور ہرماہ اس سے پکا کر حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نیاز دلا کر محتاج کو کھلاتے ہیں، اگر ان سے کہئے کہ یہ آٹا جو جمع ہوا ہے اپنے خرچ میں لائیے اور اس کے عوض اور پکائیے، کبھی نہ مانیں گے، حالانکہ آٹے میں کوئی ذبح کا محل نہیں، اور ذبح میں بھی اگر اس جانور کے بدلے دوسرا جانور دیجئے ہرگز نہ لیں گے، حالانکہ ادائے ذبح میں دونوں ایک سے، تو اس کا کافی نہ سمجھنا اسی خیال تعیین وتخصیص کی بناپر ہے، نہ معاذ اللہ اس توہم باطل پر، خصوصًا جبکہ وہ بیچارے صراحۃً کہہ رہے ہیں کہ حاش للہ ہم عبادتِ غیر نہیں چاہتے صرف ایصالِ ثواب مقصود ہے۔

اور اگر انصاف کیجئے تو دربارۂ عدم تبدیل ان کا وُہ خیال بے اصل بھی نہیں، اگرچہ انھوں نے اس میں تشدّد زیادہ سمجھ لیا ہو جن چیزوں پر نیت قربت کرلی گئی، شرع مطہر میں بلاوجہ ان کا بدلنا پسند نہیں، لاسیما اذا کان النزول الی الناقص کما ھٰھنا وکل ذٰلک ظاہر جدًّا (خصوصًا جبکہ اعلٰی سے ادنٰی کی طرف تنزل ہو جیسا کہ یہاں ہے اور یہ تمام نہایت ظاہر ہے۔ ت)

ولہٰذا اگر غنی قربانی کے لئے جانور خریدے اور اس معیّن کی نذر نہ ہو تو جانور متعین نہیں ہوجاتا اسے اختیار ہے کہ اس کے بدلے دوسرا جانور قربانی کرے پھر بھی بدلنا مکروہ ہے کہ جب اس پر قربت کی نیت کرلی تو بلاوجہ تبدیل نہ چاہئے۔ ہدایہ میں ہے:

بالشراء للتضحیۃ لایمتنع البیع[2]

قربانی کے لئے خرید بیع کے لئے مانع نہیں (ت)

اسی میں ہے:

---

[1] العنایۃ علٰی ہامش فتح القدیر کتاب الاضحیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۴۳۲

[2] الہدایۃ " مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۳

ویکرہ ان یبدل بہا غیرھا[1] اور اس قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا مکروہ ہے (ت)

اسی طرح تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے۔

بالجملہ مسلمانوں پر بدگمانی حرام اور حتی الامکان اس کے قول وفعل کو وجہ صحیح پر حمل واجب، اور یہاں ارادۂ قلب پر بے تصریحِ قائل حکم لگانے کی اصلاً راہ نہیں، اور حکم بھی کیسا کفر و شرک کا، جس میں اعلیٰ درجہ کی احتیاط فرض، یہاں تک کہ ضعیف سے ضعیف احتمالِ بچاؤ نکلتا ہو تو اسی پر اعتماد لازم، کما حقق کل ذٰلک الائمۃ المحققون فی تصانیفھم الجلیلۃ (جیسا کہ ائمہ محققین نے اپنی تصانیف میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ت)

اگر بالفرض بعض کوردل احمقوں پر بہ ثبوت شرعی ثابت بھی ہو کہ ان کا مقصود معاذ اللہ عبادتِ غیر ہے تو حکمِ کفر صرف انھیں پر صحیح ہوگا اُن کے سبب حکم عام لگا دینا اور باقی لوگوں کی بھی یہی نیت سمجھ لینا محض باطل۔

قال اللہ تعالٰی لا تزر وازرۃ وزر اُخرٰی[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا) اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی (ت)

پس حق یہ ہے کہ نہ مطلقاً اس نام پکارنے پر حکم شرک صحیح، نہ اس وجہ سے جانور کو مردار مان لینا درست، بلکہ حکم شرک کے لئے قائل کی نیت پوچھیں گے، اگر اقرار کرے کہ اس کی مراد عبادتِ غیر ہے تو بیشک مشرک کہیں گے ورنہ ہرگز نہیں، اور حکمِ حرمت میں صرف قول وفعل ونیتِ ذابح خاص وقتِ ذبح پر مدار رکھیں گے، اگر مالک خواہ غیر مالک کسی کلمہ گو نے معاذ اللہ اسی نیتِ شرک کے ساتھ ذبح کیا تو بیشک حرام کہ وہ اس نیت سے مرتد ہوگیا اور مرتد کا ذبیحہ نہیں، اور اگر اللہ عزوجل کے لئے جان دی اور قصداً تکبیر ترک نہ کی تو بیشک حلال، اگرچہ اس پر باعث ایصالِ ثواب یا اکرامِ اولیاء یا نفع دنیا وغیرہا مقاصد ہوں، اگرچہ مالک غیر ذابح کی نیت معاذ اللہ وہی عبادتِ غیر ہو، اگرچہ پیش از ذبح یا غیر ذابح نے وقتِ ذبح کسی کا نام پکارا ہو، مالک سے وہ نیتِ ناپاک ثابت ہونا بھی ذابح پر کچھ مؤثر نہیں، جب تک خود اس سے بھی اسی نیت پر جان دینا ثابت نہ ہو کہ جب اس سے وہ نیت ثابت نہیں، اور مسلمان اپنے رب عزوجل کا نام لے کر ذبح کر رہا ہے تو اس پر بدگمانی حرام و ناروا ہے، اوہام تراشیدہ پر مسلمان کو معاذ اللہ مرتکبِ کفر سمجھنا حلالِ خدا کو حرام کہہ دینا، نامِ الٰہی عزوجل جو وقتِ تکبیر لیا گیا باطل و بے اثر ٹھہرانا ہرگز وجہِ صحت نہیں رکھتا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ومالکم الا تاکلوا مما ذکر اسم تمھیں کیا ہوا کہ نہ کھاؤ اس جانور سے جس کے

---

[1] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۹

[2] القرآن الکریم ۶/۱۶۴

اللہ علیہ[1] ۔ ذبح میں اللہ کا نام یاد کیا گیا۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں :

انما کلفنا بالظاھر لا بالباطن فاذا ذبحہ علی اسم اللہ وجب ان یحل ، ولا سبیل لنا الی الباطن[2] ۔

یعنی ہمیں شرع مطہر نے ظاہر پر عمل کا حکم فرمایا ہے باطن کی تکلیف نہ دی ، جب اس نے اللہ عزوجل کا نام پاک لے کر ذبح کیا جانور حلال ہوجانا واجب ہوا کہ دل کا ارادہ جان لینے کی طرف ہمیں کوئی راہ نہیں :

یہ چند نفیس وجلیل فائدے حفظ کے قابل ہیں کہ بہت ابنائے زمان ان میں سخت خطا کرتے ہیں ، وباللہ العصمۃ والتوفیق وبہ الوصول الی التحقیق (حفاظت و توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اور اسی کی مدد سے تحقیق تک رسائی ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۲۶ ازشہر بریلی مسئولہ عبدالجلیل طالب علم ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گائے ذبح کی گئی اور اس کا پیٹ جب چاک کیا تو اس میں سے ایک بچہ زندہ کامل اعضا کا نکلا ، مگر اس کے جسم پر بال نہیں آیا ہے ، اس حالت میں بچہ کا گوشت حلال ہوجائے گا یا نہیں ذبح کرنے سے ؟ اور مردہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب

بچہ کہ مردہ نکلے حرام ، اور زندہ نکلا اور ذبح کرلیا تو حلال ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۷ از اوجین مکان میر خادم علی اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں ۳ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے مدقق ومحققین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو بچہ مردہ بکری مذبوحہ کے شکم سے برآمد ہو بمذاہب امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ حلال ہے یا حرام ؟ بیان فرمائیں بعبارت کتب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب

ناجائز ہے ۔ ہدایہ وعالمگیریہ میں ہے :

---

[1] القرآن الکریم ۶ /۱۱۹

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲ /۱۷۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۵ /۲۳

من نحر ناقة او ذبح بقرة فوجد فی بطنها جنینا میتا لم یؤکل اشعر اولم یشعر و ھذا عند ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ، وقال ابویوسف و محمد رحمہما اللہ تعالٰی اذا تم خلقہ اکل۔[1]

کسی نے اونٹنی یا گائے ذبح کی تو اس کے پیٹ میں بچہ مردہ پائے تو اسے نہ کھایا جائے ان کے بال ہوں یا نہ ہوں، اور یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ہے اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا اگر وہ بچہ تام الخلقت ہو تو کھانا چاہئے۔ (ت)

اسی طرح درمختار وغیرہ عامہ کتب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۳ تا ۱۳۱: از ریاست کوٹہ راجپوتانہ ملک ہاڑوتی قصبہ سانگور مسئولہ مسلمانانِ سانگور

۲۱ رمضان ۱۳۳۵ھ

ہادیٔ دین، پناہِ شریعت، علمائے عظام و مفتیانِ کرام سلمکم اللہ تعالٰی، بعد سلام علیک کے گزارش یہ ہے کہ یہاں پر قصبہ سانگور، ریاست کوٹہ راجپوتانہ میں کھٹیک لوگ قدیم زمانے سے گوشت کی دکان کرتے چلے آرہے ہیں اور مسلمان بھی انھیں کے یہاں سے خریدتے ہیں، ان کھٹکوں کا دو ایک مرتبہ کچہری میں مردار گوشت کا مقدمہ جاچکا ہے اس لئے بوجہ شکوک اب ان کے یہاں سے مسلمانوں نے گوشت لینا قطعاً بند کیا اور مسلمان قصائی آباد کرکے اس کے یہاں سے خریدنا شروع کردیا ہے، مگر دو ایک مسلمان جن کا تجارتی تعلق چمڑے وغیرہ کا کھٹکوں کے ساتھ ہے، وہ ایسا کہتے ہیں کہ یہ ضد اور نیا مسئلہ ہے جب ایک مدت سے مسلمان کھٹکوں کے یہاں کا گوشت لیتے چلے آرہے ہیں اور تمام جگہ کھٹک ہی لوگ فروخت کرتے ہیں، تو یہ ایک نئی بات پیدا کرکے کھٹکوں کو ناحق نقصان دیا جارہا ہے، کیا پہلے زمانے میں کوئی عالم نہ تھے، وہ کیوں کھاگئے، ان کے ایسا کہنے پر بہت سے مسلمان برگشتہ ہورہے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس کے دنیا کی بدنامی کا خوف ہے اور اصلی جواب کے منتظر ہیں، مسلمانوں کی طرف سے کھٹکوں کے ساتھیوں کو سمجھایا گیا کہ تم ان سے بموجب شرع اس طرح پر انتظام کرادو:

(۱) نگراں مسلمان رہیں۔

(۲) گوشت مختلف مکان پر نہ ہو جہاں مسلمان تجویز کریں۔

(۳) دبانے والا (۴) ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔

ان چاروں شرطوں میں سے وہ شرط اول و دوم و چہارم پر رضامند ہوتے ہیں، لیکن یہ رضامندی بھی

---

[1] الہدایۃ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۳۸

اُن کی قیاساً نئے انتظام کو قطع کرنے کے لئے معلوم ہوتی ہے، دائمی نہیں معلوم ہوتی ہے اس لئے حسبِ ذیل امور دریافت طلب ہیں :

(۱) کیا دو شخص کے ورغلانے سے مسلمانوں کو پُرانی بات پر جما رہنا چاہئے، اور جو شخص اس پر صاد کرے اور حکمِ شرع ایک فضول اور بناوٹی بات بتائے اور آج تک تائب نہ ہو، مسلمان اس کے ساتھ کیا سلوک کریں؟

(۲) کیا مسلمانوں کو ہندو کھٹکوں کے یہاں پر گوشت خریدنے کی ممانعت کا حکم سُنایا جاتا ہے، یہ نیا مسئلہ اور بناوٹی بات ہے؟

(۳) جو شخص مسلمان باوجود سمجھانے کے مسلمان قصائی کو چھوڑ کر پُرانی روش پر ضداً ہندو کھٹکوں کے یہاں پر گوشت لینے پر آمادہ ہو، اس پر کیا حکم ہے؟

(۴) کیا کسی شخص کی خاطر سے ہمارے مذہب کے ایسے حکم کو جس سے ہمارے ایمان میں خلل آنے کا ڈر ہو چھوڑ دینا روا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) حکمِ شرعی یہ ہے کہ مشرک یعنی کافر غیر کتابی سے گوشت خریدنا جائز نہیں، اور اس کا کھانا حرام ہے، اگرچہ وُہ زبان سے سَو بار کہے کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے، اس لئے کہ امورِ نہی میں کافر کا قول اصلاً مقبول نہیں۔ درمختار میں ہے :

خبرالکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لافی الدیانات[1]

معاملات میں کافر کی خبر بالاجماع مقبول ہے، دینی معاملات میں مقبول نہیں (ت)

نہایہ وغیرہا میں ہے :

من الدیانات الحل والحرمۃ۔[2]

دیانات میں سے حلال وحرام ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

فی التاترخانیۃ قبیل الاضحیۃ عن جامع الجوامع لابی یوسف

تاتارخانیہ میں قربانی کے بیان سے تھوڑا پہلے ابویوسف کی جامع الجوامع سے منقول ہے کسی نے

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۷

[2] ردالمحتار بحوالہ النہایۃ 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۱۹

من اشتری لحما فعلم انہ مجوسی و اراد الرد، فقال ذبحہ مسلم یکرہ اکلہ اھ ومفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیا یثبت الحرمۃ ، فانہ بعد اخبارہ بالحل بقولہ ذبحہ مسلم کرہ اکلہ فکیف بدونہ۔[1]

گوشت خریدا تو معلوم ہوا کہ فروخت کرنے والا مجوسی ہے اور اس نے واپس کرنا چاہا تو مجوسی نے کہا اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے اس کا کھانا مکروہ ہے اھ' تو اس کا مفاد یہ ہے کہ خالی فروخت کرنے والے کا مجوسی ہونا حرمت کو ثابت کرتا ہے کیونکہ مجوسی کے اس بیان کے بعد کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے جو کہ حلال ہونے کی خبر ہے ، کھانا مکروہ ہے ، تو اس کے خبر نہ دینے کی صورت میں کیسے مکروہ نہ ہوگا۔ (ت)

ہاں اگر وقت ذبح سے وقت خریداری تک وہ گوشت مسلمان کی نگرانی میں رہے ، بیچ میں کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو ، اور یوں اطمینان کافی حاصل ہو کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس کا خریدنا جائز اور کھانا حلال ہوگا۔ جب یہ حکم شرعی معلوم ہوگیا ، جوابِ سوالات ظاہر ہوگیا ، وہ پرانا طریقہ شرعاً محض حرام تھا ، اُس پر جنا حرام ، سخت حرام ، اگرچہ دو نہیں دو لاکھ ورغلائیں ، جو حکمِ شرع کو بناوٹی بتائے اگر جاہل ہے سمجھایا جائے' ورنہ اس پر لزومِ کفر ہے توبہ کرے ، تجدیدِ اسلام کرے ، اس کے بعد اپنی عورت سے نکاحِ جدید ، یہی حکم اس کے ساتھیوں کا ہے ، یہ لوگ جب تک تائب نہ ہوں مسلمان ان سے میل جول نہ کریں۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے :

وامّا ینسینّک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظّٰلمین۔[2]

اور کبھی شیطان تجھ کو بھلادے تو یاد آنے پر ظالم قوم کے پاس مت بیٹھ (ت)

(۲) یہ ممانعت خاص حکم شریعت ہے اور اس کے بناوٹی کہنے والے کے ایمان پر خطرہ ہے کما تقدم انفا۔

(۳) ایسا شخص حرام خوار ، حرام کار ، مستحقِ عذابِ پروردگار ، سزاوارِ عذابِ نار ہے ، تعزیرِ شرعی یہاں کون کسے دے سکتا ہے یہی بس ہے کہ مسلمان اس سے یک لخت قطع تعلق کر دیں۔

قال اللہ تعالٰی لاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔[3]

(اللہ تعالٰی نے فرمایا) ظلم کرنے والوں کی طرف میلان نہ کرو کہ تم کو آگ مَس کرے (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹
[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸
[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

(۴) ہرگز روا نہیں، اور ایسی خاطر ملعون، وہ شرطیں جو اُن سے کی جارہی ہیں اُن میں مسلمان کی نگرانی اس طرح کی ہو جیسی ہم نے بیان کی کہ وقتِ ذبح سے وقتِ خریداری تک کسی آن مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو، ورنہ کافی نہیں، اور دبانے والے کا مسلمان ہونا کچھ ضرور نہیں، ذبح کرنے والا مسلمان چاہیے۔

مسئلہ ۱۳۲ از اٹاوہ محلہ اورنگ آباد مرسلہ فضل حسین صاحب سوم جمادی الاولی ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شہر میں گوشت ہندو کھٹک فروخت کرتے ہیں، اور انتظام ذبح یہ ہے کہ گورنمنٹی مذبح بنا ہوا ہے، بعد ملاحظہ ڈاکٹر انگریزی کے (عام اس سے کہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو) اسی مذبح میں کل جانور ذبح ہوتے ہیں، کھٹک گوشت بنا کر بازار میں لاکر فروخت کرتے ہیں، مذبح پر ایک مسلمان جاتا ہے جس کی نسبت معلوم ہوا کہ ذبح وہی شخص کرتا ہے، اگرچہ عادت مستمرہ و طریقہ مقررہ تو یہی ہے، لیکن ممکن ہے کہ بخلاف ورزی اس حکم گورنمنٹ کے کوئی جانور خفیۃً اپنے گھروں پر ذبح کرکے اس کا گوشت بھی انھیں جانوروں کے گوشت میں ملاکر فروخت کرلیں، چنانچہ ایسے مقدمات بھی ہوتے اور وہ لوگ سزا پاتے ہیں، شہادت اس امر کی کہ گوشت جو فروخت ہو رہا ہے اس جانور کا ہے جس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے بجز قول اُس کافر کے جو گوشت فروخت کر رہا ہے، اور کوئی نہیں ہے، اور نہ وقتِ ذبح سے وقتِ فروخت تک بالاتصال وہ گوشت کسی مسلمان کے زیرِ نظر رہا، اگرچہ عادتِ معہودہ کے موافق کہا جاسکتا ہے کہ مذبح گورنمنٹی میں ذبح ہوا ہے، اور وہاں مسلمان معمولاً جاتا ہے، اور ایسے مقدمات بھی پیش آتے ہیں کہ بیمار مویشی وغیرہ بخوف ڈاکٹر کے معائنہ کے گھر پر ذبح کرلیتے ہیں، اور اس گوشت میں شامل کرلیتے ہیں، جو مذبح کے مذبوح جانوروں کا ہے، پس ایسی حالت میں اس ہندو کھٹک سے خرید کیا ہوا گوشت کھانا جائز و حلال ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اس سے گوشت کا خریدنا، کھانا، کھلانا ناجائز ہے، کہ حیوان جب تک زندہ تھا حرام تھا، ذبح شرعی سے حلال ہوگا، اور اُس کا حصول ثابت نہ ہوا، والیقین لایزول بالشك (شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ ت) اور وہ کافر غیر کتابی اگر کہے بھی کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے، تو یہ خبر مقصوداً امرِ دیانت و حلت و حرمت میں ہے، اور ان امور میں کافر کی خبر محض باطل و نامعتبر۔ درمختار و ہدایہ و تبیین و ہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات[1] — معاملات میں بالاجماع کافر کی خبر مقبول ہے دیانات میں مقبول نہیں۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۷

اشباہ میں اسی قاعدہ کے تحت میں ہے:

الشاۃ فی حال حیاتہا محرمۃ فالمشتری مستمسک باصل التحریم الی ان یتحقق زوالہ[1]

بکری زندہ حرام ہے تو خریدار نے اس کے اصل حال کو دلیل بناکر حرام قرار دیا تاوقتیکہ اس اصل یقین کا زوال نہ ہوجائے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لاتحل حتی یعلم انہا ذکاۃ مسلم لانہا اصلہا حرام، وشککنا فی الذکاۃ المبیحۃ[2]

کھانا حلال نہیں جب تک یقینی علم نہ ہوجائے کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے کیونکہ اصل میں حرام ہے اور ہمیں مباح بنانیوالے ذبح میں شک ہے (ت)

تاتارخانیہ میں جامع الجوامع امام ابویوسف سے ہے:

من اشتری لحما فعلم انہ مجوسی واراد الرد فقال ذبحہ مسلم یکرہ اکلہ اھ[3]

کسی نے گوشت خریدا اور معلوم ہے کہ فروخت کرنیوالا مجوسی ہے تو واپس کرنا چاہا، تو مجوسی نے کہا اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے اس کا کھانا مکروہ ہے اھ (ت)

ردالمحتار میں اسے نقل کرکے فرمایا:

ومفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیا یثبت الحرمۃ فانہ بعد اخبارہ بالحل بقولہ ذبحہ مسلم کرہ اکلہ فکیف بدونہ، تامل[4]

اس کا مفاد یہ ہے کہ محض بائع کا مجوسی ہونا ہی حرمت کو ثابت کردے گا کیونکہ اس نے اس کے حلال ہونے کی خبر دی کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے اس کے باوجود جب کھانا مکروہ ہوا تو ایسی خبر کے نہ ہونے پر کیسے حلال ہوسکتا ہے۔ غور کیجئے۔ (ت)

بخلاف اس کے کہ مسلمان اپنے کسی نوکر یا مزدور مشرک کو گوشت لینے بھیجے اور وہ خرید کر لائے اور کہے میں نے مسلمان سے خریدا ہے اس کا کھانا جائز ہوگا، جبکہ قلب میں اس کا صدق جمتا ہو کہ اب یہ اصالۃً دربارہ معاملات قول کافر کا قبول ہے، اگرچہ حکم دیانت کو متضمن ہوجائے گا۔ تبیین الحقائق پھر ہندیہ میں ہے:

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثالثۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۸۹

[2] فتح القدیر

[3] ردالمحتار بحوالہ التاتارخانیہ کتاب الحظروالاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[4] " " " " " " " ۵/ ۲۱۹

لایقبل قول الکافر فی الدیانات الا اذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات، فحینئذ تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات، فیقبل قوله فیها ضرورۃً[1]۔

دیانات میں کافر کا قول مقبول نہیں ماسوائے اس کے کہ جب معاملات میں اس کا قول مقبول ہونے پر دیانات میں مقبول ہونے کو متضمن ہو تو ایسی صورت میں دیانات معاملات میں داخل قرار پاتے ہیں لہذا اس کا قول دیانات میں ضرورۃً قبول کیا جائیگا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الجواب ان قوله شریته من المعاملات، وثبوت الحل والحرمة فیه ضمنی، فلما قبل قوله فی الشراء، ثبت ما فی ضمنه بخلاف ما یأتی، وکم من شیئ یثبت ضمنا لاقصدا[2]۔

جواب یہ ہے کہ اس کا یہ کہنا کہ میں نے اسے خریدا ہے' یہ معاملات کی بات ہے اور حلال وحرام ہونا اس میں ضمنی چیز ہے تو جب خریداری کے متعلق اس کا قول مقبول ہے تو ضمنی امر بھی ثابت ہوجائے گا' آئندہ بیان اس کے خلاف ہے، تاہم بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوجاتی ہیں وہ قصداً ثابت نہیں ہوتیں۔ (ت)

ولہذا اگر وہ تو کرکے کہ بائع مشرک تھا گوشت حرام ہوگا، معلوم ہوا کہ بیچنے والے کا مشرک ہونا ہی حرمتِ گوشت کے لئے کافی ہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

قال اشتریت اللحم من کتابی فیحل، او قال اشتریته من مجوسی فیحرم[3]۔

اس نے کہا میں نے یہ گوشت کتابی شخص سے خریدا ہے، تو حلال ہوگا، یا اس نے کہا میں نے مجوسی سے خریدا ہے، تو حرام ہوگا۔ (ت)

ہاں جب تک وہ گوشت ذابح مسلم خواہ اور کسی مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو تو اس مسلمان اور نیز دوسرے کو اس مسلم کی خبر پر کہ یہ وہی گوشت ہے جو مسلمان نے ذبح کیا، خریدنا اور کھانا سب جائز ہے کہ اب خبر مسلم ہے نہ کہ کافر، مگر وہ مخبر ثقہ نہ ہو تو قلب پر اس کا صدق جمنا شرط ہوگا،

فی التنویر شرط العدالة فی الدیانات ویتحری فی الفاسق والمستور[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم

تنویر میں ہے دینی امور میں عدالت شرط ہے اور فاسق یا مستور الحال شخص کی خبر میں غور وفکر کرے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۱۹

[3] درمختار " " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار " " " " ۲/۲۳۷

مسئلہ ۱۳۳ ۷ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلم نے گوسفند ذبح کیا ہوا اپنے ایک ملازم غیر کتابی کے ہاتھ مکان کو بھیجا اور آرندہ ذبیحہ نے یہاں کہا کہ یہ ذبیحہ فلاں شخص مسلم نے بھیجا ہے، کھانا اس کا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر قرائن کی رُو سے اُس کافر کے اس قول میں شک پیدا نہ ہو، ظن غالب اُس کے صدق ہی کا ہو، تو مسلمان کے لئے اُس ذبیحہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں کہ ہدیہ لانا از قبیلِ معاملات ہے، اور معاملات میں کافر کی بات مقبول، اور جب یہ مان لیا گیا کہ یہ ذبیحہ فلاں مسلم کا بھیجا ہوا ہے، تو اس کے ضمن میں حلت بھی مسلّم ہوگئی، اگرچہ ابتداءً حلت، حُرمت، طہارت، نجاست وغیرہا امورِ خالصہ دینیہ میں کافر کا قول مقبول نہیں، ہدایہ میں ہے:

من ارسل اجیرا له مجوسیا او خادما فاشتری لحما فقال اشتریته من یهودی او نصرانی او مسلم وسعه اکله، لان قول الکافر مقبول فی المعاملات[1] الخ۔

جس نے اپنا مجوسی مزدور یا خادم گوشت خریدنے بھیجا تو اس نے واپس آکر کہا میں نے یہودی یا نصرانی یا مسلمان سے خریدا ہے تو مزدور یا خادم کا خریدا ہوا یہ گوشت کھانا جائز ہے کیونکہ معاملات میں کافر کا قول مقبول ہے الخ۔ (ت)

تبیین الحقائق و درمختار میں ہے:

المعاملات یقبل فیها خبر کل ممیز حرا کان او عبدا مسلما کان او کافرا، کبیرا او صغیرا لعموم الضرورة فان الانسان قلما یجد المستجمع لشرائط العدالة لیعامله او یستخدمه او یبعثه الی وکلائه ونحو ذلک، ولادلیل مع السامع یعمل به سوی الخبر[2] الخ۔

معاملات میں ہر باتمیز شخص کی بات مقبول ہے، وہ آزاد ہو یا غلام، مسلمان ہو یا کافر، وہ بڑا ہو یا نابالغ ہو کیونکہ ضرورت عام چیز ہے جبکہ انسان معاملہ یا خدمت لینے یا اپنے وکلاء کے پاس بھیجنے کے لئے شرائط عدالت پر پُورا اترنے والے کو بہت کم پاتا ہے اور سامع کے پاس خبر کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہوتی جس پر عمل کیا جائے الخ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۵۱

[2] تبیین الحقائق المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/۱۲

عالمگیری میں ہے:

یقبل قول الواحد فی المعاملات مسلما کان اوکافرا، دفعاللحرج، ومن المعاملات الوکالات والمضاربات والرسالات فی الھدایا، والاذن فی التجارات، کذا فی الکافی[1] اھ ملخصًا۔

معاملات میں ایک شخص کی بات قبول کی جائے گی خواہ وُہ مسلمان ہو یا کافر ہو تاکہ حرج کو ختم کیا جاسکے اور معاملات میں سے مضاربت اور ہدیہ وغیرہ کا قاصد بنانا اور تجارت کی اجازت دینا بھی ہے۔ اسی طرح کافی میں ہے اھ ملخصًا(ت)

نیز تبیین میں ہے:

فاذا قبل فیھا قول الممیز وکان فی ضمن قبول قوله فیھا قبوله فی الدیانات یقبل قوله فی الدیانات ضمنا ضرورة، وکم من شیئ لایصح قصدا یصح ضمنا ولان کل معاملة لا تخلوعن دیانة، فلو لم یقبل فیھا فی ضمن المعاملات لادی الی الحرج، بخلاف الدیانات المقصودة[2] (ملخصًا)

توجب اس میں باتمیز شخص کی بات قبول ہے تو اس کے ضمن والی دینی چیز بھی اس کی قبولیت سے ضرورةً ضمن میں قبول ہوگی اور اس لئے بھی کہ کوئی معاملہ بھی دینی امر سے خالی نہیں ہوتا، تو اگر وہ معاملہ میں ضمنًا ثابت نہ ہو تو حرج کا باعث ہوگا جبکہ بہت سی چیزیں ضمنًا ثابت ہوتی ہیں اور قصدًا صحیح نہیں ہوتیں، اس کے برخلاف مقصود دینیات کہ وہ ضمنًا صحیح نہیں ہوتے (ملخصًا)۔(ت)

ہاں اگر بنظرِ قرائن اس کی بات میں شک پڑے، کچھ فریب معلوم دے، تو ہرگز نہ کھائے کہ ذبیحہ کی حلت مشکوک وموہوم بات سے ثابت نہ ہوگی،

فان الحیوان ما کان حیا کان حراما، وانما یحل بذبح مشروع فلا یثبت الطاری بالشك۔

کیونکہ جانور جب تک زندہ ہے کھانا حرام ہے وُہ صرف شرعی طریقے سے ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے تو اصل کے خلاف وارد ہونیوالی چیز شک سے ثابت نہ ہوگی۔(ت)

درمختار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الاول الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۰

[2] تبیین الحقائق " المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

يقبل قول المملوك ولو انثى، والصبى، فى الهداية، وقيده فى السراج بما اذا غلب على رأيه صدقهم[1] اھ ملخصاً۔

غلام عورت ہو یا بچہ ہو اس کی بات قبول ہوگی ہدایہ میں اور کہ اس بات کو سراج میں اس قید سے مقید کیا ہے کہ اس کی رائے میں اس مملوک غلام کی سچائی غالب ہو، اھ ملخصاً۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ثم قال کما فی المنح وان لم یغلب علی رأیه ذٰلك لم یسعه قبوله منهم، لان الامر مشتبه علیه اھ، قال الاتقانی لان الاصل انه محجور علیه، والاذن طارئ، فلا یجوز اثباته بالشك[2] الخ۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

پھر منح میں کہا کہ اگر اس کی سچائی پر غلبۂ ظن نہ ہو تو پھر اس کی بات کو قبول کرنے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ معاملہ اس پر مشتبہ رہے گا اھ، اتقانی نے کہا کہ اصل ممانعت ہے اور اجازت بعد والی چیز ہے، لہٰذا شک کے ساتھ اجازت ثابت نہ ہوگی الخ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۴: از ضلع لاہور، مقام چونیا، مسئولہ انوار الحق، بروز چہارشنبہ بتاریخ ۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اس شہر میں حلال خور یعنی چوہڑے درپردہ گائے ذبح کرا کے گوشت فروخت کرتے ہیں، بعض مسلمان ان سے خرید لیتے ہیں، اگر ان سے منع کیا جائے تو زید کہتا ہے کہ مولوی عبدالحی کے فتاوٰی میں لکھا ہے اگر جانور کو مسلمان ذبح کرے اور فروخت کافر کرے تو کھانا جائز ہے، جب شریعت جائز کرتی ہے تو تم کیوں نفرت کرتے ہو، یا حضرت! چوہڑوں سے گوشت کھانا مسلمان کو بہت برا معلوم ہوتا ہے، برائے مہربانی تحریر فرمائیں کہ اگر جائز ہو تو نفرت نہ کی جائے، فقط۔

الجواب

گوشت میں اصل یہ کہ جانور مثلاً گائے جب تک زندہ ہے اُس کا گوشت حرام ہے، اگر کوئی ٹکڑا کاٹ لیا جائے مردار اور حرام ہوگا "ما ابین من حی فھو میت" (زندہ جانور سے گوشت کاٹا تو وہ حرام ہے)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۰

حلت ذکات شرعی سے ثابت ہوتی ہے، توجب ذبح شرعی معلوم ومتحقق نہ ہوتو حکم حرمت ہے، کافر نے مسلمان سے راس ذبح کرائی اور قبل اس کے کہ مسلمان کی نگاہ سے غائب ہو اُنھیں سے خریدلیا، یہ جائز ہے، اور اگر مسلمان نے ذبح کیا اور اس کے بعد جانور اس کی نظر سے غائب ہوگیا اور کافر گوشت اُس کی حلت وطہارت کرنا چاہتا ہے۔عہ

اور حلت وحرمت وطہارت ونجاست خالص امور دیانت ہیں، اور امور دیانت میں کافر کی خبر محض نامعتبر۔

قال اللہ تعالٰی لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا۔[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مومنوں پر راہ نہ دے گا۔ (ت)

مسلمان اس کے گوشت کی خریداری سے نفرت واعراض کرتے ہیں، بہت صحیح وبجا ہے، یہی حکم شرع ہے، بلکہ چوہڑے چمار اگر مسلمان سے ذبح کرائیں اور ہنوز نگاہ سے غائب نہ ہو جب بھی خریدنا نہ چاہئے جبکہ قلوب اس سے تنفر کرتے ہوں،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: بشروا ولا تنفروا[2]۔ وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ایاك وما یتعذر منہ[3] فان الخبر لایبعذر منہ۔ وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاك وما یسوء الاذن[4]۔ ھذا وفصلناہ فی فتاونا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے: بشارت دینے والے ہو اور نفرت پیدا نہ کرو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے، باعثِ غدر سے بچو جبکہ خبر باعثِ غدر نہیں ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے: کانوں کو تکلیف دہ بات سے بچاؤ۔

عہ اصل میں اسی طرح ہے، مگر ہونا اس طرح چاہئے "اور کافر گوشت فروش اس کی حلت وطہارت ثابت کرنا چاہتا ہے" عبدالمنان اعظمی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] المستدرک للحاکم کتاب الرقاق دارالفکر بیروت ۴/ ۳۲۷

کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۷ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۴۷

[4] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶

کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۶ و ۸۶۷ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۴۷

بتوفیق اللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ | اسے ہم نے بتوفیق الٰہی اپنے فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کردیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵ از رامہ ڈاک خانہ جاتلی تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی
مرسلہ قاضی تاج محمود صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

مذبوحہ شدہ مالک کو دستیاب ہوجائے، ذابح نامعلوم ہے، کیا یہ مذبوحہ حلال ہو گی یا نہیں؟

الجواب

حلال ہے، مگر جب کہ اس گمان کا محل ہو کہ ذابح مرتد یا مشرک یا مجوسی ہے، حلبی وشامی علی الدر میں ہے:

الاولی ان یقال ان کان الموضع ممایسکنہ او یسلك فیہ مجوسی لایوکل والا اکل ولا یعترض بشأن ترك التسمیۃ عمدا، فان ھذا موھوم لایعارض الراجح[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ کہنا بہتر ہے، ایسا موضع جہاں مجوسی رہتا ہو یا وہاں اس کا آنا جانا ہو تو وہاں کا نہ کھایا جائے ورنہ کھایا جائے، اور قصداً بسم اللہ کو ترک کی صورت سے اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ یہ احتمال موہوم ہے جو راجح احتمال کا مقابل نہیں بن سکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۶ از موضع بکاجبی والا، علاقہ جاگل، تھانہ ہری پور، ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں
مرسلہ مولوی شیر محمد ۲ رمضان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ اگر کوئی شخص کسی کی بکری یا اور کوئی حلال جانور چرا کر ذبح کرے تو وہ جانور اس کے ذبح کرنے سے حلال ہوجائے گا یا نہیں؟ اور اس کا کھانا کیسا ہے؟ اور اس ذبح کرنیوالے کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ شخص ملک غیر میں بے اس کی اجازت کے تصرف کرنے سے گنہ گار ہوا، مگر اگر یہ ذبح کرنیوالا اہل ذبح ہے اور تکبیر اس نے قصداً ترک نہ کی تو جانور کا ذبیحہ صحیح ہوگیا یہاں تک کہ اگر یہ جانور مالک نے خاص قربانی کے لئے خریدا تھا اور اس شخص نے ایام قربانی میں اپنی طرف سے ذبح کرلیا، اور مالک نے یونہی ذبح کیا ہوا اس سے لے لیا تو مالک کی قربانی ادا ہوگی، اور اگر مالک نے تاوان لے لیا تو ذابح کی قربانی ادا ہوگئی، اور اگر

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۷

کوئی شخص کسی کا جانور چوری یا غصب سے لے کر ذبح کرے، اور ابھی پکانے یا بھوننے نہ پایا ہو، تو مالک کو اُس کا لے لینا اور خود کھانا حلال، اور جسے وُہ اجازت دے اُسے بھی حلال، ہاں بے اُس کی اجازت کے یہ ذبح کرنیوالا نہ خود کھا سکتا ہے نہ دوسرے کو کھلا سکتا ہے، اُسے حرام ہے جب تک اُس کا تاوان ادا نہ کرے، یہ حرمت تعلق حق غیر کے سبب ہے نہ اس وجہ سے کہ ذبح صحیح نہ ہوا، جس طرح ذابح کے پکا لینے یا بھوننے کے بعد مالک کو اُس کے لے لینے کا اختیار نہیں کہ اب ذابح اُس کا مالک ہوگیا، اصل مالک کو صرف تاوان لینے کا اختیار رہا، جب یہ تاوان لے لے گا ذابح کو اس کا کھانا حلال ہوجائے گا۔ درمختار میں اشباہ سے ہے،

لو شراھا بنیۃ الاضحیۃ فذبحھا غیرہ بلااذنہ، فان اخذھا مذبوحۃ ولم یضمنہ اجزأتہ، وان ضمنہ لاتجزئہ وھذا اذا ذبحھا عن نفسہ، واما اذا ذبحھا عن مالکہا فلاضمان علیہ[1]

اگر قربانی کی نیت سے بکری خریدی تو کسی دوسرے شخص نے اس کی اجازت کے بغیر اسے ذبح کردیا تو اگر مالک نے وُہ ذبح شدہ بکری رکھ لی اور اس سے ضمان نہ لیا تو مالک کی قربانی جائز ہوگی اور اگر ضمان لیا تو قربانی جائز نہ ہوگی، یہ اس صورت میں ہے جبکہ ذبح کرنے والے نے اپنی طرف سے جانور ذبح کیا ہو اور اگر اس نے مالک کی طرف سے ذبح کیا تو اس پر ضمان نہ ہوگا۔ (ت)

عالمگیری میں محیط سرخسی سے ہے:

رجل ذبح اضحیۃ غیرہ عن نفسہ بغیر امرہ، فان ضمنہ المالك قیمتھا یجوز عن الذابح دون المالك، لانہ ظھران الاراقۃ حصلت علی ملکہ وان اخذھا مذبوحۃ تجزئ عن المالك لانہ قد نواھا فلیس یضرہ ذبح غیرہ لھا[2]

کسی شخص نے غیر کی قربانی کو اپنی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر ذبح کرلیا تو مالک نے اس کو جانور کی قیمت کا ضامن بنایا تو وُہ قربانی ذبح کرنے والے کی طرف سے ہوگی مالک کی نہ ہوگی کیونکہ واضح ہوگیا کہ ذبح کرنے والے نے اپنی طرف سے قربانی دی ہے اور اگر مالک نے ذبح شدہ کو لے لیا تو قربانی مالک کی جانب سے ادا ہُوئی کیونکہ اس نے قربانی کی نیت کر رکھی تھی تو غیر کا ذبح کرنا مضر نہ ہوگا۔ (ت)

تنویر میں ہے:

---

[1] درمختار بحوالہ الاشباہ کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ محیط السرخسی 〃 الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۰۲

ان غصب و غیّر فزال اسمه واعظم منافعه ضمنه وملکه بلاحل انتفاع قبل اداء ضمانه کذبح شاۃ وطبخها اوشیہا[1] اھ ملخصا۔

اگر دوسرے شخص نے جانور غصب کیا اور اس میں کوئی تغیر کردیا تو اس کا نام زائل ہوگیا اور اس کے منافع بڑھائے ضمان دیا تو مالک ہوجائے گا اور ضمان کی ادائیگی سے قبل اس کو انتفاع حلال نہ ہوگا مثلاً ذبح کرکے پکالیا یا بھون لیا تو مالک ہوجائے گا اھ ملخصاً (ت)

اسی میں ہے :

ذبح شاۃ غیرہ طرحها المالك علیه ، واخذ قیمتها او اخذها وضمنه نقصانها[2]۔

غیر کی بکری ذبح کی تو مالک نے اس کے ذمہ ڈال دی اور اس کی قیمت وصول کرلی یا وہ ذبح شدہ بکری مالک نے رکھ لی اور نقصان کا ضمان وصول کرلیا (ت)

ردالمحتار میں ہے :

لانه اتلاف من وجه لفوات بعض المنافع کالحمل والدر والنسل وبقاء بعضها وھو اللحم ، درر[3]۔

کیونکہ یہ من وجہ اتلاف ہے حاملہ ہونے ، دودھ اور نسل کے اعتبار سے اور من وجہ باقی ہے گوشت کے اعتبار سے ، درر (ت)

اسی طرح ہدایہ وغیرہا میں ہے ،

فظهران ماوقع فی اٰخر الصید من الدر المختار ، بما نصه و رأیت بخط ثقة سرق شاۃ فذبحها بتسمیة فوجد صاحبها ھل توکل ، الاصح لا ، لکفره بتسمیته علی الحرام القطعی بلا تملك ولا اذن شرعی اھ فیحرر[4] اھ فغیر معتمد ولا محرر ، لمخالفته لما

تو درمختار کے باب الصید کے آخر میں جو واقع ہے وہ غیر معتمد اور غیر محرر ہے ، وہ عبارت یہ ہے ، "میں نے ثقہ عبارت میں پایا کہ کسی نے بکری چوری کرکے ذبح کرلی اور اس پر بسم اللہ پڑھی تو مالک ناراض ہوا ، کیا وہ کھائی جائے گی ؟ (جواب) اصح یہ ہے کہ نہ کھائی جائے ، کیونکہ حرام قطعی پر بسم اللہ پڑھنے سے کفر ہونے کی بنا پر ، ملکیت اور اذن شرعی کے بغیر یہ عمل ہوا ،" اھ ، اس کو واضح کیا جائے اھ

---

[1] و [2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶

[3] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۳

[4] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۴

فی الدر وغیرہ عامۃ معتمدات المذھب، ولذا قال فی ردالمحتار[1] المعتمد خلافہ بدلیل قولھم بصحۃ التضحیۃ بشاۃ الغصب، واختلافھم فی صحتھا بشاۃ الودیعۃ ولذا قال السائحانی، اقول ھذا ینافی ماتقدم فی الغصب، وفی الاضحیۃ فلا یعول علیہ[1] اھ مافی ردالمحتار، اقول و یؤید حدیث شاۃ ذبحت بغیر اذن مالکھا، وقدمت للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاخبرہ بذلک لحمھا، فلم یتناول منہ وامر بحملہ الی الاساری۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ اس لئے غیر معتبر ہے کہ درمختار اور دیگر عام کتب مذہب کے بیان کے خلاف ہے، اور اسی لئے ردالمحتار میں فرمایا اس کا خلاف معتمد علیہ ہے اس پر دلیل فقہاء کا یہ قول ہے کہ غصب شدہ بکری کی قربانی صحیح ہے، اور امانت بکری کے متعلق اختلاف کیا، اور اسی لئے سائحانی نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ یہ غصب میں بیان شدہ کے خلاف ہے اور قربانی کے بیان سے بھی مخالف ہے، ردالمحتار کا بیان ختم ہوا۔ اقول (میں کہتا ہوں) اس کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر ذبح شدہ بکری حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کی گئی اور آپ کو واقع بتایا گیا تو آپ نے وہ گوشت نہ کھایا اور آپ نے وہ گوشت قیدیوں کو دے دینے کا حکم فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی کافر نے ایک بکری پر اہلال لغیر اللہ کیا، اور بنامِ خدا ذبح کرنا چاہا، پھر کسی کے کہنے سے ذبح موقوف کرکے ایک شخص کو ہبہ کردیا نہ کہ اس غیر کے نام پر بلکہ جیسے آپس میں ایک دوسرے کو ہبہ کرتے ہیں، آیا موہوب لہ کو خدا کے نام پر ذبح کرکے کھانا اُس کا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

عند التحقیق کریمہ ما اُھِلَّ بہٖ لغیر اللہ[2] میں اہلال وقتِ ذبح مقصود، یعنی اُس وقت اگر نامِ غیر خدا لیا گیا حرام ہے، اس معنی پر آیۂ کریمہ کو صورتِ مسئولہ سے کچھ علاقہ ہی نہیں، اور بعض نے جو پیش از ذبح جانور پر نامِ غیر خدا پکار دینا مراد رکھا، اُن کے نزدیک بھی استمرار اُسی کا تادمِ ذبح شرطِ حرمت ہے، استدلال

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۰۷

[2] القرآن الکریم ۲/۱۷۳

شاہ عبدالعزیز صاحب کا حدیث "ملعون من ذبح لغیر اللہ[1]" (جس نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا وہ ملعون ہے۔ ت) اور عبارت نیشاپوری :

اجمع العلماء لوان مسلما ذبح ذبیحۃ و قصد بذبحھا التقرب الی غیر اللہ صار مرتدا ذبیحتہ ذبیحۃ مرتد[2]۔

علماء کا اجماع ہے کہ اگر مسلمان نے جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے قصد کرتے ہوئے ذبح کیا تو وہ مرتد ہوجائے گا اور اس کا ذبیحہ مرتد کے ذبیحہ کی طرح ہوگا۔ (ت)

سے اس کا صاف مؤید ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب ایک بار اُس پر نام غیر خدا کا پکار دیا گیا نجس العین ہوگیا اب اگرچہ وہ نیت جاتی بھی رہے اور وقتِ ذبح تقرب الی اللہ ہی مقصود ہو اور نام بھی خدا ہی کا لیا جائے حرام رہے گا، حالانکہ علتِ حرمت مرتفع ہوگئی اور ارتفاعِ علت کو ارتفاعِ معلول لازم۔ شاہ صاحب اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں :

آرے ذکر نام خدا براں جانور وقتے فائدہ می دہد کہ تقرب بغیر خدا از دل دُور کردہ، و خلاف آں شہرت داد و آواز دیگر دہند کہ ما ازیں کار برگشتیم[3]۔

ہاں اُس جانور پر خدا کا نام ذکر کرنا تب فائدہ مند ہوگا جب غیر خدا کے تقرب کو دل سے نکال دے اور غیر خدا کے تقرب کے خلاف کو شہرت دے اور لوگوں کو بتائے کہ اس کام سے باز آگیا ہوں۔ (ت)

اس عبارت سے صاف ظاہر کہ اگر بعد اہلال للغیر و نیت فاسدہ زائل ہوجائے تو جانور قطعًا حلال ہے، خصوصًا صورت مسئولہ میں کہ یہاں تو وہ بکرا صاحبِ اہلال کی ملک ہی نہ رہا دوسرے شخص کا مملوک ہوگیا، کیا صرف ایک بار غیرِ خدا پکار دینے سے اس میں وُہ حرمت ابدی و نجاست سرمدی آگئی کہ اب اگرچہ وہ نیت بھی جاتی رہی، اور اہلال للغیر بھی موقوف ہوجائے بلکہ جانور صاحبِ اہلال کی ملک بھی نہ رہے، اور مالک ثانی خاص خدا کے نام پر ذبح کرے، بااینہمہ اس کی حرمت نہ جائے؟ یہ امر بالبداہۃ باطل، اور اس بکرے کی حلت میں باتفاقِ فریقین کوئی شبہہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ عزّ اسمہ احکم۔

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مطبع مجتبائی دہلی ص ۶۱۰

[2] " " " " ۶۱۱

[3] " " " "

مسئلہ ۱۳۸ ۱۴ رمضان المکرم ۱۳۱۴ھ

جنگل میں صبح کے وقت بیل مذبوحہ پایا، مگر ذابح معلوم نہیں کہ کافر ہے یا مسلمان، اگر مسلمان ہے تو بسم اللہ اکبر کہی ہو یا نہ، آیا یہ مذبوحہ حلال ہے یا حرام؟ اگر حلال ہے تو یہ جزئیہ کون سی کتاب میں ہے اور کون سے باب میں ہے یا ما اھل بہ لغیر اللہ[1] میں داخل کیا جائے کون سی دلیل کے ساتھ؟ بینوا توجروا

الجواب

ان بلاد میں کہ مومن اور کافر، مشرک، ملحد، زندیق ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں، ایسا نامعلوم الحال ذبیحہ حلال نہ سمجھا جائے گا،

کما بینہ فی الدر[2] المختار و رد المحتار[3] من اٰخر الصید فراجعہما و فیہ تفصیل لا یعدو ما قلناہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار کے باب الصید کے آخر میں اس کو بیان کیا ہے تو دونوں کتب کی طرف رجوع کرو اور اس میں تفصیل ہے جو ہمارے بیان کردہ سے زائد نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۹ از بریلی محلہ بہاری پور مسئولہ عبدالرشید خاں ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

اور مدار صاحب کا مرغا کرنا کیسا ہے، اور کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جو جانور مسلمان نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا اور اللہ عزوجل کے لئے اس کی جان دے وہ حلال ہے، مرغ مزار پر لے جانا نہ چاہئے نہ مرغ کی خصوصیت ضروری سمجھنا چاہئے، جو ذبح جہاں ہو اللہ کے لئے کرے ان کا ثواب ان کی روح کو پہنچا دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۰ مسئولہ انوار الحق، چونیاں ضلع لاہور بروز یکشنبہ بتاریخ ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

فتاوٰی شاہ عبدالعزیز صاحب کا حنفی المذہب کے مطابق ہے یا کہ نہیں، اور نیز اس میں لکھا ہے کہ پیر کے نام کا بکرا حرام ہے خواہ بوقتِ ذبح تکبیر کہی جائے، اب اے وارث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! تحریر فرمائیے کہ شاہ صاحب اس مسئلہ میں غلطی پر ہیں، یا یہ کہ اس فتاوٰی کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہے، اس

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۴

[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۶

فتوے کی تمام عبارت دو تین ورق پڑھ کر تحریر فرمائیں، اور نیز حضور نے کئی دفعہ پڑھا بھی ہوگا۔

الجواب

اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ نیت ذابح کا اعتبار ہے اگر اس نے اراقۃِ دم تقرباً الی اللہ کی اور وقتِ ذبح نامِ الٰہی لیا جانور بنصِ قطعی قرآن عظیم حلال ہوگیا۔

قال اللہ تعالٰی ما لکم ان لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا، تمھیں کیا ہوا کہ تم اسے نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام پکارا گیا (ت)

تفصیل فقیر کے رسالہ "سبل الاصفیاء" میں ہے، شاہ صاحب سے اس مسئلہ میں غلطی ہوئی، اور وہ نہ فقط فتاوٰی بلکہ تفسیر عزیزی میں بھی ہے، اور نہ ایک ان کا فتاوٰی بلکہ کسی بشر غیر معصوم کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں سے کچھ متروک نہ ہو۔ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں،

کل ماخوذ من قولہ و مردود علیہ الا صاحب ھٰذہ القبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ تمام حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا ہر ایک اپنے قول پر ماخوذ ہوگا اور رد قول کو اس پر رد کیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۱ از رام گڑھ سیٹھاں، علاقہ سیکر شیخاوٹی، مدرسہ نور الاسلام، مسئولہ عبدالعزیز ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ پیروں کا بکرا جو مانتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ذبح اللہ عزوجل کے نام پر کیا جائے اور ثواب پیروں کو پہنچایا جائے، نہ اس میں حرج نہ اس کے ماننے میں حرج۔ مسلمان یہی کرتے ہیں اور یہی ان کا مقصود ہوتا ہے، اس کے خلاف سمجھنا بدگمانی ہے۔ کما فی الدر المختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ ت) اور یہ بدگمانی حرام ہے، کما فی القرآن العظیم (جیسا کہ قرآن عظیم میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۲ از ریاسی، ریاست جموں، مولانا امام الدین گاذر مرسلہ پیر سید غلام شاہ کشمیری، ۱ صفر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک بکری کو شیر یا چیتے نے گلے سے

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۹

[2]

پکڑا اور خون پینے کے لئے رگوں کو چھید ڈالا یا سانپ نے، اور بکری زندہ ہے، اگر ذبح کی جائے تو حلال ہوسکے گی یا نہیں؟ ادھر کشمیر اور پونچھ کے مفتی عدمِ حلّت کا فتوٰی دیتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ وجیز اور فتاوٰی عالمگیری میں ایسے جانور کو حرام لکھا ہے،

شاۃ قطع الذئب اوداجہا لا تحل بالذکٰوۃ وھی حیۃ۔[1]

بھیڑیئے نے بکری کی اوداج (گلے کی رگیں) کاٹ دیں اور ابھی زندہ تھی کہ ذبح کر دی گئی تو حلال نہ ہوگی۔ (ت)

سے استدلال کرتے ہیں، اور نیز کہتے ہیں کہ چار رگیں کاٹنی فرض تھیں وہ شیر نے کاٹ ڈالیں، حالانکہ شیر رگیں بالکل نہیں کاٹتا صرف انھیں بیچ میں سے چھید ڈالتا ہے، مثلاً رگ کی اصل صورت یہ ہے، زخمی اس طرح ⟸⟹ کر دیتا ہے، بسااوقات دو ہی رگوں کو دانت مارتا ہے، موافق مذہب امامِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جواب ارشاد فرمایا جائے، اگر (ولو فرض) عُقدہ ٹوٹ جائے اور سب مذبح کھا جائے، تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟ بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب (کتاب سے بیان فرمائیے یوم حساب اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

ع ایضاً فتوٰئے مولوی محمد مرتضٰے از بلکوٹ، ڈاکخانہ اوڑی، ریاست کشمیر کہ در تحریم مقطوع الاوداج من السبع بود ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ ایں عبارت نوشتہ شد فی الواقع اگر درندہ محلِ ذبح کہ مابین اللبۃ واللحیۃ ست دو یا بیشتر اوداج را برید کہ اتصال آنہا بدماغ یا سینہ منقطع شد حالا ذبح نتواں شد

نیز مولوی مرتضٰے از بلکوٹ ڈاکخانہ اوڑی، ریاست کشمیر، نے درندہ کی قطع کردہ اوداج (گلے کی رگیں) پر جانور کو حرام قرار دینے کا فتوٰی ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ کو دیا، وہ عبارت یہ ہے: اگر فی الواقع درندے نے مقامِ ذبح جو لبہ اور لحیہ کے درمیان ہے، میں دو یا زیادہ اوداج کو کاٹ دیا ہو کہ ان کا تعلق دماغ یا سینے سے منقطع ہوگیا ہو ایسی صورت میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الوجیز کتاب الذبائح الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۱
فتاوٰی بزازیۃ علٰی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الذبائح الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۸

حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقة والموقوذة والمتردیة والنطیحة وما اکل السبع الا ما ذکیتم[1]

تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور سوئر کا گوشت اور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام لیا گیا، اور گلا گھونٹی، اور لاٹھیوں سے ماری، اور اوپر سے گرنے والی، اور جسے کسی نے سینگ مارا، اور درندہ کی کھائی ہوئی، مگر جسے تم ذبح کرلو۔

یہ استثناء تمام مذکورات کی طرف راجع ہے جس سے متعلق ہوسکتا ہے، ظاہر ہے کہ خون اور گوشت ذبح نہیں ہوسکتے، عجب نہیں کہ اضافہ لفظ لحم میں یہی حکمت ہو کہ صلاحیت استثناء نہ رہے، اور مردار اور جو ایک بار ذبح ہوچکی صالح ذبح نہیں، بحمد اللہ تعالٰی یہاں سے وہابیہ کا رَد ہوگیا مَا اُھِلَّ سے اگر مَا ذُبِحَ مراد لیتے ہیں جیسا کہ یہی حق اور یہی تفسیر ماثور ہے، تو قبل ذبح کسی کا نام پکارنے سے کیوں حرام بتاتے ہیں اور مطلق پکارنا مراد لیتے ہیں، تو جب اسے نام خدا پر ذبح کیا گیا کیونکر حرام کہتے ہیں حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: الا ما ذکیتم[2] (مگر جسے تم ذبح کرلو۔ ت) یہ چیزیں حرام ہیں مگر جسے تم ذبح کرلو وہ حلال ہے۔ پہلی صورت میں تو یہی تھا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لفوات محلہ پس الا ما ذکیتم صادق نیاید آرے اگر دندان زدہ رگ را قدرے شگافتہ است کہ خرق باشد نہ قطع یا در غیر محل مذکور چنانکہ درسر یا برصدر مجروحہ ہنوز زندہ است آں ذبح کردہ شد حلال می شود لبقاء محل الذبح فیدخل فی قولہ تعالٰی الا ما ذکیتم تحقیق وتفصیل ایں مسئلہ در فتاوائے فقیر جلد ہفتم کتاب الذبائح است۔ وباللہ التوفیق واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

وہ جانور ذبح کے قابل نہ ہوگا کیونکہ ذبح کا محل فوت ہوگیا، پس قرآن کا حکم الا ما ذکیتم صادق نہ آئیگا، ہاں اگر رگوں کو زخم ہوا اور وہ قدرے پھٹ گئی ہوں اور محل قطع نہ ہوئی ہوں یا محل ذبح مذکور کے غیر مثلاً سر یا سینہ کو درندے نے کاٹ دیا اور زخمی جانور ابھی زندہ ہوا اور ذبح کرلیا گیا تو حلال ہوگا کیونکہ ذبح کا محل باقی تھا تو اللہ تعالٰی کے ارشاد الا ما ذکیتم میں داخل ہوگا۔ اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے فتاوٰی جلد ہفتم (جو کہ اب بیسویں ہے) کتاب الذبائح میں ہے، توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

---

[1] و [2] القرآن الکریم ۵/ ۳

بغیر خدا کے بتائے وہابیہ نے اپنی طرف سے حرام کہہ دیا، اور دوسری صورت جو خود وہابیہ لیتے ہیں اس سے بھی سخت تر ہے کہ جسے اللہ عزوجل نے حلال بتایا اُسے حرام بتاتے ہیں والعیاذ باللہ تعالٰی، پانچ اشیائے باقی ماندہ میں جو مرگئی صالح ذبح نہ رہی، اور جس میں کچھ بھی حیات باقی ہے اگرچہ کتنی ہی خفیف ہو، اگرچہ اس کی حالت کتنی ہی رُدّی ہو، اگرچہ اس میں صرف مذبوح کی سی تڑپ باقی ہو، جب ذبح کرلی جائیگی مطلقاً حلال ہوجائے گی اگرچہ ذبح کے بعد نہ خون دے نہ تڑپے، جبکہ وقتِ ذبح اس میں حیات ثابت ہو، اس لئے کہ رب عزوجل نے استثناء میں کوئی تفصیل نہ فرمائی، یہی ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی، درمختار میں ہے:

ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت اوخرج الدم حلت والالا، ان لم تدرحیاتہ عندالذبح وان علم حیاتہ حلت مطلقا وان لم تتحرك ولم یخرج الدم، وھذا یتأتی فی منخنقۃ ومتردیۃ ونطیحۃ والتی بقرالذئب بطنھا فذکاۃ ھذہ الاشیاء تحلل وان کانت حیاتھا خفیفۃ، وعلیہ الفتوٰی لقولہ تعالٰی الا ماذکیتم من غیر تفصیل[1]

بیمار بکری کو ذبح کیا جبکہ اس نے حرکت کی اور خون نکلا تو حلال ہے ورنہ نہیں بشرطیکہ ذبح کے وقت زندہ ہونا معلوم نہ ہوسکا، اور اگر اس موقعہ پر زندہ ہونا معلوم تھا تو مطلقاً حلال ہے اگرچہ حرکت نہ کی اور نہ خون نکلا ہو، یہ صورت گلا گھونٹی ہوئی، اوپر سے گرنے والی، سینگ زدہ، اور جس کا پیٹ درندے نے پھاڑدیا ہو، میں پائی جاتی ہے تو ایسے جانور ذبح کردئے جائیں تو حلال ہوں گے اگرچہ ذبح کے وقت خفیف سی زندگی معلوم ہوجائے، اور اسی پر فتوٰی ہے اللہ تعالٰی کے قول الا ماذکیتم مطلق کی بناء پر۔ (ت)

ولہذا ہمارے علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر درندہ نے جانور کا پیٹ چاک کردیا یا بالکل سر جدا کرکے لے گیا، اور ابھی اس میں حیات باقی ہے ذبح کرنے سے حلال ہوجائے، وہ جزئیہ کردری جس سے بحوالہ عالمگیری سوال میں استدلال ہے، اس کی پوری عبارت کتاب السیر سے چند سطر پہلے یہ ہے:

شاۃ قطع الذئب اوداجھا وھی حیۃ لاتذکی لفوات محل الذبح، ولو بقرالذئب بطنھا وھی

بھیڑیئے نے بکری کی اوداج (گلے کی رگیں) کاٹ دیں ابھی زندہ ہے مگر ذبح کے قابل نہ ہو تو ذبح نہ ہوگی کیونکہ ذبح کا محل نہ رہا، اور اگر بھیڑیئے نے

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

حیۃ تذکی لبقاء محل الذبح فتحل لوذبحت ولوانتزع الذئب راس الشاۃ وبقیت حیۃ تحل بالذبح بین اللبۃ واللحیین[1]

اس کا پیٹ پھاڑ دیا اور ابھی زندہ ذبح کے قابل ہے تو ذبح کی جائے کیونکہ ذبح کا محل باقی ہے، اور اگر بھیڑیے نے سر کاٹ لیا ابھی زندہ تھی اور ذبح کرلی گئی لبہ اور لحیہ کے درمیان سے تو حلال ہوگی (ت)

صورتِ مسئولہ کا آیہ کریمہ کے اطلاق اور ہمارے امام اعظم کے مذہب مفتیٰ بہ میں داخل ہونا ظاہر ہے اور عبارت وجیز اس سے متعلق نہیں، وجیز میں وہ صورت منع کی ہے، درندہ رگیں قطع کردے اور سوراخ کرنا قطع کردینا نہیں کہ اس میں سینہ سے سر تک رگوں کا اتصال بحال رہتا ہے، اور قطع اُس وصل کا فصل کردینا ہے۔ ردالمحتار میں علامہ علی مقدسی سے ہے:

المراد بقطعھما فصلھما من الراس او عن الاتصال باللبۃ[2]

کاٹنے سے مراد یہ کہ سر سے جدا کرلیا یا لبہ سے تعلق کاٹ دیا۔ (ت)

جواب مسئلہ کو اسی قدر بس ہے، اور اگر تحقیق مقام درکار ہو **فاقول** وباللہ التوفیق (تو میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) وجیز کی عبارت مذکورہ میں تین فرعیں ہیں:

اوّل بھیڑیا نے بکری کی رگہائے گردن کاٹ دیں۔

دوم پیٹ چاک کردیا۔

سوم سر جُدا کردیا۔

پہلی میں حکم دیا ہے کہ ذبح نہیں ہوسکتی، اور دو باقی میں فرمایا ذبح کرلیں حلال ہوجائے گی، اوّل و سوم کے حکم میں بظاہر صریح تناقض ہے، یہ رگیں دماغ سے دل تک ہوتی ہیں۔ بدائع و فتاوائے امام قاضی خاں و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

الاوداج متصلۃ من القلب بالدماغ[3]

اوداج، دل تا دماغ متصل ہوتی ہیں (ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ علٰی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الذبائح الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۷

[3] ؍؍ کتاب الصید ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۵/ ۳۰۵

بدائع الصنائع کتاب الذبائح والصید فصل واما بیان شرط حل الاکل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۵۲

توجب سرجدا کردیا قطعاً یہ رگیں قطع کردیں تو فرع اول کے حکم سے فرع سوم میں بھی حرمت چاہئے تھی اور حکم یہ دیا کہ ذبح کرے تو حلال ہے، اب اگر یوں توفیق کیجئے کہ ہمارے امام کے نزدیک صحت ذبح کے لئے مطلقاً حیات درکار ہے، اگرچہ اسی قدر جو مذبوح میں بعد ذبح ہوتی ہے، اور صاحبین کے نزدیک اتنی حیات کافی نہیں، امام محمد فرماتے ہیں بس اس سے زائد ہو، اور شرط نہیں، اور امام ابویوسف فرماتے ہیں: نہیں بلکہ یہ چاہئے کہ اتنے زخم کے بعد جانبر ہوسکے۔ ہدایہ میں ہے:

لو انہ ذکاہ حل اکلہ عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فیہ حیٰوۃ خفیۃ، اوبینۃ، وعلیہ الفتوٰی، لقولہ تعالٰی اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ مطلقاً من غیر فصل وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی اذا کان بحال لایعیش مثلہ لایحل لانہ لم یکن موتہ بالذبح، وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی ان کان مثلہ فوق مایعیش المذبوح یحل، والا فلا لانہ لامعتبر بھٰذہٖ الحیٰوۃ۔[1]

اگر ذبح کے وقت خفیف سی زندگی بھی ہو اور ذبح کرلی گئی تو امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے اللہ تعالٰی کے ارشاد اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ مطلق کی بناپر، جس میں کوئی تفصیل نہیں ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ ایسی حالت میں ہو کہ زندہ نہ رہ سکے تو حلال نہ ہوگی کیونکہ ایسی صورت میں اس کی موت ذبح سے واقع نہ ہوگی، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ایسی حالت میں ہو کہ ذبح شدہ سے زیادہ دیر تک زندہ رہ سکتی ہو تو ذبح کرنے سے حلال ہوگی ورنہ نہیں، کیونکہ ایسی زندگی کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (ت)

فرع اوّل قولِ صاحبین پر مبنی ہے کہ قطع اوداج کے بعد حیات، حیاتِ مذبوح سے اصلاً زائد نہیں ہوتی، لہٰذا وہ حکماً میتت ہے، اور میت محلِ ذبح نہیں، تو اب ذبح نہیں کرسکتے لفوات محل الذبح۔ اور فرع سوم قولِ امام پر مبنی ہے کہ اگرچہ سر جُدا ہوگیا مگر جبکہ جانور ابھی تڑپ رہا ہے حیات باقی ہے اگرچہ حیات مذبوح سے زائد نہیں سہی، لہٰذا محل ذبح ہے ذبح کرلیں حلال ہوجائے گا، اور فرع دوم میں اگر صرف جلد چاک ہوئی کرسی کر اندمال وحیات متصور ہو تو بالاجماع حلال ہے اور نامتصور ہو تو صرف قولِ امام پر، یوں اگر توفیق کریں جب تو ظاہر ہے کہ فرع اول سے استناد صحیح نہیں کہ وہ خلافِ قول امام وخلاف مذہب مفتی بہ ہے، اور اگر ایسی تاویل چاہئے کہ وہ بھی قولِ امام کی طرف رجوع کرآئے تو اب فوات محل ذبح میں تنقیح مناط

---

[1] الہدایۃ کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۵۰۳

کرنی ہوگی **فاقول** وبہ نستعین اس فوت کے یہ معنی تو بداہۃً نہیں کہ محلِ ذبح مابین اللبۃ واللحیین تھا وہ معدوم ہوگیا کہ کلام قطع اوداج میں ہے، نہ اس صورت میں کہ بھیڑیا سینہ تک ساری گردن کاٹ کرلے گیا، نہ یہ معنیٰ ہیں کہ محلِ ذبح اوداج تھیں وہ فنا ہوگئیں کہ قطع تفریقِ اتصال ہے نہ کہ اعدام۔ لاجرم یہ معنی ہیں کہ محل اگرچہ باقی ہے مگر اس میں قابلیت فعل ذبح کی نہ رہی، تو محل من حیث ہو محل فوت ہوگیا اگرچہ ذات باقی ہے اب فنائے قابلیت میں نظر چاہیے کہ کس صورت میں اس کا فوت ہونا ہے، یہاں اس کی تین صورتیں متصور:

اوّل یہ کہ اب معنیٰ ذبح متحقق نہیں ہوسکتے۔

دوم مقصودِ ذبح فوت ہوگیا، اور شے جب مقصود سے خالی ہو باطل ہوجاتی ہے۔

سوم معنیٰ ذبح قبل ذبح فعل غیر ذبح شرعی سے متحقق ہولئے، اور ذبح صالح تکرار نہیں، مذبوح کو ذبح نہیں کرسکتے۔ ولہذا اگر مسلمان نے جانور ذبح کردیا اور وہ ابھی پھڑک رہا ہے دوبارہ مجوسی نے ذبح کیا حرام نہ ہوگا، اور اس کا عکس ہو تو حلال نہ ہوسکے گا، فان الذبح لایعاد (کیونکہ ذبح دُہرایا نہیں جاتا۔ت)

اوّل کی طرف راہ نہیں کہ معنیٰ ذبح قطع اوداج حی بین اللبۃ واللحیین ہے۔ کنز میں فرمایا: الذبح قطع الاوداج[1] (ذبح اوداج کو کاٹنا ہے۔ت) پھر فرمایا: والذبح بین الحلق واللبۃ[2] (ذبح حلق اور لبہ کے درمیان ہے۔ت) تبیین میں فرمایا:

والمیت لیس بمحل للذکاۃ۔[3] میت محلِ ذبح نہیں۔ (ت)

جب تک جانور زندہ ہے اور گلا اور اس پر وہ رگیں باقی ہیں ضرور قابلِ قطع ہیں تو معنیٰ ذبح متحقق نہ ہوسکنا کیا معنیٰ، قطع اوداج کا جواب اوپر معلوم ہولیا کہ فرع سوم میں بھی قطع اوداج متحقق ہے، اور حکم حلت ہے، یونہی دوم کی گنجائش نہیں، اگر کہئے مقصود ذبح انہار دم تھا اور وہ فعل سبع سے ہولیا، تو یہ وجوداً و عدماً ہر طرح باطل ہے، فرع سوم میں انہار دم ہوگیا اور قابلیت ذبح باقی ہے اور وقتِ ذبح حیات معلوم ہو اور ذبح سے خون نہ نکلے حلت ہوجائے گی، کما تقدم، حالانکہ انہارِ دم نہیں، اگر کہئے مقصود ذبح ازہاقِ روح ہے، اور وہ اس صورت میں فعل سبع کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ جانبِ ذبح، تو یہ وہی قول صاحبین غیر مفتی بہ ہے کما قدمنا عن الھدایۃ (جیسا کہ ہدایہ میں سے گزر چکا ہے۔ت) معہذا فرع سوم اس

---

[1] کنز الحقائق | کتاب الذبائح | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ص ۳۶۱

[2] ؍؍ | ؍؍ | ؍؍ ؍؍ ؍؍ | ص ۳۶۲

[3] تبیین الحقائق | کتاب الصید | المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر | ۶/ ۵۲

پر بھی نقض کو موجود، لاجرم صورت سوم مقصود یعنی جہاں قبل ذبح قطع اوداج بین اللبۃ واللحیین واقع ہولے وہاں محل ذبح نہ رہا، یعنی محلیت و قابلیت ذبح فوت ہوگئی کہ ذبح دوبارہ نہیں ہوتا، اور جہاں یہ معنی قبل ذبح متحقق نہ ہوئے عام ازیں کہ سرے سے اوداج قطع ہی نہ ہوئیں یا کسی ایسے فعل سے کہ انسان کی طرف منسوب نہ ہو قطع تو ہوئیں مگر موضع ذبح پر قطع نہ ہوئیں اور ہنوز حیات باقی ہے وہاں محل ذبح فوت نہ ہوا ذبح کرسکتے ہیں اور موجب حلت ہوگا، اب فروع میں تطابق ہوگیا اور صورت مسئولہ کا حکم بھی کھل گیا، فرع سوم سے مراد اس طرح سر جدا کرنا ہے کہ بین اللبۃ واللحیین قطع اوداج نہ ہو کہ اگرچہ قطع واقع ہو مگر محل ذبح میں نہ ہوا تو معنی ذبح قبل ذبح متحقق نہ ہوئے، اور فرع اول سے مراد وہ قطع اوداج ہے کہ بین اللبۃ واللحیین ہو کہ اب تقدم معنی ذبح سے قابلیت ذبح، اور الّا ما ذکیتم کے تحت میں داخل ہونے کی صلاحیت نہ رہی اور یہی صورت اُس فرع ملتقط میں مراد ہے، جو بظاہر فرع سوم کے صریح مناقض ہے۔ اسی عالمگیری میں عبارت وجیز سے پہلے ہے:

سنور قطع راس دجاجۃ فانھا لا تحل بالذبح وان کان یتحرك کذا فی الملتقط[1]۔	مرغی کا سر بلی نے کاٹ دیا تو وہ ذبح کرنے سے حلال نہ ہوگی اگرچہ وہ ذبح کے وقت حرکت کرے۔ ملتقط میں یوں ہے۔ (ت)

اور فرع دوم خود ظاہر ہے کہ اُس میں سرے سے قطع اوداج ہی نہیں، اب تمام فروع متفق، اور سب مذہب امام ہمام رضی اللہ تعالٰی عنہ پر منطبق ہیں ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (یوں تحقیق چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ ت) ظاہر ہے کہ صورت سوال فرع دوم کے مثل ہے، اور اُس میں بھی قطع نہیں اور ذبح قطع ہے، تو معنی ذبح قبل ذبح متحقق نہ ہوئے، کیا اگر جانور کی رگہائے گردن برمے سے چھید دیں ذبح ہوجائے گا، ہرگز نہیں، کہ چھیدنا قطع کرنا نہیں، تو محلیت ذبح ضرور موجود ہے اور بعد ذبح حلت لازم، یہیں سے دو سوال باقی کا جواب ظاہر ہوگیا اور سب مذبح کھا لیا محل ذبح نہ رہا، یونہی اگر عقدہ توڑ لیا تو قطع اوداج محل ذبح میں واقع ہوا، بہر حال اب قابلیت ذبح نہ رہی، حلت نہیں ہوسکتی، اور اگر عقدہ سے اوپر صرف سر جُدا کرلیا کہ بین اللبۃ واللحیین قطع اوداج نہ ہوا تو محل ذبح باقی ہے، بعد ذبح حلت چاہئے اگر ہنوز روح باقی ہو، ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی (میری سمجھ میں یوں ہے، علم حق تو میرے پروردگار کے ہاں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۷

مسئلہ ۱۴۳: مسئولہ والی علی صاحب کانسٹبل از تھانہ بہیڑی ضلع بریلی ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ کُتا کسی جانور کو پکڑ لے، اور اس جانور کے زخم کتّے کی پکڑ کا ہوجائے، اور بعد میں جانور ذبح کرلیا جائے، تو وہ حلال ہے یا حرام؟

الجواب

شکاری کتا جبکہ بسم اللہ کہہ کر چھوڑا گیا اگر جانور اس کے زخم سے مرجائے تو حلال ہے، اور اگر زندہ ملے اور ذبح کرلیا جائے تو حلال ہے، اس کے زخم سے جانور میں کوئی حرج نہیں آتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۴ و ۱۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) اگر ذبیحہ ذبح کیا جائے اور وُہ بعد ایک دیر کے خون دے، تو کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) عورت یا لڑکے کا ذبیحہ کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) پہلی صورت میں حلت میں کوئی شبہہ نہیں، خروج خون علامت حیات ہے، اور بعد دیر کے نکلنا اس کا غیر مانع، بلکہ اگر خون بھی نہ دے فقط حرکت کرے اور تڑپے تاہم کھانا اس کا جائز ہے کہ شرط حلت حیاۃ عند الذبح ہے نہ کہ خروج دم،

فی تنویر الابصار ذبح شاۃ فتحرکت او خرج الدم حلت[1]۔

تنویر الابصار میں ہے، ذبح کرنے پر بکری نے حرکت کی یا خون نکلا، تو حلال ہوگی (ت)

(۲) عورت ولڑکے کا ذبیحہ اگر وُہ قواعد وشرائطِ ذبح سے واقف ہیں اور مطابق شرع ذبح کرسکتے ہیں بلا ریب حلال ہے،

فی الدر المختار و شرط کون الذابح مسلما ولو امرأۃ او صبیا یعقل التسمیۃ

درمختار میں ہے، مسلمان اگرچہ عورت یا بچہ ہو شرط یہ ہے کہ بسم اللہ اور ذبح کو جانتا ہو،

عہ لکنہ فیہ اختلاف ذکرہ فی الھدایۃ فی کتاب الصید ۱۲ منہ۔

لیکن اس میں اختلاف ہے جس کو ہدایہ کی کتاب الصید میں ذکر فرمایا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

والذبح ویقدر¹۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ اور اس عمل پر قادر ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤمیش قریب المرگ کو ذبح کیا گیا، اختلاف اس امر میں ہے کہ وہ زندہ تھی کہ مرچکی تھی، ذبح کرنے والا نیز چند اور شخص کہتے ہیں کہ وہ زندہ تھی لیکن دو شخص کی یہ رائے ہے کہ وہ مرچکی تھی، بعد ذبح کے کسی عضو نے جنبش نہ کی۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔ واقعات یہ ہیں کہ یہ بھینس بعد ذبح کرنے کے ایک قصاب کے ہاتھ دس روپیہ میں فروخت کردی تھی، وہی دونوں شخص جو کہتے ہیں وہ مرگئی تھی، قصاب کو بہکا دیا، قصاب مذکور نے اس کا گوشت دفن کردیا اور کھال لے گیا اور بریلی فروخت کر آیا، گوشت کی قیمت اس کو معاف کردی گئی، صرف کھال کی قیمت جو چھ روپے اس کو طے کردی گئی تھی اور وہ اس نے بریلی میں بہت منافع کے ساتھ فروخت کیا طلب کی جاتی ہے لیکن وہ چھ روپے دینے سے بھی انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ تم لوگوں نے مردہ جانور کی کھال نکلوا کر مجھے ناپاک کردیا، میرے برادری والے مجھے نکال دیں گے، میں قیمت نہیں دُوں گا۔ دریافت طلب یہ بات ہے کہ اس قصاب پر کیا برائی آسکتی ہے، اگر یہ خیال کرلیا جائے کہ وہ مرگئی تھی اور دھوکا میں ایسا کیا گیا۔

الجواب

ذبح ہوتے وقت بھینس کا زندہ ہونا خوب معلوم تھا، یا ذبح کے بعد وہ تڑپی، یا ایسا خون دیا جیسا زندہ جانور سے نکلتا ہے، یا اور کوئی علامت زندگی کی پائی گئی، مثلاً منہ یا آنکھ بند کی یا پاؤں سمیٹے یا بدن کے بال کھڑے ہوئے تو وہ حلال ہے اور کھانا جائز، اور قصاب پر دس روپے واجب، اور اگر وقت ذبح اس کا زندہ ہونا تحقیق نہ تھا، نہ بعد ذبح کوئی علامت زندگی کی پائی گئی، نہ ایسا خون نکلا، نہ وہ حرکت کی، بلکہ بالکل ساکن رہی، یا منہ یا آنکھ کھل گئی، یا پاؤں پھیل گیا، یا بال بچھ گئے، تو بھینس حرام ہے، اور قصاب پر ایک پیسہ بھی واجب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۷

مسئولہ احمد حسن بنگالی طالبعلم مدرسہ اہلسنت وجماعت ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

صدقہ کا جانور بلا ذبح کئے جانور ہی کسی مصرف صدقہ کو دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

ف: اصل میں تحریر ہے: "ڈلی گئی" ۱۲ عبدالمنان الاعظمی

---

¹ درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

الجواب الملفوظ

اگر صدقہ واجبہ ہے اور وجوب خاص ذبح کا ہے، تو بے ذبح ادا نہ ہوگا، مگر اُس حالت میں کہ ذبح کے لئے وقت معین تھا جیسے قربانی کے لئے ذی الحجہ کی دسویں گیارھویں[عہ]، اور وہ وقت نکل گیا، تو اب زندہ تصدق کیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۳ مسئولہ شیخ محمد وزیر صاحب پٹیل از قصبہ تحصیل اوٗن ضلع ایوت محال ملک برار

۴ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا بیٹا بکر چالیس روپیہ کا ملازم سرکار ہے، زید کا آبائی واجدادی پیشہ یہ ہے کہ روزانہ ہر قصاب کے مکان پر جانا، اور جس قدر بکریاں ذبح کرنے کی ہوں، اُن کو ذبح کردینا اور ان کی اُجرت میں فی راس ایک آنہ پیسہ یا پاؤ بھر گوشت لینا چلا آتا ہے، اور نیز ہر مواضعات قریب میں جا کے قوم ہندو کے مکان پر جو اُن کی پرستش کا بکرا ہوتا ہے اس کو ذبح کردیتا ہے، اور راس کی اُجرت لیتا ہے، یہ پیشہ اِس وقت تک جاری ہے، اور سنا گیا ہے کہ ذابح البقر وقاتل الشجر ودائم الخمر کی بخشش میں احتمال ہے، اگر اس مسئلہ کی کچھ بنیاد ہے، اور یہ سچ ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ براہِ کرم بواپسی ڈاک جواب باصواب سے سرفراز فرمائیے۔

الجواب

گائے بکری کا ذبح کرنا جائز ہے،

قال اللہ تعالٰی ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک اللہ تعالٰی نے تمھیں حکم دیا ہے کہ گائے کو ذبح کرو۔ (ت)

وہ قول کہ لوگوں میں مشہور ہے محض بے اصل ہے، قطع شجر کی بھی اجازت قرآن عظیم میں موجود ہے۔

قال اللہ تعالٰی وما قطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علٰی اصولھا فباذن

اللہ تعالٰی نے فرمایا، تم نے جو سبز درخت کاٹے یا ان کو تم نے باقی کھڑا رہنے دیا تو یہ اللہ تعالٰی

عہ اصل میں بارھویں نہیں ہے غالباً ناقل کا سہو ہے ۱۲ عبدالمنان الاعظمی

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶۷

الله[1] کے حکم سے ہوا۔ (ت)

ہاں دائم الخمر البتہ مرتکب سخت کبیرہ اور مستحق عذاب نار ہے، مگر یہ کہنا اُس کی نسبت بھی باطل ہے کہ اس کی مغفرت کبھی نہیں ہوگی، یہ صرف کافر کے لئے ہے، مسلمان کیسا ہی گنہگار ہو زیرِ مشیت ہے چاہے عذاب فرمائے تو اس کا عدل ہے، چاہے بلاعذاب بلکہ بلاحساب بخش دے تو اُس کا فضل ہے۔

ان الله لا یغفر ان یشرك به ویغفر ما دون ذٰلك لمن یشاء[2] — اللہ تعالٰی نہ مغفرت فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے، اور مغفرت فرمائے گا اس سے کم کو جس کو وُہ چاہے گا۔ (ت)

پھر مسلمانوں میں سے جس پر عذاب فرمائے گا ہرگز وہ عذاب دائم نہ ہوگا، انجام بلاشبہہ مغفرت ہے، اور جب ان جانوروں کا ذبح جائز ہے اس پر اُجرت مقرر کرکے لینا بھی جائز ہے کما ھو حکم مباح یحتاج الی عمل (جیسا کہ ہر مباح محتاج العمل کا حکم ہے۔ ت)

اب یہاں متعدد صورتیں ہیں، سائل دو اُجرتیں بتاتا ہے، ایک آنہ یا پاؤ بھر گوشت، یہ اگر یُوں ہے کہ کبھی ایک آنہ مقرر کرلیا جاتا ہے کبھی پاؤ بھر گوشت، تو وہ آنہ جائز ہے، اور گوشت کہ اُسی جانور کا قرار پاتا ہے ناجائز ہے لانہ کقفیز الطحان (کیونکہ یہ پیسنے والے آٹے کا حصہ قفیز کی طرح ہے۔ ت) بلکہ اگر اُس جانور کا نہ ٹھہرے جب بھی گوشت کثیر التفاوت چیز ہے،

لانہ قیمی فلا یصلح دینا علی الذمۃ ویقع فیہ النزاع وکل ما کان کذٰلك یورث الفساد۔ — کیونکہ یہ قیمت والی چیز جو کسی کے ذمّہ دین نہیں بن سکتی اور اس میں تنازع ہوتا ہے اور جو ایسی چیز ہو وُہ فساد برپا کرتی ہے (ت)

اور اگر یہ معنٰی ہیں کہ تعین کچھ نہیں ہوتا کبھی ایک آنہ دیتے ہیں کبھی گوشت، تو یہ جہالتِ اجر ہے، جہالتِ اجر مفسدِ اجارہ ہے۔

بہرحال جہاں اُجرت میں گوشت کا قدم درمیان ہے اجارہ فاسد ہے، اور عقد فاسد حرام و ازقبیلِ ربا ہے، اور اس کا عادی ہونا ضرور موجب فسق، اور اس کا پیشہ کرنے والا فاسق معلن، اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ، اور اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی کہ پڑھنا منع، اور پڑھی تو پھیرنا واجب۔

---

[1] القرآن الکریم ۵/۵۹

[2] القرآن الکریم ۴/۴۸ و ۴/۱۱۶

فتاوٰی حجہ وغنیہ میں ہے : ولوقدموا فاسقا یاثمون[1] (اگر فاسق کو امام بنایا تو بنانیوالے گنہگار ہوں گے)

زیلعی وغیرہ میں ہے :

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا[2]

کیونکہ آگے کر کے امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعًا ان پر اس کی اہانت لازم تھی (ت)

رہا یہ کہ وہ ہندوکی پرستش کا بکرا اس کے یہاں جاکر ذبح کرتا ہے، اور اس کے ذبح سے تعظیم الٰہی کی نیت کرتا اور اللہ عزوجل کا نام لیتا ہے، تو جانور حلال ہوجائے گا، مگر یہ فعل اس کے لئے مکروہ ہے، فی الهندیۃ توکل ویکرہ للمسلم[3] (ہندیہ میں اسے حلال اور مسلمان کے لئے مکروہ کہا گیا ہے۔ت) اور اگر اس کافر ہی کی نیت پر ذبح کرتا ہے تو جانور تو مردار رہا ہی، اس ذابح کا ایمان بھی بچنا مشکل ہے، مگر ظاہر یہ ہے کہ مسلمان پر حتی الامکان بدگمانی کی اجازت بھی نہیں کہ اس کا مقصود فقط اپنے ٹکے سیدھے کرنا ہوگا نہ کہ معبود باطل کی تعظیم کہ مسلمان سے متوقع نہیں، نہ معبود حق کی تعظیم کا خیال آتا ہوگا، تو یوں بھی یہ فعل سخت شنیع اور جانور کی جان کی ناحق تضییع ہے، پھر اس کی امامت سے احتراز چاہئے کہ وہی احتیاط جو ہمیں اس پر بدگمانی نہیں کرنے دیتی نماز میں اُسے امام نہ بنانے دے گی،

فان سوء الظن شیئ، والحزم شیئ اٰخر، وھذا من باب الخروج، ومن اتقی الشبھات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ. واللہ تعالٰی اعلم۔

بدگمانی علیحدہ چیز ہے اور احتیاط دوسری چیز ہے اور یہ علیحدہ رہنا ہے، اور جو شخص شبہات سے بچا تو اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ بنالیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۹: مرسلہ غلام نبی صاحب ساکن موضع میانہ ٹھٹہ ضلع گوجرانوالا ڈاک خانہ موز
اتوار ۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّی چراغ دین امام مسجد نے ایک بکرا ذبح کیا اور اس کا چمڑا مسمّی حاکو قوم خاکروب نے اتارا اور گوشت بنایا، اور گوشت مذکور کو چند مسلمانوں نے مل کر تقسیم کرلیا اور اپنے گھروں میں پکاکر کھایا، کیا وہ گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس بات کا خلاصہ حال مع ثبوت حدیث و

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

قرآن شریف ارسال فرمائیں، اور اس مسئلہ کو اخبار دبدبہ سکندری میں شائع کرادیں۔

الجواب

جب وہ جانور مسلمان نے اللہ عزوجل کے لئے تکبیر کہہ کر ذبح کیا تو حلال ہوجانے میں تو کوئی شبہہ ہی نہ رہا۔ خاکروب کا گوشت بنانا وہ اگر اس وجہ سے ہے کہ بکرا اسی کی ملک تھا اور اس نے اپنے "ظاہر" پیر وغیرہ کسی معبود باطل کے لئے ذبح کرایا تو اس کا کھانا مسلمانوں کو مکروہ ہے کما نص علیہ فی الھندیۃ (جیسا کہ ہندیہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) اسی طرح اگر کسی معبود باطل کے لئے ذبح نہ کرایا، بلکہ اس نے ان کی دعوت کی تھی تو اُس دعوت کا ہی قبول کرنا نامناسب تھا، اور اگر بکرا مسلمان کی ملک تھا اور اس سے بنوایا، اور وہ اپنا ناپاک پیشہ کرتا ہے اور اُس کے ہاتھ خوب پاک نہ کرالئے تھے، تو سخت بے احتیاطی کی، اور اگر اس کے ہاتھ پاک کرالئے تھے یا وہ قوم کا خاکروب ہے یہ پیشہ نہیں کرتا، تو یہ دیکھا جائے کہ وہاں کے عرف میں خاکروب کی چھوتی ہوئی چیز سے پرہیز کرتے اور اس کے استعمال کو معیوب جانتے ہیں یا نہیں، اگر جانتے ہیں، اور ان لوگوں نے بے پروائی کی تو مصلحتِ دینی کے خلاف کیا اور نافرمانی کے مرتکب ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: بشروا ولا تنفروا[1] (خوشخبری دو، منافرت پیدا نہ کرو۔ ت)، دوسری حدیث میں ہے: ایاك وما یسوء الاذن[2] (کانوں کیلئے تکلیف دہ بات سے بچو۔ ت)، تیسری حدیث میں ہے:

ایاك ومایعتذر منہ[3] فان الخیر لا معتذر منہ۔ معذرت والی چیز سے بچو، تو بیشک خیر معذرت خواہی والی چیز نہیں ہے (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ بکرا وقتِ ذبح سے مسلمانوں کے ہاتھ میں پہنچنے تک مسلمانوں کی نگاہ سے غائب نہ ہوا، اور اگر ذبح کرکے اُسے دے دیا اور کوئی مسلمان دیکھتا نہ رہا، اس نے گوشت بنایا اور مسلمانوں کو دیا تو اب اس کا کھانا سرے سے حلال ہی نہ رہا،

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولہم بالموعظۃ والعلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[2] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶
کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۶ و ۸۶۷ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۴۷

[3] المستدرک للحاکم کتاب الرقاق دارالفکر بیروت ۴/ ۳۲۷
کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۷ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۴۷

فان الکافر لایقبل قولہ فی الدیانات[1]۔

دین کے امور میں کافر کی بات قابل قبول نہیں (ت)

ہاں اگر اس کو اجیر کیا ہو تو جواز رہے گا،

لان الکافر یقبل قولہ فی المعاملات وان تضمنت شیئا من الدیانات، وکم من شیئ یثبت ضمنا ولا یثبت قصدا[2]، وتبیینہ فی التبیین وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ کافر کی بات معاملات میں اگرچہ وہ دیانات کو متضمن ہوں، قابل قبول ہے، جبکہ بہت سے امور ضمناً ثابت ہوتے ہیں اور قصداً ثابت نہیں ہوتے، اس کی وضاحت تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۰: از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا از روئے شرع شریف کے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو احادیث سے ثابت ہے یا قول فقہائے، اور فتوٰی قول امام اعظم پر ہے یا صاحبین؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صاحبین کے نزدیک حلال ہے، اور امام مکروہ فرماتے ہیں، قول امام پر فتوٰی ہوا کہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی، اور اصح وراجح کراہت تحریم ہے،

صححہ الامام قاضی خان فی فتاواہ، وقد قالوا انہ فقیہ النفس ولا یعدل عن تصحیحہ وقال الشامی ثم نقل ای القہستانی تصحیح کراھۃ التحریم عن الخلاصۃ والھدایۃ والمحیط والمغنی والقاضی خان والعمادی وغیرھا وعلیہ المتون[3] اھ ومعلوم ان الترجیح للمتون وانھا الموضوعۃ

امام قاضیخان نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تصحیح فرمائی ہے جبکہ فقہاء نے فرمایا، قاضی خان فقیہ النفس ہیں لہذا اس کی تصحیح سے عدول نہ ہوگا۔ اور علامہ شامی نے فرمایا کہ پھر قہستانی نے خلاصہ، ہدایہ، محیط، مغنی، قاضی خان اور عمادی وغیرہا سے کراہت تحریمی کی تصحیح نقل کی ہے اور کہا کہ اس پر متون وارد ہیں اھ، اور واضح بات ہے کہ ترجیح متون کو ہے اور وہ مذہب کو نقل کرنے کیلئے وضع

---

[1] و [2] تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

لنقل المذھب فلا یعارضھا ما فی کفایۃ البیھقی بخلافہ انہ ظاھر الروایۃ و لا فتوی الجمھور[عـہ۱] المنقول بقیل بعد ماقد[عـہ۲] منا من التصحیحات الجلیلۃ للائمۃ الجلۃ۔

کئے گئے ہیں، لہذا ان کا خلاف جو کفایۃ البیہقی میں بیان کیا ہے وہ متون کے معارض نہیں ہوسکتا اور یہی ظاہر الروایۃ ہے، اور قیل کے ساتھ نقل شدہ جمہور کا فتوٰی بھی ان کا معارض نہیں ہوسکتا خصوصًا ہماری ذکر کردہ اجلہ ائمہ کی تصحیحات کے بعد۔(ت)

بہرحال مسئلہ اس قابل نہیں کہ اس پر فتوٰی فساد دیا جائے، یا فرلیق بندی عمل میں آئے، واللہ الموفق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: از بریلی، مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

ما قولکم عفی اللہ لکم ھٰذہ المسئلۃ افیدوا تؤجروا یرحمکم اللہ تعالٰی دربارہ اکل فرس بعض قائل بکراہت تحریمی وبعض بکراہت تنزیہی ولیکن بہرصورت شیرش جائز داشتہ اند، تحقیق دریں باب چیست؟

علمائے کرام اللہ تعالٰی تمہاری مغفرت فرمائے آپ کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے، ہمیں افادہ فرماؤ، اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے۔ گھوڑے کا گوشت کھانے میں بعض مکروہ تحریمہ اور بعض مکروہ تنزیہیہ کے قائل ہیں جبکہ اس کے دودھ کو بہرصورت جائز مانتے ہیں، اس مسئلہ میں تحقیق کیا ہے؟(ت)

الجواب

درمسئلہ گوشت اسپ علماء را معترک عظیم ست، وتصحیح نیز مختلف وکراہت قول امام ست، پس اسلم احتراز تام ست، ہمچناں بر مذہب امام در شیر او نیز اختلاف کردہ اند، امام قاضیخاں تحریم رفتہ، و در دُرمختار جواز را وجہ گفتہ، بریں روایت وجہ فرق خود پیدا ست کہ در تحلیل لحم تقلیل آلہ جہاد ست بخلاف لبن، باز ایں ہمہ برتقدیرے ست کہ

گھوڑے کے گوشت کے مسئلہ میں علمائے کرام کا عظیم معرکہ ہے اور تصحیح بھی مختلف ہے، کراہت امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے، پس مکمل احتراز میں بہتری ہے اور اس کے دُودھ کے متعلق بھی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب کے بیان میں اختلاف ہے، امام قاضی خاں علیہ الرحمۃ حرمت کی طرف گئے اور درمختار میں جواز کو وجہ قرار دیا ہے اس

عـہ۱: لفظ "جمہور" اندازہ سے بنایا گیا ۱۲ عبدالمنان

عـہ۲: اندازہ سے "بعد" کا لفظ بڑھایا ۱۲ عبدالمنان

بحد سکر نہ رسد، ورنہ تعمداین مقدار بالاتفاق ممنوع باشد، کما لایخفی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

درمختار کی روایت کے مطابق گوشت اور دودھ میں فرق کا واضح بیان ہے کہ گوشت کو حلال کرنے میں آلۂ جہاد کی قلت پیدا کرنا ہے جبکہ دودھ کا معاملہ اس کے خلاف ہے، اور دُودھ کی بحث اس حد تک ہے جس میں سکر یعنی نشہ نہ ہو، ورنہ قصداً اتنی مقدار پینا ممنوع ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۲: از دارا گنج ضلع بجنور، مرسلہ ممتاز مسیح صاحب ایم اے مشن مورخہ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

ہادیِ دین جناب مولانا صاحب! عرض مدعا یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت حنفی مذہب میں گھوڑا اور اقسام اور اس کے مثل خچر و گدھے کے حلال ہیں یا حرام؟ یا ان تینوں جانوروں میں سے کون سا جانور حلال ہے؟ مہربانی فرماکر بحوالہ حدیث شریف یا قول علماؤں کے جواب سے مشرف فرمائیے۔

الجواب

گدھا حرام ہے، یُونہی وُہ خچر جو گدھی سے پیدا ہو اگرچہ باپ گدھا نہ ہو، اور ہمارے امام اعظم علیہ الرضوان کے مذہب میں گھوڑا مکروہ تحریمی ہے یعنی قریب بحرام، یونہی وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو۔ حدیث میں ہے:

نھی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام یوم خیبر عن لحوم الحمر الاھلیۃ۔[1]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیبر کے روز پالتو گدھے کے گوشت کو ممنوع فرمایا۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۳: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں ۱۶ صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ڈپٹی امداد علی صاحب نے رسالہ امداد المسلمین میں اُلّو کے بارہ میں لکھا ہے کہ عالمگیری میں لکھا ہے: البوم یوکل[2] (اُلّو حلال ہے۔ ت) اور طحطاوی میں ہے:

یوکل القمری والسوادین والزرزور والصلصل والھدھد والبوم والطاؤس۔[3]

قمری، سوادین، زرزور، صلصل، ہدہد، بوم، طاؤس نامی پرندے حلال ہیں۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید الخ باب لحوم الحمر الانسیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ 〃 الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷

اور شامی میں ہے :

فی غرر الافکار عندنا یوکل الخطاف والبوم[1]

غرر الافکار میں ہے : اور ہمارے نزدیک خطاف اور بوم نامی پرندے حلال ہیں (ت)

اور میزان میں ہے :

من ذٰلک قول الائمۃ الثلثۃ فی المشھور عنھم انہ لاکراھۃ فی ما نھی عن قتلہ کالخطاف والھدھد والخفاش والبوم والببغا والطاؤس مع قول الشافعی فی ارجح القولین انہ حرام[2]

ائمہ ثلاثہ سے ان کا مشہور قول کہ جن پرندوں کے ہلاک کرنے سے منع کیا گیا ہے ان کو کھانے میں کراہت نہیں ہے ، اسی قبیل سے ہے ، مثلاً خطاف ، ہدہد ، خفاش ، بوم ، ببغا اور طاؤس نامی پرندے امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے دو قول میں سے راجح قول میں یہ حرام ہے (ت)

اور حیاۃ الحیوان دمیری شافعی رحمہ اللہ سے بھی ثابت ہے ، شافعی کے نزدیک حرام ہونا ، نہ حنفیہ کے نزدیک ، تمام کتب ہائے معتبرۂ فقہ سے بوم کا حلال ہونا ثابت ہے ، یہاں تک خلاصہ کلام ڈپٹی صاحب مذکور ہے ، اور فتاوٰی ہندیہ ترجمہ فتاوٰی عالمگیری کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ قول ظاہر بوم سے مراد یہی اُلّو ہے کہ پرند معروف ہے ، اور شاید کوئی اور معنٰی مراد ہوں ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔ اس واسطے مترجم نے بعینہٖ لفظ چھوڑ دیا ۔ اس مسئلہ میں جو تحقیق ہو بیان فرمائیں کہ صدق و کذب وہابیہ ظاہر ہو ۔ فقط ۔

الجواب

عبارتِ عالمگیری جو امداد المسلمین میں نقل کی ، اس کے شروع میں لفظ قیل واقع ہے ، اصل عبارت یُوں ہے :

قیل الشقراق لایوکل والبوم یوکل[3]

یعنی بعض نے کہا کہ شقراق نہ کھایا جائے اور بوم کھایا جائے ۔

یہ لفظ اُس قول کے ضعف پر دلیل ہوتا ہے ، اور یہ بتاتا ہے کہ اس کی طرف بعض گئے ہیں ، اکثر علماء

---

[1] رد المحتار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۹۴
[2] المیزان الکبرٰی کتاب الاطعمۃ مصطفی البابی مصر ۲/۵۶
[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۹۰

خلاف پر ہیں، اور حیاۃ الحیوان کا حوالہ تو سرے سے غلط ہے اس میں کہیں نہیں لکھا کہ حنفیہ حلال جانتے ہیں اس میں صرف شافعیہ کے دو قول لکھے ہیں، عبارت اُس کی یہ ہے:

الحکم یحرم اکل جمیع انواعہا، قال الرافعی ذکر ابو عاصم العبادی ان البوم کالرخم، وکذلك الضوع، وعن الشافعی رحمہ اللہ قول انہ حلال[1]

حکم یہ ہے کہ تمام اقسام حرام ہیں، رافعی نے کہا ابو عاصم العبادی نے ذکر کیا ہے کہ رخم کی طرح بوم حرام ہے، اور اسی طرح ضوع بھی حرام ہے اور امام شافعی کا ایک قول ہے کہ یہ حلال ہے (ت)

خیر ان سب سے قطع نظر کرکے اس مسئلہ کی طرف چلئے، یہی عالمگیری و طحطاوی و شامی و میزان، جن سے امداد المسلمین میں یہ عبارتیں نقل کیں، ان میں اور ان کے سوا ہماری تمام کتب مذہب اور صحاح احادیث سید المرسلین صلے اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین میں صاف صریح حکم قطعی کلی بلا استثناء وتخصیص موجود ہے کہ ہر پرند اپنے پنجہ سے شکار کرنے والا حرام ہے' جیسے ہر درندہ دانتوں سے شکار کرنے والا۔ عالمگیری میں بدائع سے ہے:

لایحل کل ذی مخلب من الطیر[2]

یعنی حرام ہے ہر پنجہ والا پرند۔

طحطاوی میں ہے:

لایحل سباع الوحوش والطیر[3] اھ ملخصا

درندے وحشی و پرند سب حرام ہیں اھ ملخصا۔

حموی، پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

الدلیل علیہ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر، رواہ مسلم وابوداؤد وجماعۃ، والسر فیہ ان طبیعۃ ھٰذہ الاشیاء مذمومۃ شرعا فیخشی ان

یعنی دلیل اس پر یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر درندے کیلے والے اور ہر پرند پنجہ والے کے کھانے سے منع فرمایا۔ مسلم و ابوداؤد وغیرہما ایک جماعت محدثین نے یہ حدیث روایت کی، اور اس میں راز یہ ہے کہ ان چیزوں کی خصلت شرعًا بد ہے تو اندیشہ ہے کہ

---

[1] حیاۃ الحیوان باب الباء الموحدۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۹

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷

يتولد من لحمها شیٔ من طباعها فيحرم اكرامًا لبنی آدم كما انه يحل ما احل اكرامًا له[1]

اُن کا گوشت کھانے سے کچھ خصلت اُن کی سی آدمی میں پیدا ہوجائے، لہٰذا انسان کی عزت کے لئے ان کا کھانا حرام ہوا، جیسے کہ اس کی عزت ہی کیلئے حلال جانور حلال کئے گئے"

میزان امام شعرانی میں ہے:

من ذٰلك اتفاق الائمة الثلثة على تحريم كل ذی ناب من السباع و مخلب من الطير يعدُو به على غيره (الی ان قال) لان فيه قسوة من حيث انه يقسر غيره و يقهره من غير رحمة بذٰلك الحيوان المقسور فيسری نظير تلك القسوة فی قلب الاٰكل له، واذا قسی قلب العبد صار لا يحن قلبه الى موعظة و صار كالحمار[2]

یعنی انھیں مسائل سے ہے امام ابوحنیفہ وامام شافعی وامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اتفاق کہ ہر کیلے والا درندہ اور ہر پنجہ والا پرند جو دوسرے پر اس کیلے یا پنجے سے حملہ کرتا ہے حرام ہے، اس لئے کہ اس میں سنگدلی ہے کہ وہ بیدردی سے مجبور و مغلوب کرتا ہے، تو ایسی ہی سنگدلی اس کے کھانیوالے میں سرایت کرے گی، اور جب آدمی کا دل سخت ہوجاتا ہے تو کسی نصیحت کی طرف میل نہیں کرتا، اور آدمی سے گدھا ہو کر رہ جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں یوں ہی کتب طبیہ سے ثابت کہ اُلّو کھانے والا آدمی سے اُلّو ہو کر رہ جاتا ہے والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

غرض یہ قاعدہ کلیہ شرعیہ ہے جس پر ائمہ حنفیہ کا اجماع ہے، اور اس سے ہرگز کوئی پنجہ والا پرند کہ سباع طیر سے ہو مستثنٰی نہیں، اور شک نہیں کہ الّو پنجہ والا پرند ہے بلکہ اس کے پنجے بہت شکاری پرندوں سے زیادہ قوی اور تیز ہیں، اور شک نہیں کہ گوشت اس کی خوراک ہے، اور شک نہیں کہ وہ اپنے سے کم طاقت پرندوں پر حملہ کرتا ہے، یہ سب باتیں یقینًا معلوم ہیں، اور فقیر کے سامنے بہت شکار پیشہ مسلمانوں نے بیان کیا کہ٭ پرندہ شکاری ہے۔ پانچ شکار ان بریلی نے کہ اُن میں چار صاحب قوم کے قراول،

٭ نیاز محمد خان ابن رحیم خان و نذیر خان ابن وزیر خان وعنایت اللہ خان ابن کرم علی خان وغلامی خان ابن حسن خان قراولان ساکنان بہاری پور محلہ قراولان و محمد خان ابن گل خان افغان ساکن شہر کہنہ ۱۲

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار　کتاب الذبائح　دار المعرفۃ بیروت　۴/ ۱۵۵
رد المحتار علی الدر المختار　〃　دار احیاء التراث العربی بیروت　۵/ ۱۹۳

[2] المیزان الکبرٰی　کتاب الاطعمۃ　مصطفی البابی مصر　۲/ ۵۷

اور پانچوں نمازی نیک سُنّی صحیح العقیدہ ہیں، ہفدہم ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ کو میرے سامنے اس مضمون کی شہادت ادا کی، اور ان میں بعض نے کہا ہمارے سامنے طوطے کو شکار کر لے گیا، بعض نے کہا کھونٹی پر شکرہ بندھا تھا شکرہ کو مار لے گیا، حالانکہ شکرہ اتنا بڑا اور قوی اور خود شکاری جانور ہے، اور اُلّو کی منقار بہت چھوٹی ہوتی ہے کہ چونچ سے اس کا قابو میں آنا معقول نہیں، نہ کہ ایسا زور کہ بندش توڑ کر زندہ لے جائے، لاجرم پنجہ سے شکار کیا اور یہ امر اس جانور کی قوت سے کچھ عجب نہیں کہ وہ شکرہ سے بھاری جانور کو شکار کر لیتا ہے۔ علامہ زکریا بن محمد بن محمود انصاری قزوینی کتاب عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات میں اس کا حال لکھتے ہیں:

تصطاد السنانیر الضعاف وتعادی الغراب و هو ذلیل بالنهار اما باللیل فلا یقدر علیه شیٔ من الطیور[1]

اُلّو کمزور بلیوں کو شکار کر لیتا ہے، کوے سے اس کو دشمنی ہے، دن کو ذلیل ہوتا ہے مگر رات میں کوئی پرند اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

مرآت الاصطلاحات عنبر شاہی میں ہے:

چنگ بالفتح بر وزن سنگ قلاب آہنی وپنجۂ آدمی و حیوان درندہ، شکاری چوں باز وشاہین وشیر و پلنگ وامثال آں[2]، واز شعر طوطی ہند امیر خسرو دہلوی چنگ بوم واقع شدہ، وبوم ہر چند جانور شکاری نیست، بدیں معنی کہ مردم بداں شکار نمی کنند، لیکن فی الحقیقۃ ذو مخلب ست کہ صید مے نماید، چنانچہ دیدہ شد، وشعر مذکور این ست ؎

بوم کہ باشد کہ بچنگ دراز
طعمہ برد از دہن جرہ باز

چنگ بروزن سنگ ہے، لوہے کے شکنجے اور آدمی کے پنجے، شکاری اور درندے حیوان جیسے باز، شاہین، شیر، چیتا اور ان کی ہم مثل کو چنگ کہتے ہیں، طوطی ہند امیر خسرو دہلوی کے شعر میں چنگ اُلّو کے لئے استعمال ہوا ہے اگرچہ مشہور شکاری پرندہ اس معنی میں نہیں کہ آدمی اس کا شکار نہیں کرتا لیکن حقیقۃً وہ اپنے پنجے سے شکار کرتا ہے جیسا کہ مشاہدہ میں آیا ہے وہ شعر یہ ہے:

اُلّو جو کہ اپنے پنجہ دراز کے ساتھ
نر باز کے منہ سے خوراک لے جاتا ہے (ت)

---

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات النوع السادس من الحیوان (بوم) مصطفی البابی مصر ص ۲۷۱
[2] مرآت الاصطلاحات عنبر شاہی

غرض جب وُہ شکاری جانور ہے تو اس کے حرام ہونے میں اصلاً جائے کلام نہیں، رہا بعض عبارت حنفیہ میں لفظ بوم کی نسبت لفظ یوکل وارد ہونا **اقول** نہ وہ اجماعی قاعدہ فقہ حنفی وحدیث نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقابل ہوسکتا ہے نہ مشاہدات کو رَد کرسکتا ہے اُس سے بالتعیین اُلّو کی حلت ثابت ہی نہیں ہوتی، زبان عرب میں لفظ بوم خاص اُلّو کے لئے موضوع نہیں بلکہ ہر اس پرند پر اطلاق کیا جاتا ہے جو شب کو اپنے آشیانہ سے نکلتا ہے۔ علامہ دمیری حیاۃ الحیوان میں فرماتے ہیں:

قال الجاحظ وانواعها الهامة والصدی والضوع والخفاش وغراب الليل والبومة وهذه الاسماء کلها مشترکة ای تقع علی کل طائر من طیر اللیل یخرج من بیته لیلا، قال وبعض هذه الطیور یصید الفار وسام ابرص والعصافیر وصغار الحشرات وبعضها یصید البعوض، ومن طبعها ان تدخل علی کل طائر فی وکره وتخرجه منه وتاکل فراخه وبیضه وهی قویة السلطان باللیل لایحتملها شئ من الطیر[1]

جاحظ نے کہا، اور اس کے اقسام ہامہ، صدی، ضوع، خفاش، غراب اللیل، بُوم نامی پرندے ہیں اور یہ تمام نام مشترک ہیں، یعنی رات کو اپنے گھر سے نکل کر پرواز کرنے والے ہر پرندے پر بولتے ہیں، اور کہا ان پرندوں میں سے بعض چوہے، چھپکلی، چڑیوں اور چھوٹے چھوٹے حشرات کو شکار کرتے ہیں اور ان میں سے بعض مچھروں کا شکار کرتے ہیں اور وہ طبعی طور پر ہر پرندے کے گھونسلے میں داخل ہوکر اس کو اڑاتا ہے اور اس کے چوزوں اور انڈوں کو کھاجاتے ہیں اور رات میں وہ قوی تسلط والے ہوتے ہیں کہ کوئی بھی پرندہ ایسی قوت نہیں پاتا۔ (ت)

تو جن کتابوں میں ذکر اکل ہے اُن میں بوم سے اُلّو مراد نہیں بلکہ وہ پرند شب مقصود ہے جو پنجۂ شکاری نہیں رکھتا جیسے چمگادڑ وغیرہ، یہ معنی امام عتابی کی تصریح سے ثابت ہیں۔ علامہ قہستانی جامع الرموز میں لکھتے ہیں:

لاباس بما لیس بذی مخلب کالبوم فی روایة عن ابی یوسف، کما فی العتابی[2]

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے ایک روایت یہ ہے کہ جن پرندوں کے پنجے نہیں ہیں ان کے کھانے میں حرج نہیں ہے، جیسا کہ عتابی میں ہے۔ (ت)

پس حنفیہ کی طرف حلت جغد کی نسبت ایک دھوکا ہے کہ اشتراک لفظ بوم سے پیدا ہوا،

---

[1] حیاۃ الحیوان باب الباء الموحدۃ (البوم) مصطفی البابی مصر ۱/۲۲۶
[2] جامع الرموز بحوالہ العتابی کتاب الذبائح مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/۳۴۹

وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: از اوجین مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

مولنٰنا صاحب مجمع فضائل ومنبع فواضل فرید العصر، وحید الزماں، مخدومی مکرمی دام افضالکم

بعد تمہید مراسم فدویت وآرزوئے حصول سعادت مواصلت کہ عمدۂ مقاصد ہر دو جہاں ہے التماس پرداز ہے کہ حضرت نے حرمت بوم کے باب میں جو فتوٰی ارسال فرمایا اس میں یہ عبارت مرقوم ہے وہ سمجھ میں نہ آئی کہ جن کتابوں میں ذکر اکل ہے ان میں بوم سے مراد اُلو نہیں بلکہ وہ پرندۂ شب مقصود ہے جو پنجۂ شکاری نہیں رکھتا جیسے چمگادڑ وغیرہ، یہ معنی عتابی کی تصریح سے ثابت ہیں،

لاباس بمالیس بذی مخلب کالبوم[1] الخ۔ جو پرندہ پنجے والا نہ ہو اس کے کھانے میں حرج نہیں ہے جیسا کہ بوم ہے الخ (ت)

توکیا چمگادڑ اور باگل بھی حلال ہے؟ جواب بالتشریح بیان فرمائیے، زیادہ نیاز۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

چمگادڑ چھوٹا ہو یا بڑا جسے ان دیار میں باگل کہتے ہیں، اس کی حلت حرمت ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی میں مختلف فیہ ہے، بعض اکابر نے اس کے کھانے سے ممانعت فرمائی ہے، اس وجہ سے کہ وہ ذی ناب ہے، مگر قواعد حنفیہ کے موافق وہی قول حلت ہے، مطلقاً دانت موجب حرمت نہیں بلکہ وہ دانت جن سے جانور شکار کرتا ہو، ظاہر ہے کہ چمگادڑ پرند شکاری نہیں، ولہذا درمختار میں قول حرمت کی تضعیف فرمائی۔ ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

اما الخفاش فقد ذکر فی بعض المواضع انہ یؤکل وفی بعض المواضع انہ لایؤکل لان لہ نابا[2] اھ ورأیتنی کتبت علی ھامشہ مانصہ فیہ انہ لایصید بنابہ، ولا یصول ولیس کل مالہ ناب حراما۔

چمگادڑ کے متعلق بعض مواضع میں ذکر ہے کہ کھایا جائے اور بعض مواضع میں ہے کہ نہ کھایا جائے کیونکہ اس کے کیلے ہوتے ہیں اھ۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ اپنے کیلے سے شکار نہیں کرتا اور نہ ہی یہ حملہ آور ہوتا ہے اور ہر کیلے والا حرام نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] جامع الرموز بحوالہ العتابی کتاب الذبائح مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

برجندی میں ہے :

ذکر فی المحیط ان فی الخفاش اختلاف العلماء اھ[1]۔ محیط میں مذکور ہے کہ چمگادڑ میں علماء کا اختلاف ہے اھ (ت)

درمختار میں ہے :

وقیل الخفاش لانہ ذو ناب[2]۔ بعض نے کہا چمگادڑ حرام ہے کیونکہ یہ کیلے والا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

قال الاتقانی وفیہ نظر لان کل ذی ناب لیس بمنھی عنہ اذا کان لایصطاد بنابہ اھ[3]۔ اتقانی نے کہا ہے اور اس میں اعتراض ہے کیونکہ ہر کیلے والا حرام نہیں ہے جبکہ وُہ اپنے کیلے سے شکار نہ کرتا ہو اھ (ت)

برجندی میں ہے :

المراد الناب الذی ھو سلاح و ذو الناب الحیوان الذی ینھب بالناب[4] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ ناب (کیلے) سے مراد وُہ ہے جو ہتھیار بنے، اور کیلے والا جانور وُہ ہے جو کیلے کے ساتھ حملہ آور ہو، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۵۵: از درو تحصیل کچھا ضلع نینی تال مرسلہ عبدالعزیز خاں ۴ ارجب ۱۳۱۵ھ

جو کوا کہ دانہ کھاتا ہے اور رنگ میں بالکل سیاہ ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اور جو کوا کہ دانہ اور نجاست دونوں کھاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

دانہ خور کوا کہ صرف دانہ کھاتا اور نجاست کے پاس نہیں جاتا جسے غرابِ زرع یعنی کھیتی کا کوا کہتے ہیں، چھوٹا سا سیاہ رنگ ہوتا ہے اور چونچ اور پنجے غالباً سرخ، وہ بالاتفاق جائز ہے، اور مردار خوار کوا جسے غرابِ البقع بھی کہتے ہیں کہ اس کے رنگ میں سپیدی بھی سیاہی کے ساتھ ہوتی ہے، بالاتفاق ناجائز ہے،

---

[1] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۲/ ۱۹۳
[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹
[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۴
[4] شرح النقایۃ للبرجندی " نولکشور لکھنؤ ۲/ ۱۹۳

اور اسی حکم میں پہاڑی کوا بھی داخل کہ بڑا اور یک رنگ سیاہ ہوتا اور موسم گرما میں آتا ہے، اور غلط کرنیوالا جسے عقعق کہتے ہیں کہ اُس کے بولنے میں یہی آواز عق عق پیدا ہوتی ہے، اس میں اختلاف ہے، اور اصح حل مگر کراہت تنزیہہ میں کلام نہیں،

هذا خلاصة ما فی الدر المختار ورد المحتار[1] والمقام بعد یحتاج الی زیادۃ تحریر وضبط وتقریر لعل اللہ ییسرہ فی تحریر اٰخر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ درمختار اور ردالمحتار میں بیان شدہ کا خلاصہ ہے جبکہ یہ مقام ابھی زیادہ تحریر وضبط اور تقریر کا محتاج ہے، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالٰی کسی اور تحریر میں اس کو آسان کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۶: مسئولہ مولوی محمد ایوب صاحب سنبھلی مراد آبادی ۳ رجمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کوا حرام ہے یا نہیں؟ اتو حرام ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ کوّے کہ ہمارے دیار میں پائے جاتے ہیں سب حرام ہیں، اتو حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۷: از شاہجہانپور، ڈاکخانہ نادر شاہیان، مقام میران پور، یعقوب شاہ خان

بروز یکشنبہ ۱۸ ر ۱۳۲۴ھ

جناب قبلہ دام اقبالہ، بعد سلام علیکم عرض ہے کہ بیلو کے انڈے اور گوشت اور پالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سب جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے کی حلت کا حکم کس وقت سے جاری ہوا، اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی اس کا گوشت تناول فرمایا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

گائے کی حلت شریعت قدیمہ ہے، اللہ عزوجل قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

هل اتٰك حديث ضيف ابراهيم المكرمين ○ اذ دخلوا عليه فقالوا

یعنی کیا آئی تیرے پاس خبر ابراہیم کے عزت دار مہمانوں کی، جب وہ اس کے پاس آئے بولے

---

[1] ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۵

سلٰما قال سلٰم قوم منکرون ۵ فراغ الی اھلہ فجاء بعجل سمین[1] دوسری جگہ فرمایا: بعجل حنیذ[2]

سلام، کہا سلام انجانے لوگ ہیں پھر جلدی کرتا اپنے گھر گیا، سو ان کے کھانے کو لے آیا ایک فربہ بچھڑا بُھنا ہوا۔

احادیث سے ثابت ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے قربانی کی، اور قربانی کا گوشت کھانے کا حکم فرماتے، مگر خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تناول فرمایا یا نہیں، اس بارے میں کوئی تصریح حدیث میں اس وقت پیش نظر نہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۵۹: از شہر بریلی محلہ قاضی ٹولہ شہر کہنہ مرسلہ محمد عمران صاحب ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گوشت گائے کا کھایا یا نہیں؟

الجواب

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گائے کی قربانی فرمائی اور اس کے کھانے کھلانے کا حکم فرمایا خود بھی ملاحظہ فرمایا یا نہیں، اس کا ثبوت نہیں۔ دنیا کی ہزاروں نعمتیں ہیں کہ حضور نے قصدًا تناول نہ فرمائیں؛ گوشت گاؤ کی مذمت میں جو حدیث ذکر کی جاتی ہے صحیح نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۰ و ۱۶۱: مسئولہ معرفت سیٹھ آدم جی گونڈل کاٹھیاوار ہاشم بیگ شنبہ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) کبوتر کے کھانے میں کسی قسم کی کراہت ہے؟

(۲) عقیقہ کا گوشت ماں باپ کھائیں یا نہ؟

الجواب

(۱) کچھ نہیں۔

ع: حدیث مسلم کتاب الزکٰوۃ کہ بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے گوشت گاؤ صدقہ میں آیا، وہ حضور کے پاس لایا گیا اور حضور سے عرض کیا گیا کہ یہ صدقہ ہے کہ بریرہ کو آیا، فرمایا اس کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ[3]۔ اس سے بظاہر تناول فرمانا معلوم ہوتا ہے ۱۲ حجۃ الاسلام حامد رضا رضی اللہ عنہ

---

[1] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۴ تا ۲۶ [2] القرآن الکریم ۱۱/ ۶۹

[3] صحیح مسلم کتاب الزکٰوۃ باب اباحۃ الھدیۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۵

21
21

(۲) کھائیں، اس کا حکم مثل قربانی ہے۔ تین حصے مستحب ہیں، ایک اپنا، ایک عزیزوں قریبوں کا، ایک مسکینوں کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۶۲ مرسلہ محمد حکیم الدین از ضلع پورینہ موضع چوپڑا ۲ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ خرگوش پنجہ والا ناخن دار مگر شتر کی مانند ہے اور ہر چند میں حیض مثل عورتوں کے ہوتی ہے، اس کا کھانا حلال ہے یا حرام ؟ لہٰذا بعض علماء کی زبانی سُنا گیا ہے کہ خرگوش پنجہ والا ناخن دار حرام ہے جو خرگوش کہ حلال ہوتا ہے اس کے کُھر ہوتا ہے مانند بکری و بیل وغیرہ کے، جنابِ والا! اس پر بھی ہم کو اطمینان کُلی نہیں ہوتا ہے، اس لئے بخدمت فیضدرجت یہ کمترین بطور عریضہ ہذا روانہ کرتا ہے ضرور بالضرور جواب سے اس ذرہ بمقدار کو آفتاب درخشاں فرمائیں گے۔ زیادہ والسلام

الجواب

خرگوش ضرور حلال ہے، اسے حرام جاننا رافضیوں کا مذہب ہے، خرگوش کے پنجے ہی ہوتے ہیں، کُھر والا خرگوش دنیا کے پردہ پر کہیں نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۶۳ و ۱۶۴ مرسلہ مولوی حافظ مصاحب علی صاحب از مقام جاورہ مورخہ یکم رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں :

(۱) بعض کفار جو کہ گوشت خور نہیں ہیں تالاب یا ندی سے مچھلیاں پکڑوا کر دیگر تالاب یا ندی محفوظ میں ڈلوا دیں اس غرض سے کہ مسلمان مچھلیاں پکڑوا کر نہ کھا سکیں، تو کیا ایسے تالاب یا ندی سے مسلمانوں کو مچھلیاں پکڑوا کر کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) زید، بکر، عمرو، خالد نے مل کر ایک کمپنی قائم کر کے ایک کارخانہ جاری کیا اور عام طور پر اعلان کر دیا کہ جس کا دل چاہے اس کارخانہ میں شریک ہو جائے، فی حصہ ایک صد روپیہ قرار پایا ہے جو شخص جس قدر حصے خریدنا چاہے اُسی قدر روپیہ کا منافع دیا جائے گا، اور اگر کارخانہ میں نقصان و نفع ہوگا تو حصّہ کے تناسب سے نقصان کا زیربار ہونا پڑے گا، خریدار حصہ سے خواہ ایک حصہ خریدے یا دس حصہ تین مرتبہ کر کے روپیہ کمپنی میں وصول کیا جائے گا، کارخانہ کو اختیار ہے جو کام چاہے جاری کرے، کسی خریدار حصّہ کو امور کارخانہ میں و اہل کارخانہ یعنی منیجر وغیرہ کے امور میں دخل اندازی کا اختیار نہ ہوگا، خریدار کو صرف نفع یا نقصان سے غرض ہے، اور خریدار حصہ اپنے خرید شدہ کو نفع یا نقصان سے فروخت کرنے کا مجاز ہوگا۔ پس سوال یہ ہے کہ ایسے کارخانہ میں شرکت اور اس کے بعد خرید و فروخت مذکور جائز ہے یا نہیں ؟ نیز یہ خرید و فروخت کس بیع میں داخل ہے ؟

الجواب

(۱) مچھلیاں پکڑنے سے ملک ہوجاتی ہے اور دوسرے دریا میں چھوڑنے سے ملک سے خارج نہیں ہوتیں، نہ دوسرے کو ان کا لینا جائز ہوتا ہے، مسلم ہو یا کافر، جب تک چھوڑنے والے نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ اس کی ہیں جو اُن کو لے، تو ملک غیر ہونے کے سبب سے اُن میں ممانعت آئے گی، مگر ازانجا کہ یہ کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن، نہ اُن سے اس بارہ میں کوئی معاہدہ ہے، لہٰذا اب بھی وہ مچھلیاں حکماً ایسی ہی ہیں جیسی پکڑنے سے قبل تھیں، ان کا ارادہ فاسد اُن پر رَد کیا جائے گا اور مسلم کافر جو کوئی پکڑے اس کے لئے مباح ہوں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اگر وہ تجارت بروجہ شرعی ہو عقود فاسدہ یا ربا کو دخل نہ ہو تو اس میں شرکت جائز مگر اپنے روپیہ کا حصہ دوسرے کے ہاتھ بیچنا اور اس کا خریدنا دونوں حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۶۵ از کلکتہ ایجنسی مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کے ہاتھ کا ذبح ناجائز ہے، جیسے کہ ہنود اُس کے ہاتھ کی پکڑی مچھلی کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے، اگرچہ اس کے ہاتھ میں مرگئی یا اس نے مار ڈالی ہو کہ مچھلی میں ذبح شرط نہیں جس میں مسلمان یا کتابی ہونا ضرور ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۶۶ تا ۱۶۷ از بنگالہ ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اُس حیوان کے بارے میں جو کہ عجائب المخلوقات میں بایں طور بیان کیا گیا ہے:

ومنها سمكة مدورة ذنبها اطول من ثلثة اذرع وعلى وسط ذنبها شوكة معقفة شبه كلاب وهي سلاحها تضرب بها وهي نمراء بياضها في غاية البياض ونقط سوادها في غاية السواد ولها منخران على ظهرها وفم على بطنها وفرج كفرج النساء[1] انتهى۔

ان میں سے ایک مچھلی گول قسم جس کی دُم تین ہاتھ لمبی ہے اور اس کی دُم کے درمیان میں کنڈے کے مشابہ ایک ٹیڑھا کانٹا ہے وہ اس کا ہتھیار ہے، وہ مچھلی نہایت سفید ہے جس پر گہرے سیاہ رنگ کے نقطے ہوتے ہیں اس کے نتھنے اس کی پیٹھ پر اور اس کا منہ پیٹ پر اس کی شرمگاہ عورتوں کی شرمگاہ کی طرح ہوتی ہے انتہی (ت)

---

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات بحر فارس المقالۃ الثانیۃ مصطفی البابی مصر ص ۸۸

اگر یہ مچھلی ہو تو اسں کو عربی میں کیا کہتے ہیں اور فارسی میں اس کا کیا نام ہے اور ہندی میں اس کا اسم مخصوص کیا ہے، بحوالہ کتاب تحریر فرمائیے۔

(۲) اور جریث کو اہلِ ہند کیا کہتے ہیں، اور وہ کون سی مچھلی ہے اس کی عوارضات مختص بہا کو بوضاحت بیان فرمائیے۔ غایۃ الاوطار میں لکھا ہے کہ جریث کو بعض اہلِ ہند سجگی کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے، اگر غلط ہے تو پھر سجگی کیا شَے ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ مچھلی کہ عجائب المخلوقات میں ذکر کی اگر اس کا وجود ہر دو عالم مثالی وخیالی سے باہر ثابت ہو تو ان نوادر سے ہے جو بہ مرورِ دہور کبھی کسی سیاح کی نظر پڑے اور عامۂ ناس ان کے رسم واسم سے آگاہ نہیں، وما یعلم جنود ربك الاھو[1] (اور تمھارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ت) علامہ قزوینی کو خود اس کا نام معلوم ہوتا تو لکھتے، وہ خود اس کے عجائب دہر سے ہونے کے معترف ہیں، عبارت مذکورہ سوال کے بعد کہا والبحر لا تحصی عجائبہ[2] (سمندر کے عجائبات بے شمار ہیں۔ ت) اسے جریث گمان کرنا صحیح نہیں، جریث ایک کثیر الوجود مچھلی سواحل پر ارزانی سے بکنے والی ہے، محرر المذہب سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مبسوط میں روایت فرماتے ہیں:

عن عمرو بن شوذب عن عمرۃ بنت ابی طبیخۃ قالت خرجت مع ولیدۃ لنا فاشترینا جریثۃ بقفیز حنطۃ فوضعناھا فی زنبیل فخرج راسھا من جانب و ذنبھا من جانب فمربنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال بکم اخذت قالت فاخبرتہ فقال ما اطیبہ وارخصہ واوسعہ للعیال[3]

یعنی عمرہ بنت ابی طبیخہ نے کہا میں اپنی کنیز کے ساتھ جاکر ایک جریث ایک قفیز گیہوں کو خرید کر لائی جو زنبیل میں سمائی، ایک طرف سے سر نکلا رہا ایک طرف سے دُم، اتنے میں مولا علی کرم اللہ وجہہ کا گزر ہُوا، فرمایا: کتنے کو لی؟ میں نے قیمت عرض کی۔ فرمایا: کیا پاکیزہ چیز ہے اور کتنی ارزاں، اور متعلقین پر کتنی وسعت والی۔

ولہذا علامہ قزوینی نے اسے عجائب میں ذکر نہ کیا البتہ جرّی کا نام لیا اور اسے مارماہی سے تفسیر کیا کہ

---

[1] القرآن الکریم ۷۴/ ۳۱

[2] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات بحر فارس المقالۃ الثانیۃ فصل فی عجائبہ مصطفی البابی مصر ص ۸۸

[3] المبسوط للامام محمد رحمۃ اللہ علیہ

بزعمِ بعض وہی جریث ہے، اس تقدیر پر خود انھوں نے اس نادر مچھلی اور جریث میں فرق کیا، اُسے عجائب بحرِ فارس اور اِسے عجائبِ ہند میں لکھا اس کی وسطِ دُم پر کانٹا بتایا تھا اور جری کی پیٹھ پر ایک چیز مثلِ عمود لکھی، اور وہ منخرین وفم وفرج کا ذکر یہاں نہ کیا،

حیث قال منہا (ای من عجائب بحر الہند) سمکۃ مدورۃ یقال لہا مارماھی علی ظہرہا شبہ عمود محدد الراس لاتقوم لہا فی البحر سمکۃ الاتضربہا بذلک العمود و تقتلہا[1]

جہاں انھوں نے فرمایا کہ ہندوستان کے سمندر کے عجائبات میں سے ایک گول مچھلی ہے جس کو مارماہی کہا جاتا ہے اس کی پیٹھ پر عمود کی شکل محدد سر والا کانٹا ہوتا ہے، سمندر میں جو مچھلی اس کی زد میں آئے اس کو وہ اپنے مدور کانٹے سے ہلاک کر دیتی ہے۔ (ت)

اور تحقیق یہ ہے کہ یہ دوسری مچھلی بھی نہ مارماہی ہے نہ مارماہی جریث مارماہی گول نہیں بلکہ لمبی بالکل سانپ کی شکل پر ہوتی ہے، عربی میں اسے جِرّی بکسرِ جیم وتشدید را، اور جَرّی بالفتح اور جِرّیت بتائے فوقانیہ بروزن جِرّیث اور صِلّور و سِلّور اور اَنقَلِیس و اَنکَلِیس بفتحِ ہمزہ ولام ہر دو واِنقلیس واِنکلیس بکسر ہر دو اور فارسی میں مارماہی اور ہندی میں بام کہتے ہیں۔ جاحظ نے کہا وہ پانی کا سانپ ہے یعنی صورۃً نہ کہ حقیقۃً، بعض نے کہا وہ سانپ اور مچھلی کے جوڑے سے پیدا ہے، قزوینی نے اسی پر جزم کیا، اور صحیح یہ کہ یہ بھی بے ثبوت ہے بلکہ وہ سانپ سے جُدا ایک خاص نوعِ ماہی ہے، اہلِ فن نے ان اسمائے مذکورہ اعنی جری و صلور و انقلیس میں بہت اختلاف کیا، بہت نے انھیں مارماہی کا غیر جانا، کسی نے کہا جری بے سِنّے کی مچھلی کو کہتے ہیں، کسی نے کہا ایک قسم ماہی ہے جس کے سر و دُم باریک اور پشت چوڑی ہوتی ہے، کسی نے کہا انکلیس چھوٹی مچھلی کی شکل پر ایک جانور ہے جس کی دُم کے پاس مینڈک کے پاؤں کے مثل دو پاؤں ہوتے ہیں اور ہاتھ نہیں ہوتے، بصرہ کی نہروں میں پایا جاتا ہے، بعض نے کہا بحرین کی مچھلی ہے، اُس جانور کو شِلق بالکسر یا شَلق مثلِ کشف کہتے ہیں۔ کسی نے کہا شلق بھی انکلیس اور انکلیس جریث ہے۔ کسی نے کہا انکلیس مارماہی اور صلور جریث ہے، بہرحال اس قدر میں شک نہیں کہ مارماہی ایک معروف مشہور مچھلی مستطیل الخلقۃ مشابہ مار ہے نہ کہ مدوّر۔ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری زیرِ حدیث؛

قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما طعامہ میتۃ الاماقدرت منہا والجری

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ اس کی خوراک میتہ ہے مگر کچھ بھون لی جاتی ہے اور جری

---

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات بحر الہند فصل فی جزائر ھذا البحر مصطفی البابی مصر ص ۸۴

لا تاکلہ الیھود ونحن ناکلہ فرمایا :

الجرّی بکسر الجیم والرّاء والتحتیۃ المشددتین وبفتح الجیم، والجریث بمثناۃ فوقیۃ بعد التحتیۃ ضرب من السمک یشبہ الحیات وقیل سمک لاقشر لہ، وقیل نوع عریض الوسط دقیق الطرفین[1]

کو یہودی نہیں کھاتے اور ہم کھاتے ہیں، اور آپ نے فرمایا: جِرّی جیم اور راء کے کسرہ اور دو مشدد یاء اور جیم کے فتح کے ساتھ پڑھا جائے۔ اور جریث، آخر میں ثاء سے پہلے یاء ہے، اور یہ مچھلی سانپ کی طرح ہوتی ہے۔ اور بعض نے کہا اس پر چھلکا نہیں ہوتا، اور بعض نے بتایا کہ درمیان سے چوڑی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے۔ (ت)

مجمع بحار الانوار میں علامہ زرکشی سے ہے :

الجرّی بکسر جیم وراء مشددۃ وتشدید یاء ضرب من السمک یشبہ الحیات وقیل نوع غلیظ الوسط رقیق الطرفین، وقیل مالا قشر لہ[2]

جِرّی جیم اور راء کے کسرہ اور شد کے ساتھ اور آخر میں مشدد یاء ہے یعنی مار ماہی جو سانپ کے مشابہ ہوتی ہے، بعض نے کہا درمیان سے موٹی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے، اور بعض نے کہا اس پر چھلکا نہیں ہوتا (ت)

اسی میں ہے :

لا تاکلوا الانکلیس بفتح ھمزۃ وکسرھا سمک شبیہ بالحیات (ای مارماھی) والانقلیس لغۃ، وکرہ لرداءۃ غذائہ لا لانہ حرام[3]

الانکلیس بفتح ہمزہ یا کسرہ ہے، کو مت کھاؤ، یہ سانپ کی مانند ایک مچھلی ہے یعنی مارماہی، ایک لغت میں الانقلیس کہا جاتا ہے، اس کو کھانا اس لئے مکروہ ہے کہ اس کی غذا ردی ہے، اس لئے نہیں کہ وہ حرام ہے۔ (ت)

اسی میں ہے :

---

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید والتسمیۃ باب قول اللہ تعالٰی اُحل لکم صید البحر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۵
ارشاد الساری شرح صحیح البخاری " " " " دار الکتاب العربی بیروت ۸/ ۲۶۷

[2] مجمع بحار الانوار باب الجیم مع الراء تحت "الجری" مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ ۱/ ۳۵۰

[3] " باب الہمزہ مع النون تحت "انکلس" " " " " ۱/ ۱۲۵

لا تاکلوا الصلور والانقلیس هما الجری والمارماهی نوعان من السمك کالحیة [1]

صلور اور انقلیس کو نہ کھاؤ، اور ان کا نام جری اور مارماہی ہے، یہ دونوں سانپ کے مشابہ مچھلیاں ہیں۔ (ت)

قاموس میں ہے:

الصلور کسنور الجری فارسیتہ المارماهی [2]

صلور، سنور کے ہم وزن ہے اس کا نام جری، اور فارسی میں مارماہی کہتے ہیں (ت)

تاج العروس میں ہے:

وھو السمك الذی یکون علی ھیأۃ الحیات و منہ حدیث عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ لا تاکلوا الصلور ولا الانقلیس [3]

یہ سانپ شکل کی مچھلی ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی کے متعلق فرمایا: صلور اور انقلیس کو نہ کھاؤ۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال احمد بن الحریش قال النضر الصلور الجریث و الانقلیس مارماھی [4]

احمد بن حریش نے کہا کہ نضر نے کہا کہ صلور وہ جریث ہے اور انقلیس وہ مارماہی ہے (ت)

انھیں دونوں میں ہے:

(الانقلیس) الصلور الجری قال اللیث ھی (سمکۃ کالحیۃ) وقال غیرہ الجریث کالنکلیس وھو قول ابن الاعرابی [5]

"الانقلیس" صلور، جری ہے۔ لیث نے کہا یہ مارماہی ہے یعنی سانپ کی طرح مچھلی ہے اور ان کے غیر نے کہا "جریث" انکلیس کی طرح ہے اور یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔ (ت)

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الصاد مع اللام تحت "صلور" مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۳/ ۳۴۷

[2] القاموس المحیط فصل الصاد باب الزاء تحت "الصلور" مصطفی البابی مصر ۲/ ۷۴

[3] تاج العروس " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۰

[4] " فصل الجیم من باب الثاء تحت "الجریث" " " " ۱/ ۶۰۹

[5] " فصل القاف من باب السین " " " ۴/ ۲۲۱

حیاۃ الحیوان الکبرٰی میں ہے :

الاَنکلیس بفتح الھمزۃ واللام وکسرھما معاسمك شبیہ بالحیات ردیئ الغذاء ، و ھوالذی یسمی الجری والمارماھی ، وقال الزمخشری قیل انہ الشلق وقال ابن سیدہ ھوعلی ھیأۃ السمك صغیرلہ رجلان عند ذنبہ کرجلی الصفدع ولا یدان لہ ، یکون فی انھار البصرۃ ، ولیس لفظہ عربیا[1] ملخصًا۔

" انکلیس" ہمزہ اور لام پر فتح اور کسرہ بھی ، یہ سانپ شکل کی مچھلی ہے جس کی غذا ردی ہے اس کا نام جری اور مار ماہی ہے ۔ زمخشری نے کہا کہ بعض نے شلق کہا ہے ، ابن سیدہ نے کہا یہ عام مچھلی کی طرح ہوتی ہے اور ضفدع (مینڈک) کے پاؤں کی طرح اس کی دم کے نیچے دو پاؤں ہوتے ہیں اور اس کے اگلے پاؤں نہیں ہوتے ، بصرہ کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے اور عربی میں اس کا نام نہیں ہے اھ ملخصًا (ت)

قاموس و تاج میں ہے :

(الشِّلق بالکسر اوککتف سمکۃ صغیرۃ) او علی خلقۃ السمکۃ لھارجلان عند الذنب کرجلی الضفدع لایدان لھا ، تکون فی انھار البصرۃ ، وقیل ھی من سمك البحرین ولیست بعربیۃ (او) ھی (الانکلیس) من السمك وھوالجری والجریث عن ابن الاعرابی[2]

شِلق کسرہ کے ساتھ "یا کَتِف" کے وزن پر ہے ، یہ چھوٹی مچھلی ہے یا مچھلی کے مشابہ مخلوق ہے ، اس کی دُم کے نیچے مینڈک کے پاؤں کی طرح پاؤں ہوتے ہیں اور اس کے اگلے پاؤں نہیں ہوتے ، اور یہ بصرہ کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے ، بعض نے کہا کہ یہ بحری مچھلی ہے ، اور عربی میں اس کا نام نہیں ہے ، یا یہ انکلیس ہے جو مچھلی کی قسم ہے ، اور اس کو جرّی کہتے ہیں اور جریث بھی ، یہ ابن اعرابی سے منقول ہے ۔ (ت)

عجائب قزوینی بیان حیوانات بحر میں ہے :

جری ھوالذی یقال لہ مارما ھی متولد

جرّی جس کو مار ماہی کہتے ہیں یہ نسل مچھلی اور سانپ

---

[1] حیاۃ الحیوان باب الھمزۃ الانکلیس مصطفی البابی مصر ۱/۶۴

[2] القاموس المحیط فصل الشین من باب القاف " " " ۳/۲۵۹

تاج العروس " " " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/۳۹۹

من الحیة والسمك ، قال الجاحظ انه یاکل الجردان[1]

سے پیدا ہوتی ہے۔ جاحظ نے کہا ہے کہ یہ جردان کھاتی ہے۔ (ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے :

ما قیل ان المارماھی متولد من الحیة لیس بواقع بل ھو جنس شبیه بها صورة[2]۔

جو یہ بتایا گیا کہ مارماہی کی نسل سانپ اور مچھلی سے پیدا ہے، ایسا واقع نہیں ہے بلکہ وہ مچھلی کی جنس ہے جو صورت میں سانپ کے مشابہ ہے۔ (ت)

جس طرح ان اسامی میں اختلافات ہوئے یونہی ایک جماعت نے جریث بھی مارماہی کا نام جانا، اور اُسے وہی مچھلی مشابہ مار مانا۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے :

الجری قال عیاض ھو من السمك ما لا قشر له وقال ابن التین ویقال له ایضا الجریث وقال الازھری الجریث نوع من السمك یشبه الحیات ویقال له ایضا المارماھی والسلور وقیل سمك عریض الوسط دقیق الطرفین[3] اھ مختصرا۔

جرّی کے متعلق عیاض نے کہا وہ مچھلی ہے جس پر چھلکا نہیں ہے۔ اور ابن تین نے کہا اس کو جریث بھی کہتے ہیں۔ اور ازھری نے کہا جریث مچھلی قسم ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کو مارماہی بھی کہتے ہیں اور سلور بھی۔ بعض نے کہا یہ درمیان سے چوڑی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے اھ مختصراً۔ (ت)

مجمع البحار میں ہے :

الجری قیل ھو الجریث المارماھی[4] اھ ملخصا۔

جرّی کے متعلق کہا گیا کہ جریث مارماہی ہے اھ ملخصاً (ت)

اسی میں نہایہ سے ہے :

فی ح علی رضی اللہ تعالٰی عنه انه قال

ح میں لکھا کہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ

---

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات المقالۃ الثانیۃ القول فی حیوان الماء مصطفی البابی مصر ص ۹۷

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الذبائح فصل فیما یحل اکلہ ولا یحل دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۱۴

[3] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب قول اللہ تعالٰی احل لکم صید البحر ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۰۵

[4] مجمع بحار الانوار باب الجیم مع الراء تحت "الجری" مکتبۃ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۳۵۰

الجریث ھو نوع من السمك یشبه الحیات ای المارماھی[1]

جریث مچھلی کی قسم جو سانپ کے مشابہ ہے۔ یعنی مارماہی۔ (ت)

تاج العروس میں ہے:

(الجریث کسکیت سمك) معروف ویقال لہ الجری وھو نوع من السمك یشبہ الحیات، ویقال لہ بالفارسیۃ المار ماھی[2] اھ ملتقطا۔

جریث بروزن سکیت معروف مچھلی ہے، اس کو جرّی کہا جاتا ہے اور مچھلی کی قسم سانپ کے مشابہ ہے اس کو فارسی میں مار ماہی کہتے ہیں اھ ملتقطا۔ (ت)

حیاۃ الحیوان میں ہے:

الجریث ھو ھذا السمك الذی یشبہ الثعبان وجمعہ جراثی ویقال لہ ایضا الجری بالکسر والتشدید وھو نوع من السمك یشبہ الحیۃ، ویسمی بالفارسیۃ مارماھی، وقد تقدم فی الھمزۃ انہ الانکلیس، قال الجاحظ انہ یاکل الجردان وھو حیۃ الماء وحکمہ الحل[3] اھ باختصار۔

جریث یہ مچھلی ہے جو سانپ کے مشابہ ہے، اس کی جمع جراثی ہے، اس کو جرّی بھی کہتے ہیں کسرہ اور شد کے ساتھ، وہ مچھلی ہے جو سانپ کے مشابہ ہے، اس کو فارسی میں مارماہی کہتے ہیں، اور ہمزہ کی بحث میں گزرا کہ یہ انکلیس ہے، جاحظ نے کہا یہ جرذان کھاتی ہے اور یہ پانی کا سانپ ہے اس کا یہ حکم ہے کہ وہ حلال ہے اھ باختصار (ت)

مگر فقہائے کرام جسے جریث کہتے ہیں وہ یقیناً مارماہی کے سوا دوسری مچھلی ہے کہ متون وشروح و فتاوٰی میں تصریحاً دونوں کا نام جدا جدا ذکر فرمایا، لاجرم مُغرِب میں کہا، ھو غیر المارماھی[4] (وہ مارماہی کا غیر ہے۔ ت)، علامہ ابن کمال باشا اصلاح وایضاح میں فرماتے ہیں:

(والجریث والمارماھی) الجریث نوع من السمك غیر المارماھی ذکرہ فی المُغرِب، وانما افردھما بالذکر لمکان الخفاء فی کونھما

(جریث اور مارماہی) جریث مچھلی کی قسم ہے جو مارماہی کا غیر ہے، یہ مُغرِب میں مذکور ہے، ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا کہ ان کے مچھلی ہونے میں خفا ہے

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الجیم مع الراء تحت "جرث" مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۳۳۸-۳۳۹

[2] تاج العروس فصل جیم من باب الثاء تحت "الجریث" دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۹

[3] حیاۃ الحیوان باب الجیم الجریث مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۴

[4] المُغرِب

من جنس السمك، ولکن الخلاف فیهما لمحمد، ذکرہ صاحب المُغرب[1]

نیزان کے حکم میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا اختلاف ہے، اس کو صاحبِ مُغرب نے بیان کیا ہے (ت)

حاشیۃ الکمثری علی الانوار میں ہے:

الجریث نوع من السمك غیر مارماھی[2]

جریث مچھلی کی قسم ہے جو مارماہی کا غیر ہے (ت)

یہ ایک سیاہ رنگ گول مچھلی ڈھال کی مانند ہے اسے فارسی میں ماہی کول کہتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

(الجریث) سمك اسود (والمارماھی) سمك فی صورۃ الحیۃ وافردھا بالذکر للخفاء، وخلاف محمد[3]

(جریث) سیاہ رنگ کی مچھلی ہے (مارماہی) یہ سانپ شکل کی مچھلی ہے، ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا ہے ان کے مچھلی ہونے میں خفاء ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف بھی ہے (ت)

عمدۃ القاری میں بعد عبارت مذکورہ ونقل اقوال مسطورہ ہے: قلت الجریث سمك اسود[4] (میں کہتا ہوں "جریث" سیاہ رنگ مچھلی ہے۔ ت)، فتح اللہ المعین حاشیۃ الکنز للعلامۃ الازہری میں ہے:

الجریث سمکۃ سوداء قالہ العینی وقال الوافی الجِرِّیث بکسر الجیم والراء وتشدیدھا نوع من السمك مدورکالترس[5]

جریث سیاہ رنگ مچھلی ہے، یہ علامہ عینی نے فرمایا ہے، جبکہ وافی نے کہا کہ جریث را اور جیم کے کسرہ اور شد کے ساتھ، مچھلی کی قسم ہے جو ڈھال کی طرح گول ہوتی ہے۔ (ت)

اسی طرح طحطاوی وشامی وغیرہما میں ہے۔

عازیہ لابی السعود وزل قلم العلامۃ ط فجعلہ عنہ عن العینی وانما ذلك صدر الکلام فقط، اما الاخیر

انھوں نے اس کو ابوسعود کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ علامہ طحطاوی کا قلم پھسلا ہے تو انھوں نے اس کو ابوسعود سے علامہ عینی سے منقول بتایا ہے، یہ

---

[1] اصلاح وایضاح علامہ ابن کمال باشا

[2] حاشیۃ الکمثری علی انوار الاعمال

[3] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹

[4] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب قول اللہ تعالٰی احل لکم صید البحر ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۰۵

[5] فتح المعین کتاب الذبائح فصل فیما یحل وفیما لایحل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۰۴

فعن الواقی کما اسمعناك نصه۔

ابتدائے کلام میں ہے اور آخر میں واقی سے منقول بتایا جس کو ہم نے ذکر کردیا ہے (ت)

ذخیرۃ العقبٰی میں ہے: یقال له بالفارسیة ماھی کول[1] (اسے فارسی میں ماہی کول کہا جاتا ہے۔ ت)

سچگی میری زبان کا لفظ نہیں، غایۃ الاوطار والے دونوں مترجم دہقانی تھے، دیہاتیوں کی زبان دیہاتی جانیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۶۰: ازبریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲ رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفر اللہ لکم فی ھذہ المسئلة افیدونا یرحمکم اللہ خوردن ماہی بسیار کوچک بحاشیۂ مالابدمنہ مکروہ تحریمی نوشتہ است؟

اس مسئلہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے ہمیں مطلع فرمائیں اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے کہ مالابدمنہ میں نہایت چھوٹی مچھلی کو کھانا مکروہ تحریمی لکھا ہے؟

الجواب

ماہی ریزہ کہ شایان شق جوف نباشد وہمچناں شکم چاک ناکردہ بریاں کنندش، نزد امام شافعی حرام ست ونزد سائر ائمہ حلال رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کما نص علیه فی معراج الدرایة، ثم ردالمحتار، ونصه لو وجدت سمکة فی حوصلة طائر تؤکل، وعند الشافعی لا تؤکل لانه کالرجیع ورجیع الطائر عندہ نجس، وقلنا انما یعتبر رجیعا اذا تغیر، وفی السمك الصغار التی التی تقلی من غیر ان یشق جوفه، فقال اصحابه لایحل اکله، لان رجیعه

باریک ریزہ کی طرح مچھلی جس کا پیٹ چاک نہیں ہوسکتا اور یوں بے چاک بھون کر کھائی جاتی ہے یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک حرام ہے اور باقی ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے (رحمہم اللہ تعالٰی) جیسا کہ معراج الدرایہ میں تصریح ہے، اور پھر ردالمحتار میں یوں فرمایا کہ اگر پرندے کے گھونسلہ میں مچھلی پائی جائے تو وہ کھائی جائے، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں کھانا جائز نہیں کیونکہ وہ پرندہ کی بیٹھ کی طرح ہے جبکہ ان کے ہاں پرندے کی بیٹھ نجس ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ بیٹھ تب ہوسکتی ہے جب اس کا رنگ متغیر ہو، اور امام شافعی کے اصحاب چھوٹی مچھلی جس کو چاک کئے بغیر بھون لیا جاتا ہے، کے متعلق فرماتے ہیں اس کا کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ اس کی بیٹھ نجس ہے، اور باقی

---

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الذبائح نولکشور کانپور ۴/ ۵۷۲

نجس وعند سائر الائمۃ یحل[۱] آہ آرے درجواہر الاخلاطی دیدم کہ بکراہت تحریم تصریح، وہمیں را تصحیح کردہ است، حیث قال السمک الصغار کلھا مکروہ کراھۃ التحریم ھو الاصح[۲]، پس اسلم اجتناب ست۔ واللہ تعالٰی اعلم

تمام ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے اھ، ہاں میں نے جواہر الاخلاطی میں دیکھا ہے انھوں نے اس کے مکروہ تحریمہ ہونے میں تصریح کی ہے اور اسی کی تصحیح کی ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ چھوٹی مچھلیاں تمام مکروہ تحریمہ ہیں اور یہی صحیح ہے، پس اجتناب بہتر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۹: مرسلہ محمد علی اکبر گوڑا سال سوم ڈھاکہ تاریخ ۱۴ رجادی الاول ۱۳۳۲ھ

کرسوکھی مچھلی (جو دیار بنگالہ میں معروف ومشہور ہے) کھانا جائز ہے یا نہیں؛ اور برتقدیر حلال ہونے کے اگر کوئی حرام کہے تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب

مچھلی تر ہو یا خشک، مطلقاً حلال ہے،

قال تعالٰی واحل لکم صید البحر[۳]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: حلال کیا گیا تمہارے لئے بحری شکار کو۔ (ت)

سوائے طافی کے جو خود بخود بغیر کسی سبب ظاہر کے دریا میں مرکر اترآئی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

السمک یحل اکلہ الاماطفا منہ[۴]

مچھلی کھانا حلال ہے ماسوائے پانی پر تیرنے والی مرکر۔ (ت)

خشک مچھلی کا کسی نے استثناء نہ کیا، اگر حرام کہنے والا جاہل ہے اسے سمجھایا جائے، اور ذی علم ہے تو اس پر حلالِ خدا کے حرام کہنے کا الزام عائد ہے اسے تجدیدِ اسلام وتجدیدِ نکاح چاہئے؛ ہاں اگر وہاں سوکھی مچھلی ماہی دریا کے سوا کسی خشکی کے جانور کا نام ہے، جیسے ریگ ماہی، تو اس کا حال معلوم ہونا چاہئے، اگر ریگ ماہی کی طرح حشرات الارض سے ہے تو ضرور حرام ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

جمیع الحشرات وھوام الارض لاخلاف

حشرات الارض مٹی سے پیدا شدہ ہیں ان چیزوں کے

---

[۱] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

[۲] جواہر الاخلاطی " قلمی نسخہ ص ۲۸۷

[۳] القرآن الکریم ۵/ ۹۶

[۴] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۹

فی حرمۃ ھٰذہ الاشیاء[1] واللہ تعالٰی اعلم

حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۱: مسئولہ مولوی غلام گیلانی صاحب شمس آباد ضلع کیمبل پور ۲۵ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض ملکوں میں مچھلی خشک اور گوشت خشک کھایا جاتا ہے، قبل پکانے کے تو اس میں سخت بدبو ہوتی ہے مگر بعد پکنے کے بھی بدبو باقی رہتی ہے، کیا اس کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

فی الواقع ایسی سخت بدبودار چیز علاوہ اس کے کہ نفاست طبع کے خلاف ہے، نظافتِ دین سے بھی جدا ہے، وبنی الدین علی النظافۃ (دین کی بنیاد نظافت پر ہے۔ ت)، مسموع ہوا کہ اس کے مستعملین کے بدن و دہن میں اس کی بُو بس جاتی ہے، یہ علاوہ کراہت اکل کے اور بلائے شدید اور ملائکہ کو ایذا ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان الملٰئکۃ تتاذی لما یتاذی بہ بنو اٰدم[2]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جس سے بنی آدم اذیت پائیں اس سے فرشتے بھی اذیت پاتے ہیں (ت)

اور ایسی حالت میں اُن کو قرآن مجید پڑھنا منع ہے، حدیث میں ہے:

طیبوا افواھکم فانھا طرق القراٰن[3] اپنے منہ صاف رکھو کیونکہ یہ قرآن کا راستہ ہیں۔ (ت)

بلکہ جو بدبو پر مشتمل ہوا سے مسجد میں جانا حرام ہے، اور جماعت میں شامل ہونا ممنوع ہے، اور جبکہ اس سے ضرر غالب متحقق ہو، تو حرمت میں کیا شبہہ ہے، فان المضار کلھا حرام (سب ضرررساں چیزیں حرام ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۲: مرسلہ از چاندپور ضلع بجنور محلہ پتیا پاڑہ مکان محمد حسین خاں زمیندار

مچھلی بے ذبح کیوں جائز ہے؟

الجواب

خون مفسوح ناپاک ہے وہ بدن میں رہے اور جانور مرجائے تو تمام گوشت پوست نجس و حرام ہوجاتا ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۹

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما اوبصلا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

[3] کنز العمال حدیث ۲۷۵۲ و ۲۷۵۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۶۰۳

ذبح سے مقصود اس کا جُدا کرنا ہے، ولہذا حدیث صحیح میں ارشاد ہُوا:

ماانهرالدم وذکراسم الله علیه فکلوا[1]، الحدیث، رواه الستة عن رافع بن خدیج عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔

جس کا خون بہا دیا گیا اور اس پر اللہ تعالٰی کا نام ذکر کیا گیا تو اسے کھاؤ، الحدیث، اس کو صحاح ستہ کے ائمہ نے روایت کیا رافع بن خدیج سے انھوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے۔ (ت)

اور فرمایا:

انهرالدم بماشئت واذکر اسم الله[2]، رواه احمد والنسائی وابوداؤد وابن ماجة وابن حبان والحاکم عن عدی بن حاتم رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔

خون بہا دے جس سے تُو چاہے اور اللہ تعالٰی کا نام ذکر کر۔ اس کو احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے۔ (ت)

اور وارد ہوا:

کل مافری الاوداج[3]، الحدیث، رواه ابن ابی شیبة عن رافع بن خدیج والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنهما۔

جو چیز اوداج کو کاٹ دے، الحدیث، اس کو ابن ابی شیبہ نے حضرت رافع بن خدیج سے، اور طبرانی نے کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا (ت)

مچھلی اور ٹڈی میں خون ہوتا ہی نہیں کہ اس کے اخراج کی حاجت ہو، غیر دموی جانوروں میں ہمارے یہاں صرف یہی دو حلال ہیں، لہذا صرف یہی بے ذبح کھائے جاتے ہیں۔ شافعیہ وغیرہم کے نزدیک کہ اور دریائی جانور بھی کُل یا بعض حلال ہیں وہ انھیں بھی بے ذبح جائز جانتے ہیں کہ دریا کے کسی جانور میں خون نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۷ و ۸۳۱ و ۸۳۲
صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب جواز الذبح بکل ماانهرالدم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۶

[2] سنن النسائی کتاب الضحایا اباحۃ الذبح بالعود نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۰۵
مسند احمد بن حنبل حدیث عدی بن حاتم المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۵۸

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الصید من قال اذا انهرالدم الخ ادارۃ القرآن کراچی ۵/ ۳۸۹

مسئلہ ۱۷۲: شمس الہدیٰ طالب علم مدرسہ منظر الاسلام، بریلی محلہ سوداگراں ۱۲ صفر ۱۳۳۹ھ

حضور پرنور کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے کہ مچھلی کو اس کی آنت وغیرہ کے کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

مکروہ ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۳: مسئولہ شوکت علی صاحب ۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ (علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ ت) کہ کھانا جھینگا کا درست ہے یا نہیں؟ مکروہ ہے یا حرام؟

الجواب

حمادیہ میں علماء کے دونوں قول نقل کئے ہیں کہ بعض حرام کہتے ہیں اور بعض حلال،

حیث قال الدود الذی یقال لہ جھینگہ عند بعض العلماء لانہ لایشبہ السمک، وانما یباح عندنا من صید البحر انواع السمک، وھذا لایکون کذٰلک، وقال بعضھم حلال لانہ یسمی باسم السمک۔[1]

جہاں انہوں نے کہا کہ وہ کیڑا جسے جھینگا کہا جاتا ہے بعض کے نزدیک حرام ہے کیونکہ وہ مچھلی کے مشابہ نہیں ہے، جبکہ ہمارے نزدیک سمندری شکار میں مچھلی کی اقسام ہی مباح ہیں، اور جھینگا ان میں سے نہیں ہے، اور بعض نے کہا یہ حلال ہے کیونکہ اس کا نام مچھلی ہے۔ (ت)

اقول: عبارتِ حمادیہ سے ظاہر یہی ہے کہ ان کے نزدیک قولِ حرمت ہی مختار ہے کہ اسی کو تقدیم دی والتقدیم اٰیۃ التقدیم (مقدم کرنا مقدم بنانے کی علامت ہے۔ ت) اور جھینگے کو دُود یعنی کیڑا کہا، اور کیڑے حرام ہیں، اور اہلِ حلت کی طرف سے دلیل میں یہ نہ کہا کہ وہ مچھلی ہے بلکہ یہ کہ اس پر مچھلی کا نام بولا جاتا ہے، تحقیقِ مقام یہ ہے کہ ہمارے مذہب میں مچھلی کے سوا تمام دریائی جانور مطلقاً حرام ہیں، تو جن کے خیال میں جھینگا مچھلی کی قسم سے نہیں ان کے نزدیک حرام ہوا ہی چاہئے، مگر فقیر نے کتب لغت وکتب طب وکتب علم حیوان میں بالاتفاق اسی کی تصریح دیکھی کہ وہ مچھلی ہے، قاموس میں ہے:

الاربیان بالکسر سمک کالدود[2]

اِربیان کسرہ کے ساتھ، کیڑے کی طرح مچھلی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی حمادیہ کتاب الصید والذبائح قلمی نسخہ ص ۵۶۷ و ۳۲۲

[2] القاموس المحیط باب الواو فصل الراء مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۳۲

صحاح و تاج العروس میں ہے ،

الاربیان بیض من السمك كالدود یکون بالبصرۃ۔[1]

اربیان سفید مچھلی ہے کیڑے کی مانند، بصرہ میں ہوتی ہے۔ (ت)

صراح میں ہے ،

اربیان نوعے از ماہی ست[2] (جھینگا، مچھلی کی ایک قسم ہے۔ ت)

منتہی الارب میں ہے ،

نوعے از ماہی ست کہ آنرا بہندی جھینگا میگویند۔[3]

مچھلی کی ایک قسم ہے اسے ہندی میں جھینگا کہتے ہیں۔ (ت)

مخزن میں ہے ،

روبیان و اربیان نیز آمدہ بفارسی ماہی روبیان نامند۔[4]

روبیان اور اربیان بھی آیا ہے، فارسی میں اس مچھلی کو روبیان کہتے ہیں۔ (ت)

اسی طرح تحفہ میں ہے۔ تذکرہ داؤد انطاکی میں ہے ،

روبیان اسم لضرب من السمك یکثر ببحر العراق والقلزم احمر کثیر الارجل نحو السرطان لکنہ اکثر لحماً۔[5]

روبیان مچھلی کی قسم ہے، بحرِ عراق اور بحرِ قلزم میں بکثرت پائی جاتی ہے، یہ سرخ رنگ اور کثیر پاؤں والے کیکڑے کی طرح ہوتی ہے، لیکن وہ گوشت میں زیادہ ہے۔ (ت)

حیاۃ الحیوان الکبرٰی میں ہے ؛

الروبیان ھو سمك صغیر جدا احمر۔[6]

روبیان بہت چھوٹی مچھلی سرخ رنگ ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] تاج العروس باب الواؤ والیاء فصل الراء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/۱۴۳
[2] الصراح فی لغۃ الصحاح " " نولکشور لکھنؤ ص ۵۴۴
[3] منتہی الارب باب الراء فصل الباء مطبع اسلامیہ لاہور ۲/۹۲
[4] مخزن الادویۃ فصل الراء مع الواؤ نولکشور کانپور ص ۳۱۳
[5] تذکرۃ اولی الالباب لداؤد انطاکی الباب الثالث حرف الراء مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۱
[6] حیاۃ الحیوان باب الراء المہملۃ تحت الروبیانۃ " ۱/۵۲۸

جامع ابن بیطار میں ہے :

روبیان سمك بحری تسمیه اهل مصر القریدس، واهل الاندلس یعرفونه بالقمرون[1]

روبیان سمندری مچھلی ہے، مصر والے لوگ اسے قریدس اور اہلِ اندلس اسے قمرون کے نام سے جانتے ہیں (ت)

انوار الاسرار میں ہے :

الروبیان سمك صغار جدا احمر[2]

روبیان بہت چھوٹی مچھلی سرخ رنگ ہوتی ہے (ت)

تو اس تقدیر پر حسبِ اطلاق متون وتصریح معراج الدرایہ مطلقاً حلال ہونا چاہئے کہ متون میں جمیع انواع سمک حلال ہونے کی تصریح ہے،

والطافی لیس نوعا براسه، بل وصف یعتری کل نوع۔

طافی کوئی قسم نہیں ہے بلکہ یہ ایک وصف ہے جو ہر قسم کو لاحق ہوسکتا ہے (ت)

اور معراج میں صاف فرمایا کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں جن کا پیٹ چاک نہیں کیا جاتا اور بے آلائش نکالے بھون لیتے ہیں، امام شافعی کے سوا سب ائمہ کے نزدیک حلال ہیں، ردالمحتار میں ہے :

وفی معراج الدرایة ولو وجدت سمکة فی حوصلة طائر توکل، وعند الشافعی لاتوکل لانه کالرجیع ورجیع الطائر عنده نجس، وقلنا انما یعتبر رجیعا اذا تغیر وفی السمك الصغار التی تقلی من غیر ان یشق جوفه فقال اصحابه لایحل اکله لان رجیعه نجس وعند سائر الائمة یحل[3]

اور معراج الدرایہ میں ہے اگر پرندے کے پوٹے میں مچھلی پائی جائے کھائی جائے، اور امام شافعی کے نزدیک نہ کھائی جائے کیونکہ پرندے کی بیٹھ کی طرح ہے اور ان کے ہاں پرندے کی بیٹھ نجس ہے، اور ہم کہتے ہیں بیٹھ تب بنے گی جب متغیر ہوجائے گی، اور چھوٹی مچھلی جس کو بغیر چاک کئے بھون لیا جاتا ہے شافعی حضرات فرماتے ہیں حلال نہیں ہے کیونکہ اسکی بیٹھ نجس ہے، اور باقی ائمہ حلال کہتے ہیں۔ (ت)

مگر فقیر نے جواہر الاخلاطی میں تصریح دیکھی کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے،

---

[1] الجامع المفردات الادویۃ والاغذیۃ حرف الراء تحت روبیان دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۴۴۵

[2] انوار الاسرار

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۹۶

حیث قال السمک الصغار کلہا مکروھۃ کراھۃ التحریم ھو الاصح [1]

جہاں کہا کہ چھوٹی تمام مچھلیاں مکروہ تحریمہ ہیں، یہی صحیح ہے۔ (ت)

جھینگے کی صورت تمام مچھلیوں سے بالکل جُدا، اور گنگچے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے، اور لفظ ماہی غیر جنس سمک پر بھی بولا جاتا ہے جیسے ماہی سقنقور، حالانکہ وہ ناکے کا بچّہ ہے کہ سواحل نیل پر خشکی میں پیدا ہوتا ہے، اور ریگ ماہی کہ قطعاً حشرات الارض، اور ہمارے ائمہ سے حلت روبیان میں کوئی نص معلوم نہیں، اور مچھلی بھی ہے تو یہاں کے جھینگے ایسے ہی چھوٹے ہیں جن پر جواہر اخلاطی کی وہ تصحیح وارد ہوگی، بہرحال ایسے شبہہ واختلاف سے بے ضرورت بچنا ہی چاہیے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۴ تا ۱۷۶ ازبریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲ رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفر اللہ لکم ھذہ المسائل افیدونا یرحمکم اللہ تعالٰی:

ان مسائل میں آپ کا کیا حکم ہے ہمیں بتاؤ، اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے:

(۱) جھینگا خوردن چہ حکم دارد؟

(۱) جھینگا کھانا کیا حکم رکھتا ہے؟

(۲) پوست بیضہ خوردن؟

(۲) انڈے کا چھلکا کھانا؟

(۳) نسج عنکبوت خوردن؟

(۳) مکڑے کا جالا کھانا؟

الجواب

(۱) مختلف فیہ است، ہر کہ از جنس ماہی دانستہ حلال گفتہ فان السمک بجمیع انواعہ حلال عندنا، ہر کہ غیر او گمان بُردہ بحرمت رفتہ اذ کل مائی ماخلا السمک حرام عندنا، اسلم درہمچوں مسائل اجتناب است الحمدللہ فقیر واہل بیت فقیر عمرہا است کہ نخوردہ ایم ونہ ہرگز ارادہ خوردنش داریم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱) مختلف فیہ ہے، جو حضرات اس کو مچھلی کی قسم کہتے ہیں حلال کہتے ہیں، کیونکہ مچھلی کی تمام اقسام ہمارے نزدیک حلال ہیں، اور جو حضرات اس کو غیر مچھلی کہتے ہیں وہ حرام مانتے ہیں کیونکہ مچھلی کے ماسوا تمام آبی جانور ہمارے نزدیک حرام ہیں ایسے مسائل میں اجتناب بہتر ہے، الحمدللہ اس فقیر اور اس کے گھر والوں نے عمر بھر نہ کھایا اور نہ اسے کھائیں گے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) پوست بیضہ جزء اوست پس درحلت ش

(۲) انڈے کا چھلکا انڈے کے حکم میں ہے کیونکہ

---

[1] جواہر الاخلاطی کتاب الذبائح قلمی نسخہ ص ۲۲۹، ۲۸۰

حرمت بحکم اوست ہمچوں جلد حیوان، واللہ تعالٰی اعلم۔

اس کا جز ہے جیسا کہ حیوان کی کھال۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) تصریح ایں جزئیہ ایدوں بخیال نیست ؁ اینجا کتب حاضر دارم اما ظاہر ممانعت است ہمچو خانہ زنبور کما نص علیہ فی الھندیۃ[1] عن الملتقط عن الامام خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالٰی زیرا کہ نسیجش متولد از لعاب اوست۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) مکڑے کے جالے کا حکم خیال میں نہیں ہے اور نہ ہی یہاں میری کتب ہیں لیکن ظاہری طور پر ممنوع ہے جس طرح زنبور کا گھر ممنوع ہے جیسا کہ ہندیہ میں ملتقط سے اور وہاں امام خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کیونکہ جالا مکڑے کے لعاب سے بنتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از موضع ڈربال ضلع مراد آباد مرسلہ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ ملائم ہڈی کو چبا لیتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک ہڈی ملائم گائے کے شانہ میں ہوتی ہے جس کو چپنی کہتے ہیں اور اسے گوشت کے ساتھ کھا لیتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جانور حلال مذبوح کی ہڈی کسی قسم کی منع نہیں جب تک اس کے کھانے میں مضرت نہ ہو، اگر ہو تو ضرر کی وجہ سے ممانعت ہوگی، نہ اس لئے کہ ہڈی خود ممنوع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۵/ ۲۹۰

کتاب الصّید

(شکار کا بیان)

مسئلہ ۱۷۸: ۱۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

ماقولکم (آپ کا کیا فرمان ہے) اندریں مسئلہ کہ ایک شخص روز شکار بندوق کا شوقیہ کھیلتا ہے، پس بحکم شرع شریف کے کس قدر شکار کھیلنا جائز ہے اور کس وقت میں؟ اور وُہ شکاری ہر روز شکار کھیلنے سے گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ دریں امور چہ حکم وارد۔ بیّنوا مفصلاً توجروا کثیرا۔

الجواب

شکار کہ محض شوقیہ بغرضِ تفریح ہو، جیسے ایک قسم کا کھیل سمجھا جاتا ہے ولہذا شکار کھیلنا کہتے ہیں، بندوق کا ہو خواہ مچھلی کا، روزانہ ہو خواہ گاہ گاہ، مطلقاً باتفاق حرام ہے، حلال وہ ہے جو بغرض کھانے یا دوا یا کسی اور نفع یا کسی ضرر کے دفع کو ہو آج کل کے بڑے بڑے شکاری جواتنی ناک والے ہیں کہ بازار سے اپنی خاص ضرورت کے کھانے یا پہننے کی چیز لانے کو جانا اپنی کسرِ شان سمجھیں، یا نرم ایسے کہ دس قدم دھوپ میں چل کر مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہونا مصیبت جانیں، وہ گرم دوپہر، گرم لُو میں گرم ریت پر چلنا اور ٹھہرنا، اور گرم ہوا کے تھپیڑے کہاں گوارا کرتے اور دو دو پہر بلکہ دو دو دن شکار کے لئے گھر بار چھوڑے پڑے رہتے ہیں کیا یہ کھانے کی غرض سے جاتے ہیں، حاشا وکلّا بلکہ وہی لہو ولعب ہے اور بالاتفاق حرام، ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ ان شکاریوں سے اگر کہئے مثلاً مچھلی بازار میں ملے گی وہاں سے لے لیجئے ہرگز قبول نہ کرسکیں گے، یا کہئے کہ اپنے

پاس سے لا دیتے ہیں، کبھی نہ مانیں گے بلکہ شکار کے بعد خود اس کے کھانے سے بھی چنداں غرض نہیں رکھتے بانٹ دیتے ہیں، تو یہ جانا یقیناً وہی تفریح و حرام ہے، درمختار میں ہے:

الصید مباح الا للتلھی کما ھو ظاھر[1] شکار مباح ہے مگر لعب کے طور پر مباح نہیں۔ (ت)

اسی طرح اشباہ و بزازیہ و مجمع الفتاوی و غنیہ ذوی الاحکام و تاتارخانیہ و ردالمحتار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے، واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۹: معرفت مولوی امام بخش صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام، مسئولہ وحید احمد خاں ۱۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شکار تفریحاً کھیلنا حرام ہے، زید کہتا ہے کہ شکار اگر گوشت کھانے کے واسطے کھیلا جائے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ ہم روز گوشت ہی کھاتے ہیں اور چونکہ آجکل گوشت مہنگا ہے اس واسطے شکار ہم کو فائدہ ہوگا، اور اگر یہ کہو کہ کسی کی جان بے فائدہ لینا ٹھیک نہیں، تو روز گوشت کیوں کھاتے ہو، زید کی اس گفتگو پر یہ سوال کیا گیا کہ تم مہنگے کا سوال پیش کرتے ہو، اور اگر تمہیں شکار سے پیٹ ہی بھرنا مقصود ہے تو روز شکار کیوں نہیں کھیلتے تاکہ تم کو پورا فائدہ حاصل ہو، گاہے گاہے کیوں شکار کھیلتے ہو، وہ بھی اپنے ہمعمروں کو ساتھ لے جاکر، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ تم تفریحاً ہی شکار کھیلتے ہو، جس کی اجازت شرع شریف نہیں دیتی، پس بے نوا حضور سے مستفتی ہے کہ زید کی گفتگو صحیح ہے یا نہیں؟ اور زید کی یہ تاویل قابل سماعت ہوگی یا نہیں؟ جبکہ نہ مجبوری ہے نہ کسی بیماری کی صحت شکار کے گوشت سے مدنظر ہے۔

الجواب

تفریح کے لئے شکار حرام ہے اور غذا یا دوا کے لئے مباح ہے، اور نیت کا علم اللہ کو ہے، اگر واقعی وہ کھانے ہی کے لئے شکار کو جاتا ہے تفریح مقصود نہیں تو حرج نہیں، اور اس کی علامت یہ ہے کہ مچھلی کے شکار کو جانا چاہے، اور مچھلیاں بازار میں ملتی ہوں اور دام رکھتا ہو، نہ خریدے بلکہ شکار ہی کرکے لائے، اور وہ تکالیف و مصائب جو اس میں ہوتی ہیں گوارا کرے تو ہرگز اسے کھانا مقصود نہیں، بلکہ وہی تفریح۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۰: مسئولہ علی احمد صاحب ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شکار مچھلی کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ شکار چارہ تلی سے اور گھیسے سے کھیلا جاتا ہے۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی ۲/ ۲۶۱

الجواب

کسی جانور کا شکار اگر غذا یا دوا یا دفع ایذا یا تجارت کی غرض سے ہو جائز ہے، اور جو تفریح کے لئے ہو جس طرح آج کل رائج ہے اور اسی لئے اسے شکار کھیلنا کہتے اور کھیل سمجھتے ہیں، اور وہ جو اپنے کھانے کیلئے بازار سے کوئی چیز خرید کر لانا عار جانیں، دھوپ اور لُو میں خاک اڑاتے اور پانی بجاتے ہیں، یہ مطلقاً حرام ہے، کما نص علیہ فی الاشباہ والدرالمختار وغیرھما (جیسا کہ اشباہ اور درمختار وغیرہما میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) پھر مچھلی کا شکار کہ جائز طور پر کریں، اس میں زندہ گھیسا پرونا جائز نہیں، ہاں مار کر ہو یا تلی وغیرہ بے جان چیز تو مضائقہ نہیں، یہ سب اس فعل کی نسبت احکام تھے، رہی شکار کی ہوئی مچھلی اس کا کھانا ہر طرح حلال ہے اگرچہ فعل شکار اُن ناجائز صورتوں سے ہوا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۱: از حیدر آباد دکن محلہ افضل گنج اقامت گاہ مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھ جج ریاست حیدر آباد مرسلہ جناب صاحبزادہ مولوی سید احمد اشرف میاں صاحب متوطن کچھوچھا شریف ضلع فیض آباد، شاگرد رشید مفتی صاحب مذکور ۳ محرم الحرام شریف ۱۳۱۴ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بندوق کی گولی سے مارا شکار حلال ہے یا حرام، گولی کو حلتِ صید میں تیر کا حکم ہے یا نہ، لمبی شکل کی جو گولیاں ہوتی ہیں اُن کا حکم کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بندوق کی گولی دربارۂ حلتِ صید حکمِ تیر میں نہیں، اس کا مارا ہوا شکار مطلقاً حرام ہے کہ اس میں قطع وخرق نہیں، صدم و دق وکسر وحرق ہے، شامی میں ہے:

لایخفٰی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاحراق والثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف اذ لیس لہ حد فلایحل وبہ افتی ابن نجیم[1]

یہ مخفی نہیں کہ تانبے کی گولی کا زخم اس کے جلانے اور ثقل کی وجہ سے ہے جو بذریعہ شدید دباؤ کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ دھار نہیں ہوتی تو شکار حلال نہ ہوگا، اور یہی ابن نجیم کا فتوٰی ہے(ت)

مطول شکل کی جو گولیاں ہیں اوّلاً وہ بھی دھار دار نہیں ہوتیں بلکہ تقریباً بیضوی شکل پر بنی جاتی ہیں اور آلہ کا حدید یعنی تیز ہونا اگرچہ شرط نہیں مگر محدد یعنی باڑھ دار ہونا کہ قابل قطع وخرق ہو ضرور ہے، ثانیاً اگر بالفرض گولی تیر کی طرح دھار دار ہی بنائی جائے اور اُسے بطور معہود بندوق سے سر کریں جب بھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۴

ثبوتِ حلت میں نظر ہے کہ صرف دھار دار کا وجود ہی کافی نہیں، بلکہ تیقن بھی ضروری ہے اس کی دھار سے قطع ہونا ہی باعثِ قتل ہوا، اور یہاں ایسا نہیں کہ اُس کا احراق وصدمہ شدید قاتل ہے کما سمعت أنفا (جیسا کہ ابھی آپ نے سُنا۔ت) تو محتمل کہ یہی وجہِ قتل ہوا ہو، نہ قطع، اور بحالت شک و احتمال حکم حرمت ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الاصل فی ھذہ المسائل ان الموت اذا کان مضافا الی الجرح بیقین کان الصید حلالا، واذا کان مضافا الی الثقل بیقین کان حراما، وان وقع الشك و لایدری مات بالجرح او بالثقل کان حراما احتیاطا[1]۔

ان مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر موت یقینی طور پر زخم کی طرف منسوب ہو تو شکار حلال ہے، اور اگر وہ ثقل کی طرف منسوب ہو تو یقیناً حرام ہے، اور اگر شک ہو اور معلوم نہ ہو کہ زخم سے مرا ہے یا ثقل سے تو احتیاطاً حرام ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لایوکل ما اصابه البندقة فمات بها لانها تدق وتکسر ولا تجرح و کذلك ان رماہ بحجر وکذلك ان جرحه، قالوا تاویله اذا کان ثقیلا وبه حدۃ لاحتمال انه قتله بثقله الخ، واللہ تعالٰی۔

بندوق لگنے سے ہلاک شدہ کو نہ کھایا جائے کیونکہ وہ دباؤ سے توڑتی ہے زخم نہیں کرتی، اور اسی طرح اگر پتھر مارا اور دباؤ سے زخمی ہوا، وضاحت یہ ہے کہ اگر پتھر بھاری ہو اور اس کی دھار ہو تو حرام ہے کیونکہ احتمال ہے کہ ثقل کے دباؤ سے ہلاک ہوا ہو، اس لئے حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)۔

مسئلہ ۱۸۲ ۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دریں باب (اس باب میں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کیا فرماتے ہیں۔ت) کہ ایک شخص نے بسم اللہ کہہ کر شکار پر بندوق چلائی، پس جس وقت جاکر دیکھا تو کوئی آثار اس میں زندگی کے نہ تھے اور نہ جنبش تھی، جس وقت کہ اس کو ذبح کیا تو خون نکلا اچھی طرح سے، پس وہ شکار حلال ہے یا حرام؟ اور اگر اس کو حلال نہ کرتے تو حلال ہوتا یا حرام؟ اور

---

[1] الہدایۃ کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۰۹
[2] " " " ۴/ ۵۰۸ و ۵۰۹

درصورت نہ نکلنے خون کے بھی، جواب تحریر فرمائیے۔

الجواب

اگر ذبح کرلیا اور ثابت ہو کہ ذبح کرتے وقت اس میں حیات تھی مثلاً پھڑک رہا تھا یا ذبح کرتے وقت تڑپا اگرچہ خون نہ نکلا، یا خون ایسا دیا جیسا مذبوح سے نکلا کرتا ہے اگرچہ جنبش نہ کی، یا کسی اور علامت سے حیات ظاہر ہوئی تو حلال ہے، اور اگر بندوق سے مار کر چھوڑ دیا ذبح نہ کیا یا کیا مگر اس میں وقتِ ذبح حیات کا ہونا ثابت نہ ہوا تو حرام ہے، غرض مدار کار اس پر ہے کہ ذبح کرلیا جائے اور وقتِ ذبح اس میں رمقِ حیات باقی ہو، اگرچہ نہ جنبش کرے نہ خون دے، حلال ہوجائے گا ورنہ حرام۔ درمختار میں ہے:

ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت او خرج الدم حلت والالا ان لم تدرحیاتہ عند الذبح وان علم حیاتہ حلت مطلقا، وان لم تتحرك ولم یخرج الدم وھذا یتأتی فی منخنقۃ ومتردیۃ ونطیحۃ، والتی بقرالذئب بطنھا فذکاۃ ھٰذہ الاشیاء تحلل وان کانت حیاتھا خفیفۃ وعلیہ الفتوی لقولہ تعالٰی الا ما ذکیتم من غیر فصل[1] اھ وفی ردالمحتار عن البزازی عن الاسبیجابی عن الامام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خروج الدم لایدل علی الحیاۃ الا اذا کان یخرج کما یخرج من الحی قال وھو ظاھر الروایۃ۔[2]

مریض بکری ذبح کی تو اس نے حرکت کی اور خون نکلا تو حلال ہے ورنہ نہیں بشرطیکہ ذبح کے وقت زندہ ہونا نہ معلوم ہوسکا اور اگر زندہ ہونا یقیناً معلوم ہے تو مطلقاً حلال ہے اگرچہ حرکت نہ کرے اور خون نہ نکلے، یہ صورت گلا گھونٹے، اوپر سے گرنے والی اور سینگ زدہ میں متحقق ہوتی ہے اور جس کا پیٹ بھیڑیے نے پھاڑ دیا ہو وہاں یہ صورت ہوسکتی ہے تو ایسے جانور کا ذبح ہونا حلال کردے گا اگرچہ ان کی خفیف زندگی معلوم ہے، اسی پر فتوٰی ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے، الا ما ذکیتم یعنی جس کو تم نے ذبح کردیا، بلا تفصیل یہ حکم ہے اھ، اور ردالمحتار میں بزازی سے انھوں اسبیجابی سے انھوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ محض خون نکلنا حیات کی دلیل نہیں مگر ایسا نکلے جیسے زندہ سے نکلتا ہے تو حیات کی دلیل ہے، اور یہ ظاہر الروایۃ ہے۔ (ت)

اسی کی کتاب الصید میں ہے:

المعتبر فی المتردیۃ واخواتھا کنطیحۃ

اوپر سے گرنے والی اور اس جیسی مثلاً سینگ زدہ،

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

وموقوذة وما اكل السبع والمریضۃ مطلق الحیاۃ وان قلت کما اشرنا الیہ وعلیہ الفتوٰی[1]۔

لاٹھی زدہ، درندہ کی کھائی ہوئی اور مریضہ میں مطلق حیات معتبر ہے اگرچہ حیات قلیل ہی ہو جیسا کہ ہم نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

مدارک التنزیل میں ہے:

الموقوذۃ التی اثخنوھا ضربا بعصًی او حجر[2]۔

موقوذہ وہ ہے جس کو لاٹھی یا پتھر سے مارا ہو۔ (ت)

معالم میں ہے:

قال قتادۃ کانوا یضربونھا بالعصٰی فاذا ماتت اکلوھا[3] اھ فظھران المضروب بکل مثقل کالبندقۃ ولوبندقۃ الرصاص کلہ من الموقوذۃ فیحل بالذکاۃ وان قلت الحیاۃ۔

قتادہ نے کہا جاہلیت میں لوگ لاٹھی مارتے جب مر جاتی تو اسے کھاتے تھے اھ، تو ظاہر ہوا کہ کسی دباؤ والی چیز سے ضرب لگی ہوئی جیسے بندوق اگرچہ تانبے کی گولی ہو تو وہ موقوذہ یعنی لاٹھی زدہ کے حکم میں ہے تو وہ ذبح سے حلال ہوگی اگرچہ حیات قلیل ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایخفی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاحراق والثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف اذلیس لہ حد فلا یحل وبہ افتی ابن نجیم[4]، واللہ تعالٰی اعلم۔

مخفی نہیں کہ تانبے کی گولی کا زخم جلانے اور ثقل سے جو شدید دباؤ کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، بنتا ہے، کیونکہ دھار نہیں ہوتی، لہٰذا اس زخم سے حلال نہ ہوگی۔ اسی پر ابن نجیم نے فتوٰی دیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳

[2] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ ۵/ ۳ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۶۹

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن " " مصطفی البابی مصر ۲/ ۷

[4] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۴

مسئلہ ۱۸۳: ازگونڈہ بہرائچ مکان مولوی مشرف علی صاحب مرسلہ حضرت سید حسین حیدر میاں صاحب ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بندوق کا شکار کھانا جبکہ تکبیر کے ساتھ سر کی جائے کیا حکم رکھتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر زندہ پایا اور ذبح کرلیا، ذبح کے سبب حلال ہوگیا ورنہ ہرگز نہ کھایا جائے، بندوق کا حکم تیر کی مثل نہیں ہوسکتا، یہاں آلہ وہ چاہیے جو اپنی دھار سے قتل کرے، اور گولی چھرے میں دھار نہیں، آلہ وہ چاہیے جو کاٹ کرتا ہو، اور بندوق توڑ کرتی ہے نہ کہ کاٹ۔ ردالمحتار میں ہے:

لایخفٰی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاحراق والثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف اذ لیس لہ حد فلا یحل وبہ افتی ابن نجیم[1]

مخفی نہیں کہ تانبے کی گولی کا زخم جلانے اور ثقل جو شدید دباؤ سے حاصل ہوتے ہیں سے بنتا ہے کیونکہ گولی کی دھار نہیں ہوتی لہذا اس سے حلال نہ ہوگی، اسی پر ابن نجیم نے فتوٰی دیا ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لایحل صید البندقۃ وما اشبہ ذٰلک وان خرق لانہ لایخرق الا ان یکون شیئ من ذٰلک قد حدد وطولہ کالسھم وامکن ان یرمی بہ، فان کان کذٰلک وخرقہ بحدہ حل اکلہ[2] انتھی، وبہ اندفع ما ظن بعض اجلۃ علماء کانفور من الحرمۃ بالرصاص الکبیر لثقلہ دون الحبات لخفتھا، وذٰلک لان مناط الحل لیس ھو الخفۃ بل الحد والخرق، وبدیھی

بندوق وغیرہ کا شکار اگرچہ زخمی ہوجائے حلال نہیں ہے کیونکہ یہ چیرتی نہیں، ہاں اگر گولی کی لمبی دھار ہو تو تیر کی مانند ہونے کی بناء پر اس کی طرف پھینکی جاسکے اور وہ چیر دے تو اس کا کھانا حلال ہوگا اھ، اس بیان سے کانپور کے بعض اجلہ علماء کا یہ گمان مدفوع ہوگیا کہ بڑی تانبے والی گولی سے حرام ہے کیونکہ وہ بھاری ہوتی ہے اور چھرے دار گولی سے حلال ہوگی کیونکہ چھرے باریک ہوتے ہیں، یہ اس لئے کہ حلت کا مدار خفیف و باریک ہونا نہیں ہے بلکہ اس کا مدار

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۴

[2] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۲

ان لا شیئ من ذٰلک فی الجبات الاتری الی ما قال فی الدر المختار لو کانت یعنی البندقۃ خفیفۃ بھا حدۃ حل[1] حیث لم یقتصر علی الخفۃ حتی زاد بہا حدۃ، ولابد من قید اٰخر ترکہ لوضوحہ بہ و ھو ان تصیبہ بحدھا کما مر عن الامام فقیہ النفس، و ھی مسئلۃ المعراض الشھیرۃ فی الکتب، فالصواب اطلاق المنع۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

دھار دار اور چیرنا ہے، اور یہ چیز چھروں یعنی دانوں میں بدیہی طور پر نہیں پائی جاتی، آپ دیکھ نہیں رہے جو درمختار میں فرمایا کہ باریک گولی کی دھار ہو تو حلال ہے، یہاں انھوں نے صرف خفت پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ دھار کو زائد ذکر کیا اور ایک اور قید بھی ضروری جس کو واضح ہونے کی وجہ سے ذکر نہ کیا وہ یہ کہ دھار لگنے سے زخمی ہو جیسا کہ امام فقیہ النفس (قاضیخان) کا کلام گزرا، اور کتب میں معراض کے عنوان سے یہ مسئلہ مشہور ہے تو یہی درست ہے کہ گولی کا شکار مطلقاً منع ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۸۴: از کراچی بندر محلہ جمعدار گل محمد مکرانی مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب مکرانی ۲۵ شعبان ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے کرام رحمکم ربکم اندریں مسئلہ کہ اگر شخصے شکار بہ تفنگ یعنی بندوق کرد، و بذریعہ بندقہ رصاص یعنی گولی یا چھرہ شکار زخمی شد و شخص مذکور وقت سر کردن بندوق بسم اللہ اللہ اکبر ہم گفتہ اما جانور مذکور قبل از ذبح مرد، آیا آں جانور شرعاً حلال ست یا حرام؟ دریں مسئلہ درمیان علمائے بندر کراچی مباحثہ و اختلاف افتادہ است، آخر الامر طرفین بریں قرار دادہ اند کہ ہر جوابیکہ علمائے کرام بریلی دہند، جانبین تسلیم نمایند۔ بیّنوا توجروا یوم الحساب۔

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص بندوق سے شکار کرے اور تانبے کی گولی یا چھرہ سے شکار زخمی ہو کر ذبح سے قبل مرجائے اور وہ بندوق چلاتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ لے تو کیا وہ جانور حلال ہے یا حرام؟ اس مسئلہ میں بندر کراچی کے علماء کا مباحثہ و اختلاف ہے بالآخر دونوں فریقوں نے قرار دیا کہ علمائے بریلی جو بتائیں ہم تسلیم کرلیں گے۔ جواب دو اجر پاؤ قیامت کے روز۔ (ت)

الجواب

حلال نیست زیرا کہ آلہ آں باید کہ دم بُرندہ دارد نہ آنکہ صدمہ شکنندہ، یا گرمی سوزندہ

حلال نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے خون بہانے والا آلہ چاہئے نہ کہ وہ جو ٹکرا کر توڑے یا گرمی سے

---

[1] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۶۳

کما فی رد المحتار ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جلائے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۵: ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کُتّے کا پکڑا ہُوا شکار مسلمان کھا سکتا ہے یا نہیں؟ ایک خرگوش کو کُتّے نے اس طرح پکڑا ہے کہ اس کے دانت خرگوش کے جسم میں پیوستہ ہوگئے ہیں اور بہت سا جسم اس کا چبا ڈالا ہے کہ خرگوش کے جسم میں خون جاری ہے، ہنوز ابھی جان باقی ہے، پس اس کو ذبح کرکے کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

بسم اللہ کہہ کر تعلیم یافتہ کُتّے کو جو شکار کرکے مالک کے لئے چھوڑ دیا کرے خود نہ کھانے لگے، غیر حرم کے حلال جانور، وحشی پر جو اپنے پاؤں یا پروں کی طاقت سے اپنے بچاؤ پر قادر تھا چھوڑا، اور کتّا اس کے چھوڑنے سے سیدھا شکار پر گیا یا اس کے پکڑنے کی تدبیر میں مصروف ہوا بیچ میں اور طرف مشغول یا غافل نہ ہوگیا اور اس نے شکار کو زخمی کرکے مار ڈالا یا ایسا مجروح کردیا کہ اس میں اتنی ہی حیات باقی ہے جتنی مذبوح میں ہوتی ہے کچھ دیر تڑپ کر ٹھنڈا ہوجائے گا اور کتّے کو چھوڑنے میں کوئی کافر، مجوسی یا بت پرست یا ملحد یا مرتد جیسے آجکل کے نصارٰی، رافضی، نیچری، وہابی، قادیانی وغیرہم، خلاصہ یہ کہ مسلمان یا کتابی کے سوا کوئی شریک نہ تھا، نہ شکار کے قتل میں کُتّے کی شرکت کسی دوسرے کتے ناتعلیم یافتہ یا سگ نیچری یا کسی اور جانور نے کہ جس کا شکار ناجائز ہو، اور چھوڑنے والا چھوڑنے کے وقت سے شکار پانے تک اسی طرف متوجہ رہا، بیچ میں کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا، تو وہ جانور بے ذبح حلال ہوگیا، اور ان چودہ شرطوں سے ایک میں بھی کمی ہو اور جانور بے ذبح مرجائے تو حرام ہوجائے گا اور نہ حرم کا شکار تو ذبح سے بھی حلال نہیں ہوتا، باقی صورتوں میں ذبح شرعی سے حلال ہوجائیگا۔ تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

(الصید بخمسۃ عشر شرطا) خمسۃ فی الصائد وھو ان یکون من اھل الذکاۃ وان یوجد منہ الارسال وان لایشارکہ فی الارسال من لایحل صیدہ، وان لایترک التسمیۃ عامدا، وان لایشغل بین الارسال والاخذ

کوئی شکار کل پندرہ شرطوں سے مباح بنتا ہے، پانچ شرطیں شکاری میں پائی جائیں کہ وہ ذبح کرنے کا اہل ہو، اور وہ خود کتے کو شکار پر چھوڑے، اور اس کے ساتھ چھوڑنے میں ایسا شخص شریک نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا، اور وہ قصداً بسم اللہ کو ترک نہ کرے، اور کتا چھوڑنے اور شکار کو پکڑ لینے تک

بعمل اٰخر، وخمسة فی الکلب ان یکون معلما، وان یذھب علی سنن الارسال، وان لایشارکہ فی الاخذ مالایحل صیدہ وان یقتلہ جرحا، وان لایاکل منہ، و خمسة فی الصید ان لایکون من بنات الماء الا السمك و ان یمنع نفسہ بجناحیہ او قوائمہ، وان لایکون متقویا بنابہ، او بمخلبہ، وان یموت بھذا قبل ان یصل الی ذبحہ[1] اھ قلت ومعنی قولہ ان یموت ای حقیقة او حکما بان لایبقی فیہ حیاة فوق المذبوح کما نص علیہ فی الدر واوضحہ المحشی

درمیان میں کسی اور عمل میں مصروف نہ ہو اور پانچ شرطیں کتے میں پائی جائیں: (۱) سکھایا ہوا ہو (۲) سیدھا شکار کی طرف جائے (۳) کتے سے شکار کو وصول کرنیوالا ایسا شخص نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا (۴) شکار کو کتا زخمی کرکے مارے (۵) اور خود شکار کو نہ کھائے۔ اور پانچ شرطیں شکار میں پائی جائیں (۱) پانی میں پیدا ہونے والا شکار صرف مچھلی ہو، (۲) وہ بھاگ کر یا اڑ کر اپنا دفاع کرسکے (۳و۴) کیلی دانت یا پنجوں والا نہ ہو (۵) ذبح تک رسائی سے قبل مرجائے اھ۔ میں کہتا ہوں، اس کا کہنا کہ مرجائے، یعنی حقیقةً مرجائے یا حکماً مرجائے کہ مذبوح سے زائد اس میں حیات نہ ہو، جیسا کہ درمختار میں تصریح ہے، اور محشی نے اس کو واضح کیا ہے (ت)

اُنھیں میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم، ان کان صیدا، فصید الحرم لاتحلہ الذکاة مطلقا (او کتابیا، ولو مجنونا)[2] اھ ملخصا، والمراد بہ المعتوہ کما فی العنایة عن النھایة لان المجنون لاقصد لہ ولانیة لان التسمیة

ذبح کرنے والے کے لئے مسلمان جو حالت احرام اور حرم میں نہ ہو، شرط ہے، اور شکار ہو تو ضروری ہے حرم سے باہر ہو کیونکہ حرم کا شکار ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا مطلقاً، یا ذبح کرنے والا اہل کتاب میں سے ہو اگرچہ ذبح کرنے والا مجنون ہو اھ ملخصاً، مجنون سے مراد معتوہ (ابتدائی جنون) ہو جیسا کہ عنایہ میں نہایہ سے نقل کیا ہے کیونکہ کامل جنون والا

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۱
ردالمحتار علی الدرالمختار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۷
[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

شرط بالنص وھی بالقصد وصحۃ القصد بما ذکرنا یعنی قولہ اذا کان یعقل التسمیۃ والذبیحۃ ویضبط[1] اھ ش۔	قصد اور نیت کا اہل نہیں ہے کیونکہ بسم اللہ پڑھنا منصوص شرط ہے اور وہ قصد کے بغیر ممکن نہیں اور قصد کی صحت ہمارے ذکر کردہ سے ہوتی ہے یعنی اس کا قول کہ وہ بسم اللہ اور ذبح اور ضبط کو سمجھتا ہو، اھ، ش (ت)

ان سب شرائط کے ساتھ جس خرگوش کو کتے نے مار امطلقاً حلال ہے، اور اگر ہنوز مذبوح سے زیادہ زندگی باقی ہے تو بعد ذبح حلال ہے، اس کے دانت جسم میں پیوست ہوجانا وجہ ممانعت نہیں ہوسکتا، قرآن عظیم نے اس کا شکار حلال فرمایا اور شکار بے زخمی کئے نہ ہوگا اور زخمی جبھی ہوگا کہ اس کے دانت اس کے جسم کو شق کرکے اندر داخل ہوں، اور یہ خیال کہ اس صورت میں اُس کا لعاب کہ ناپاک ہے بدن کو نجس کردے گا' دو وجہ سے غلط ہے،

اوّلاً شکار حالتِ غضب میں ہوتا ہے اور غضب کے وقت اس کا لعاب خشک ہوجاتا ہے،

ولذا فرق جمع من العلماء فی اخذہ طرف الثوب ملاطفا فینجس، او غضبان فلا۔	اس لئے علماء کی ایک جماعت نے کتے کے پاک کپڑے کو پیار سے منہ میں لینے اور غصہ کی حالت میں لینے میں فرق کیا ہے کہ جب وہ پیار سے منہ میں لے تو ناپاک اور غصہ میں لے تو پاک ہے۔ (ت)

ثانیاً اگر لعاب لگا بھی تو آخر جسم سے خون بھی نکلے گا' وہ کب پاک ہے، جب اس سے طہارت حاصل ہوگی اس سے بھی ہوجائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۸۸

کتاب الاضحیہ

(قربانی کا بیان)

مسئلہ ۱۸۶ از موضع مہیندی ضلع پیلی بھیت مرسلہ حاجی نصر الدین صاحب ۱۴ محرم ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جلد چہارم کتاب شرح وقایہ کتاب الاضحیہ ص ۴۳ میں تحریر ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے "جو شخص دیکھے تم میں سے چاند ذی الحجہ کا اور ارادہ کرے قربانی کا تو چاہئے کہ اپنے بال اور ناخن کو روک رکھے یعنی نہ کاٹے، روایت کیا جماعت نے۔ اب ایک شخص اہلِ اسلام کا ارادہ قربانی کرنے کا ہے، تو وہ شخص دیکھنے چاند ذی الحجہ کے سے اپنے بال اور ناخن نہ روک رکھے یا حجامت کرالے، یا اس نے یہ حکم نہ مانا اور رسول مقبول کی حکم عدولی کرے تو اس کے واسطے شرع شریف سے کیا حکم ہے؟ اور کیا کہا جائے گا؟ جواب تحریر فرمائیے، اور قربانی اس کی صحیح طور پر ہوگی یا کوئی نقص اس کی قربانی میں عائد ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہ حکم صرف استحبابی ہے، کرے تو بہتر نہ کرے تو مضائقہ نہیں، نہ اس کو حکم عدولی کہہ سکتے ہیں، نہ قربانی میں نقص آنے کی کوئی وجہ، بلکہ اگر کسی شخص نے ۳۱ دن سے کسی عذر کے سبب خواہ بلا عذر ناخن نہ تراشے ہوں نہ خط بنوایا ہو کہ چاند ذی الحجہ کا ہوگیا، تو وہ اگرچہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اس مستحب پر عمل نہیں کرسکتا کہ اب دسویں تک رکھے گا تو ناخن وخط بنوائے ہوئے اکتالیسواں دن ہوجائے گا

اور چالیس دن سے زیادہ نہ بنوانا گناہ ہے، فعل مستحب کے لئے گناہ نہیں کرسکتا،

فی ردالمحتار فی شرح المنیة وفی المضمرات عن ابن المبارك فی تقلیم الاظفار وحلق الراس فی عشر ذی الحجة، قال لا تؤخر السنة، وقد ورد ذٰلك ولا یجب التاخیراھ فهذا محمول علی الندب بالاجماع الا ان نفی الوجوب لاینافی الاستحباب، فیكون مستحبا الا ان استلزم الزیادة علی وقت اباحة التاخیر، ونهایته مادون الاربعین، فلایباح فوقها[1] اھ مختصرا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ہے کہ منیہ کی شرح اور مضمرات میں ابن مبارک سے نقل کیا کہ ناخن کاٹنا اور سرمنڈانا ذوالحجہ کے دس دنوں میں آپ نے اس کے متعلق فرمایا کہ سنّت کو مؤخر نہ کیا جائے جبکہ اس کے متعلق حکم وارد ہے تاہم تاخیر واجب نہیں ہے اھ، تو یہ استحباب پر محمول ہے اور وجوب کی نفی استحباب کے منافی نہیں ہے لہذا مستحب ہے ہاں اگر اباحت کی مدت پر تاخیر کو مستلزم ہو تو مستحب نہ ہوگا، اباحت کی مدت کی انتہا چالیس روز ہے، تو اس سے زیادہ تاخیر مباح نہ ہوگی اھ مختصراً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۱: مرسلہ ڈاکٹر واعظ الحق سعد اللہ پوری ڈاکخانہ خسرو پور ضلع پٹنہ بوساطت مولوی ضیاء الدین صاحب ۵ ربیع الآخر ۱۳۲۲ھ

قربانی ایام تشریق تک جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

قربانی یوم نحر تک یعنی دسویں سے بارھویں تک جائز ہے، آخر ایام تشریق تک کہ تیرھویں ہے جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۲: مرسلہ مولوی حاجی اللہ یار خاں صاحب تاجر کتب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

رامپور میں عید اضحٰی شنبہ کے دن ہوئی اور بریلی میں یک شنبہ کو، اب درصورت عدم اطلاع کے جن لوگوں نے سہ شنبہ کو قربانی کی، اور بعد اس کے مطلع ہوئے، ان لوگوں کی قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ اب ان پر کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب العیدین داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۶۵

الجواب

دوسرے شہر کی رؤیت مجرد حکایات واخبار سے ہرگز ثابت نہ ہوگی، مثلاً چند آدمی اگرچہ کیسے ہی عادل ثقہ ہوں یہاں آکر بیان کریں، وہاں فلاں دن رؤیت ہوئی یا عید کی گئی، یا حکم دیا گیا، یا ہمارے سامنے گواہیاں گزریں، یا منادی پھری، کچھ قابلِ التفات نہیں کہ امر شرعی کا ثبوت بروجہ شرعی چاہیے، خانگی طور کا یقین کوئی چیز نہیں، گو عوام تو عوام اس زمانے کے بہت ذی علم بھی یقین شرعی وعرفی کے فرق سے غافل ہیں۔

فی الدر المختار وحاشیۃ رد المحتار (لا لو شہدوا برؤیۃ غیرہم لانہ حکایۃ[1]) فانہم لو یشہدوا بالرؤیۃ ولا علی شہادۃ غیرہم وانما حکوا رؤیۃ غیرہم، کذا فی فتح القدیر، قلت وکذا لو شہدوا برؤیۃ غیرہم، وان قاضی تلک المصر امر الناس بصوم رمضان لانہ حکایۃ لفعل القاضی ایضا ولیس بحجۃ بخلاف قضائہ[2] الخ۔

درمختار اور اس کے حاشیہ رد المحتار میں ہے اگر لوگوں نے غیر کی رؤیت پر شہادت دی تو جائز نہیں کیونکہ یہ محض حکایت ہے کیونکہ انھوں نے اپنی رؤیت پر شہادت دی اور نہ غیر کی شہادت پر مبنی شہادت دی انھوں نے تو صرف غیر کی رؤیت کی حکایت کی ہے یوں ہی فتح القدیر میں ہے۔ میں کہتا ہوں، اگر وہ غیر کی رؤیت پر شہادت بھی دیں تب بھی یہی حکم ہے اور یونہی اگر وہ اس شہر کے قاضی کے اس حکم پر شہادت دیں کہ اس نے لوگوں کو رمضان کا روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ قاضی کے فعل کی حکایت ہے اور یہ حجت نہیں ہے بخلاف جبکہ وہ قاضی کی قضاء پر شہادت دیں وہ حجت ہے الخ (ت)

پس اگر رامپور کی خبر اسی طرح یہاں آئی جب تو سہ شنبہ کی قربانیوں میں اصلاً خلل نہیں،

لانہم بنوہا علی امر شرعی وہو اکمال العدۃ ثلثین عند الغمۃ و لم یثبت ما یردہ فلا یخاطبون الا بہا وقع عندہم۔

کیونکہ انھوں نے شرعی حکم کو مبنی قرار دیا وہ تیس کی گنتی پوری کرنا جب بادل ہوں اور اس شرعی حکم کو رد کرنے والی کوئی چیز ثابت نہیں جبکہ لوگ اپنے ہاں پائی جانیوالی دلیل کے مخاطب ہیں (ت)

اگرچہ انھوں نے خلافِ احتیاط بیشک کیا کہ قطع نظر اس سے کہ افضل وفاضل یعنی دہم و یازدہم چھوڑ کر سب میں گیا درجہ اختیار کیا، جب اگلے چاند کی تاریخ میں بھی احتمال تھا، اور بے رؤیت وشہادت صرف تیس

---

[1] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۹

[2] رد المحتار | " | دار احیاء التراث العربی بیروت | ۲/۹۴

پُورے کرنے پر بنائے کار ہوئی تھی تو شنبہ کی عید بھی ایک احتمال رکھتی تھی، ایسی حالت میں فی التاخیر آفات پر نظر کرکے سہ شنبہ تک بیٹھا رہنا نہ چاہتے تھا۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بحالت احتمال مستحب ہے بارھویں تک دیر نہ لگائے، اور دیر ہوجائے تو مستحب ہے کہ اس قربانی سے کچھ اپنے یا اور اغنیاء کے صرف میں نہ لائے بلکہ بالکل راہِ خدا میں اٹھائے۔ شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

لوشك فی یوم الاضحی فاحب ان لایؤخر الی الیوم الثالث و الا فاحب ان یتصدق کله[1]

اگر قربانی کے دن میں شک ہو تو تیسرے دن تک مؤخر نہ کی جائے ورنہ تمام گوشت کو صدقہ کرنا مجھے پسند ہے (ت)

بااین ہمہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی قربانی قضا ہوگئی، البتہ افضل یہ ہے کہ جس قدر گوشت وغیرہ اپنے یا اور اغنیاء کے صرف میں آگیا ہو اس کی قیمت لگا کر تصدق کریں، اور نیز جانور مذبوح و زندہ میں بوجہ ذبح جو تفاوت قیمت ہوگیا وُہ بھی خیرات کریں، مثلاً زندہ ایک روپیہ کو آیا تھا اور ذبح کیا ہُوا بارہ آنے کو جاتا تو چار آنے اور تصدق کیے جائیں، عالمگیری میں ہے:

اذا شك فی یوم الاضحی فالمستحب ان لایؤخر الی الیوم الثالث، فان اخر یستحب ان لایاکل منه ویتصدق بالکل فیتصدق بفضل مابین المذبوح وغیر المذبوح لانه لووقع فی غیر وقته لایخرج عن العهدة الا بذلك، کذا فی المحیط السرخسی[2]

اگر قربانی کے دن میں شک ہو تو مستحب یہ ہے کہ تیسرے روز تک مؤخر نہ کی جائے اور مؤخر ہوجائے تو پھر مستحب یہ ہے کہ تمام گوشت صدقہ کیا جائے اور خود کچھ نہ کھائے اور مذبوح اور غیر مذبوح میں قیمت کے فرق زائد کو صدقہ کرے کیونکہ اگر قربانی اپنے وقت سے باہر ہو تو اس کے بغیر عہدہ برآ نہیں ہوتا، یوں محیط سرخسی میں ہے (ت)

درمختار وغیرہ میں ہے:

فان اکل تصدق بقیمة ما اکل اھ[3] ذکرہ فی الناذر، وافاد الشامی ان النذر

اگر کھالیا تو جتنا کھایا اس کی قیمت کو صدقہ کرے اھ، انھوں نے یہ نذر ماننے والے کو فرمایا اس پر علامہ شامی

---

[1] جامع الرموز کتاب الاضحیہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/۵۶-۳۵۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۹۵

[3] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۲

ليس بقيد[1] بل كذلك الحكم فی كل ما وجب التصدق به ، قلت واذا وجب هذا فی واجب التصدق ، ندب اليه فی مندوبه كالتصدق باللحم وبفصل مابين المذبوح الى غير المذبوح كما لايخفى لان المقصود الاحتياط للخروج عن العهدة باليقين ، فكل ماكان على العهدة لوتيقن القضاء لايكون مستحبا هنا ، لدفع الرياء وهذا مما لايظن به خفاء.

نے یہ افادہ فرمایا کہ نذر کی قید نہیں بلکہ ہر چیز جس کا صدقہ واجب ہو اس کا یہی حکم ہے ، میں کہتا ہوں ، جب واجب صدقہ کا یہ حکم ہے تو نفلی صدقہ میں گوشت کو صدقہ کرنا اور مذبوح اور غیر مذبوح سے فرق میں زائد کو صدقہ نفل ہوگا جیسا کہ مخفی نہ ہے کیونکہ مقصد یقینی طور پر عہدہ برآ ہونا ہے تو ذمہ دار کو اگر عہدہ آ ہونے کا یقین ہوجائے تو یہ مستحب نہیں ہے تاکہ ریاکاری نہ بن پائے اس میں خفاء کا گمان نہیں ہے (ت)

ہاں اگر بطریق موجب شرع وہاں کی خبر ثابت ہو ، مثلاً دو گواہ عادل نے آکر خود اپنی رؤیت پر گواہی دی ، یا دارالقضا میں قاضی شرع نے باستجماع شرائط ان کے سامنے حکم دیا ، انھوں نے اس حکم پر شہادت ادا کی ، یا وہاں کے دو عادل اہل رؤیت نے انھیں لعبارت معتبرہ شرع اپنی شہادت کا حامل کیا ، انھوں نے شہادۃ علی الشہادۃ باستیعاب شرائط گزاری ، یا وہاں کی خبر مستفیض و مشتہر ہوگئی ، بایں معنی کہ رامپور سے متعدد گروہ آئے اور سب یک زبان یہی خبر لائے تو دیکھا اصل مخبر وہاں کی دو تین شخص تھے ان کی زبانی نقل در نقل ہوکر شہر میں شہرت ہوگئی کہ یہ اصلاً قابلِ اعتبار نہیں ، وان اشتبه كثيرا على العوام ومن ضاهاهم (اگرچہ یہ بات بہت سے عوام اور ان جیسے لوگوں پر مخفی ہے ۔ ت) ایسی حالتوں میں بیشک وہاں کی رؤیت بروجہ شرعی ثابت ہوجائے گی ،

فی فتح القدير ورد المحتار ما اسمعناك ففى الدر المختار وحاشيته للعلامة الطحطاوى (يلزم) ثبوت الهلال سواء كان هلال الصوم او الفطر (اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية اولئك بطريق موجب) كان يتحمل اثنان الشهادة اويشهد على حكم القاضى ، اويستفيض

فتح القدیر اور ردالمحتار میں بیان کردہ ہم نے آپ کو سُنا دیا ہے اور درمختار اور اس کے حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ رمضان کا ہلال ہو یا فطر کا اس کا ثبوت مشرق والوں پر مغرب والوں کی رؤیت سے لازم ہوجاتا ہے جب مغرب والوں کی رؤیت مشرق والوں کے ہاں موجب طریقہ سے ثابت ہو مثلاً دو گواہ بنیں شہادت پر یا قاضی کی قضاء پر یا رؤیت

[1] ردالمحتار كتاب الاضحيه دار احياء التراث العربی بيروت ۵/۲۴۰

الخبر، بخلاف ما اذا اخبران اھل بلدۃ کذا رأوہ، لانہ حکایۃ اھ حلبی[1] الخ۔

کی خبر مستفیض ہوجائے بخلاف اس صورت کے کہ دو شخص یہ خبر دیں کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا ہے کیونکہ یہ محض حکایت ہے اھ حلبی الخ (ت)

علامہ مصطفٰی رحمتی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

معنی الاستفاضۃ ان تأتی من تلک البلدۃ جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اھل تلک البلدۃ انھم صاموا عن رؤیۃ الخ نقلہ الشامی[2] وقواہ۔

خبر مستفیض کا معنٰی یہ ہے کہ وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر جماعت یہ خبر دے کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے الخ، اس کو علامہ شامی نے نقل کیا اور اسے قوی قرار دیا۔ (ت)

اور علامہ شامی نے اگرچہ دربارہ اضحیہ اختلاف مطالع کو معتبر ماننے کا استظہار فرمایا،

حیث قال اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقہ بمطلق الرؤیۃ، وھذا بخلاف الاضحیۃ فالظاھر انھا کاوقات الصلوات یلزم کل قوم العمل بما عندھم، فیجزئ الاضحیۃ فی الیوم الثالث عشر[ع] وان کان علی رؤیا غیرھم ھو الرابع عشر[3]۔

جہاں انھوں نے کہا کہ روزہ میں مطالع کا اختلاف صرف اس لئے معتبر نہیں کہ روزے کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے اور یہ قربانی کے معاملہ کے خلاف ہے تو ظاہر یہ ہے کہ قربانی کا معاملہ اوقاتِ نماز کی طرح ہے ہر علاقہ کی قوم پر وہی لازم ہے جو اس کے ہاں ثابت ہو، لہذا تیسرے دن قربانی جائز ہے اگرچہ وہ دن دوسروں کے ہاں چوتھا دن بنتا ہو۔ (ت)

مگر یہاں اس کی گنجائش نہ ملے گی کہ مسئلہ قربانی میں مطالع شمس سے کام نہیں، جو ایک ہی فرسخ یعنی تین میل پر

ع: لایخفی ان الثالث والرابع عشر وقعا سھوا وانما مقصودہ رحمہ اللہ تعالٰی الثانی والثالث عشر ۱۲ منہ قدس سرہ۔

شامی میں تیرہ ۱۳ اور چودہ ۱۴ تاریخ کا ذکر سہواً ہوا جبکہ مقصد بارھویں اور تیرھویں تاریخ کا بیان ہے ۱۲ منہ قدس سرہ (ت)

---

[1] درمختار — کتاب الصوم — مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹
حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار — کتاب الصوم — دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۴۹
[2] ردالمحتار — کتاب الصوم — داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴
[3] ردالمحتار — 〃 — 〃 ۲/ ۹۶

مختلف ہوجاتے ہیں،

کما نص علیه علماء الھیئة قلت بل الحق انھا تختلف فی میل واحد بل اقل من ذٰلك، غیران التفاوت لقلتہ جدا لایستبین لنا الا فی نحو فرسخ۔

جیساکہ اس پر علماءِ ہیئت نے تصریح کی ہے، میں کہتا ہوں بلکہ حق یہ ہے کہ وہ ایک میل بلکہ اس سے کم میں مختلف ہوجاتے ہیں لیکن وہ اختلاف اتنا قلیل ہوتا ہے کہ ہمیں صرف فرسخ کی مسافت تک معلوم ہوسکتا ہے (ت)

بلکہ یہاں غرض مطالع قمر سے ہے کہ چوبیس۲۴ فرسخ یعنی بہتر۷۲ میل سے کم میں نہیں بدلتے، جن کے اس حساب سے کہ ایک میل کوس کے پانچ ثمن کا نام ہے،

کما تشھد به التقادیر الدائرة بین اھل اللسان اذا قیست الی الامیال المنصوبة فلاعبرة بما تلھج به متعلموا النصارٰی۔

جیساکہ اہل لسان کے ہاں معروف اندازے اس پر شاہد ہیں جبکہ گاڑے ہوئے میلوں کا حساب کیاجائے تو نصارٰی کے شاگردوں کے قول کا اعتبار نہیں۔(ت)

پینتالیس۴۵ کوس ہوئے،

فی ردالمحتار وفی شرح المنھاج للرملی، وقد نبه التاج التبریزی، علی ان اختلاف المطالع لایمکن فی اقل من اربعة وعشرین فرسخا وافتی به الوالد والاوجه انھا تحدیدیة کما افتی به ایضا اھ[1] فلیحفظ انتھی اقول والمنفی ھو الامکان العادی وان زعمت الفلاسفة مازعمت فان الله علٰی کل شیئ قدیر۔

ردالمحتار اور شرح منہاج امام رملی میں ہے، اور تاج الدین تبریزی نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ چوبیس فرسخ سے کم میں مطالع کا اختلاف ممکن نہیں ہے اور والدگرامی نے اسی پر فتوٰی دیا ہے اور اس اندازہ کا تحدیدی ہونا مناسب ہے جیسا کہ انھوں نے یہ بھی فتوٰی دیا ہے اھ محفوظ کرو انتہی' میں کہتا ہوں امکان عادی کی نفی کی گئی ہے اگرچہ فلاسفہ جوچاہے خیال کریں، تو بیشک اللہ تعالٰی ہرچیز پر قادر ہے۔(ت)

اور بریلی سے رامپور کا فاصلہ براہ دائرۂ طول کہ علمِ ہیئت میں اسی کا لحاظ ہے، اس

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۶

مقدار[عہ] کے نصف کو بھی نہیں پہنچتا، اور اگر حساب عامہ ہی لیجئے تو بھی اس سے بہت کم ہے، بہرحال وہ تفاوت ہرگز نہیں جس کے باعث چاند کے مطلع بدلتے ہیں، لاجرم جب ثبوت شرعی پہنچے گا قطعاً ظاہر ہوجائے گا کہ سہ شنبہ کی قربانیاں ایام نحر گزرجانے کے بعد تیرھویں تاریخ واقع ہوئیں اب وہ احکام تصدق جو صورت بالا میں بطور افضلیت واستحباب مذکور ہوتے تھے سب واجب ہوجائیں گے کما ظھر مما مر (جیسا کہ گزشتہ سے ظاہر ہوا۔ ت) تحقیق ان مسائل کی فقیر کے رسالہ "ازکی الاھلال بابطال ما احدث الناس فی امر الھلال" میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۹: از ایرایان محلہ سادات ضلع فتحپور مسئولہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۲۲ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امسال اخبار وغیرہ سے معلوم ہوا کہ بقرعید کو ۲۹ کا چاند ہوا مگر معقول سند نہ ملنے سے تیس کے حساب سے عید اضحی ہوئی، تو قربانی ۱۲ تاریخ کو ۳۰ کے حساب سے کرے یا احتیاطاً اختلاف کی وجہ سے ۱۱ تک کرلے ۱۲ کو نہ کرے۔

الجواب

دربارۂ رؤیت اخبار کا کچھ اعتبار نہیں، ہمیں حکم ہے کہ ۲۹ کا چاند اگر ثابت نہ ہو تو ۳۰ دن پورے کرلیں فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین (اگر بادل ہوجائے تم پر، تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ ت) ۳۰ کے حساب سے بارھویں تک قربانی بے تکلف کریں احتمالات کا شریعت میں کچھ اعتبار نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۰: از بنگالہ شہر اسلام آباد چاٹگام موضع ادھونگر مرسلہ مولوی عبدالجلیل صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ

چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ درخانہ شخصے دہ کس موجود است، وقربانی بر ہریک ایشاں واجب است، پس شخصے مذکور گاوے خرید از طرف ہفت کس قربانی نمود، واز جانب سہ کس ہیچ نکرد، ووقت قربانی فوت گردید،

علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک گھر میں دس حضرات موجود ہیں اور ان سب پر قربانی واجب ہو تو گھر والے شخص نے سات حضرات کی طرف سے گائے خریدی اور قربانی کردی اور باقی تین حضرات کی قربانی نہ ہوئی اور

عہ طول رامپور قید لو یعنی $\frac{۳۴}{۳۶}$ طول بریلی قید لط یعنی $\frac{۱۴}{۵۹}$ فصل بقدر رباکج یعنی $\frac{۱}{۲۳}$ میل تقریباً $۲۵\frac{۱}{۲}$ جن کے سولہ کوس سے بھی کم ہوئے ولہذا دونوں شہر کے نصف النہار میں تفاوت صرف بقدر باالب ہوتا ہے یعنی جب یہاں ۱۲ بجتے ہیں وہاں بارہ بجنے میں ڈیڑھ منٹ باقی ہوتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز۔

پس از بواقی ساقط شود یا بمقدار آں بر فقراء و مساکین راصدقہ کنند شرعاً چہ حکم است۔ بیّنوا بسنۃ الکتاب توجروا من الملک الوھاب۔

قربانی کا وقت ختم ہوگیا تو کیا باقی حضرات کی قربانی ساقط ہوجائے گی یا وہ حضرات قربانی کی مالیت کو فقراء و مساکین پر صدقہ کریں، شرعاً کیا حکم ہے؟ بتاؤ اور اجر اپنے عطا کرنے والے مالک سے پاؤ (ت)

الجواب

از سہ باقی ساقط نشود فان الاضحیۃ واجبۃ عینا لا کفایۃ، وچوں وقت گزشتہ است واجب است کہ ہریک ازیں سہ کساں قیمت گوسپندے کہ در اضحیہ کافی شود، برفقراء صدقہ کنند فی الدر المختار ترکت التضحیۃ ومضت ایامھا تصدق غنی بقیمۃ شاۃ تجزئ فیھا[1] اھ ملتقطا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

باقی تین سے قربانی ساقط نہ ہوگی کیونکہ واجب عینی ہے واجب کفایہ نہیں ہے جب وقت گزر گیا تو ان کو چاہئے کہ وہ بکرے کی قیمت فقراء پر صدقہ کریں، درمختار میں ہے کہ قربانی چھوٹ گئی ہو تو وقت ہوجانے پر غنی شخص بکرے کی قیمت صدقہ کردے تو اس سے کفایت حاصل ہوجائے گی اھ ملتقطاً واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۹۱

۱۲ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زید کے پاس مکان سکونت کے علاوہ دو ایک اور ہوں تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

واجب ہے جبکہ وہ مکان تنہا یا اس کے اور مال سے کہ حاجت اصلیہ سے زائد ہو مل کر چھپن روپے کی قیمت کو پہنچیں، اگرچہ ان مکانوں کو کرایہ پر چلاتا ہو یا خالی پڑے ہوں یا سادی زمین ہو بلکہ مکان سکونت اتنا بڑا ہے کہ اس کا ایک حصہ اس کے جاڑے گرمی کی سکونت کے لئے کافی ہو اور دوسرا حصہ حاجت سے زائد ہو، اور اس کی قیمت تنہا یا اسی قسم کے مال سے مل کر نصاب تک پہنچے جب بھی قربانی واجب ہے، اسی طرح صدقۂ فطر بھی۔

فی الھندیۃ عن الظھیریۃ ان کان لہ عقار ومستغلات ملک اختلف المشائخ

ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے کہ زمین اور آمدن والی ملکیت ہو تو متاخرین فقہاء رحمہم اللہ تعالٰی نے

---

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

المتأخرون رحمہم اللہ تعالٰی فالزعفرانی و الفقیہ علی الرازی اعتبر قیمتہا، وابوعلی الدقاق وغیرہ اعتبرالدخل، واختلفوا فیما بینھم، قال ابوعلی الدقاق ان کان یدخل لہ من ذٰلک قوت سنۃ فعلیہ الاضحیۃ ومنہم من قال قوت شہر، ومتی فضل من ذٰلک قدر مائتی درھم فصاعدا فعلیہ الاضحیۃ[1] الخ ونحوہ فی رد المحتار ولم یذکر ترجیحا ورأیتنی کتبت علی ھامشہ مانصہ، اقول بہ جزم فی الخانیۃ من صدقۃ الفطر ولم یحک خلافا حیث قال وما زاد علی الدار الواحدۃ والدست جبات الثلثۃ من الثیاب یعتبر فی الغناء[2] اھ ثم قال واذاکان لہ دار لایسکنہا ویؤاجرھا اولایؤاجرھا یعتبر قیمتہا فی الغناء وکذا اذا اسکنہا و فضل عن سکناہ شیئ یعتبر فیہ قیمۃ الفاضل فی النصاب ویتعلق بھذا النصاب احکام وجوب صدقۃ الفطر والاضحیۃ وحرمۃ وضع الزکاۃ فیہ ووجوب نفقۃ الاقارب[3] اھ

اختلاف کیا ہے، توزعفرانی اور فقیہ علی رازی نے ان کی قیمت کا اعتبار کیا ہے اور ابوعلی الدقاق وغیرہ نے ان کی آمدن کا اعتبار کیا ہے اور پھر آمدن کے اعتبار والوں کا آپس میں اختلاف ہوا، ابوعلی الدقاق نے کہا اگر سال بھر کی آمدن حاصل ہوجائے تو قربانی واجب ہے اور ان میں سے بعض نے مہینے کا قول کیا ہے آمدن میں سے سال بھر میں دوسو درہم فاضل بچ جائیں یا اس سے زائد، تو اس پر قربانی واجب ہے الخ، اور ردالمحتار میں اسی کی مثل مذکور ہے اور انھوں نے ترجیح کو ذکر نہ کیا، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے، عبارت یہ ہے، اقول (میں کہتا ہوں) خانیہ میں اس پر جزم فطرانہ کے متعلق کیا ہے اور انھوں نے اختلاف کو ذکر نہ کیا جہاں انھوں نے فرمایا، جو ایک مکان اور تین جوڑے لباس سے زائد ہو وہ غنا میں شمار ہوگا اھ، پھر فرمایا اگر اس کا مکان ہو جس میں رہائش پذیر نہیں اس کو کرایہ پر دیا ہو یا نہ دیا ہو تو اس کی قیمت کے اعتبار سے غنا میں شمار ہوگا، اور یوں اگر مکان میں رہائش پذیر ہو اور رہائش سے کچھ کمرے زائد ہوں تو زائد کی قیمت کو نصاب میں شمار کیا جائے گا اور اس نصاب سے صدقۂ فطر اور قربانی، زکوٰۃ لینے کی حرمت اقارب کا نفقہ کے احکام متعلق ہوجائیں گے، اھ،

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۲

[2] و [3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصوم فصل فی صدقۃ الفطر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۰۷

وهكذا نقل الكلام عنها برمزه "خ" في خزانة المفتين وكذلك ذكر في البزازية اقوال المتاخرين كالزعفراني والدقاق وغيرهما مقدما قول الزعفراني ان العبرة بالقيمة ثم قال وعند الثاني رحمه الله هو موسر بالضياع[1] اه وفي الهندية عن الخلاصة عن الاجناس لوكان له دار فيها بيتان شتوي وصيفي وفرش شتوي وصيفي، لم يكن بها غنيا فان كان له فيها ثلث بيوت وقيمة الثالث مائتا درهم فعليه الاضحية[2] الخ ومثله في البزازية[3] وقال قبله لو كان في دار اجارة فاشترى ارضا بنصاب وبنى فيها منزلا يسكنه لزمت[4] اه، وبالجملة قد تظافرت الروايات على الايجاب وهو الموافق لاطلاق المتون والشروح، من قولهم كما في الهداية وغيرها واجبة على الحر المسلم، اذا كان مالكا لمقدار النصاب فاضلا عن

اور خزانۃ المفتین میں خانیہ کی اس کلام کو اس کی رمز "خ" کے ساتھ ذکر کیا اور یوں ہی بزازیہ نے متاخرین کے اقوال کو ذکر کیا اور زعفرانی کے قول کو دوسروں پر مقدم کیا کہ قیمت کا اعتبار ہے اور پھر کہا کہ امام ثانی (امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی) کے نزدیک زمینوں کی وجہ سے غنی قرار پائے گا اھ اور ہندیہ میں خلاصہ سے بحوالہ اجناس ذکر کیا کہ اگر مکان میں دو کمرے ہوں ایک موسم سرما اور دوسرا موسم گرما کے لئے ہو اور سردی اور گرمی کے بستر ہوں تو اس سے غنی شمار نہ ہوگا، اور اگر مکان کے تین کمرے ہوں اور تیسرے کی قیمت دو سو درہم ہو تو اس پر قربانی لازم ہوگی الخ، اور اس کی مثل بزازیہ میں مذکور ہے انھوں نے اس سے قبل ذکر کیا اگر کوئی کرایہ کے مکان میں ہو تو اس نے نصاب برابر قیمت سے زمین خرید کر مکان بنایا اور اس میں رہائش پذیر ہُوا تو اس پر قربانی لازم ہے اھ، خلاصہ یہ کہ اس پر قربانی کو واجب کرنے والی روایات کثیرہ متفق ہیں اور یہی متون اور شروح کے اطلاق کے موافق ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کا قول ہے کہ آزاد مسلمان جب اپنی رہائش، لباس، ضروری سامان

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ علٰی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الاضحیۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۸۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الاول " " " " ۵/ ۲۹۳

[3] فتاوٰی بزازیۃ علٰی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الاضحیۃ الفصل الثانی " " " " ۶/ ۲۸۷

[4] " " " " " " " " " " ۶/ ۲۸۷

مسکنه وثیابه واثاثه وفرسه وسلاحه وعبیده[1] وهو المنقول من احد شیخی المذهب والخلاف انما جاء عن المتأخرین ثم هو الاحوط فعلیه فلیکن التعویل، فان قلت الیس قد احالوا یسار الاضحیة علی یسار صدقة الفطر واحال فی التنویر یسارها علی نصاب یحرم الصدقة، حیث قال صدقة الفطر تجب علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیة وان لم ینم وبه تحرم الصدقة[2] اھ وقال فی الدر من مصارف الزکوٰة لا یصرف الی غنی یملك قدر نصاب فارغ من حاجته الاصلیة من ای مال کان[3] اھ وقال فی رد المحتار ذکر فی الفتاوی فیمن له حوانیت ودور للغلة، لکن غلتها لا تکفیه ولعیاله انه فقیر ویحل له اخذ الصدقة عن محمد، وعند ابی یوسف لا یحل کذا لوله کرم لا تکفیه غلته اھ

سے زائد مقدارِ نصاب کا مالک گھوڑے، ہتھیار اور غلام وغیرہ سے زائد مقدار نصاب کا مالک ہو تو قربانی واجب ہے، اور وہی مذہب کے ایک شیخ سے بھی منقول ہے اور اختلاف متاخرین میں پیدا ہوا ہے، پھر یہی باعثِ احتیاط ہے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے، اگر تُو اعتراض کرے کہ فقہاءِ کرام نے قربانی کے معیارِ وجوب کو صدقہ فطر کے معیارِ وجوب کی طرف پھیرا ہے اور تنویر میں قربانی کو صدقہ واجبہ کی حرمت کے معیار پر لاگو کیا ہے جہاں انھوں نے کہا کہ صدقہ فطر ہر ایسے مسلمان پر واجب ہے جو اپنی اصلی حاجت سے زائد نصاب والا ہو اگرچہ وُہ نصاب نامی نہ ہو اور اسی نصاب سے صدقہ واجبہ لینا حرام ہو جاتا ہے اھ اور درمختار میں مصارف زکوٰۃ کے باب میں کہا کہ زکوٰۃ غنی پر صرف نہ کی جائے غنی وہ کہ اپنی اصلی حاجت سے فارغ قدرِ نصاب کا مالک ہو خواہ کوئی بھی مال ہو اھ اور ردالمحتار میں کہا کہ فتاوٰی میں مذکور ہے ایسے شخص کے متعلق جو دکانوں اور مکانوں کا مالک ہو جن کو کرایہ پر دیا ہو لیکن ان کا کرایہ اس کو اور اس کے عیال کو کفایت نہیں کرتا تو وُہ فقیر ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اس کو زکوٰۃ حلال ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک حلال نہیں ہے

---

[1] الہدایۃ کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الفطر مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۱۸۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۴۳-۱۴۲

[3] درمختار " باب المصرف " " " ۱/ ۱۴۱

وفی التتارخانیۃ عن الصغری لہ داریسکنھا لکن تزید علی حاجتہ بان لایسکن الکل یحل لہ اخذ الصدقۃ فی الصحیح ، وفیھا سئل محمد عمن لہ ارض یزرعھا ، او حانوت یستغلھا ، او دار غلتھا ثلثۃ اٰلاف ، ولاتکفی لنفقتہ ونفقۃ عیالہ سنۃ یحل لہ اخذ الزکٰوۃ وان کانت قیمتھا تبلغ الوفاء ، وعلیہ الفتوی وعندھما لایحل[1] اھ الکل ملخصات ، قلت نعم یفتی بھذا فی حرمۃ الصدقۃ ، وبہ جزم فی الخانیۃ وخزانۃ المفتین ، قالا لوکان لہ حوانیت او دار غلۃ تساوی ثلثۃ اٰلاف ، وغلتھا لاتکفی لقوتہ وقوت عیالہ یجوز صرف الزکٰوۃ الیہ وکذا لوکان لہ ضیعۃ تساوی ثلثۃ اٰلاف ولایخرج منھا مایکفی لہ ولعیالہ یجوز لہ اخذ الزکٰوۃ[2] اھ ثم لم یمنعھا ھذا علی جزمھما فی مسئلۃ الاضحیۃ

اور یونہی اگر انگور ہوں اور اُن کی آمدن اسے کافی نہ ہو اھ اور تتارخانیہ میں فتاوٰی صغرٰی سے منقول ہے کسی کا مکان رہائشی ہو لیکن حصہ حاجت سے زائد ہو اور سب میں رہائش نہ ہو تو صحیح قول میں اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے ، اور اس میں ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے سوال کیا گیا کہ کسی کی زراعت والی زمین ہو یا دکانیں کرایہ پر دی ہوں یا مکانات کرایہ والے ہوں اور ان کی آمدن تین ہزار ہو اور وہ اس کو اور اس کے عیال کو سال بھر کے لئے کافی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اگر ان کی قیمت خرچہ کو پورا کرتی ہو ، اور اسی پر فتوٰی ہے ، اور شیخین کے نزدیک حلال نہیں ہے اھ ، یہ تمام عبارتیں ملخص ہیں ، جواب میں کہتا ہوں ہاں زکوٰۃ کے حرام ہونے کے لئے یہ فتوٰی ہے اور اسی پر خانیہ اور خزانۃ المفتین میں جزم کیا ہے ان دونوں نے کہا کہ اگر دکانیں اور مکان کرایہ پر دئے ہوں جن کی آمدن تین ہزار ہو اور یہ آمدن اس کو اور اس کے عیال کو کافی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور یوں اگر زرعی زمین ہو جس کی قیمت تین ہزار ہو جبکہ اس سے حاصل ہونے والا غلہ اتنا نہیں کہ اس کو اور اس کے عیال کو کافی ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے اھ ، پھر یہ زکوٰۃ لینے کا جواز ان دونوں حضرات کے جزم کے مطابق قربانی کے مسئلہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵
[2] فتاوٰی قاضیخان 〃 فصل فیمن یوضع فیہ الزکوٰۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۲۴
خزانۃ المفتین 〃 باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۷

بما رأیت ولا تلازم بین حل الصدقۃ و سقوط الواجبات المالیۃ، حتی صرح العلماء ان من لہ نصاب سائمۃ لاتساوی مائتی درھم تحل لہ الزکوٰۃ، وتلزمہ الزکوٰۃ، فی ردالمحتار عن الشرنبلالیۃ عن الجوھرۃ عن الامام المرغینانی اذاکان لہ خمس من الابل قیمتھا اقل من مائتی درھم تحل لہ الزکوٰۃ وتجب علیہ[1] اھ وتمام تحریرہ فیہ ولا شك ان الزکوٰۃ اضیق وجوبا من صدقۃ الفطر والاضحیۃ، فلاغروان وجبتا علی صاحب الضیاع والمستغلات لملکہ نصابا فاضلا، وحلت لہ الصدقۃ لعدم کفایۃ الغلۃ لہ ولعیالہ لہ نعم یبقی خلاف مفھوم ما افادہ فی التنویر ولاحرج فیہ بعد ما جاءت من العلماء تلك النصوص بالتکثیر، و اللہ تعالٰی اعلم۔

کے لئے مانع نہیں، جیسا کہ تم نے دیکھا، جبکہ زکوٰۃ کے حلال ہونے اور واجبات مالیہ کے ساقط ہونے میں تلازم نہیں ہے حتی کہ علمائے نے تصریح کی ہے کہ جس کے پاس سائمہ جانوروں کا نصاب موجود ہو اور ان جانوروں کی قیمت دوسو درہم کے مساوی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اس کے باوجود جانوروں کی زکوٰۃ اس پر واجب ہے، اور ردالمحتار میں شرنبلالی بحوالہ جوھرہ امام مرغینانی سے منقول ہے کہ اگر کسی کے پاس پانچ اونٹ ہوں جن کی قیمت دوسو درہم سے کم ہو اس کو زکوٰۃ حلال ہے باوجودیکہ اس پر اونٹوں کی زکوٰۃ واجب ہے اھ اور اس کی مکمل بحث وہاں موجود ہے اور اس میں شک نہیں کہ زکوٰۃ کا وجوب صدقہ فطر اور قربانی کے وجوب سے کڑا ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ صدقہ فطر اور قربانی زمین وغیرہ کی آمدن والے پر واجب ہوں جبکہ وہ آمدن اصلی حاجت سے زائد نصاب برابر ہو اور ساتھ ہی اس کو زکوٰۃ لینا حلال بھی ہو کیونکہ زمین کی آمدن اس کو اور اس کے عیال کو کافی نہ ہو، ہاں تنویر کے مفاد مفہوم کا خلاف باقی رہا تو اس میں علماء کی کثیر نصوص آجانے کے بعد کوئی حرج نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۲: مسئولہ مولوی ظفر الدین صاحب از بانکی پور پٹنہ ۲۳ صفر ۱۳۳۲ھ

ایک شخص برائے نام صاحبِ جائداد ہے، سَو روپیہ سالانہ آمدنی کی جائداد ہے، وُہ شخص ستر للعہ ماہوار کا نوکر بھی ہے جو اس کی ضروریاتِ دنیویہ کو کافی ہے، کسی سال میں کچھ نہیں بچتا،

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

اس کی بیوی کے پاس تقریباً ؏ ؎ روپیہ کا زیور ہے، ۵۰ کا طلائی باقی نقرئی، اب ایسی صورت میں یہ توظاہر ہے کہ زکوٰۃ میاں بی بی دونوں میں کسی پر واجب نہیں مگر صدقہ فطر و قربانی ان دونوں یا ایک پر واجب ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کس پر؟

الجواب

نشتر روپیہ کا زیور اگر مملوک زن ہے اور اس پر قرض نہیں تو اس پر نہ صرف اضحیہ و صدقہ فطر بلکہ زکوٰۃ بھی فرض ہے کہ اگرچہ ؎ کے سونے ؏ کی چاندی میں کسی کی نصاب کامل نہیں، مگر سونے کو چاندی کرنے سے چاندی کی نصاب کامل مع زیادۃ ہوجائے گی، ہاں شوہر پر صدقہ واضحیہ بھی نہیں اگرچہ زیور مذکور بھی اسی کی ملک ہو کہ تمام کا قرض محیط ہے مگر ان علماء کے نزدیک کہ ایجاب صدقہ واضحیہ میں قیمت جائداد کا اعتبار کرتے ہیں، اور راجح و مفتی بہ اول ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

ان کان له عقار ومستغلات ملك اختلف المشائخ المتأخرون رحمهم الله فالزعفرانی والفقیه علی الرازی اعتبرا قیمتها، وابو علی الدقاق وغیرہ اعتبروا الدخل، واختلفوا فیما بینهم، قال ابو علی الدقاق ان کان یدخل له من ذٰلك قوت سنة فعلیه الاضحیة ومنهم من قال قوت شهر ومتی فضل من ذٰلك قدر مائتی درهم فصاعدا فعلیه الاضحیة۔[1]

اگر کسی کی زمین اور آمدن والی ملکیت ہو متاخرین مشائخ کا اختلاف ہے تو زعفرانی اور فقیہ علی رازی نے قیمت کا اعتبار کیا ہے اور ابوعلی الدقاق وغیرہ نے آمدن کا اعتبار کیا ہے اور ان کا آپس میں اختلاف ہوا ابوعلی الدقاق نے کہا اگر اس کو ان اشیاء سے سال بھر کے خرچہ کی آمدن ہو تو اس پر قربانی واجب ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ ماہانہ خرچہ کی آمدن ہو اور جب سال بھر میں دوسو درہم یا زائد فاضل بچ جائے تو اس پر قربانی واجب ہے (ت)

ردالمحتار میں بدائع سے ہے:

سئل محمد عمن له ارض یزرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلثة اٰلاف ولا تکفی لنفقته ونفقة

امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے سوال کیا گیا ایسے شخص کے متعلق کہ اس کی زرعی زمین یا دکان یا مکان کا کرایہ آمدن تین ہزار ہے اور وہ اس کے اور

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۹۲

عیالہ سنۃ یحل لہ اخذ الزکوٰۃ، و ان کانت قیمتہ تبلغ الوفا وعلیہ الفتوٰی، وعندھما لایحل[1]

اس کے عیال کے سال بھر کے نفقہ کے لئے کافی نہیں اسس کو زکوٰۃ حلال ہے اگرچہ ان کی قیمت کفایت کو پہنچتی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے اور شیخین کے نزدیک حلال نہیں (ت)

درمختار کے صدقۂ فطر میں ہے:

تجب علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجتہ الاصلیۃ وان لم ینم، وبہٰذا النصاب تحرم الصدقۃ، وتجب الاضحیۃ ونفقۃ المحارم علی الراجح[2] اھ قلت فالذی لہ ارض قیمتھا الوف کما وصف لوکان تجب علیہ الاضحیۃ لحرمت علیہ الزکوٰۃ لکنھا لم تحرم فالاضحیۃ لم تجب، واللہ تعالٰی اعلم۔

ہر مالک نصاب مسلمان پر کہ اسس کی اصلی حاجت سے زائد ہو اگرچہ یہ نصاب نامی نہ ہو تو راجح قول پر محارم کا نفقہ اور قربانی واجب ہے اور اسس نصاب سے زکوٰۃ لینا حرام ہوجاتا ہے، میں کہتا ہوں جس کے پاس زمین ہے جس کی قیمت ہزاروں ہے جیسے بیان کیا گیا ہے اگر اس پر قربانی واجب ہے تو اس کو زکوٰۃ لینا حرام ہے لیکن زکوٰۃ حرام نہیں، لہذا قربانی واجب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۳: از سرکار مارہرہ شریف مرسلہ حضور سیدنا سید مہدی حسن میاں صاحب سجادہ اقدس دامت برکاتہم ۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

اعلحضرت محترم سلام خادمانہ عرض ہے، فقیر رضوی کی عمر گیارہ سال کچھ ماہ کی ہے، زیور اس کے پاس غالباً ساٹھ روپے کا ہے، بالغ نہیں ہے، قربانی اس کے ذمہ واجب ہے یا نہیں؟ پیر برکات عمر سترہ سالہ خلف بھائی جان مرحوم بے ماں باپ کا ہے لیکن اسس کی والدہ کا زیور وظروف مستی دیا رچھائے پوشیدنی ہیں جو بغصب ایک شخص کے پاس ہیں جن کے ملنے کی کسی قسم کی امید اس کو کسی زمانہ میں نہیں، وُہ مالک ووارث اُن چیزوں کا ضرور ہے مگر اسس کے قبضہ سے قطعی باہر ہیں اور صحیح طور سے یہ بھی نہیں معلوم کہ اُن چیزوں کا وجود ہے یا نہیں، اسس کے ذمہ قربانی ہے یا نہیں؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

[2] درمختار " باب صدقۃ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۲ و ۱۴۳

الجواب

حضور والا آداب غلامانہ معروض، نابالغ اگرچہ کسی قدر مالدار ہو نہ اس پر قربانی ہے نہ اس کی طرف سے اس کے باپ وغیرہ پر، حضرت صاحبزادہ صاحب! اگر اس مال کے سوا اپنی حاجت اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کے مالک ہیں تو ان پر قربانی ہے ورنہ نہیں، وہ مال کہ نہ کبھی اس کے ملنے کی اُمید نہ اُس کا وجود ہی معلوم، مثل معدوم ہے، اس کے سبب وجوب نہ ہوگا، زیادہ حدادب۔

مسئلہ ۱۹۴ ۲۲ر صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، سائل دریافت کرتا ہے کہ قربانی ولی کرے تو سب گھر والوں کی طرف سے ہو جائے گی کیونکہ سب اولاد شامل ہے مثلاً بیٹے اور بیٹیوں کی اولاد، نواسے وغیرہ اور سب مال اسباب کا دادا جو کہ ولی ہے مالک ہے، اور دوسروں کو اختیارات بالکل نہیں ہیں، اور ولی اپنے دل میں خیال کرکے قربانی یا دیگر صدقات یا زکوٰۃ یا میلاد شریف کرتا ہے، اس صورت میں سب کی طرف سے قبول ہوگی یا ولی کی طرف سے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ایک قربانی نہ سب کی طرف سے ہو سکتی ہے نہ سوا مالک نصاب کے کسی اور پر واجب ہے، اگر اس کی بالغ اولاد میں کوئی خود صاحب نصاب ہو تو وہ اپنی قربانی جدا کرے، یونہی زکوٰۃ جس جس پر واجب ہے یہ الگ الگ دیں، ایک کی زکوٰۃ سب کی طرف سے نہیں ہو سکتی، جو چیز واجب شرعی نہیں مثلاً صدقہ نفل و میلاد مبارک وہ بھی ایک کے کرنے سے سب کی طرف سے نہ قرار پائے گا، ہاں کرنے والا ہر ایک کا اگرچہ فرض ہو اپنی اولاد اور گھر والوں جن کو چاہے پہنچا سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۵ از مدرسہ منظر الاسلام مرسلہ مولوی احسان علی صاحب متعلم مدرسہ مورخہ ۷ر ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نصاب کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ۵۲½ تولے چاندی یا ۷½ تولے سونا بمقدار اس کے روپیہ موجود ہوں جب قربانی واجب ہے یا کہ اتنے مقدار کی مالیت ہو چاہے اس کے پاس کاشت ہو یا چوپائے ہوں، اگر ایک شخص کے پاس ۶۰ روپیہ کی بھینس یا بیل ہے تو اس پر قربانی ہے یا نہیں، کسی شخص کو ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے لیکن بزمانہ قربانی ایک روپیہ بھی اس کے پاس موجود نہیں، وہ شخص قرض لے کر قربانی کرے گا یا کہ نہیں، علٰی ہذا القیاس کاشت فروخت کرکے قربانی کرے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

24
24

الجواب

قربانی واجب ہونے کے لئے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایامِ قربانی میں اپنی تمام اصلی حاجتوں کے علاوہ ۵۶ روپیہ کے مال کا مالک ہو، چاہے وہ مال نقد ہو یا بیل یا بھینس یا کاشت، کاشتکار کے ہل بیل اس کی حاجتِ اصلیہ میں داخل ہیں اُن کا شمار نہ ہو، ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی والا آدمی قربانی کے دن ۵۶ روپیہ کا مالک نہ ہو، یہ صورت خلافِ واقعہ ہے، اور اگر ایسا فرض کیا جائے کہ اُس وقت وُہ فقیر ہے تو ضرور اس پر قربانی نہ ہوگی، اور جس پر قربانی ہے، اور اس وقت نقد اس کے پاس نہیں وُہ چاہے قرض لے کر کرے یا اپنا کچھ مال بیچے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۹۶

۱۳ر ذوالحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری پارسال قربانی کے ارادہ سے لی گئی، اُس نے گھر میں آکر دُودھ دیا، اور لوگوں نے کہا یہ بکری دودھ کی ہے اس کی قربانی مت کرو، تو اس کے عوض ایک مینڈھا قربانی کردیا اور بکری کو گاؤں بھیج دیا وہاں جاکر وہ گابھن ہوگئی، پھر اس کو مکان پر بلالیا، یہاں آکر دو بکری بیاتی، اور ان کا بھی یہی ارادہ کیا کہ جب یہ دونوں بکری سال بھر کی ہوجائیں گی ان کی بھی قربانی کردی جائے گی، اس کا دودھ بھی اپنے کام میں آیا، بعد کو بکری مع اس کے بچوں کے گاؤں بھیج دی گئی، پھر اب اس کو گاؤں سے منگوالیا قربانی کے لئے، تو اس کے آثار سے معلوم ہوا کہ گابھن ہے اس کی قربانی نہیں کی بلکہ اس کے عوض میں ایک مینڈھا قربانی کردیا گیا۔

پس اس صورت میں بکری کا دُودھ اپنے کام آسکتا ہے یا نہیں؟ اور آیا اس بکری کو فروخت کرنا یا لینا جائز ہے اپنے لئے یہ بکری ڈھائی روپیہ میں پارسال خریدی گئی تھی، اور پارسال جو مینڈھا اس کے عوض میں قربانی کیا گیا اس کی قیمت یاد نہیں، اور اب کے جو مینڈھا قربانی کیا گیا دو روپیہ چھ آنہ میں خریدا گیا تھا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

دُودھ کے جانور یا گابھن کی قربانی اگرچہ صحیح ہے مگر ناپسند ہے، حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی، سائل جبکہ غنیہ مالکہ نصاب ہے تو بہ نیت قربانی بکری خریدنے سے خاص اسی کی قربانی اس پر لازم نہ ہوئی اسے بدل لینے کا اختیار تھا، دودھ دیتی دیکھ کر اس کے عوض مینڈھا کردیا، اس سال گابھن خیال کرکے بھی مینڈھا کیا کچھ حرج نہ ہوا، اس بکری کا پالنا، بیچنا، دُودھ پینا سب روا ہے۔

وکراھۃ الانتفاع بلبن الاضحیۃ وصوفھا قربانی سے قبل اس جانور کے دودھ اور اُون سے انتفاع

قبل التضحیۃ انما کان لانہ التزام اقامۃ القربۃ بجمیع اجزائہا کما فی الدر[1] فاذا اقام القربۃ بغیرہا بقیت علی حکم ملکہ المطلق المتصرف علی ان منہم من اجازہما اعنی الانتفاع باللبن والصوف للغنی مطلقا لوجوبہا فی الذمۃ فلایتعین کما فی الدر[2] عن الزیلعی قال الشامی والجواب ان المشتراۃ للتضحیۃ متعینۃ للقربۃ الی ان یقام غیرہا مقامہا[3]۔ اما کراھۃ الاستبدال فشیئ خارج عما نحن فیہ لان الکلام فی حل الانتفاع بہا بیعا وحلبا بعد ما ابدلت بل ھی الکراھۃ فی غیرہا اذا وجدہا ذات در او حمل لورود الحدیث بالنہی عنہما، واللہ تعالٰی اعلم۔

اس لئے مکروہ ہے کیونکہ اس نے اس جانور کو جمیع اجزاء سمیت قربت کے لئے لازم بنایا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے تو جب اس نے قربت دوسرے جانور سے قائم کرلی تو اب یہ اس کی مطلق ملک والے تصرف میں ہوگیا، علاوہ ازیں بعض نے دودھ اور اون سے غنی کو انتفاع مطلقاً جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس کے ذمہ واجب ہے لہذا یہ جانور متعین نہ ہوا جیسا کہ درمختار میں زیلعی سے منقول ہے، علامہ شامی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ خریداری قربانی کے لئے ہونے کی وجہ یہ جانور متعین رہے گا جب تک دوسرا اس کے قائم مقام نہ بنا لے، لیکن دوسرے سے تبدیل کرنے کی کراہت علیحدہ معاملہ ہے وہ ہماری بحث سے خارج ہے کیونکہ یہاں اس جانور کو تبدیل کرنے کے بعد اس کی بیع اور دودھ سے انتفاع حلال ہونے میں بحث ہے بلکہ یہ کراہت دُودھ یا حمل پائے جانے کی وجہ ہے اس لئے بوجہ الغیر ہوسکتی ہے کیونکہ دودھ اور حمل والی کی نہی حدیث میں وارد ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۷ تا ۱۹۸: از شہر بریلی مسئولہ منشی شوکت علی صاحب رضوی محررچونگی شب ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) قربانی کس پر ہے اور واجب ہے یا فرض؟

(۲) آج کل ہندوستان میں گائے کی قربانی کو بعض مسلمان مشرکوں کی خوشنودی کے لئے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں بکری کی قربانی کی جائے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) صاحبِ نصاب جو اپنے حوائج اصلیہ سے فارغ چھپن روپے کے مال کا مالک ہو اس پر قربانی

---

[1] و [2] درمختار | کتاب الاضحیۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۲۳۲

[3] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/ ۲۰۹

واجب ہے۔

(۲) مشرکوں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی بند کرنا حرام حرام سخت حرام ہے، اور جو بند کرے گا جہنم کے عذاب شدید کا مستحق ہوگا، اور روزِ قیامت مشرکوں کے ساتھ ایک رسّی میں باندھا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۹ از موضع غنی پور ضلع نواکھال ڈاکخانہ صفدر گنج مرسلہ مولوی عبدالعزیز ۲۶ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں، مثلاً تین بھائی ہیں کہ تینوں ایک ساتھ ہی رہتے ہیں، جبکہ قربانی کا وقت آیا تو تینوں آپس میں مل کر بڑا بھائی کو حکم کیا کہ تم ہمارے نام کی ایک بکری خرید کر قربانی کرو، اس میں دو تین روپیہ جو بھی خرچ ہوں اس کا دعوٰی ہم نہیں رکھتے ہیں اس حالت میں قربانی ہو گا یا نہیں، میرے یہاں بعض علماء فرماتے ہیں کہ قربانی بالکل جائز نہیں ہوگی، کیونکہ شریک دار کا حصہ معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا ہے، اس فساد میں بہت سے لوگوں نے قربانی چھوڑ دیا، کیونکہ بعض تو ایسے ہیں کہ انھوں کے مال حصہ کرنے سے صاحبِ نصاب نہیں رہتے ہیں، ان علماؤں نے فرماتے ہیں کہ جنھوں کا مال حصہ کرنے سے صاحبِ نصاب نہیں رہتے ہیں، انھوں کو قربانی نا کرنا چاہیے، اگر قربانی جائز ہے تو ان علماؤں کے حق میں کیا حکم ہے؟

الجواب المطول

مالِ شرکت میں جس کا حصّہ بقدرِ نصاب نہ ہو نہ اس کے پاس اپنا اور کوئی خاص مال اتنا ہو کہ حصہ کے ساتھ مل کر نصاب کو پہنچ جائے اس پر قربانی واجب نہیں، یعنی نہ کرے گا تو گنہگار نہ ہوگا نہ یہ کہ اس کو قربانی نہ چاہیے یہ محض غلط ہے بلکہ کرے گا تو ثواب پائے گا بلکہ بہ نیت قربانی جانور خریدے گا تو اس پر بھی خاص اُس جانور کی قربانی واجب ہو جائے گی، نہ کرے گا تو گنہگار ہو گا، اور اس جانور کو دوسرے سے بدل نہیں سکتا کہ اس پر اسی جانور کی قربانی واجب ہوئی۔ درمختار میں ہے:

وفقیر ماشراھا لھا لوجوبھا علیہ بذلك حتی یمتنع علیہ بیعھا[1]

اور فقیر نے واجب نہ ہونے کے باوجود خریدی ہے اس لئے اس کو فروخت ممنوع ہے (ت)

ایک شریک اگر دوسرے شرکاء کے اذن سے زرِ شرکت سے جانور خاص اپنی قربانی کے لئے خرید کر اپنی طرف سے قربانی کرے تو بلاشبہہ جائز ہے، اور قربانی صحیح ہو جائے گی، خواہ ان میں شرکت عقد ہو

---

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۲

یا شرکت ملک، بیان اس کا یہ کہ یہاں پانچ صورتیں ہیں:
ایک[1] شرکت ملک کی اور چار شرکت عقد کی، کہ شرکت[2] مفاوضہ ہو یا شرکت[3] عنان، مطلق ہے خرید و فروخت میں، جیسے یہ کہیں کہ جو کچھ ہم خریدیں وہ ہمارے آپس میں مشترک ہے، یا شرکت[4] جن خاص اجناس میں قرار پائی ہے یہ جانور کہ اسے قربانی کو خریدا اُن اجناس سے ہے۔ اخیر[5] صورت یہ ہے کہ شرکت خاص ہے، اور جانور اس کی جنس تجارت سے نہیں، اول و اخیر یعنی شرکت ملک و شکل اخیر میں تو ظاہر ہے کہ یہ جانور خاص اس خریدنے والے کی ملک ہوگا،

لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ کما فی الاشباہ[1] وغیرھا، بل قال فی الدر وغیرہ لواشتری لغیرہ نفذ علیہ[2] الخ قال الشامی لانہ اذا لم یکن وکیلا بالشراء وقع الملك لہ فلا اعتبار بالاجازۃ بعد ذٰلك لانھا انما تلحق الموقوف لاالنافذ[3]۔

کیونکہ خریداری جب مشتری پر بطور نفاذ پائی جائے تو نافذ ہوجائیگی، جیساکہ اشباہ وغیرہ میں ہے، بلکہ درمختار وغیرہ میں کہا اگر غیر کے لئے خریدی تو خود اس پر نافذ ہوگی الخ، شامی میں فرمایا کیونکہ غیر کا وکیل خریداری میں یہ نہیں ہے تو اس کی ملکیت قرار پائیگی تو اس کے بعد کی اجازت معتبر نہ ہوگی کیونکہ بعد کی اجازت موقوف بیع کو لاحق ہوسکتی ہے نافذ کو نہیں لاحق ہوسکتی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

شریك العنان لہ ان یشتری مالیس من جنس تجارتھما و یقع الشراء لہ و یطالب بالثمن وکذا یقع الشراء لہ من جنس تجارتھما بعد ما صار المال عروضا[4] قلت ولم اذکر

شرکت عنان میں شریک کو اختیار ہے کہ وہ مسلمہ تجارت کے غیر کو خریدے جبکہ خریداری شریک کی اپنی ہوگی اور بائع اسی سے ثمن کا مطالبہ کرے گا اور یونہی جب انکی مسلمہ تجارت کی جنس کو خریدے نقد مال کے سامان بن جانے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۲۳
فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ " الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۴۱۹
ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۲۰
[2] درمختار " فصل الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱
[3] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۳۷
[4] ردالمحتار کتاب الشرکۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ " " ۳/۳۵۱

ھذا الاخیر لان الفرض انہ اشتری بدراھم الشرکۃ۔

کے بعد اھ، میں کہتا ہوں، میں آخری صورت کو ذکر نہ کروں گا کیونکہ یہاں مشترکہ دراہم سے خریدنا مفروض ہے (ت)

غایت یہ کہ ثمن جو مال شرکت سے ادا کیا ہے اس میں حصہ دیگر شرکاء کا اسے تاوان دینا ہوگا جبکہ شرکاء نے قیمت خریداری ثمن میں اپنے اپنے حصہ اسے ہبہ کئے ہوں کہ شَیٔ قابل قسمت میں ہبہ صحیح نہیں یا قبل شراء اپنے حصوں سے ابراء کیا ہو کہ ابراء یعنی معافی دین سے ہوتی ہے یہاں ابھی دین نہیں، یا ابرائے معلق کیا ہو، یعنی جب تو اپنے لئے شرکت کے مال سے خریدے تو ہم نے تجھے اپنے حصے معاف کئے کہ ابراء صالح تعلیق نہیں، عالمگیریہ میں ہے:

احد الشریکین اذا قال لشریکہ، وھبت لك حصتی من الربح قالوا ان کان المال قائما لاتصح لکونہا ھبۃ المشاع فیما یقسم، وان کان الشریك استھلك المال صحت الھبۃ لکونہا اسقاطا حینئذ کذا فی الظھیریۃ۔[1]

دونوں شریکوں میں سے ایک نے دوسرے کو کہا میں نے اپنے حصے کا نفع تجھے ہبہ کر دیا تو فقہاء نے فرمایا اگر نقد مال موجود ہو تو یہ ہبہ درست نہ ہوگا کیونکہ قابل تقسیم چیز کا مشاعی حصہ ہے اور اگر شریک نے مال کو ہلاک کر دیا ہو تو ہبہ صحیح ہوگا کیونکہ اس صورت میں ہبہ کا مطلب حصہ کو ساقط کرنا ہے، ظہیریہ میں یوں ہے۔ (ت)

عینی پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

انہ ای الابراء تملیك من وجہ حتی یرتد بالرد، وان کان فیہ معنی الاسقاط فیکون معتبرا بالتملیکات فلا یجوز تعلیقہ بالشرط۔[2]

کسی کو بری کرنا من وجہ تملیک ہے حتی کہ رد کر دینے سے ابراء رد ہو جاتا ہے اگرچہ اس میں اسقاط کا معنٰی ہے، لہٰذا تملیکات میں معتبر ہوگا اس لئے شرط کے ساتھ اس کی تعلیق جائز نہیں۔ (ت)

ایضاح الکرمانی پھر غمزمیہ پھر شامیہ میں ہے:

قال ان دخلت الدار فقد ابرأتك

اگر کہا تو گھر میں داخل ہو جائے تو میں نے تجھے بری کیا،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۸۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۲۲۵

وقال لمدیونه اوکفیله اذا ادّیت الی کذا ، اومتی ادّیت ، اوان ادّیت الیّ خمسمائۃ فانت بریئ عن الباقی فھو باطل ولا ابراء[1]

اور اپنے مدیون یا کفیل کو کہا، اگر تُو مجھے اتنے یا جب ادا کرے، یا یُوں کہا اگر تو مجھے پانسو ادا کرے تو باقی سے بری ہے تو یہ باطل ہے کوئی برارت نہ ہوئی۔ (ت)

ہندیہ میں قنیہ سے ہے :

قال ائمۃ بلخ التحلیل یقع علی ما ھو واجب فی الذمۃ لاعلی عین قائم[2]

بلخ کے ائمہ نے فرمایا جو ذمہ میں واجب ہو اس سے برارت ہوتی ہے نہ کہ عین موجود مال سے (ت)

مگر اس سے جانور میں شرکار کی ملک نہیں ہوتی، خیریہ میں ہے :

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المشتری للاب[3]

باپ کے مال کے ساتھ خریداری کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خرید کردہ چیز باپ کی ہوجائے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

مااشتراہ احدھم لنفسہ یکون لہ و یضمن حصۃ شرکائہ من ثمنہ اذا دفعہ من المال المشترک[4]

ان میں سے کسی نے چیز کو اپنے لئے خریدا تو اسی کی ہوگی اور وہ اپنے شرکار کے حصے کا ضامن ہوگا اگر خریداری میں مشترکہ مال دیا ہو (ت)

اور تین صورتوں میں اگرچہ جانور سب شرکار کی ملک مشترک ٹھہرے گا مگر جبکہ وہ سب اسے اذن دے چکے کہ خاص اپنی طرف سے قربانی کرے، اور یہ ناممکن ہے بے اس کے کہ جانور خاص اس کی ملک ٹھہرے، تو ان کا یہ اذن جانور میں سے اپنا اپنا حصہ اس کو ہبہ کرنا ہوگا، اور جانور قابلِ قسمت نہیں اور جو شَی ناقابلِ قسمت ہو اس میں ہبہ مشاع صحیح ہے، تو تنہا یہی اس جانور کا مالک ہوگیا، اور قربانی اس کی بلا دغدغہ صحیح ہوگئی، اور اب اس پر ثمن میں حصہ شرکار کا بھی تاوان نہیں آسکتا، محیط پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے :

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲
[3] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹
[4] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۸

الشراء حال الشرکۃ لو من جنس تجارتھما فھو للشرکۃ، وان اشھد عند الشراء انہ لنفسہ لانہ فی النصف بمنزلۃ الوکیل بشراء شیئ معین، وان لم یکن من تجارتھما فھو لہ خاصۃ۔[1]

اگر جنس تجارت کو شرکت کے مال سے خریدا تو وہ شرکت کی ہوگی اگرچہ وہ خریداری کے وقت اپنی ذاتی ہونے پر بھی گواہ بنالے کیونکہ وہ معین چیز کی خریداری میں نصف کا وکیل ہے، ہاں اگر وہ چیز جنس تجارت میں سے نہ ہو تو اس کی ذاتی ہوگی۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

اذا اذن احد المتفاوضین لصاحبہ ان یشتری جاریۃ یطأھا ففعل فھی لہ بغیر شیئ، لان الجاریۃ دخلت فی الشرکۃ علی البتات جریا علی مقتضی الشرکۃ، اذھما لایملکان تغییرہ، فاشبہ حال عدم الاذن، غیران الاذن یتضمن ھبۃ نصیبہ منہ لان الوطئ لایحل الا بالملک، ولاوجہ الی اثباتہ بالبیع (ای انہ ھلک بالشراء) لمابینا انہ یخالف مقتضی الشرکۃ فاثبتناہ بالھبۃ الثابتۃ فی ضمن الاذن[2] اھ مختصرا بزیادۃ ما بین الھلالین للایضاح۔

جب شرکت مفاوضہ کے ایک شریک نے دوسرے کو لونڈی خرید کر وطی کی اجازت دے دی ہو اور اس نے ایسے کرلیا تو وہ لونڈی بلاعوض اس کی ہوجائے گی کیونکہ وہ لونڈی شرکت میں ہے، شرکت کا مقتضٰی یہی ہے کیونکہ عقد شرکت کے بعد دونوں میں سے کوئی اس کو متغیر نہیں کرسکتا لہذا وہ وطی گویا کہ بلا اذن تصور ہوئی مگر اجازت دینا اپنے حصے کو ہبہ کردینے کو متضمن ہے کیونکہ وطی مستقل ملکیت کے بغیر حلال نہیں ہوتی اور اس ملکیت کو بیع کی طرف منسوب کرنا یعنی یہ کہنا وطی کرنے والا خریدنے سے مالک ہوگیا درست نہیں کیونکہ یہ مقتضٰی شرکت کے منافی ہے تو ہم نے ملکیت کو اس ہبہ سے ثابت کیا ہے جو اذن کے ضمن میں پایا گیا اھ مختصرًا۔ اور وضاحت کے لئے ہلالین میں درج شدہ عبارت کا اضافہ کیا ہے۔ (ت)

یہ لوگ جنھوں نے قربانی ناجائز ہونے کا فتوٰی دیا اور لوگوں سے قربانیاں چھڑادیں فقہ سے بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں، اور جو ایسا ہو اسے فتوٰی دینا حرام ہے، نسأل اللہ العفو والعافیۃ و حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۳-۳۴۲

[2] الہدایۃ " مطبع یوسفی لکھنؤ انڈیا ۲/ ۶۱۹

الجواب المختصر

صورتِ مستفسرہ میں قربانی بلاشبہہ جائز ہے، اور بعض کا وہ شبہہ محض بے اصل و باطل ہے، اجازت اباحت ہے، اور اباحت و ہبہ میں زمین آسمان کا فرق ہے، قربانی تو یوں جائز کرلی، مال مشترک سے شریکوں کا کھانا پینا کہ زمانۂ رسالت سے بلانکیر رائج ہے سب حرام ہوجائے گا کہ ہبۂ مشاع ہوا اور ہبۂ مشاع ناجائز ہے حالانکہ رب عزوجل فرماتا ہے:

وان تخالطوھم فاخوانکم[1] — اگر تم آپس میں ملالو تو تمھارے بھائی ہیں (ت)

اور فرماتا ہے:

لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا[2] — تمھیں حرج نہیں کہ تم اکٹھے کھاؤ یا متفرق (ت)

اس فتوٰی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتوٰی دینے والے لوگ فقہ نہیں جانتے، نہ اس کام کے اہل ہیں، اور نااہل کو فتوٰی دینا حرام اور سخت کبیرہ ہے۔ حدیث میں ہے:

من افتی بغیر علم لعنتہ ملٰئکۃ السماء والارض[3] — جو بغیر علم کے فتوٰی دے آسمان و زمین کے فرشتے اس پر لعنت کریں۔

والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۰: بمقام گھوسیا ضلع مرزا پور ڈاک خانہ اورائی مرسلہ جناب کمال الدین صاحب مورخہ ۲۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع اس بارے میں کہ ہمارے موضع میں زمانۂ قدیم سے تمام مسلمان حنفی المذہب ہوتے چلے آرہے ہیں مگر عرصہ چند روز ہوا کہ سات آدمیوں نے مذہب اہلحدیث کو اختیار کرلیا ہے اور ہمارے بزرگوں نے بڑی سعی کوشش سے قید کی مصیبت کو برداشت کرکے گورنمنٹ سے تین دن کی قربانی کا حکم جاری کرا لیا تھا، لیکن اس سال اُسی فرقۂ اہلحدیث سے ایک شخص نے کپتان کے روبرو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[2] " " ۲۴/ ۶۱

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۹۳
الفقیہ والمتفقہ باب ماجاء من الوعید لمن افتی بغیر علم حدیث ۱۰۴۳ دار ابن جوزی ریاض ۲/ ۳۲۷

دستخط کر دے کہ ہم لوگ ایک روز قربانی کریںگے لہٰذا ہم لوگوں کے خیال میں یہ بات آئی ہے کہ اسی سال میں دستخط کرنے کی وجہ سے دو روز کی قربانی منسوخ ہوگئی، آئندہ خدا جانے ایک دم سے منع ہو جائے تو کیا تعجب ہے، اور یہ گروہ تقلید کے بالکل منکر ہیں لہٰذا دستخط کنندہ کے ذمہ عائد ہوتا ہے یا نہیں، اگر عائد ہوتا ہے تو مع دلیل کے تحریر فرمائیے اور ان لوگوں کو اپنے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے دیا جائے یا نہیں، دوسرے یہ کہ ثناء اللہ نے اپنی کتاب "اہل حدیث کا مذہب" کے صفحہ ۵۲ میں لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ رکوع کے وقت چونکہ تطبیق کر گئے تھے دونوں ہاتھوں کو زانو پر نہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہی مذہب ثابت ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو تاکید مزید اسی عمل کی کیا کرتے، لہٰذا اس کی سند صحیح ہے یا لغو؟

الجواب

غیر مقلدین گمراہ بددین ہیں اُن پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم ہے جس کی تفصیل "الکوکبۃ الشہابیہ" میں ہے کہ حسبِ تصریحات قرآن عظیم واحادیث وائمہ ستّر وجہ سے لزومِ کفر بیان کیا ہے، اُن کا مساجد میں کوئی حق نہیں، اور قربانی کے دو دن چھوڑ دینے کا اُن سے کیا تعجب، وہ سارا دین ہی قربان کئے بیٹھے ہیں جس کی تفصیل الکوکبۃ الشہابیہ و حسام الحرمین و الاستمداد علی اجیال الارتداد وغیرہا کتب میں شائع ہو چکی، خوشنودیِ ہنود کے لئے گاؤکشی بند کرنا یا اس کی تو سیع میں جو اللہ و رسول نے دی، کمی قبول کرنا مسلمانوں کا کام نہیں،

قال اللہ تعالٰی ولاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار[1]، وقال اللہ تعالٰی واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مؤمنین[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم ظلم کرنیوالوں کی طرف میلان نہ کرو، تو تم کو آگ جہنم چھوئے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ ان کو راضی کریں اگر مومن ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۱ ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں، شہر میں قبل نماز عید بعد طلوعِ شمس قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اور اہلِ قریہ یا کہ شہر والے اپنی قربانی کو گاؤں بھیجدیں تو ان کو بعد صبح قبل نمازِ عید قربانی کرلیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳
[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۲

الجواب

شہر میں قربانی اگرچہ ساکن دہ کی طرف سے ہو روزِ اول پیش از نمازِ عید (اور اگر نمازِ عید کسی عذر سے نہ پڑھیں تو پیش از خروج وقت نمازِ عید) ناجائز و نامعتبر ہے، اور بیرونِ شہر اگرچہ فنائے مصر غیر متصل بمصر ہو، اگرچہ قربانی ساکن شہر کی ہو، پیش نماز بعد طلوعِ فجر تاریخ دہم جائز ہے،

فی الدر المختار اول وقتها بعد الصلوة ان ذبح فی مصر ای بعد اسبق صلوٰة و لو قبل الخطبة، لکن بعدها احب وبعد مضی وقتها لولم یصلوا لعذر، ویجوز فی الغد وبعده قبل الصلوٰة لان الصلوٰة فی الغد تقع قضاء لا اداء، زیلعی وغیرہ، و بعد طلوع فجر یوم النحران ذبح فی غیرہ والمعتبر مکان الاضحیة لامکان من علیه فحیلة مصری اراد ان یخرجها لخارج المصر فیضحی بها اذا طلع الفجر اھ[1]،

فی ردالمحتار لخارج المصر ای الی مایباح فیه القصر، قہستانی اھ[2]، وفیه "من باب صلوٰة المسافر" یشرط مفارقة ماکان من توابع موضع الاقامة کربض المصر، وھو ماحول المدینة من بیوت ومساکن فانه فی حکم المصر وکذا القری المتصلة بالربض فی الصحیح

درمختار میں ہے قربانی کا وقت نماز کے بعد ہے اگر شہر میں کرے یعنی نماز پڑھنے کے بعد اگرچہ خطبہ سے قبل ہو، لیکن خطبہ کے بعد مستحب ہے، اور اگر عید کی نماز نہ پڑھیں تو نماز کا وقت گزر جانے کے بعد، اور دوسرے اور تیسرے اور تیسرے روز نماز سے قبل کیونکہ دوسرے روز عید کی نماز قضاء ہوگی نہ کہ ادا، زیلعی وغیرہ۔ اور اگر گاؤں میں ذبح کرنی ہو تو عید کے روز صبح طلوع ہونے کے بعد، قربانی میں ذبح کرنے کی جگہ معتبر ہے قربانی کرنے والے کی جگہ معتبر نہیں، تو شہری کے لئے جلدی قربانی کا حیلہ یہ ہے کہ وہ جانور کو شہر سے باہر لے جائے تو فجر طلوع ہونے کے بعد قربانی کرلے اھ۔ ردالمحتار میں ہے: شہر سے باہر اتنی دُور لے جائے جہاں سے مسافر کیلئے قصر شروع ہوتی ہے، قہستانی۔ اور اس کے باب صلوٰۃ المسافر میں ہے کہ قصر جائز ہوگی بشرطیکہ وہ اپنے شہر کے توابع سے نکل جائے شہر کے توابع کی مثال ڈیرے وغیرہ اور وہ شہر کے اردگرد کے مکانات ہیں اور شہر سے متعلق رہائش گاہیں شہر کے حکم میں ہیں، اور یوں وہ دیہات جو شہر کے باڑوں سے متصل ہوں صحیح قول میں

---

[1] درمختار — کتاب الاضحیہ — مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۲

[2] ردالمحتار — " — داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۰۲

بخلاف البساطین ولو متصلة بالبناء لانھا لیست من البلدة، امداد، واما الفناء وھو المکان المعد لمصالح البلد کرکض الدواب ودفن الموتی والقاء التراب، فان اتصل بالمصر اعتبر مجاوزتہ وان انفصل بغلوة اومزرعة فلا[1] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔

شہر کے حکم میں ہیں بخلاف باغات کے اگرچہ وہ عمارات سے متصل ہوں، کیونکہ آبادی میں شمار نہیں، امداد الفتاوی۔ لیکن فناءِ شہر وہ ہے کہ جو شہری سہولیات کیلئے بنائی گئی ہو جیساکہ جانوروں کے باڑے اور مردے دفن کرنے اور کوڑا وغیرہ ڈالنے کی جگہ، اور اگر شہر سے متصل ہوں تو ان سے گزرجانا معتبر ہوگا اور اگر شہر سے فاصلہ پر تیر اندازی یا زراعت تک ہو تو وہاں سے گزرجانا ضروری نہیں اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۲: از مخدوم پور، ڈاکخانہ ترہٹ، ضلع گیا، مرسلہ سید رضی الدین حسین صاحب ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

جناب مستطاب مخدومنا زاد مجدہم، دیہات میں قربانی حسب دستور ہو یا نہ ہو، کیونکہ مسئلے اس کے جمعہ کے مسئلے سے ملتے ہیں، زیادہ حد نیاز۔

الجواب

قربانی میں شہر و دِہ بلکہ آبادی وجنگل سب برابر ہیں، جن شرائط سے شہر والوں پر واجب ہوتی ہے انھیں شرائط سے گاؤں بلکہ جنگل کے رہنے والے پر بھی واجب ہے، فقط مقیم ہونا چاہئے کہ شہر میں نہ ہو، پھر مسافر سے بھی اس کا وجوب ساقط ہے، نہ یہ کہ ممانعت ہو، اگر کرے گا نفل ہوگا ثواب پائے گا۔

فی الدر المختار تجب التضحیة علی حر مسلم مقیم بمصر او قریة او بادیة، عینی، فلا تجب علی مسافر[2] اھ ملتقطا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

درمختار میں ہے آزاد شہر یا گاؤں یا بادیہ میں مقیم مسلمان پر قربانی واجب ہے، عینی، تو مسافر پر واجب نہیں ہے اھ ملتقطا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ المسافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۲۵

[2] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۱

ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیہ[۱۳][۱۴]

(بھیڑ کی قربانی کے بارے میں راہنمائی کرنیوالا)

مسئلہ ۲۰۳: از کانپور مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی احمد حسن صاحب مدرس اعلٰی مدرسہ فیض عام کانپور اواخر رمضان مبارک ۱۳۱۴ھ

علم الھدی، سمی المصطفٰی باسمہ الذی بشربہ عیسٰی، بزیادۃ لفظ معناہ المرتضٰی دامت عنایتکم از احمد حسن عفی عنہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، وبعد ازیں آنکہ دریں وقت یک استفتاء از پنجاب آمدہ است، ونہایت غور طلب ست، اکثر علمائے پنجاب دریں امر کوشیدہ اند لکن بمنزل مقصود نرسیدہ اند، وجواب استفتاء یک شخصے کہ مایہ علم اتم دارد نوشتہ، لکن چونکہ جواب مخالف معمول ست قبول نمی کنند، اکنوں جواب را نقل کردہ، بخدمت سامی ارسال ست، ہرچہ تحقیق جناب

(خلاصہ) ہدایت کے نشان، حضرت مسیح کی بشارت والے، نام میں رسول مقبول کے ہم نام، اور جناب مرتضٰی کے اسم مبارک کے ہم مادہ، مولانا احمد رضا خاں صاحب زید مجدہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پنجاب سے ایک سوال آیا ہے جس کے جواب کے لئے بہت سے علماء سرگرداں ہیں لیکن منزل مقصود مفقود ہے، ایک پُرمغز عالم نے ایک جواب تحریر کیا، وہ معمول قدیم کے خلاف ہے اس لئے عوام اور علماء کوئی قبول نہیں کرتا، میں سوال وجواب دونوں ہی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں، جواب اگر صحیح نہ ہو تو وجہ غلط

ست ارسال فرمایند اگر مخالف رائے جناب باشد امید کہ بوجہ احسن روشن کنند واگر موافق باشد نیز بزیادۃ ادلہ ثبت فرمایند۔

ماقول العلماء المحمدیۃ الحنفیۃ علیہ افضل الصلوۃ واکمل التحیات، فی حیوان ذات صوف ولا الیۃ لہ، ویقال فی اللغۃ الملتانیۃ لانثاہ بھیڈ ولذکرہ گھٹہ، اتجوزبہ التضحیۃ ام لا۔ بینوا وتوجروا من الملک العلام۔

الجواب: اقول وبہ نستعین، انی رأیت کتب الحنفیۃ الموجودۃ عندی من شرح الوقایۃ وحاشیتہا للچلپی والدرالمختار وشرحہ الشامی، ومفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام، والتعلیق الممجد شرح مؤطا امام رحمہ اللہ، واشعۃ اللمعات ووجدت فیہا انہم یحصرون الاضحیۃ فی الشاۃ والبقر والابل، او الغنم والبقر والابل ویعمون الشاۃ بقولہ ضانا کان او معزا وکذلک الغنم ویفسرون الضان بما تکون لہ الیۃ ویدخلون الجاموس فی البقر ویقولون انہ نوع منہ فصارت انواع الاضحیۃ خمسۃ الضان والمعز والبقر والجاموس والابل ذکورا کانت

بتائیں اور صحیح ہو تو تائید مزید سے مزین فرمائیں۔

سوال علمائے اسلام بالخصوص اعلام احناف بھیڑ اور بھیڑے (نر و مادہ) کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، ان کی قربانی جائز ہے یا نہیں؛

جواب شرح وقایہ اور اس کے دو حاشیے از علامہ حلپی، درمختار اور شامی، مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام، تعلیق الممجد، اشعۃ اللمعات کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ قربانی کے جانوروں کی ابتدائی تین قسمیں ہیں:

(۱) شاۃ یا غنم (یہ دونوں لفظ بطور ترادف قربانی کے جانور کی ایک ہی قسم کے لئے بولے جاتے ہیں)

(۲) بقر (اس کی دو قسمیں کرتے ہیں، گائے اور بھینس)

(۳) جمل (اس کی ایک قسم شمار کرتے ہیں)

شاۃ کو پھر دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں؛ ضان اور معز۔

اور بقر کی بھی دو قسم کرتے ہیں: بقر و جاموس۔

اس طرح اصل اور ذیلی قسموں کو ملا کر کل پانچ قسمیں ہوئیں:

(۱) جمل (اونٹ) (۲) بقر (گائے)

عہ سائل کی الجھن اصل یہ ہے کہ عرب میں دُنبہ ہوتا ہے اور بکری بھیڑ جو ہمارے یہاں ہوتی ہے جس کی صرف دُم دنبہ سے مختلف ہے، یہ کس میں داخل ہے، دنبہ میں یا بکری میں، یا کوئی تیسری قسم ہے، تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ عبدالمنان اعظمی

او اناثا فتلك عشرة كاملة ، وحسبت ان الحيوان المذكور و المسئول عنه ليس داخلا فى الخمسة لانه لو كان داخلا فيها لما فسروا الضان بان تكون له الية ، بل عمموه بما تكون له الية اولا حتى صارت انواع الشاة او الغنم ثلثة والكل ستة ، واذ ليس فليس فان قيل يدخلون الجاموس فى البقر فما السر فى عدم ادخال الحيوان المسئول عنه فى الضان مع انه يؤيد ادخاله فيه تفسير اهل اللغة لفظ الضان بميش ، كما فى الغياث[1] وغيره ، قلت لعله ان الجاموس اكمل من البقر فى اللحم والقيمة ، والحيوان المسئول عنه ناقص عن الضان فى العضو الالية ، فالحاق الاكمل بالكامل اولى من الحاق الناقص بالكامل ، واما تفسير اهل اللغة[2] فمعناه ان العرب

(۳) جاموس (بھینس)، (۴) ضان (دنبہ) (۵) معز (بکری)، اور مذکر و مونث دونوں کو شامل کردیا جائے تو کل دس قسمیں ہوتی ہیں۔

پہلی دلیل سوال میں ذکر کی ہوئی ہندوستانی بھیڑ اپنی شکل وصورت کے لحاظ سے اگر شامل ہوسکتی ہے تو ضان (دنبہ) میں اگر اس میں شمار نہ ہوئی تو پھر کسی قسم میں شمار نہیں ہوسکتی، اور جہاں تک اس کے دُنبہ میں شمار ہونے کا سوال ہے یوں غلط ہے کہ ضان یعنی دنبہ کی تعریف میں یہ قید ہے کہ اس کے الیہ (چکی) ہوتی ہے اور بھیڑ کے چکی نہیں ہوتی ہے، اس لئے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ بھیڑ قربانی کا جانور ہے ہی نہیں اس لئے اس کی قربانی جائز نہیں۔

اس امر پر قرینہ یہ ہے کہ اگر بھیڑ کو قربانی کے جانور میں شریک کرنا مقصود ہوتا تو دنبہ کی تعریف میں چکی ہونے کی قید نہ لگاتے، بلکہ ایسا لفظ بولتے جو بھیڑ اور دُنبہ دونوں کو عام ہو، اور ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ مقصد اس نوع کو شریک کرنا ہی نہیں ہے۔

دوسری دلیل ایک بات یہ بھی ہے، از روئے شرع غنم یا شاۃ کی دو ہی قسم بتائی گئی ہے، ضان اور معز اگر بھیڑ کو بھی قربانی کا جانور مان لیا جائے تو ایک کے اضافہ کے بعد غنم کی ۳ قسم ہوجائے گی، اور سب کا مجموعہ پانچ کے بجائے چھ ہوجائے گا

---

[1] غیاث اللغات باب ضاد معجمہ فصل ضاد معجمہ مع الف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۲

[2] ؍؍ فصل کاف فارسی مع واو ؍؍ ؍؍ ؍؍ ص ۴۲۱

کما یطلقون لفظ الضان علی ما تکون له الیة کذٰلک الفرس یطلقون علیه لفظ میش فمؤداهما واحد کما یشعر به عبارة الغیاث، گوسفند بمعنی میش مقابل بُز چنانکہ معز در عربی مقابل ضان ست کما استفاد من القاموس و الصراح، و بعضے نوشتہ اند کہ اطلاق گوسفند بر میش و بُز ہر دو آمدہ، از سراج، انتہی عبارة الغیاث[1]۔

جو تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے، اس لئے ثابت یہی ہوا کہ یہ قربانی کا جانور ہی نہیں ہے۔

ایک شبہہ | شکل وصورت، رنگ و روپ، فوائد اور تاثیر میں ہزار اختلاف ہوتے ہوئے بھینس کو بقر میں شامل مانا تو صرف دم کے اختلاف کی وجہ سے بھیڑ دنبہ میں کیوں شامل نہیں کی گئی۔

جواب | بھینس قیمت اور گوشت میں گائے سے عمدہ ہے، اور بھیڑ دنبہ سے چکّی میں ناقص ہے اس لئے یہ بات قرین قیاس ہے کہ اکمل اور عمدہ کو کامل کے ساتھ شمار کیا جائے، اور یہ بات غلط ہے کہ ناقص کو کامل کے ساتھ جوڑا جائے، اسی لئے بھینس کو گائے میں شمار کیا اور بھیڑ کو دنبہ میں نہیں۔

دوسرا شبہہ | اہل لغت نے ضان کا ترجمہ فارسی کے لفظ میش سے کیا ہے جو بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام ہے، پس اہل لغت کے اس محاورہ کے موافق اہل شرع کو بھی بھیڑ کو دنبہ میں شامل ماننا چاہیے۔

جواب | اہل لغت کی تشریح کے موافق فارسی لفظ میش بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام نہیں بلکہ میش صرف دنبہ کو کہتے ہیں۔

فارسی میں لفظ گوسفند بھی لفظ میش کی طرح لفظ بُز کا مقابل ہے جیسا کہ عربی میں لفظ معز ضان کا مقابل ہے۔ قاموس وصراح دونوں سے یہی ثابت ہے۔

البتہ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ فارسی کا لفظ گوسفند لفظ میش کا ہم معنی نہیں بلکہ میش و بُز (دنبہ و بکری) دونوں کو عام ہے۔ (غیاث اللغات[2])

پس ازیں عبارت صاف معلوم می شود کہ آں حیوان کہ عرب آں را ضان گویند فرس آں را میش گویند، و آنچہ عرب آں معز گویند فرس آں را بُز گویند، لا ان لفظ میش عام یطلق علی الضان

اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اہل عرب کے نزدیک جو جانور ضان کہلاتا ہے اہل فارس اسی کو میش کہتے ہیں (اور اہل اردو دنبہ کہتے ہیں) اور اہل عرب جس کو معز کہتے ہیں اہل فارس اسی کو بُز کہتے ہیں، نہ یہ کہ لفظ میش کے اطلاق میں بھیڑ داخل ہے

---

[1] و [2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۱

وعلی الحیوان المسئول عنه ولوسلمان لفظ میش فی لغة الفرس بمعنی ذوات الصوف اعم من ان یکون لها الیة اولا لیشمل الضان والحیوان المسئول عنه فتفسیر اهل اللغة لفظ الضان بلفظ میش تفسیر بالاعم وھو جائز اذا کان المقصود ھو التمییز عن بعض ماعداہ[1]، ذکرہ الفاضل اللاھوری فی بحث خواص الاسم۔

ایک اور جواب | اور اگر بطور تنزل ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ اہل لغت کے نزدیک میش کا اطلاق اُون والے پر ہوتا ہے، تب بھی ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اس سے ان کی مراد بھیڑ ہے، اس کے بیان کے لئے ہم کو تھوڑی تفصیل میں جانا ہوگا۔

کسی چیز کی تعریف اس کے مساوی لفظ سے بھی کی جاتی ہے، جیسے انسان کی تعریف لفظ ناطق سے کی جائے (کہ جن جن افراد پر انسان دلالت کرتا ہے ناطق بھی اس پر دلالت کرتا ہے) اور کبھی تعریف کے لئے معرّف سے عام لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے السعدانة نبت (کہ سعدانہ ایک مخصوص گھاس کا نام ہے) جبکہ نبت ہر گھاس کو کہا جاتا ہے، اول الذکر تعریف کامل ہے اور ثانی ناقص، الغرض تعریف دونوں ہی ہے۔

اگر معرّف کو بعض امور سے ممتاز کرنا ہے تو عام لفظ سے بھی تعریف جائز ہے۔[2] (فاضل لاہوری بحث خواص اسم)

وھھنا کذلك او المقصود من تفسیرہ به تمیزہ عن بعض ماعداہ کالمعز والبقر، فانھما من ذوات الشعر، ولو قیل ان غرضھم من تفسیر الضان بلفظ میش ان الضان ماکان من ذوات الصوف سواء کان له الیة اولا کما ان میش کذلك فبعد التسلیم لایصیر حجة علینا لان الحجة علینا تفسیر الفقھاء لاتفسیر اھل اللغة، ووجب علینا اتباع الفقھاء

تو یہاں بھی ضان کا ترجمہ لفظ میش سے کر دیا جس کا مفہوم اون والا، لیکن اس سے اہل لغت کی غرض ضان میں بھیڑ کو شامل کرنے کی نہیں تھی بلکہ دنبہ کو گائے، بھینس اور بکری سے ممتاز کرنا ہے کہ وہ اون والے جانور نہیں، اور دنبہ اون والا جانور ہے، اور جب ضان کو بھیڑ سے بھی ممتاز کرنا ہوا تو اس کی تعریف چکی والے جانور سے کی۔

جواب الجواب | اگر ہماری بات کا یہ جواب دیا جائے کہ اہل لغت کے اطلاق کو یہاں تعریف مساوی سے پھیر کر تعریف عام قرار دینا ایک بے دلیل

---

[1] و [2] کلام لفاضل اللاھوری

لا اهل اللغة وهم کثیرا مایخالفون اهل اللغة عمدا کما قال الچلپی علی شرح الوقایة ، فی باب الاضحیة قوله الجذع شاة لہا ستة اشھر ای فی مذھب الفقہاء ، و انما قیدنا ہ بھذا لان عند اھل اللغة الجذع من الشاة ما تمت لہا سنة کذا فی النہایة[1] والعینی علی الکنز ، فی باب الاضحیة ، وجاز الجذع من الضان لاغیر ، وھو ما تمت لہ ستة اشھر عند الفقہاء[2] ، وفی کتاب الزکاة والمعز کالضان ویؤخذ الثنی فی زکاتہا لا الجذع وھو ما اتی علیہ اکثرھا ، وھذا تفسیر الفقہاء ، وعند اھل اللغة الجذع ما تمت لہ سنة ، وطعن فی الثانیة[3] ۔

اور ادعائی بات ہے ، اس لئے قابل تقسیم نہیں ، ظاہر ہے کہ ان کا منشاء ضان کا ترجمہ میش کرکے یہی ظاہر کرنا ہے کہ وہی جانور ہے جس کے اون ہوتا ہے چکّی ہو یا نہ ہو ، اس سے ان کو کوئی غرض نہیں ، تو لغۃً بھیڑ دنبہ میں شامل ہوئی ۔

جواب | چلئے اہل لغت کا مطلب وہی ہے جو آپ کہتے ہیں ، لیکن ہمارے لئے حجت اہل لغت کی بات نہیں ہے اہلِ فقہ کی بات ہے ، جب وہ ضان کے معنی چکّی والا کہتے ہیں تو وہی مانا جائے گا ، اور بھیڑ دُنبہ میں شامل نہ ہوگی ۔

رہ گئی یہ بات کہ اہل فقہ اور اہل لغت کے معانی میں اختلاف ہوتا ہے ، تو اس کی نظیر قربانی کے جانور میں بھی لفظ جذع ہے کہ اہلِ فقہ چھ ماہ کے بچے کو کہتے ہیں ، اہلِ لغت ایک سالہ بچہ کو ، اور مسئلہ کا حل اہلِ فقہ کے قول پر ہی دیا جاتا ہے ۔ (چلپی علی شرح الوقایہ ، عینی علی الکنز)

واما تفسیر الضان[ع] بما کان من ذوات

شبہہ نمبر ۳ | بعض فقہائے بھی تو ضان کی تعریف

ع عبر المجیب ھکذا والعبارة فی الاصل ھکذا الضان ما کان من ذوات الصوف والمعز من ذوات الشعر[4] قہستانی ۱۲
عبد المنان الاعظمی

مجیب نے یوں تعبیر کیا ہے حالانکہ اصل کتاب میں یوں ہے : ضان وہ ہے جو اُون والا ہو اور معز جو بالوں والا ہو ۔ قہستانی ۱۲
عبد المنان الاعظمی

---

[1] ذخیرۃ العقبٰی حاشیہ شرح الوقایۃ کتاب الاضحیہ نولکشور کانپور ۴/ ۵۷۴
[2] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الاضحیہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۵
[3] " " " کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ السوائم " ۱/ ۷۱
[4] جامع الرموز " مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۳۰۶

الصوف ، والمعز بما كان ذوات الشعر ،
كما فعل بعضهم فتفسير كل واحد منهما
تفسير بالاعم ، كما يشعر به "من" ، لا المساوي
وغرضهم من هذا التفسير تمييز كل واحد
من الآخر ، الا ترى ان البقر والجاموس
من ذوات الشعر ، فلو كان تعريف
بالمساوي بطل الطرد ،
فهكذا التعريف الضان ۔

مالہ صوف (جس کے اون ہو) سے کی ہے ،
جس کے معنی صاف یہی ہوئے کہ بھیڑ بھی اس میں
شامل ہے ۔

جواب | جی ہاں قہستانی نے یہ تعریف کی ہے :
"الضان ماکان من ذوات الصوف والمعز
ماکان ذوات الشعر" لیکن اس کا جواب ہم پہلے
ہی دے چکے ہیں کہ یہ تعریف بالاعم ہے ، بکری اور
بیل سے دنبہ کو ممتاز کرنے کے لئے ہے ، بھیڑ سے
ممتاز کرنے کے لئے نہیں (جب اس کی ضرورت ہوئی تو یہ تعریف کیا "مالہ الیۃ" جس کی چکتی ہو ، تاکہ بھیڑ
نکل جائے)

ہماری اس بات پر قرینہ یہ ہے کہ تعریف میں لفظ "من" استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی بعض ہوتے
ہیں ، تو تعریف کی عبارت کا ترجمہ یہ ہوا ضان اون والے جانوروں میں سے بعض ہے ، اور دوسرا قرینہ

یہ ہے کہ بکری کی تعریف میں یہی کہا گیا ہے "ماکان ذوات الشعر" جو بالوں والی ہو ۔ تو اگر اس عبارت کا یہ
مطلب نہ لیا جائے کہ بکری بال والے جانوروں میں سے بعض ہے تو بیل بھینس وغیرہ بھی بکری میں شامل
ہوجائیں گے ، پس اس مجبوری سے جب بکری والی تعریف کو بالاعم قرار دیا تو ضان والی تعریف کو بھی تعریف بالاعم
قرار دیں (کیونکہ دونوں جملے ساتھ ساتھ ہیں تو دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہئے ۔

الآن نكتب عبارات الكتب الموجودة فانظر
فيها حق النظر حتى يتبين
لك الحق ، والحق احق بان يتبع (م) وصح
الجذع من الضان (ش) الجذع شاة
لها ستة اشهر ، والضان بما
تكون له الية (م) والثني فصاعدا من
الثلثة (ش) اى من الشاة اعم من
ان يكون ضانا او معزا ،
ومن البقر ، ومن

حوالے | اب ہم کتابوں سے حوالے پیش کرتے ہیں جس
سے حق واضح اور روشن ہوجائے گا :

(۱) ضان کا جذعہ قربانی میں جائز ہے یعنی ششماہہ
بچہ ، اور ضان چکتی والے جانور کو کہتے ہیں ۔ ثنی اور اس
سے بڑی عمر والے جانور تینوں اقسام کے جائز ہیں
یعنی شاۃ میں دنبہ ہو یا بکری اور گائے میں گائے
ہو یا بھینس اور اونٹ (شرح وقایہ من عینی)

(۲) مصنف کے مذکورہ بالا قول میں ان جانوروں
کی طرف اشارہ ہے جن کے علاوہ قربانی جائز نہیں

الابل[1]، شرح وقایۃ من عینی،
قولہ وصح الجذع الی قولہ
من الثلثۃ اشارۃ الی بیان
الانواع التی لاتجوز الاضحیۃ الابھا
وتصریح بینھا التی لاتجوز فیما دونہ[2]،
چلپی علی شرح الوقایۃ، من عینی،
وصح الجذع ذوستۃ اشھر من
الضأن ان کان بحیث لوخلط
بالثنایا لایمکن التمییز من بُعد، وصح
الثنی فصاعدا من الثلثۃ والثنی
ھو ابن خمس من الابل وحولین من
البقر والجاموس، وحول من الشاۃ[3] اھ درمختار
من عینی، قولہ من الضأن ھو ما لہ الیۃ، منح،
قید بہ لانہ لایجوز الجذع من المعز وغیرہ
بلاخلاف، کما فی المبسوط قھستانی، والجذع
من البقر ابن سنۃ، ومن الابل ابن اربع،
بدائع، قولہ من الثلثۃ، ای الاٰتیۃ وھی
الابل، والبقر، بنوعیہ والشاۃ بنوعیہ[4]
ردالمحتار من عینی، ومن سنن الاسلام
التضحیۃ بالانعام التضحیۃ ذبح الاضحیۃ
والانعام بالفتح جمع نَعَم بفتحتین

اور ایسی عمروں کا بیان ہے جن کے علاوہ قربانی جائز
نہیں۔ (حاشیہ شرح وقایہ چلپی من عینی)
(۳) ضان کا اتنا بڑا بچہ جو چھ ماہ کا ہو لیکن دور سے
دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو (درمختار علینی)
ضان جس کے چکتی ہو، یہ چکتی کی قید اس لئے
لگائی کہ بکری، گائے اور اونٹ کے جذعہ کا استثناء
مقصود تھا، بکری کا جذعہ چھ ماہ کا ہوتا ہے اور گائے
کا سال بھر کا اور اونٹ کا چار سال کا، اور
"من الثلاثۃ" کا لفظ جس کا ذکر آگے آرہا ہے
یہ اونٹ اور بقر ان دونوں نوعوں کے ساتھ، اور
اسی طرح اپنی دونوں قسموں کے ساتھ۔ (ردالمحتار
من علینی)
(۴) اور انعام کی قربانی مسنون ہے، انعام چوپایہ
کو کہتے ہیں۔ اضحیہ کے معنی قربانی ہیں، مطلب یہ کہ
ضان کا چھ ماہہ بچہ، یا سات ماہہ بچہ کی قربانی مسنون
ہے، اور یک سالہ بچہ کی بھی، لیکن اس کے لئے کوئی
پابندی نہیں ہے، ضان ہو کہ معز، اور اونٹ اور
بقر کا ثنی بھی قربانی کے لئے جائز ہے، اونٹ کا ثنی
پانچ سالہ اور بقر کا دو سالہ اور شاۃ کا ایک سالہ۔
اور جذعہ کے لئے ضان کی قید اس لئے لگائی کہ
بکری چھ ماہہ جائز نہیں، اور ضان چکتی والے جانور کو

---

[1] شرح الوقایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۹۳
[2] ذخیرۃ العقبی حاشیۃ شرح الوقایۃ 〃 نولکشور کانپور ۴/ ۵۰۳
[3] درمختار 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲ و ۲۳۳
[4] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

وهو ذوات القوائم الاربع يعني ان من السنة التضحية بالجذع من الضان، وهو ماتم له ستة اشهر، وقيل سبعة اشهر، و بالثني فصاعدا من الشاة، اعم من ان يكون ضانا او معزا، ومن الابل والبقر مطلقا، وهو اى الثنى ابن خمس من الابل، وحولين من البقرة وحول من الشاة والمعز، والجذع بفتحتي الجيم والدال، وقيدناه بالضان، و هو ماله الية، لان الجذع من المعز لاتجوز به التضحية وقولنا مطلقا اشار الى انه يجوز المذكر والانثى من جميع ما ذكر، وان الجاموس داخل فى البقر هكذا ذكره فى الفروع[1] ويختار من الشاة الكبش اى الذكر من الغنم فان الانثى منه اعنى النعجة وكذا المعز و ان جازه لكن الكبش هو الاولى انتهى[2] ما اردناه مفاتيح الجنان شرح شرعة الاسلام من عيني، والكبش افضل من النعجة هي الانثى من الضان قاموس[3] ردالمحتار من عيني، قوله الجذع من الضان هو ذوات الصوف من الغنم التى له الية، كما فى منح الغفار وغيره التعليق الممجد على مؤطا امام محمد من عيني[4]، وعن

کہتے ہیں اوپر کی عبارت میں ایک جگہ مطلقاً کا لفظ آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکر ہو کہ مؤنث، اور بھینس گائے میں داخل ہے، اور شاۃ میں افضل مادہ نہیں بلکہ نر ہے، دونوں نوعوں کا یہی حکم ہے۔ (مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام)

(۵) اور مصنف نے "جذع من الضان" کہا، اور ضان وہ اون والا جانور ہے جس کے چکی ہو۔ ایسا ہی منح الغفار وغیرہ میں ہے۔ (تعلیق الممجد من عینی)

(۶) اور نر مینڈھا مادہ سے افضل ہے، اور یہ ضان کا مؤنث ہے، قاموس۔ (ردالمحتار)

(۷) مُسنّہ ہی ذبح کرو، یہ نہ ملے تو ضان کا "جذعہ"، اس حدیث کی شرح میں تفصیلات ہیں، ہم مذہب حنفی کے موافق بیان کرتے ہیں۔ قربانی کے جانور کی تین نوعیں ہیں، اونٹ، بقر، غنم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اور صحابہ سے ان کے علاوہ کی قربانی ثابت نہیں، غنم کی دو قسمیں ہوتی ہیں، معز کو فارسی

۱؎ مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن الاضحیۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۲۱۸

۲؎ " " " " " " " " " " ص ۲۲۰

۳؎ ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

۴؎ التعلیق الممجد علی مؤطا الامام محمد مع المؤطا کتاب الضحایا وما یجزی منہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۸۰

جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تذبحوا الا مسنۃ بضم میم وکسر سین ونون مشددۃ، فرمود ذبح نہ کنید مگر مسنہ، الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعۃ من الضان، مگر آنکہ دشوار شود بہم رسانیدن مسنہ بر شما، پس ذبح کنید جذعہ را از میش، جذع بفتح جیم وذال رواہ مسلم شرح ایں حدیث تفصیلے دارد آنرا موافق مذہب حنفی بیان کنیم، و در شرح موافق مذاہب اربعہ ذکر کردہ شدہ است بدانکہ اضحیہ جائز نیست، مگر از ابل وبقر وغنم، و روایت کردہ نشدہ است از آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونہ از اصحاب وے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، جز اصناف ثلثہ از ذبائح وغنم دو صنف معز کہ آنرا بز گویند، وضان کہ آنرا میش خوانند، وجاموس بسین مہملہ کہ معرب گاؤمیش ست نوع از بقر ست وجائز است، از جمیع ایں اقسام ثنی انتہی ما اردناہ،[1] اشعۃ اللمعات علی المشکوٰۃ۔

میں بز کہتے ہیں، اور ضان کو میش اور جاموس گاؤمیش کا معرب ہے، یہ گائے کی ہی ایک قسم ہے، اور ان سب کا ثنی جائز ہے (اشعۃ اللمعات)

فان قیل قلت فیما سبق الحجۃ علینا تفسیر الفقہاء لا تفسیر اھل اللغۃ، و رأیت الاٰن ترجمۃ الشیخ لفظ الضان بمیش وھو من اعاظم مقلدی الحنفیۃ و انت نقلتہ ایضا للسند، فلم لا تقول بجواز اضحیۃ الحیوان المسئول عنہ بعد، قلت لا تفرح بترجمۃ الشیخ مثلاً کما فرح العامۃ بھا،

سوال آپ نے اس سے قبل کہا کہ ضان کا ترجمہ میش (بھیڑ) اہل لغت کرتے ہیں، اور اہل فقہ یہ ترجمہ کرتے تو ہم بھی تسلیم کرلیتے کہ ضان بھیڑ کو شامل ہے، اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ صاحب اشعۃ اللمعات تو ائمہ فقہ وحدیث میں سے ہیں، اور انھوں نے بھی وہ اہل لغت والا ترجمہ کیا ہے تو آپ کو کیا عذر ہے۔

جواب شیخ محقق کے اس ترجمہ سے جاہلوں کی طرح خوش

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

وجوزوا التضحية بالحيوان المسئول عنه فضلوا واضلوا نعوذ بالله منها ، فان لفظ میش لغة الفرس لا لغتنا ، فاما حقیقة فیما له الیة ومجاز فی الحیوان المسئول عنه ، لکونه من ذوات الصوف مثل ما له الیة ، او بالعکس واما مشترك بینهما ، فعند تفسیر الضان به کما فسره الشیخ به لا یجوزان یراد به معا لانه یلزم الجمع بین الحقیقة والمجاز ، ولو بین معنیی مشترك فی اطلاق واحد ، وبطلانهما لا یخفی علی الکل ، مع انه حینئذ یصیر للغنم او الشاة اصناف ثلثة ، المعز وماله الیة ومالا الیة له ویخالف قول الشیخ فیما بعد وغنم دو صنف است[1] ، وقال الشامی والشاة بنوعیه[2] ، وھکذا وان ارید به عموم المجاز ای ماکان من ذوات الصوف فلا یلزم الجمع بالمعنیین الا ان التخالف بینه وبین قول الشیخ وغیره المذکورین باق وھو ظاھر ، وکاف فی عدم ارادتھم ، فاما ان یراد به الحیوان المسئول عنه فقط حقیقة کان او مجازا ، فیخرج ماله الیة من باب التضحیة ، و

ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ شیخ کے اس لفظ میش سے دُنبہ اور بھیڑ دونوں ہی مراد ہوں گے یا ان میں سے کوئی ایک ، اور دونوں مراد ہوں گے تو بطور حقیقت و مجاز ، یا اشتراک ، یا عموم مجاز ، تو حقیقت و مجاز ، یا اشتراک کے طور پر دونوں معانی کا ایک ساتھ مراد لینا اصولِ لسان کے اعتبار سے ناجائز ہے ، اور بطور عموم مجاز دونوں ایک ساتھ مراد لینے پر یہ خرابی لازم آتی ہے کہ قربانی کے کل چھ قسم کے جانور ہو جاتے ہیں ، حالانکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ پانچ ہی ہیں ، اور ایک ہی مراد لیں ، اور وہ بھیڑ ہو تو دنبہ چھوٹ جاتا ہے جو بالاتفاق قربانی کا جانور ہے۔

مزید سوال: آپ کی یہ ساری تقریر ضان کے معنی دنبہ مراد لینے پر بھی جاری ہوتی ہے ، تو یہ مراد لینا بھی ممنوع ہوا۔

جواب: جب فقہاء نے چکتی والا کہہ کر اسی جانور کو متعین کر دیا تو اب ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ معنی مجازی ہیں یا حقیقی یا بطور اشتراک۔

پس ان نصوص فقہیہ کی روشنی میں ہمارا فیصلہ تو یہی ہے کہ بھیڑ کی قربانی ناجائز ہے ، اگر دوسری کسی کتاب میں اس کے جواز کا حکم ہو بھی تو احتیاط اس سے بچنے میں ہی ہے کہ عدم جواز کے یہ دلائل

---

[1] اشعة اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیة الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

يصير النوع الخامس، من الانواع الخمسة
بها الحيوان المسئول عنه، لا ماله الية و
هو خلاف الاجماع، او يراد به ماله الية فقط
حقيقة كان او مجازا فيحرم الحيوان
المسئول عنه من البين كما هو حقه و هو
المطلوب، واجراء هذا التفصيل بعينه فی
لفظ الضان كما وقع فی الحديث والمتون
بان يقال لفظ الضان لفظة لغة العرب
لا لغتنا فاما حقيقة فيما له الية و مجاز
فی الحيوان المسئول عنه الی قولنا وهو
المطلوب، فقيل تفسيره بما تكون له الية
يمكن و يحصل الفائدة منه، وهی
الاستقرار علی المطلوب، واما بعد تفسيره
بماله الية كما فعل الفحول من العلماء،
فلا فائدة فيه لانه يعلم من هذا
التفسيرات مراد الفقهاء بالضان
ماله الية سواء كان معنی حقيقيا او مجازيا
فما مطلبنا فی الاجراء وتطويل المسافة
فظننت بل علمت من هٰذه النقول ان
التضحية بالحيوان المسئول عنه لا تجوز،
وقد سمعت تحقيقه بما لا مزيد عليه آنفا
فاقول ما انا عليه، وعليه التعويل هو
عدم جواز التضحية به، فان اصبت فمن
الله تعالی، وان اخطأت فمنی ومن الشيطان،
وان وجد فی الكتب الاُخر المعتمدة عليها

قاہرہ ہم نے ظاہر کر دئے۔
اور یہ کہنا کہ بزرگوں سے ایسا ہوتا آیا ہے،
یا علیش کے معنی بھیڑ ہیں، یہ تار عنکبوت سے
زیادہ حقیقت نہیں رکھتے، یہ فتویٰ صحیح ہو تو
اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور غلط ہو تو میری اور
شیطان کی طرف سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(نظام الدین مدرس مدرسہ اسلامیہ احمد پور
شرقیہ)

الغیر الموجودۃ عندی جوازها، فمح ترك التضحیة به اولی لان مقتضی الاحتیاط هو عدم الجواز علی ما علم من اصول الفقه، هذا بالنواجذ ولایلتفت الی قول المخالفین القائلین بالجواز، فان اقوی دلائلهم "وجدنا علیه اسلافنا" وتعلم حاله وما سوی هذا الدلیل من تفسیر الضان بلفظ میش وما کان من ذوات الصوف، فاوهن من بیت العنکبوت کما مر، هذا ما ظهر لی ولعل عند غیری احسن من هذا۔ المجیب نظام الدین مدرس مدرسۃ الاسلامیه احمد پور شرقیة۔

الجواب

الحمد للہ الذی خصنا بالاکرام وعمنا بالانعام خلق لنا الانعام، للتقرب الاطعام، وکثیر من الحاج، ثمانیة ازواج من الضان اثنین، و من المعز اثنین، آالصوف حظر، ام الشعر حجر، ابا لاذناب امر، ام علی الالایا قصر، ومن الابل اثنین، ومن البقر اثنین، ابا لبخت جد، ام فی العراب حصر، آالجاموس رد، ام طائف البقر، ابطول و قصر وصغر وکبر فی عضو او شعر، للنوع غیر، او بالحصر ضر، نبئونی بعلم ان کان لکم خبر، والصلاۃ والسلام علی السید الاعز وآله وصحبه کل کریم معز، عدد

اس خدا کی تعریف جس نے ہم کو اکرام کے ساتھ خاص فرمایا اور انعام کو ہم پر عام فرمایا، اور حاجیوں کے لئے اور ہمارے لئے چارپائے بنائے کہ کھائیں بھی اور قربانی بھی کریں۔

یہ آٹھ جوڑے ہیں، ضان کے دو اور معز کے دو تو کیا اُون والے ممنوع ہیں یا بال والے، یا دُم والوں پر روک ہے یا چکتی والوں پر، اور اونٹ کے دو اور گائے کے بھی دو، تو کیا بختی اونٹوں پر انحصار ہے یا اعراب پر، اور بھینس مردود ہے یا گائے کی مختلف اصناف لانبی اور ناٹی، یا کسی عضو یا بال کی چھوٹائی بڑائی، نوع کو بدلنے والی اور حصر کو قائم کرنیوالی ہے تمھیں علم ہو تو مجھے بتاؤ۔ اور صلاۃ وسلام ہو

اصواف الضان واشعار المعز، و بعد فلا شك ان هذا الحیوان من بہیمۃ الانعام، ومن الاغنام، و مما تجوز التضحیۃ بہ باجماع اھل الاسلام، مسئلۃ واضحۃ جلیۃ التبیان، غنیۃ عن البیان، لاتتناطح فیھا عنزان وقد توارث التضحی بہ المسلمون، وعلماؤھم متظافرون طبقۃ فطبقۃ وجیلاً بعد جیل من دون نکیر منکر، ولامراء عقیل فمن نسبھم جمیعًا الی الضلال والاضلال، فقد عتا وعصی، وشق العصا، یولہ ما تولی ولسوف یری، وقد کان الاعراض عن مثل ھذا امثل واحری، فان الامر اذا انتھی الی انکار الواضحات کان السبیل ترك التحاور، فانھا ھی المقاطیع للحجج الشامخات، والبراھین الغر، فمن یماری فیھا فیما ذا یوقن، وبای حدیث بعدھا یؤمن، ولکن وجوب اخماد الباطل وارشاد الغافل، والرفق بضعفاء المسلمین، کیلا یقعوا فی ضلال مبین، وتحسین الظن بالمسلم العاقل، فانہ ربما عثر، فاذا ذکر تذکر، واذا بصر ابصر، وانما العاقل من اتقی وما اصر، فاذا علم الخبر ھجر الھجر وانکر المنکر، وربك غفار لمن استغفر، کل ذلك یدعون ان ناتی فی الباب بعدۃ تنبیھات

تمام معززین کے سردار پر، اُن کی آل پر، اصحاب پر جو کریم اور معزز ہیں، بھیڑوں کی اون اور بکریوں کے بال برابر۔

حمد و صلاۃ کے بعد، بلاشبہہ بھیڑ بکریوں اور انعام میں شمار ہوتی ہے، مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے، اور اس کی قربانی جائز ہے، یہ مسئلہ خود واضح اور بیان سے بے نیاز ہے، اس کی قربانی مسلمانوں میں شروع ہی سے متوارث ہے، علماء کے تمام گروہ اور مختلف جماعتوں نے اس میں کبھی کوئی اختلاف اور جدال نہیں کیا، تو بلا امتیاز سبھی کو گمراہ اور گمراہ گر کہنا سرکشی اور جُرم ہے، اور امر محجوب سے رُوگردانی، جس کا انجام آئندہ معلوم ہوگا۔

اس مسئلہ پر خامہ فرسائی سے چشم پوشی ہی بہتر تھی کیونکہ یقینیات، جہاں دلائل کے پَر جلتے ہیں، جو ایسی باتوں کا انکار کرے پھر کس بات کا اقرار کرے گا اور کس پر ایمان لائے گا۔ لیکن باطل کو بجھانا اور غافل کو بتانا، کمزور اہلِ اسلام کو گمرہی سے روکنا، اور یہ خوش گمانی بھی کہ پھسلنے والا سنبھالے سنبھل بھی جاتا ہے، راہ دکھاؤ تو کوئی کوئی دیکھ بھی لیتا ہے، اور واقعی عقلمند وُہ ہے جو ہر بات پر خواہ مخواہ اصرار نہ کرے، اور حقیقت آشکار ہو تو یاوہ گوئی اور انکار چھوڑ دے تو پروردگار غفور و رحیم ہے۔

ان سب باتوں نے ہمیں چند تنبیہات پر مجبور کیا، سبحان اللہ چمکتے سُورج پر کیا حجاب، میں تمھیں ہدایت کرتا ہوں کہ بیکار امیدوں یا ملال کے چکر، یا طیش

تقرر الصواب وتميط الحجاب، ویاسبحٰن اللّٰہ ھل من حجاب، علی وجہ شمس تجلت من سحاب ھذا وایاك ثم ایاك ان یلھیك الامل اویطغیك الملل، اویستخفك الطیش، فیاخذك العجل قبل ان تجمع الکلمات الاخریاالاول، فانی اریدان استدرجك من الرفیع الی الرقیع، ومن ذی سم الی اشم، حتی اوقفك علی شمس تتضاء لا دونھا الظلم، فعسی ان یعتریك وھم ویاتیك مایزیح، او تمسی فی حلم، وتستصبح فیما یریح، علی انی قد علمت ان السبیل وعر الی ایضاح الجلیات، وانما الجادۃ المسلوکۃ اظھار الخبیات، لکنی استنزل لك الی وھدۃ وقعت، ولا اٰلو ان ارفعك الی الحق مااستطعت فاقول وتوفیقی بالقریب المجید، علیہ توکلت والیہ اُنیب۔

کے فوراً ان میں پھنس کر پوری بات دیکھے سُنے بغیر جلد بازی نہ کر بیٹھنا، میں تمھیں ادنیٰ سے اعلیٰ تک آہستہ آہستہ لے چل کر سورج کے پاس کھڑا کردوں گا جہاں تاریکیاں کافور ہیں، کیونکہ جہاں وہم پیدا ہوتا ہے اس کا ازالہ بھی ہوتا ہے اور رات کے بھیانک خواب سے صبح کو چھٹکارا بھی مل جاتا ہے۔

یہ جانتے ہُوئے بھی کہ توضیح تو پوشیدہ امور کی ہوتی ہے، اور بدیہیات کی تفہیم مشکل ہے، میں نے حق کی طرف رہنمائی میں کوتاہی نہیں کی۔

الاول قال ربنا عزمن قائل اُحلت لکم الانعام، الی قولہ عزوجل ثم محلھا الی البیت[1] وقال سبحٰنہ وتعالٰی ولکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللّٰہ تعالٰی علی مارزقھم من بھیمۃ الانعام[2] فقد افاد جل جلالہ ان الانعام کلھا محل المنسك، وانھا التی یتقرب بنحرھا و ذبحھا الی ربنا وربھا دون سائر البھائم والحیوانات، قال

تنبیہ اول اس بات کے بیان میں کہ صرف اَنعام ہی قربانی کے جانور ہیں — اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے:

تمھارے لئے حلال کئے گئے انعام سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دُور ہو بتوں کی گندگی سے، اور بچو جھوٹی بات سے ایک اللہ کے ہوکر، پھر اس کا ساجھی کسی کو نہ کرو، اور جو اللہ کا شریک کرے کہ وُہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے اُچک لے جاتے ہیں، یا ہوا اُسے کسی دوسری

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۰ تا ۳۳

[2] ؍؍ ۲۲/ ۳۴

الامام محی السنۃ البغوی، فی معالم التنزیل "لیذکروا اسم اللہ علی مارزقھم من بھیمۃ الانعام"[1] عند نحرھا وذبحھا، وسماھا بھیمۃ الانعام، لانھا لاتتکلم، وقال بھیمۃ الانعام، قید بالنعم لان من البھائم مالیس من الانعام، کالخیل والبغال والحمیر، لایجوز ذبحھا فی القرابین[1] اھ، و لاادری مرتابا یرتاب فی ان حیواننا ھذا من بھیمۃ الانعام، فانہ اھلی ذات قوائم اربع وظلف، قال فی المصباح المنیر لغۃ الفقہ، الانعام ذات الخف، والظلف، وھی الابل، والبقر، والغنم[2] اھ فان کنت فی ریب من ھذا فانبئنا مماذا تراہ، امن الوحوش ام من السباع، ام من الطیور، ام من الھوام، ام ذوات الحوافر، ام نوع اُخر مقطوع الدابر، ما بہ علم ولا عنہ مخبر۔

جگہ پھینکتی ہے، بات یہ ہے، اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے، تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے، تمھارے لئے انعام میں فائدے ہیں ایک مقررہ میعاد تک، پھر ان کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک۔

اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اس کے دئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر، تو تمھارا معبود ایک معبود ہے، تو اسی کے حضور گردن رکھو۔ (سورہ حج، پ ۱۷)

ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ جانوروں میں صرف انعام ہی قربانی اور ہدایا کے لئے مخصوص ہیں۔ حضرت امام بغوی نے اس مضمون پر تفسیر معالم میں دوسری آیت کے تحت تصریح فرمائی، یعنی ان جانوروں کے ذبح اور نحر کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہو، ان جانوروں کو انعام کہنے کی وجہ ان کا نہ بولنا ہے، انعام کی قید اس لئے لگائی کہ کچھ بہائم ایسے ہیں کہ قربانیوں میں ذبح نہیں کئے جاتے، جیسے گھوڑا، خچر، گدھا ——— اتنا ثابت ہوجانے کے بعد اس کی ضرورت تو نہ تھی کہ ہم بھیڑ کا انعام ہونا بھی ثابت کریں، اور یہ کہ یہ اہلی ہے وحشی نہیں ہے، دو کھر والا چوپایہ ہے، مگر ہم شہادتیں فراہم کر رہے ہیں:

انعام کھردار جانور اور خف والے، یہ ابل، بقر، غنم ہیں (مصباح المنیر)

اگر اس کے بعد بھی شبہہ ہو تو بتاؤ، کیا یہ وحشی ہے یا درندہ ہے، کہ پرندہ ہے یا حشرات الارض میں سے ہے، سُم والوں میں ہے یا کوئی ایسی قسم جس کی نسل ختم ہوگئی ہے۔

---

[1] معالم التنزیل علی حاشیہ تفسیر الخازن تحت آیۃ ۲۲/۳۴ مصطفی البابی مصر ۵/۱۸

[2] المصباح المنیر النون مع العین 〃 ۱/۸۴-۲۸۳

الثانی[1] قال جل ذکرہ ومن الانعام حمولۃ و فرشا[1]، قال الشاہ عبد القادر الدھلوی رحمہ اللہ تعالٰی فی ترجمۃ الکریمۃ "پیدا کئے مواشی میں لدنے والے اور دبے"[2]، و قال فی فوائدھا لدنے والے اونٹ اور بیل، اور دبے بکری اور بھیڑ[3]۔

الثالث[4] اجمع المسلمون واعترف الرجل، ان الغنم من الاضاحی، وقد علم من یفرق بین البھم والبھم، ان ھذا من الغنم قال اللہ عزوجل ومن البقر والغنم حرمنا علیھم شحومھما[4]، قال الفاضل رفیع الدین الدھلوی فی ترجمتہ اور گائے سے اور بھیڑ بکری سے حرام کیں ہم نے اوپر ان کے چربیاں ان کی[5]۔

الرابع[6] انما المرجع فی امثال الامور الی علماء اللسان، وکما علم کل من یعلم اللسن الثلث ان الحیوان الذی یسمی بالھندیۃ بکری و ذکرہ بکرا،

تنبیہ دوم اس بات کے ثبوت میں کہ بکری انعام میں سے ہے | ارشادِ الٰہی ہے "من الانعام حمولۃ و فرشا۔ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں فرمایا، "پیدا کئے مواشی میں لدنے والے اور دبے"۔ اور فوائد میں فرمایا، "لدنے والے اونٹ اور بیل، اور دبنے والے بھیڑ اور بکری"۔

تنبیہ سوم بھیڑ کے قربانی کے جانور ہونے پر اجماع ہے | مفتی سابق نے اعتراف کیا، اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ غنم قربانی کے جانوروں میں سے ہے، اور چوپایوں کے درمیان فرق جاننے والے یہ خوب جانتے ہیں کہ بھیڑ غنم میں شامل ہے، قرآن عظیم کی آیت "ومن البقر والغنم حرمنا علیھم شحومھما" کا ترجمہ فاضل رفیع الدین دہلوی فرماتے ہیں: "اور گائے سے اور بھیڑ بکری سے حرام کیں ہم نے اوپر اُن کے چربیاں اُن کی"۔

ایضاً تنبیہ چہارم | اس بات کا فیصلہ کہ بھیڑ غنم میں داخل ہے یا نہیں، وہی حضرات علماء کرسکتے ہیں جن کو تینوں زبانوں میں مہارت ہو تو ان زبانوں کا عالم یہ خوب جانتا ہے کہ جس جانور کو ہندی میں بکری اور

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۲
[2] موضح القرآن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۲ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۶
[3] " " " "
[4] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۶
[5] ترجمۃ القرآن لرفیع الدین تحت آیہ ۶/ ۱۴۶ ممتاز کمپنی لاہور ص ۶۳-۱۶۲

ھوالذی یسمی بالفارسیۃ بُز، وفی الاطلاق الاعم گوسپند، وبالعربیۃ معزا، وفی الاعم غنما وشاۃ، وذکرہ تیسا وماعزا، وانثاہ عنزا، وماعزۃ، کذٰلک علموا ان الحیوان الذی یسمی بالھندیۃ "بھیڑ" وذکرہ میندھا، وعند قوم وانثاہ بھیڑ ولقوم بھیڑی ھوالذی یسمی بالفارسیۃ میش، وبالاطلاقین الاخص والاعم گوسفند، وذکرہ المناطح قوچ، وبالعربیۃ ضانا، وبالاطلاقین شاۃ، وغنما، وذکرہ کبشا وضانا وانثاہ نعجۃ وضائنۃ، قال اللہ عزوجل ثمٰنیۃ ازواج من الضان اثنین ومن المعز اثنین[1]، قال فی موضح القرآن پیدا کئے آٹھ نرومادہ بھیڑ میں سے دو، اور بکری میں سے دو[2]، وفی ترجمۃ الرفیعۃ آٹھ جوڑے، بھیڑ میں سے دو، اور بکری میں سے دو[3]، وقال الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی ترجمتہا آفرید ہشت قسم را از گوسفند دو قسم، واز بُز دو قسم[4]، وقال الفاضل یوسف چلپی فی ذخیرۃ العقبٰی حاشیۃ شرح الوقایۃ،

اس کے نر کو بکرا کہتے ہیں، فارسی میں اسی کو بُز اور عام بول چال میں گوسپند اور عربی میں معز، اور عام بول چال میں غنم وشاۃ کہتے ہیں، اس کے مذکر کو "تیس" اور ماعز کہتے ہیں اور مؤنث کو عنز اور ماعزہ کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی معروف بات ہے کہ ہندی میں جس جانور کو بھیڑ جس کا مذکر مینڈھا' اور بعض کی زبان میں بھیڑا کہتے ہیں' اسی کی مؤنث کو بعض لوگ بھیڑ اور بعض بھیڑی کہتے ہیں، اسی کو فارسی میں میش' اور عام بول چال میں گوسفند' اس کا مذکر مناطح قوچ کہلاتا ہے یہی عربی میں ضان' اور دونوں اطلاقوں میں شاۃ و غنم کہلاتا ہے، اس کا مذکر ضان وکبش' اور مؤنث کو نعجہ کہا جاتا ہے۔

"ثمٰنیۃ ازواج من الضان اثنین" پیدا کئے آٹھ نرومادہ بھیڑے اور بکری سے دو۔ (از موضح القرآن) آٹھ جوڑے بھیڑوں میں سے دو، بکری میں سے دو۔ (شاہ رفیع الدین)

آفرید ہشت قسم از گوسفند دو قسم، واز بُز دو قسم۔ (شاہ ولی اللہ)

ضان، ضائن کی جمع' ماعز کے خلاف، اور یہ غنم کی ہی دو نوعیں ہیں، پہلے کو فارسی میں میش اور ثانی کو بُز

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۳

[2] موضح القرآن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۶

[3] ترجمۃ القرآن لرفیع الدین تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ عماز کمپنی لاہور ص ۱۶۲

[4] ترجمۃ القرآن (فارسی) لولی اللہ الدھلوی " " " مطبع ہاشمی دہلی ص ۳۹-۱۴۸

ضانا جمع ضائن خلاف الماعز، وهما نوعان من جنس الغنم، يقال للاول بالفارسی میش، وللثانی بُز، والشاۃ اسم جنس یشملها کالغنم ویقال لها بالفارسی گوسفند، کذا فی الصحاح، والاسماء[1] اھ باختصار، وقد ترجم فی النفائس بھیڑا بالفارسیۃ بمیش نر، وبالعربیۃ بکبش وضان[2]، وقال فی تحفۃ المؤمنین بھیڑ بہندی غنم است[3]، ثم قال غنم ضان ست[4]، ثم قال ضان بفارسی میش نامند[5]، وفی المنتخب الرشیدی ضان میش ضائن میش نر[6]، وفی الصراح ضائن میش نر، خلاف ماعز، والجمع ضان، خلاف معز اھ[7]، فان کان فی مریۃ بعد، فلیقم ولیغد، فلیذھب بقطیع منه الی العرب، والفرس، ولیدرفیها بلادا وقری وجبالا ومفاوز، ولیسأل کل اھل نادمن حاضر، وباد، ورجل، وامرأۃ

کہتے ہیں، اور غنم کے بھی ہم معنی لفظ شاۃ ہے جس کا اطلاق دونوں نوعوں پر ہوتا ہے اور اسی معنی میں فارسی لفظ گوسفند بولا جاتا ہے، اسماء اور صحاح میں ایسا ہی ہے (مختصراً) (ذخیرۃ عقبیٰ چلپی)

بھیڑا فارسیہ میں میش نر، اور عربی میں ضان ہے (نفائس)

بھیڑ ہندی میں غنم ہے، اور غنم ضان ہے، اور ضان فارسی میں میش ہے (تحفۃ المومنین)

ضان میش، ضائن میش نر۔ (منتخب رشیدی)

ضائن میش نر، خلاف ماعز، اور اس کی جمع ضان خلاف معز۔ (صراح)

ان سب شہادتوں میں ضان اور میش ایک ہی چیز قرار دی گئی ہے، اور اسی کو ہندی بھیڑ بتایا گیا ہے، اگر اس کے بعد بھی شبہہ ہو کہ یہ دونوں ایک نوع نہیں ہیں، تو بھیڑوں کا ایک گلہ لے کر عرب اور فارس کے شہروں اور دیہاتوں میں پھر کر جنگلوں اور پہاڑوں، آبادیوں اور ویرانوں میں گھوم گھوم کر ہر ایک

---

[1] ذخیرۃ العقبیٰ — کتاب الزکوٰۃ — باب زکوٰۃ الاموال — نولکشور کانپور — ۱/۱۲۷

[2] النفائس

[3] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ — الباء مع الہاء — نولکشور کانپور — ص ۱۶۹

[4] 〃 〃 〃 〃 〃 — الغین مع المیم — 〃 — ص ۴۲۵

[5] 〃 〃 〃 〃 〃 — الصاد مع الالف — 〃 — ص ۳۹۷

[6] منتخب اللغات مع غیاث اللغات — باب الضاد مع النون — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ص ۴۸۲

[7] الصراح فی لغۃ الصحاح — باب النون فصل الضاد — نولکشور لکھنو — ص ۵۱۸

وحروامة ، وعالم وجاھل ، وسائر و قاقل ، فان اخبرہ العرب جمیعاان ھذا ضان ، غنم ، شاۃ ، کبش ، نعجۃ ، وقالت الفرس این ست میش ، وگوسپند ، نر و مادہ ، فلیصدق بالحق ، وان اعربت العرب ان ھذا عصفور ، اوکلب عقوراوفیل ماسوم ، وتفرست الفرس ، فقالت خرِگور ، او چرغ پرزور او چغد شبکور ، فھو معذور ۔

شہری و دیہاتی ، عالم و جاہل سے سوال کرو ، تو سارے عرب یہ کہیں یہ ضان ہے ، غنم ہے ، شاۃ ہے ، کبش ہے ، نعجہ ہے ، اور فارسی کہیں یہ میش ہے ، گوسپند ہے ، تو حق بات تسلیم کرو ، اور اگر عرب اس کو گوریّا ، کٹکھنا کتّا یا ہاتھی ، یا اہل فارس اس کو گورخر یا چیتا یا اُلّو کہیں تو تم معذور ہوگے ۔

الخامس ۵ ارأیت ان انکرمنکر ، ان ھذا المھیب الثقیل ، ذا الخرطوم الطویل ، الذی یقال لہ بالھندیۃ ھاتھی وگج ، لیس ھو الذی یقال لہ بالعربیۃ فیل ، وبالفارسیۃ پیل ، فھل عندک علیہ من حجۃ ودلیل ، الا الرجوع الی اھل اللسن ، وابانۃ ان اطباقھم علی امثال ذٰلک من باب التواتر المورث للیقین ، کما ان من جحد وضع بمبئی او کلکتہ ، مثلاً لھذا البلد المعلوم ، فلادواء لہ الا الانباء بان الناس مطبقون علی ان ھذا البلد بھذا مسمی وبہ موسوم ، فان عاند وعاد وعاود اللداد ، فمالہ من طب الا الاقتصاد ۔

تنبیہ پنجم تائید مزید | لمبی اور دراز سونڈ والے ہاتھی کو کوئی فیل نہ مانے تو اس کے علاوہ کیا سبیل ہے کہ اہل عرب سے یہ کہلا دیا جائے کہ ہمارے یہاں سب لوگ اسے فیل ہی کہتے ہیں ، جیسے اگر کوئی بمبئی کا انکار کرے ، تو اس کی سبیل بھی یہی ہے کہ اسے بمبئی شہر دکھا کر لوگوں سے کہلا دیا جائے کہ سب لوگ اسی کو بمبئی کہتے ہیں ۔

السادس ۶ من الظن زعم الحاق الجوامیس بالبقر ، وانما عرفت الاضحیۃ علی خلاف القیاس لکونھا تقربا باراقۃ دم ،

تنبیہ ششم بھینس کو گائے کے ساتھ لاحق نہیں کیا گیا | یہ کہنا کہ بھینس کو گائے کے ساتھ از روئے قیاس لاحق کیا گیا ، غلط ہے ، کیونکہ یہ مسئلہ

وازھاق روح ، فکیف یسوغ الالحاق فیھا ، ولو ساغ لکانت المھا والوعول والظبا احق ان تلحق بالبقر والمعز، قال العلامۃ الاتقانی فی غایۃ البیان[1] التضحیۃ امر مستفاد بالشرع بخلاف القیاس ، لان کون اراقۃ الدم قربۃ غیر معقول المعنی فاقتصر علی مورد الشرع ، ولھذا لم تجز التضحیۃ بشیئ من الوحش[1] اھ ، وقال العینی فی رمز الحقائق انھا عرفت بالنص علی خلاف القیاس ، فیقتصر علیھا[2] اھ وقال العلامۃ الطوری فی تکملۃ البحر الرائق جوازھا عرف بالشرع فی البقر الاھلی دون الوحشی والقیاس ممتنع[3] اھ ومثل ذٰلک فی کثیر من الکتب ، و انما الشان انھم علموا انھا من نوع البقر فتناولھما النص تناولا اولیا من دون حاجۃ الی الحاق ، بھذا علل کما نص علیہ فی الھدایۃ والخانیۃ والدرر وشرح النقایۃ للبرجندی ، وفی جامع الرموز عن جامع المضمرات ، ومجمع الانھر عن المحیط ، وفتح اللہ المعین عن التبیین ، والبحر الرائق عن الولوالجیۃ ، والھندیۃ عن البدائع ،

قیاسی ہے ہی نہیں، اگر قیاس پر مدار ہوتا تو سفید رنیل گائے کو گائے کے ساتھ، اور پہاڑی بکرے اور ہرن کو بکری کے ساتھ لاحق کرنا بدرجۂ اولٰی بہتر ہوتا لیکن ایسا جائز نہیں۔

علامہ اتقانی نے غایۃ البیان میں فرمایا :
"قربانی کا مسئلہ بالکلیہ غیر قیاسی ہے کیونکہ خون بہانا کارِ ثواب ہو، یہ بات غیر معقول ہے، اس لئے جن جانوروں کو شرع نے جائز قرار دے دیا ان کے علاوہ مثلاً وحشی جانوروں کی قربانی شرعاً جائز نہیں"۔

علامہ عینی نے رمز الحقائق میں تحریر فرمایا: "قربانی حکمِ الٰہی سے خلافِ قیاس ثابت ہوتی ہے، تو اسی پر اقتصار کیا جائے گا"۔

علامہ طوری تکملہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تصریح فرماتے ہیں: "قربانی کا جواز شرح مطہر میں انھیں جانوروں میں ثابت ہے جو اہلی ہوں، وحشی میں نہیں، اور یہاں قیاس کو باریابی کی اجازت نہیں"۔

تو حقیقت حال یہ نہیں ہوئی کہ اکمل کو کامل کے ساتھ لاحق کیا گیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علماء کے نزدیک بھینس کا گائے کی ہی نوع میں ہونا ثابت ہوا، تو انھوں نے کہا کہ قرآن کا لفظ بقر

---

[1] غایۃ البیان

[2] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق | کتاب الاضحیۃ | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر | ۲/ ۲۰۵

[3] تکملۃ من البحر الرائق | " | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۸/ ۱۷۷

وردالمحتار عنها، وعن المغرب،
وان اقترحت جليت لك نقولها
فانی لم اثر فی هذه الرسالة
شیئا الامن الکتب التی منحنی
ربی فهی عندی فی ملکی
ویدی، حتی انهم اخذوا
علی لفظة توهم التخایر بینهما
کقول الکنز الجاموس کالبقر
کمافی التبیین[1] والبحر[2] والنهر
والشرنبلالیة، ومجمع الانهر
وابی السعود وغیرها مع
انه انما هو کقوله ایضا
البخت کالعراب بیدان اول
المسئلة کان هناك بلفظ الابل
فلم یوهم التشبیه، وههنا
بلفظ البقر فاوهم، ثم لماذا
استکثر من هذا الفصل وانت
الناقل عن ردالمحتار قوله
البقر بنوعیه[3] اھ وعن مفاتیح
الجنان ان الجاموس داخل
فی البقر[4] اھ وعن الاشعة جاموس

بھینس کو شامل ہے، اس لئے مسئلہ ہذا کے الحاق
والے قاعدہ کے سہارے کی بالکل ضرورت نہیں۔
یہ امور ہدایہ، خانیہ، رمز الحقائق، تکملہ طوری،
مستخلص الحقائق، شرح ملا مسکین، طحطاوی
علی الدر، شرح نقایہ برجندی، جامع الرموز،
جامع المضمرات، مجمع الانہر عن المحیط، فتح اللہ
المعین عن التبیین، بحرالرائق، ولوالجیہ، ہندیہ
عن البدائع، ردالمحتار عن البدائع وعن مغرب
منصوص ہیں، ضرورت پر ساری کتابیں پیش
کی جاسکتی ہیں، الحمدللہ ساری کتابیں میری ذاتی ہیں۔
ہاں ان حضرات نے ایک لفظ ایسا ضرور کہا ہے
جس سے یہ شبہہ ہوگا کہ گائے اور بھینس میں تغایر
ہے اور وہ کنز، تبیین، بحر، نہر، شرنبلالیہ،
مجمع الانہر ابی سعود وغیرہ میں ذکر کیا ہوا لفظ "الجاموس
کالبقر" ہے، لیکن اس سے دھوکا کھانا غلط ہے
کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے علماء اونٹ کے سلسلہ
میں فرماتے ہیں "البخت کالاعراب"؟ بیان مسئلہ
میں اونٹ مقسم کی طرح پیش کیا گیا ہے، اس کے
باوجود بخت واعراب دو نوع نہ ہوئے تو
صرف کاف تشبیہ کی وجہ سے بقر و جاموس دو نوع
کیسے ہوں گے، اور خاص کر مجیب صاحب کو

---

[1] تبیین الحقائق — کتاب الاضحیۃ — المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر — ۶/۷
[2] تکملۃ من البحرالرائق — " — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۸/۱۷۷
[3] ردالمحتار — " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۵/۲۰۴
[4] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام — فصل فی سنن الاضحیۃ — مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ — ص ۲۱۸

نوع از بقرست[1] فمالی اراك نقل العبارات وتنبؤ عنها کان لم تسمعها، کلا بل تسمع وتفهم ثم تحیل، اما سمعناك تقول انهم ید خلون الجاموس فی البقر، ویقولون انه نوع منه، ثم عدت تعد الانواع خمسة، وتجعل النوع یقابل جنسه، وبالجملة قد تبین بطلان تخمیس الانواع، وعد الجاموس نوعا براسه ثم لایخفی علی کل ذی حجی مالم یکن اغلظ طبعا من الجوامیس، ما بین البقر والجاموس من البون البین صورۃً ومعنًی، بیانٹ الوضع الوضع، والطبع الطبع، واللحم اللحم، واللبن اللبن، والطعم الطعم، والحمل الحمل، والمزاج المزاج، والأثار الأثار، والافعال الافعال، والخواص الخواص حتی حکم القیاس انهما نوعان متباینان، وان الجوامیس لاتجوز التضحیة بها، وانما الاجزاء حکم الاستحسان، قال فی الخلاصة ثم الاتقانی فی شرح الهدایة والحلبی فی تکملة لسان الحکام، الجاموس یجوز فی الضحایا

تو یہ شبہہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ انھوں نے خود ہی ردالمحتار کی عبارت "البقر بنوعیه" اور مفاتیح الجنان کا حوالہ "ان الجاموس داخل فی البقر" (بھینس گائے میں شامل ہے) اور اشعۃ اللمعات سے "جاموس نوع از بقر" (بھینس گائے کی ایک قسم ہے) نقل کیا ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ اس کے باوجود کس طرح مجیب نے قربانی کے جانور کی پانچ قسمیں کیں، اور بھینس کو الگ ایک نوع قرار دیا، پس واضح ہوا کہ پانچ نوع قرار دینا غلط، اور بھیڑ کو چھٹی قرار دے کر اس سے انکار کرنا غلط در غلط ہے۔

ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ گائے اور بھینس میں صورۃً اور معنًا بناوٹ، طبیعت، گوشت اور دودھ، مزے اور اعمال و آثار میں تباین ظاہری ہے جس کے پیش نظر عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ ان دونوں میں تباین نوعی ہے، اور بھینس کی قربانی نہ ہونا چاہیے مگر جائز ہے، تو یہ ایک خلاف قیاس حکم ہے۔

خلاصہ اتقانی حلبی میں: "بھینس کی قربانی استحساناً جائز ہے۔"

فاضل عبدالحی لکھنوی کی شرح مختصر وقایہ میں

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۰۸

والهدایة استحسانا[1] اھ وفی شرح مختصر الوقایة للفاضل عبد العلی الجاموس کالبقرة لانه نوع منها، فی الروضة هذا استحسان والقیاس انه لایجوز[2] اھ، وتغایرهما فی العرف ظاهر، ولذا لوحلف لایاکل لحم البقر لم یحنث باکل لحم الجاموس، کما فی زکوٰة الهدایة، ولا بعکسه، کما فی ایمان الخانیة، وماذا یغنی مجرد الوفاق فی عدد الاعضاء مع الخلاف فی جسم ما مر، فان ذلك حاصل فی الخیل والعیر ایضا مع انهما نوعان متباینان قطعا عرفا و شرعا، بل لك ان تقول لاوفاق فی العدد ایضا، فان لبقر جلد امتد لیا من مبدأ حلقه الی منحره، ولیس ذلك للجاموس، والشعر یعم بدن البقر ولیس علی جسم الجاموس الا شذر مذر، فاذا استحسنوا مع کل ذلك ان الجوامیس لیست الا من نوع البقر، کانت ضئین الهند احق بان تعد من نوع اضؤن العرب، فانهما لاخلف بینهما فی شیئ

ہے" بھینس گائے کی طرح ہے یہ اسی کی ایک نوع ہے۔" روضہ میں ہے: "اس کی قربانی استحساناً جائز ہے، قیاس میں تو جائز نہ ہونا چاہیے۔"

عرف کے اعتبار سے گائے اور بھینس کا تغایر ظاہر ہے، اسی لئے اگر کوئی قسم کھائے کہ گائے کا گوشت نہیں کھائے گا، تو بھینس کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ میں ہے، اور خانیہ میں ہے بھینس کی قسم کھائی تو گائے کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا۔

اور اگر خالی اعضاء کی تعداد میں موافقت کی وجہ سے گائے اور بھینس کے ایک نوع ہونے کا خیال کیا جائے تو گھوڑے گدھے میں اس سے زیادہ یکسانیت ہے حالانکہ وہ دونوں عرفاً اور شرعاً ہر لحاظ سے دو متبائن نوعیں ہیں۔ اور تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ گائے اور بھینس میں اعضاء کی تعداد میں بھی موافقت نہیں ہے، کیونکہ گائے کی گردن میں فاضل کھال لٹکتی ہے، جو بھینس میں نہیں ہوتی، اور گائے کے جسم پر گھنا بال پورے بدن پر اُگا رہتا ہے، اور بھینس کے جسم پر چند قلیل بال ہوتے ہیں، پس جب ان سارے اختلافات کے باوجود استحسان میں گائے اور بھینس کے ایک جنس ہوئے، تو دنبہ اور بھیڑ کے ایک جنس ہونے میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے؟

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاضحیۃ الفصل الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۱۴

[2] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۵

مما وصفنا، حتی لو ان ضأنین منهما متشابهی اللون، والجثة نظرهما ناظر من قدام لم یکد یمیز بینهما کضأنین کذٰلک من ارض واحدة، نعم الالیة من احدهما عریضة قصیرة ومن الاخری ضئیلة طویلة، ومثل هذا الخلف بل اکثر منه کثیرا ما یوجد فی افراد نوع واحد باختلاف الاراضی واختلاف المادة وغیر ذٰلک۔

کیونکہ ان میں تو مذکورہ بالا اوصاف میں سے کسی میں اختلاف نہیں، اگر ایک رنگ کے دنبہ اور بھیڑ کو آگے سے دیکھئے تو فیصلہ مشکل ہوگا کہ کون بھیڑ ہے اور کون دنبہ ہے، ہاں صرف یہ بات ہے کہ دنبہ کی دُم چوڑی اور چھوٹی ہوتی ہے اور بھیڑ کی دُم لمبی اور بالدار ہوتی ہے، لیکن یہ کوئی بات نہیں، اس سے بڑے بڑے اختلافات ایک نوع کے افراد میں اختلافِ آب و ہوا کی وجہ سے پائے جاتے ہیں اور ان کا لحاظ کرکے کوئی اختلافِ نوع کا حکم نہیں لگاتا۔

الا تری الی غلظ شفاہ الحبش، وصغر عیون الترک، وفطس انوف الصین، ولبعض من اتراک الوحوش علی عصعصه لحمة زائدة قدر شبر یشبه الذنب، والهنة الناتیة بین الشفرین لا توجد خلقة فی نساء المغرب، وربما یکون لانسان ستة اصابع، وذکر الفقهاء ما اذا کان للمرء یدان فی ید، او رجلان فی رجل، او کفان فی کف، هل یجب غسلهما فی الوضوء، کما فی البحر، والنهر، والدر، والهندیة وغیرها۔ ولقد رأیت لبعض البلاد جمالا جمیلة المنظر، لطاف الجسم، صغار الحجم،

امثلہ (۱) آدمیوں میں حبشیوں کا ہونٹ نہایت موٹا ہوتا ہے (۲) ترکیوں کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں (۳) چینیوں کی ناک چپٹی ہوتی ہے (۴) اور بعض وحشی ترکیوں کی دُم کی ہڈی پر دُم ہی کی طرح ایک بالشت تک لمبا گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے (۵) عام عورتوں کی شرمگاہ میں جو پارۂ گوشت اُبھرا ہوا ہوتا ہے مراکشی عورتوں میں خلقۃً نہیں ہوتا (۶) ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ آدمی کے کبھی چھ انگلی ہو جاتی ہے، چنانچہ فقہاء کا جزیہ ہے اگر کسی آدمی کے دو دو ہاتھ ہوں یا دو دو پاؤں یا ایک ہاتھ میں دو ہتھیلیاں، تو کیا وضو میں دونوں کا دھونا واجب ہے؟ یہ مسئلہ بحر، نہر، درر اور ہندیہ میں مصرح ہے (۷) میں نے بعض شہروں میں اُونٹ دیکھے ہلکے پھلکے، لمبے بال والے، جن کے پُشت پر دو کوہانیں تھیں جن کے بیچ میں ایک

طوال الوبر، لكل منها على ظهره سنامان رفيعان، بينهما مجلس الراكب يكونان له كعودي الرحل، وقد قال العلامة القزويني في عجائب الموجودات، ثم الامام الدميري في حيوة الحيوان انه يجلب من الهند نوع من الضأن على صدره الية، وعلى كتفه اليتان وعلى فخذيه اليتان، وعلى ذنبه الية وربما تكبر الية الضأن حتى تمنعه من المشي، زاد القزويني فيتخذ لاليتها عجلة توضع عليها وتشد الى صدرها فيمشي الضان وتجر العجلة والالية عليها[1] اھ فهذه اختلافات في الاعضاء باصل الوجود، والعدم، فضلا عن الصغر، والكبر، والطول، والقصر، فهل يجوز لعاقل ان يحكم لذلك باختلاف النوع، وان احد من صنفي الابل ذات كومين و ذات كوم، مثلا ليس من نوع الابل، لا تجوز التضحية به، ولا تجب الزكوٰة في سائمته۔

آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی (۸) امام قزوینی نے عجائب المخلوقات میں، اور دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں تحریر کیا ہندوستان کے بعض دنبے آتے ہیں جن کے سینے پر چکتی ہوتی ہے اور دونوں مونڈھوں پر دو چکتی اور رانوں پر دو چکتی اور دُم پر ایک چکتی ہوتی ہے جو اتنی بڑی ہوتی ہے کہ لکڑی کی چھوٹی گاڑی پر وہ چکتی رکھ دی جاتی ہے اور گاڑی دنبہ کے سینہ سے باندھ دی جاتی ہے جسے وہ کھینچتا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا سارے اختلافات جو اعضاء کی کمی بیشی میں واقع ہوئے، چہ جائیکہ ان کے بڑے اور چھوٹے ہونے کا اختلاف، تو کیا کوئی عاقل اس کی وجہ سے جانوروں کی نوع میں اختلاف ہونے کی بات کرے گا اور کہے گا کہ یہ دو کوہان والے اونٹ، اونٹ ہی نہیں، نہ ان کی قربانی ہو سکتی ہے نہ یہ سائمہ جانوروں میں شمار ہوں گے نہ ان پر زکوٰۃ ہوگی۔

السابع اطبق اهل التفسير والحديث والفقه واللغة من العرب والعجم، ان الغنم نوعان، ضان ومعز،

تنبیہ ہفتم توضیح مزید | عربی و عجمی اہل تفسیر و حدیث، اہل فقہ و لغت اس بات پر متفق ہیں کہ بکری کی دو قسمیں ہیں: ضان اور معز، جس کی

[1] حیاۃ الحیوان باب الضاد المعجمۃ (الضان) مصطفی البابی مصر ۱/۶۳۴
عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات (الضان) " ص ۲۴۹

میش و بُز، وان الضان ومیش خلاف المعز و بُز، والمعز و بُز خلاف الضان ومیش، قال العلامۃ الخفاجی فی عنایۃ القاضی و کفایۃ الراضی حاشیتہ علی تفسیر البیضاوی الضائن خلاف الماعز، وجمعہ ضان اھ[1] وقال فی مجمع بحار الانوار ضوائن ذات صوف نعجات ھو جمع ضائنۃ، وھی الشاۃ من الغنم خلاف المعز اھ[2] وقال فی المرقات الضان خلاف المعز من الغنم اھ[3] وقال العلامۃ مسکین فی شرح الکنز الغنم اسم یطلق علی الذکر والانثی من الضان والمعز والضان خلاف المعز اھ[4] وقال فی القاموس المعز ھو خلاف الضان من الغنم اھ[5] وفیہ الضائن خلاف الماعز من الغنم، جمع ضان اضئن ضانک اعزلہا من المعز[6]، وفی مختار الصحاح للعلامۃ الرازی الضائن ضد الماعز، والجمع الضان والمعز اھ[7]،

تعبیر فارسی میں میش اور بُز سے کی جاتی ہے، اور دونوں میں ایسا اختلاف ہے کہ جو معز ہے ضان نہیں، اور جو ضان ہے معز نہیں۔ حوالے:

- ضائن ماعز کے خلاف، اور اس کی جمع ضان ہے (علامہ خفاجی حاشیہ بیضاوی)
- ضوائن اون والی، ضائنہ کی جمع، یہ بکری کی ایک قسم خلافِ ماعز ہے (مجمع بحار الانوار)
- ضائن معز کے خلاف غنم میں سے۔ (مرقات)
- غنم اسم جنس ہے، یہ ضان و معز مذکر و مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے، اور ضان اور معز میں اختلاف ہے (شرح کنز علامہ مسکین)
- معز، ضان کے خلاف ہے، غنم کی ہی ایک قسم ہے (قاموس)
- ضائن، بکریوں میں معز کے خلاف، اور جمع ضان، محاورہ ہے: اپنے ضانوں کو ماعز سے الگ کرو۔ (قاموس)
- ضائن ماعز کا ضد ہے، اور جمع ضان اور معز ہے (مختار الصحاح رازی)

---

[1] عنایۃ القاضی حاشیۃ علی البیضاوی تحت آیۃ ۶/ ۸۰ دار صادر بیروت ۵/ ۳۵۹
[2] مجمع بحار الانوار باب الضاد مع الھمزۃ ضائن مکتبۃ دار الایمان المدینۃ المنورہ ۳/ ۳۸۲
[3] مرقات المفاتیح کتاب الصلوٰۃ باب فی الاضحیۃ الفصل الاول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۶۱
[4] شرح الکنز لملا مسکین مع فتح المعین کتاب الاضحیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۸۱
[5] القاموس المحیط باب الزاء فصل المیم (المعز) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۹
[6] ؍؍ باب النون فصل الضاد (الضائن) ؍؍ ۴/ ۲۴۴
[7] مختار الصحاح تحت لفظ ضائن مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ص ۳۷۶

وفیہ المعز من الغنم ضد الضان[1] وتقدمت انفا عبارات ذخیرۃ العقبٰی والصراح، و انت المحتج بقول الغیاث گوسفند بمعنی میش مقابل بُز چنانکہ معز در عربی مقابل ضان ست[2] الخ وحشیت علیہ بقولک ازیں عبارت صاف معلوم می شود کہ آں حیوان کہ عرب آں را ضان گویند فرس آں را میش گویند، وانچہ عرب آں را معز گویند فرس بُز گویند، ونقلت عن الشیخ المحقق قدس سرہ غنم دو صنف ست معز کہ آں را بُز گویند و ضان کہ آں را میش خوانند[3] وایدتہ بقول الشامی الشاۃ بنوعیہ[4] اھ، فکان اجماعا علی ان ماکان من الغنم خارجا عن الضان و میش فھو داخل فی المعز و بُز وماکان منھا خارجا عن المعز و بُز، فھو داخل فی الضان ومیش، وقد بینا ان حیوانا ھذا من الغنم، وان سترتاب فیہ فلن یستریب احد ممن لہ قسط من العقل، انہ من بھیمۃ الانعام، ثم لعلک تزھو بنفسک ان تدعی کونہ ابلا اوبقرا، فاما

• معز بکریوں میں ضان کا ضد ہے۔ (مختار الصحاح رازی)

• ذخیرہ عقبٰی اور صراح کی عبارتیں اوپر گزریں۔

• گوسفند معنی میں میش کے، جو بُز کا مقابل ہے، جیسا کہ معز عربی میں ضان کا مقابل ہے۔ (غیاث اللغات بحوالہ مجیب۔)

• جس حیوان کو عرب ضان کہتے ہیں فارسی میں میش کہتے ہیں (تقریر مجیب)

• غنم کی دو قسم ہے، معز کہ اس کو بُز کہتے ہیں، اور ضان کہ اس کو میش کہتے ہیں (شیخ محقق بحوالہ مجیب)

• بکری اپنی دونوں نوعوں کے ساتھ۔ (شامی بحوالہ مجیب)

تو ایک طرح اجماع ہوگیا کہ غنم صرف دونوں میں منحصر ہے، جو غنم معز نہیں وہ ضان ہے، اور جو ضان نہیں وہ معز ہے، تولا محالہ بھیڑ کو بھی ضان یا معز کسی میں داخل ماننا پڑے گا، اور اگر کچھ شبہ ہو تو اتنا تو قطعی ہے کہ یہ بہیمۃ الانعام میں داخل ہے، اور بہ اتفاق علماء انعام کی صرف چار قسمیں ہیں۔

اس امر کی تصریح امام بغوی نے معالم میں، اور

---

[1] مختار الصحاح تحت لفظ (المعز) مؤسستہ علوم القرآن بیروت ص ۶۲۸
[2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۱
[3] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۰۸
[4] رد المحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۰۴

ان يكون من المعز او من الضان ، اذ الانعام منحصرة فى الاربع بتصريح العلماء كافة ، كما نص الامام البغوى فى المعالم ، والامام الرازى فى المفاتيح ، والعلامة الرومى فى ارشاد العقل والمولى القارى فى المسلك المتقسط ، و الفاضل طاهر فى مجمع البحار وغيرهم فى غيرها لكن الاول باطل اذ المعز ذات شعر ، وهذا باعترافك ذات صوف ، والمعز بُز وبكرى و هذا ليس بها عند احد من الصبيان ، فضلا عن علماء اللسان ، فتعين ان يكون من الضان فانظر الى حججك كيف كرت عليك بالحجاج ، فان الضان وميش لوكان مختصة عند العرب والعجم بماله الية وهذا لا الية له بزعمك توجب ان يكون خارجا منها ، فوجب ان يكون داخلا فى المعز و بُز ، وقد قفيت على نفسك انه ليس منها ، فبطل انحصار الغنم فى نوعين ، و قد كنت بهجت به نقلا واستنادا ، وتعويلا و اعتمادا ، ثم بطلانه يقتضى ببطلان دعواك ، فان مدار التضحية على النعمية دون خصوص الالية و الضانية ۔

رازی نے مفاتیح میں ، رومی نے ارشاد میں ، ملا علی قاری نے مسلک المتقسط میں ، اور فاضل طاہر نے مجمع البحار میں کی ہے ، اور ان کے علاوہ نے دوسری کتابوں میں کی ہے ۔

اور آپ اس کو گائے یا اونٹ میں شامل کرنے کی جرأت کر ہی نہیں سکتے ، لامحالہ ضان میں ہی شامل ہوگا ، معز یا بکری تو ہوگا نہیں کہ اس کے اون ہوتا ہے اور معز کے اون نہیں ہوتا ، کیونکہ آپ کا یہ خود کا اعتراف ہے کہ یہ اون والی ہے ، تو دیکھئے آپ ہی کی دلیل نے آپ کا کیسا رد کیا ، اور صاف ظاہر ہوگیا کہ حلبی مابہ الامتیاز نہیں ، ورنہ بھیڑ کو معز میں داخل کرنا ہوگا ، اور آپ اس کو دونوں ہی سے خارج کرنے پر تلے ہوئے تھے ، اور اسی سے آپ کے دعویٰ کا رد بھی ہوگیا کہ یہ قربانی کا جانور نہیں ۔

الثامن كل ماشقق ، و رقق ، و ظن ان قد دقق من كون ميش حقيقة فى كذا و مجازا فى كذا او مشتركا بينهما الخ انما هو على زعم

تنبیہ ہشتم حقیقت و مجاز والی تدقیق کا جواب

اس پر مجیب کی اس قسم کی ساری تدقیقات کہ میش ذوات الیہ میں حقیقت ہوگا یا مجاز یا مشترک ، سب کا مبنیٰ یہ تھا کہ حلبی کو میش کی حقیقت

ان ماله الیه مغایر بالنوع لما لیست له الیة بالمعنی الذی توھم فظن ادخالھما جمیعا یؤدی الی التثلیث ولم یدر انه ھو الواقع فیه لما بیّنا ان ھذا الحیوان من الانعام قطعا واذ لیس من البدن فمن الغنم فلوکان نوعا مغایرا لذوات الالیات لوجب التثلیث۔

میں بنیادی دخل ہے، اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ بنیادہی غلط ہے، تو یہ تدقیقات بھی بے حقیقت ہو گئیں، اور انھیں پر مبنی یہ حکم بھی کہ غنم کی دو ہی قسم نہ رہیں گی، بھیڑ کے بعد اس کی تین قسمیں بنیں گی۔

التاسع احسنت اذ ایقنت ان التفسیر بالاعم انما یجوز حیث یقصد التمییز عن بعض الاغیار ولکن دعواك ان ھھنا کذلك فمفسروا الضأن بمیش انما قصدوا المیز عن البعض، کلمة انت قائلھا لا برھان لك علیھا بل الحجة ناطقة بخلافھا حیث کان المحل لبیان حکم لا یعدوا الضان کجواز الجذع کما فی عبارة الشیخ المحقق رحمه اللہ تعالٰی فی اشعة اللمعات[1] وغیرھا۔

تنبیہ نہم ذات الصوف تعریف بالاعم نہیں یہ بات بلاشبہہ صحیح ہے کہ کبھی کبھی تعریف و تفسیر لفظ اعم سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ مجیب نے دعوٰی کیا ہے، لیکن یہ بات کہ لفظ ضان کی تفسیر میں میش کا ذکر بھی یونہی ہے، بے حقیقت بات ہے، بلکہ شہادت اس کے خلاف ہے، کیونکہ یہ تفسیر ایک ایسے حکم کے بیان کے سلسلہ میں ہے جو ضان کے ساتھ خاص ہے، جیسے صاحبِ اشعۃ اللمعات کا یہ کہنا کہ ضان کا چھ ماہہ بچہ بھی جائز ہے۔

العاشر انما الخطاب بلغة العرب، فما لم یثبت النقل فالاحتجاج باللغة تام قطعا، ولا یدفع بالاحتمال بناء علی ان اھل الشرع قد یصطلحون علی معنی اٰخر، بذلك استدل الامام المحقق علی الاطلاق محمد بن الھمام

تنبیہ دہم دربارہ لغت فقہاء و ادباء نیز یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ اعتبار فقہاء کی لغت کا ہے نہ کہ ادیبوں کی لغت کا۔ جب خطاب زبان عرب میں ہے، تو جب تک منقول ہونے کا ثبوت نہ ہو ضروری ہے کہ لغوی معنٰی ہی مراد ہوں، اس کی تائید ابنِ ہمام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

على تحريم البنت من الزنا، قال في الفتح لانها بنته لغة والخطاب انما هو باللغة العربية مالم يثبت نقل[1]، وتبعه عليه البحر في البحر، والشامي في رد المحتار وغيرهما من العلماء الكبار، وهذا اذا لم يظهر منهم الوفاق، فكيف وقد ثبتت مواطاتهم عليه كما مر، ويأتي بتوفيق الله تعالٰى۔

الحادی عشر تظافرت كلمات علماء التفسير، والحديث، والفقه، واللغة وغيرها على التمييز بين الضان والمعز بالصوف والشعر، قال الامام محي السنة البغوي في معالم التنزيل الضأن النعاج وهي ذوات الصوف من الغنم ______ والمعز ذوات الشعر من الغنم[2] مختصرا، وقال الامام الرازي في تفسيره الكبير الضان ذوات الصوف من الغنم، والمعز ذوات الشعر من الغنم[3] ملخصا، وفي المصباح المنير و حيوة الحيوان وغيرهما الضان ذوات الصوف من الغنم[4]، و

فرمان سے ہوتی ہے کہ "لغۃً زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کو بنت ہی کہا جاتا ہے، اس لئے قرآن کے فرمان وبَنٰتُکم میں یہ بھی داخل ہوگی، اور زانی کا نکاح ایسی لڑکی سے حرام ہوگا۔" (امام ابن ہمام، بحر، شامی)

تنبیہ یازدہم تفسیر بالاثم کی حقیقت یہ امر بھی قابل غور ہے کہ علماء تفسیر وحدیث اور فقہ ولغت کی بڑی تعداد نے ضان اور معز کی تفریق میں صوف اور بال کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو تفسیر بالاثم وغیرہ کی تاویل ان کے کلام میں نہیں کرنی چاہئے بلکہ ان قلیل التعداد علماء کے کلام میں جو ایک لفظ خاص "ذات الیۃ" (چکتی والی) سے تعبیر کرتے ہیں۔ حوالے:

- بغوی معالم التنزیل: "ضان ونعجہ، نر و مادہ اون والی بکری کو کہتے ہیں اور بال والی کو معز۔"
- امام رازی تفسیر کبیر: "اون والی بکری ضان ہے اور بال والی معز۔"
- مصباح المنیر وحیوۃ الحیوان: بکری کی اون

---

[1] فتح القدیر کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۱۸

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۲

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) " " " المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۳/ ۲۱۶

[4] المصباح المنیر الضاد مع الواو الضان مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

فی شرح النقایة، ثم الطحطاوی، و ردالمحتار الضان ماکان من ذوات الصوف والمعز من ذوات الشعر[1]، وبه فرق بینهما فی البحرالرائق وغنیة ذوی الاحکام، وفتح الله المعین جمیعا عن معراج الدرایة، والیه یشیر حدیث الامام احمد، وابن ماجة، والحاکم، وقال صحیح الاسناد عن زید بن ارقم رضی الله تعالٰی عنه قال قال اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یارسول الله ماھٰذہ الاضاحی، قال سنة ابیکم ابراھیم علیه الصلوٰة والسلام، قالوا فما فیھا یارسول الله، قال بکل شعرة حسنة، قالوا فالصوف یارسول الله، قال بکل شعرة من الصوف حسنة[2]، قال فی المرقات لماکان الشعر کنایة عن المعز، کنوا عن الضان بالصوف الخ[3] والیه مآل النصوص التسعة المذکورة فی التنبیه السابع، عن العنایة، والمجمع، والمرقاة، وشرح الکنز، وذخیرة العقبٰی، والقاموس، والصراح، ومختار الصحاح،

والی قسم ضان کہلاتی ہے۔"

● طحطاوی شرح نقایہ، ردالمحتار: "ضان اون والی اور معز بال والی۔"

● بحرالرائق، غنیہ ذوی الاحکام، فتح اللہ المعین عن معراج الدرایۃ (ایضاً)

● حدیث امام احمد بن حنبل، ابن ماجہ کا اشارہ یہی ہے: "زید بن ارقم کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت۔ پوچھا: ہم کو کیا ملے گا؟ فرمایا: اس کے ہر بال کے برابر نیکی۔ لوگوں نے عرض کیا: اون کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: اس کے بھی ہر بال کے برابر نیکی ملے گی۔"

● مرقات میں ہے: "حدیث شریف میں بال سے اشارہ بکری کی طرف تھا، تو لوگوں نے صوف کہہ کر ضان کے بارے میں پوچھ لیا۔"

ساتویں تنبیہ میں عنایہ، مجمع، مرقات، شرح کنز، ذخیرۂ عقبٰی، قاموس، صراح، مختار الصحاح،

---

[1] جامع الرموز　کتاب الزکوٰۃ　مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران　۳۰۶/۱
ردالمحتار　〃　باب زکوٰۃ الغنم　داراحیاء التراث العربی بیروت　۱۹/۲
[2] مسند احمد بن حنبل　حدیث زید بن ارقم رضی اللہ عنہ　المکتب الاسلامی بیروت　۳۶۸/۴
سنن ابن ماجہ　ابواب الاضاحی　ایچ ایم سعید کمپنی کراچی　ص ۲۳۳
[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح　کتاب الصلوٰۃ　باب فی الاضحیۃ　المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ　۵۷۸/۳

وغیاثك الذی استغثت بہ من تفسیر الضان بما یخالف المعز وبالعکس، اذ لو کان الفصل بینھما بشیئ اخص من الصوف لم یکن کل مالیس بضان معزا ولا بالعکس بقاء مادۃ تفارق الصوف من ذلك الاخص خارجا منھا جمیعا عدم الضاینۃ لعدم الاخص وعدم المعزیۃ لوجود الصوف، فھذہ احد وعشرون نصوصا، سبعۃ اضعاف ماجئت بہ، کلھا قاضیۃ بھذا التفسیر، ولعل ماترکناہ اکثر مما سردنا وقد اعترف الرجل وان لم یعرف فسیقضی العیان ان ھذا الحیوان من ذوات الصوف فھو من خصوص الضان فضلا عن عموم الغنم او الانعام، والتعریف بالاعم وان جاز عند الاوائل فلیس بجید بالاجماع، قال المولی المحقق السید الشریف قدس سرہ الشریف فی شرح المواقف، اعلم ان اشتراط المساواۃ فی الصدق مما ذھب الیہ المتاخرون، واما المتقدمون فقالوا الرسم منہ تام یمیز عن کل مایغایرہ و ناقص یمیز عن بعض، وصرحوا بان المساواۃ شرط لجودۃ الرسم، کیلا یتناول مالیس من المرسوم، ولا یخلو عما ھو منہ[1] اھ مختصرا، وقال العلامۃ حسن چلپی فی حاشیۃ التلویح لاخلاف فی اشتراط المساواۃ لجودۃ التعریف[2]۔

غیاث اللغات کی عبارتوں کا مفاد بھی یہی ہے، کیونکہ ضان اور معز کے علاوہ کوئی اور نوع ہوتی جس کی وجہ امتیاز چکتی ہو تو ضان اور معز میں جنس غنم کا انحصار باطل ہوا جاتا ہے۔

یہ ۲۱ نصوص ہیں، اور جو مذکور نہ ہوئے اس سے بہت زیادہ ہیں، سب اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں کہ ضان اور معز میں فرق اون سے ہے چکتی سے نہیں، اس طرح مجیب نے لاعلمی میں ہی سہی، یہ اعتراف کرلیا کہ بھیڑ ضائن میں شامل ہے، آگے علی الاعلان اعتراف کرنا پڑے گا، عام سے تفسیر ماننے میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ متقدمین نے اسے صرف مباح مانا ہے، ایسی تعریف عمدہ نہیں ہے۔ میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواقف میں فرمایا:

"متاخرین نے تعریف میں مساوات کی شرط لگائی، اور متقدمین نے کہا کہ جو تمام مشارکات سے تمیز دے وہ رسم تام ہے، اور جو بعض سے ممتاز کرے رسم ناقص ہے، اور تعریف تبھی عمدہ ہے کہ مساوی سے ہو کر امتیاز کامل حاصل ہو۔"

اور حسن چلپی نے بھی حاشیہ تلویح میں فرمایا:

"تعریف کی عمدگی کے لئے مساوات شرط ضروری ہے۔"

---

[1] شرح المواقف المرصد السادس المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/۴، ۵

[2] حاشیۃ التلویح مع التوضیح والتلویح المطبعۃ الخیریۃ مصر ۱/۶۲

فحمل کلامهم علی ما لیس بجید لیس بجید۔

الثانی عشر [12] لو فرضنا التساوی فی الجودة فلا یرتاب من له عقل ورزق سلیقة ما فی فهم الکلام، ان الظاهر المتبادر من التعریف انما هو التساوی، ولا یجوز العدول عن الظاهر الا بدلیل، الا تری ان العلامة المحقق سعد الدین التفتازانی رحمه الله تعالی صرح فی حاشیة الکشاف کما نقله حسن چلپی فی حواشی التلویح، ان قول الفائق الحمد هو المدح صریح فی الترادف [1] مع انه هو القائل فی التلویح ان کتب اللغة مشحونة بتفسیر الالفاظ بما هو اعم من مفهوماتها [2] الخ، فلم یمنعه تصریحه هذا عن جعله تفسیر الفائق الحمد بالمدح صریحا فی الترادف، وهل هو الا لان الظاهر هو التساوی ما لم یدل علی خلافه دلیل، وبه یجاب عن بحث چلپی، وهکذا قال المولی السید الشریف (رحمه الله تعالی) فی شرحه للکشاف، قوله الحمد والمدح

تو یہ علما جس بات کو غیر عمدہ بتادیں، ان کے کلام کو اسی پر حمل کرنا کوئی عمدہ بات نہیں ہے۔

تنبیہ دوازدہم تشریح مزید | ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ عام اور مساوی دونوں کے ساتھ تعریف ہم پلہ ہی ہے، پھر بھی سخن فہم خوب جانتے ہیں کہ لفظ تعریف سے ذہن کی سبقت تساوی کی طرف ہی ہوتی ہے اور بغیر کسی قرینہ کے متبادر کو چھوڑ کر اعم مراد لینا خلافِ نقل و عقل ہے۔

امام تفتازانی نے حاشیہ توضیح میں تصریح فرمائی کہ "کتبِ لغت میں عام کے ساتھ تفسیر عام ہے"۔

اس کے باوجود "فائق" کے قول "الحمد هو المدح" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ حمد اور مدح دو مرادف لفظ ہیں"۔ (شرح حاشیہ کشاف بحوالہ چلپی)

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوا کہ احتمال اعم ہونے کے باوجود انھوں نے ظاہر متبادر و مساوی پر کلام "فائق" کو محمول کیا، ٹھیک اسی طرح میر سید شریف نے بھی یہ اقرار کرتے ہوئے کہ تعریف اعم بھی جائز ہے۔

شرح کشاف میں "المدح والحمد

---

[1] حاشیة التلویح مع التوضیح والتلویح بحوالہ شرح الکشاف المطبعة الخیریة مصر ۱/۶۲

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱/۶۲ و ۶۸

اخوان[1] ای هما مترادفان، و یدل علی ذٰلك انه قال فی الفائق والحمد هو المدح والوصف بالجمیل الخ فقد استدل بتفسیر اللغة علی الترادف مع انه مصوب لجواز التفسیر بالاعم کما سیأتی، و بالجملة فجواز شیئ شیئ وجواز الحمل علیه شیئ اٰخر، فقد یجوز شیئ فی نفسه ولا یجوز حمل الکلام علیه لکونه خلاف الظاهر فلا عدول عنه الابدلیل ظاهر۔

اخوان فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا محتمل اور جائز ہونا اور بات ہے، اور اس کا محمول اور مراد ہونا اور بات ہے۔

پس ثابت ہوا کہ متبادر سے پھرنے اور محتمل پر کلام حمل کرنے کے لئے واضح قرینہ ضروری ہے۔

الثالث عشر[۱۳] الحق عندی ان التفسیر بالاعم انما یجوز ان جاز حیث وضح المفاد وقامت القرینة علی المراد، والافلا قطعًا لعرق التغلیط، لما فیه من التلبیس، والتخلیط، وطریقة اهل اللغة معروفة، انهم اذا نکروا عرفوا واذا عرفوا نکروا فاذا قیل اُحد جبل وسعد انة نبت، لم یفهم منه الا انه جبل معین و نبت مخصوص؛ ولئن قال ان اُحدًا الجبل وسعد انة النبت لکان مخطئا قطعًا، وان کان لم یرتکب الا تفسیرا بالاعم، کیف وانه افهم ان احدا فرد الجبل، والسعد انة النبت وهذا ان کان خفیا علی غبی، فلیس یخفی علی ذکی، و اذا کان هذا فی اللغة، فما ظنك بالشرعیات

تنبیہ سیزدہم توضیح مزید اور جو سچ پوچھو تو ہمارے نزدیک اعم سے تفسیر اسی وقت جائز ہے جبکہ اس سے مراد خاص ہو، مثلاً اہلِ لغت کا یہ دستور ہے کہ نکرہ بول کر معرفہ اور معرفہ بول کر نکرہ مراد لیتے ہیں، اب انھوں نے کہا "اُحُدٌ جَبَلٌ" و "سَعْدَانَةٌ نَبْتٌ" تو اس کا ترجمہ ہوا "احد ایک خاص پہاڑ ہے" اور "سعدانہ ایک خاص گھاس ہے" تو یہاں تعریفِ اُحد میں ایک عام لفظ جَبَلٌ بول کر بھی مراد خاص پہاڑ ہو، اور محاورہ نکرہ بول کر معرفہ مراد لیا ہو۔ اس موقع پر کوئی جبل کے بجائے الجبل بولے تو خلافِ محاورہ اور غلط ہوگا حالانکہ اس بیچارے نے معرفہ کی تعریف میں لفظ معرفہ ہی استعمال کیا ہے، لیکن اس عبارت سے کوئی یہ نہ سمجھے گا

---

[1] حاشیۃ علی الکشاف للجرجانی مع الکشاف سورۃ فاتحۃ الکتاب انتشارات آفتاب تہران ایران ۱/ ۴۶

حيث المحل لبيان الاحكام الالٰهية
الخاصة بالشئ، فان التفسير بالاعم
ثم من ابين الاباطيل من دون
اقامة قرينة و ايتاء دليل.
الاترى ان من عليه كفارة
صوم، اذ سال ما تحرير رقبة،
فزعم زاعم انه رفع
قيد عن شئ حي، فقد
اخطأ، وجعل سائله عرضة
للخطأ فانه ان قنع بقوله
فسيظن انه يجزئ عنه
اطلاق انسان، او طلاق
نسوان، او تسبيب حيوان، و
لذا ترى العلماء المحققين من
الفقهاء والمحدثين لم يزالوا
يؤاخذون بترك القيود، و باثلام
في عكس، او انخرام في
طرد يأخذون على
الحدود، و لقد احسن
واجاد المولى المحقق
محمد بن عبد الله الغزي
في منح الغفار كما اثر
عنه في رد المحتار اذ يقول
في بيان شناعة الاطلاق
في محل التقييد، ما نصه

کہ اُحد اور الجبل میں ترادف ہے، تو بہر اس میں
یہی ہے کہ تعبیر اول میں محاورہ عام سے مراد
خاص ہے اور ثانی میں خاص سے مراد عام ہے
اور محاورے کا یہ فرق ہر صاحبِ فہم پر واضح ہے
تو جب لغت کا یہ حال ہے کہ بولیں عام اور مراد
لیں خاص، تو شریعت غرا جس میں خاص شئی کے
احکام مخصوصہ کا بیان ہوتا ہے، عام بول کر عام
ہی کس طرح مراد لیں گے؟ یہاں بغیر قرینہ کے
تفسیر بالاعم غلط اور باطل ہوگی۔

دلیل تنویری | روزہ کا کفارہ قرآن مجید میں ایک
گردن آزاد کرنا آیا ہے، اگر اب کوئی شخص لفظ
تحریر رقبہ کے معنیٰ عام (زندہ کی قید دور کرنا)
مراد لے تو غلط ہوگا کیونکہ ترجمہ کی بنیاد پر بند سے
آدمی کو کھولنا، عورت کو طلاق دینا، اور جانور کو
چھوڑ دینا، سبھی مراد ہوسکتے ہیں، تو لازم آئے گا
کہ یہ سب چیزیں روزہ کا کفارہ بنیں۔

یہیں سے علمائے محققین، فقہاء و محدثین
کے اس طرزِ عمل کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ عام
طور سے تعریفات میں قیود احترازی اور جمعیت و
منعیت کا لحاظ کیوں نہیں کرتے، حالانکہ جو کچھ
بیان کرتے ہیں اس کی مراد ایک جامع مانع محدود
ہی ہوتا ہے ــــ علامہ غزی تمرتاشی سے "شامی"
نے نقل کیا کہ:

حضرت علامہ نے الفاظ عامہ کو محل تقیید
میں بھی عام مراد لینے والوں کے خلاف فرمایا:

فیظن من یقف علی مسائله الاطلاق، فیجری الحکم علی اطلاقه، وھو مقید، فیرتکب الخطأ فی کثیر من الاحکام فی الافتاء والقضاء[1]۔ مثلاً فی ما نحن فیه ان کان تفسیر الضان بذات الصوف، وبخلاف المعز وبمیش کل ذٰلك تفسیر بالاعم، فمن وقف علی کلماتھم المتظافرۃ المتکاثرۃ المتوافرۃ فی ذٰلك، فربما یجتری فی التضحیة بذات صوف لیست من الضان فیأثم بترك الواجب والاصرار علیه سنین متطاولة، کما ھو حال عامة المسلمین بالدیار الھندیة عالمھم وجاھلھم عند ھذا الرجل قد حکم علیھم بالضلال والاضلال فما اضلھم ان ضلوا الا الی ھذه التفاسیر بالاعم، وان کان رجل علق ابانة عرسه بالتضحیة، فضحی بھذا یحکم الواقف علی کلماتھم بوقوع البینونة، وھی لم تبن، فیحرم الحلال، اوبعدمھا ففعل ذٰلك یحکم بعدم الوقوع، وھی قد بانت فیحلل الحرام الی غیر ذٰلك الشنائع العظام، ما ھجمت تلك الامن تلقاء ذٰلك التفسیر بالعام، فکیف یسوغ ان یحمل کلامھم علی مثل ھذا

"جو مقام تقیید میں لفظ کے اطلاق کا سہارا لے کر احکام عامہ جاری کرے گا وہ بیشمار احکام کے فیصلہ میں قضاءً اور افتاءً غلطی کرے گا"

مثلاً ہم مسئلہ دائرہ میں ہی لے لیں، ضان کی جتنی تفسیریں ہیں' جیسے اون والی، جو معز نہ ہو اور میش، یہ سب تعریفیں تعریف بالاعم ہیں، اب کوئی اون والی تعریف کے الفاظ پر غور کرکے بھیڑ ذبح کردے، تو اس نے بقول مجیب غلط نہیں کیا' مگر آپ پڑھ آئے ہیں کہ انھوں نے ایسے تمام لوگوں کو جاہل اور جاہل گر بنایا، یا مثلاً کسی نے اپنی عورت کے طلاق کو قربانی کرنے پر معلق کیا' اور بھیڑ کی قربانی کردی، تو ایک ایسا شخص جو کلمات علماء کے مفہوم و مراد کو سمجھا ہے، بھیڑ کی قربانی کو قربانی قرار دے کر طلاق بائن واقع مانے گا' جبکہ مجیب صاحب عام کو عام رکھتے ہوئے بھی اس کو قربانی کے جانور سے نکال کر طلاق نہ واقع ہونے کا فتوٰی دیں گے، اب ان دونوں باتوں میں حقیقت امر سے قطع نظر جس کو پہلے صاحب حرام کہہ رہے ہیں، دوسرے صاحب حلال ہونے کا فتوٰی دے رہے ہیں، تو یہ سارے قبائح اسی تفسیر بالعام کا شاخسانہ ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ قول ہی غلط ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی کیفیة القسمة دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۳۵

الا ببرهان واین البرهان هاتوا برهانکم ان کنتم صٰدقین۔

الرابع عشر مسألة التحدید ان کانت تؤخذ من جهة التقلید، کما یدل علیه الاستناد باللاهوری، فاجلة ائمة الدین وجهابذة النقاد المحققین مثل الامام فخر الدین الرازی فی شرح الاشارات، والامام صدر الشریعة فی التنقیح، والعلامة القاضی عضد الدین فی المواقف، والقاضی النحریر ناصر الدین البیضاوی فی طوالع الانوار، والعلامة سعد الدین التفتازانی فی التهذیب، والفاضل قطب الدین الرازی فی شرح الشمسیة، والمحقق شمس الدین محمد بن حمزة الفناری فی فصول البدائع فی اصول الشرائع وغیرهم من الاکابر المصرحین بان المعرف لابد له من التساوی، فلایجوز التعریف بالاعم، ولا بالاخص، احق بالاتباع، وان شئت نقلت لك نصوصهم، ولا یخفی علیك ان المسألة شهیرة دائرة، وفی کتب الکلام والاصول والمیزان سائرة، فالاسناد الی اللاهوری کیفما کان من ابعاد النجعة لاسیما وکتابه فی النحو، ولیست المسألة من مسائل ذا النحو۔

حد کے تقلیدی ہونے کی بحث

تنبیہ چہاردہم تعریف کا مسئلہ اجتہادی نہیں تقلیدی ہے، مطلب یہ کہ عام سے اگر تعریف جائز ہے تو بزور قیاس اس کو دور نہیں کرسکتے، جیسا کہ مجیب نے اس مسئلہ میں فاضل لاہوری کی سند پکڑی ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مسئلہ تقلیدی ہے لیکن یہ بھی تو دیکھنا ہوگا کہ تقلید کن لوگوں کی کی جائے، اور جن کی تقلید کرتا ہے وہ کیا کہتے ہیں۔

تو امام رازی شرح اشارات میں، صدر الشریعہ تنقیح میں، قاضی عضد الدین مواقف میں، قاضی بیضاوی طوالع الانوار میں، تفتازانی تہذیب میں، قطب رازی شرح شمسیہ میں، امام فناری فصول بدائع میں، وغیرہ اکابر علمائے اعلام تصریح فرماتے ہیں کہ تعریف کے لئے تساوی ضروری ہے، نہ تو معرف عام تعریف میں چلے نہ خاص، تو ان علماء کی بات مانی جائے کہ فاضل لاہوری کی، جبکہ ان کی کتاب فنِ نحو کی کتاب ہے، اور یہ مسئلہ علمِ نحو کا نہیں۔

والخامس عشر[15] الاوائل ان جوزوا التعریف بالاعم، وھو الاقرب حیث لابعد، کما قدمت فقد جوزوا التعریف بالاخص ایضا، والدلیل الدلیل فان عندھم لیس من شریطة التفسیر الا التمییز عن بعض مایغایر، وھو حاصل فی الکل بل قد یمکن ان یحصل بالمباین فالقصر قصور، بل لك ان تقول ان من قبل الاعم فھو للاخص اقبل، لانه یمیز المعرف عن کل ماعداہ، کما ھو ظاھر، وقد نص علیه الحسن چلپی فی حواشی المواقف وغیرہ فی غیرھا، قال المحقق الشریف فی شرحھا اما المتقدمون فقد جوزوا الرسم بالاعم والاخص، وایدبان المعرف لابد ان یفید التمیز عن بعض الاغیار، واما عن جمیعھا فلیس شرطا له، فالمساواة شرط للمعرف التام دون غیرہ، حدا کان اورسما[1] اھ وکذلك ایدہ ایضا فی حواشیه علی شرح المطالع کما نقله چلپی فیھا، وقال قدس سرہ فی حواشیه علی شرح الشمسیة الصواب ان المعتبر فی المعرف تمییزہ عن بعض ماعداہ، اما عن الکل فلا، فالاعم والاخص یصلحان للتعریف[2] اھ

تنبیہ پانزدہم متقدمین کا مسلک | متقدمین نے جس طرح اعم سے تعریف جائز رکھی (اور اس میں کوئی بُعد بھی نہیں، جیسا کہ ہم نے بھی بیان کیا) انھوں نے اخص سے بھی تعریف کو جائز رکھا، اور مباین سے بھی امتیاز ہو جائے تو اس سے بھی تعریف جائز ہوگی، کیونکہ ان کے یہاں جمیع ماعدا سے امتیاز ضروری نہیں، بعض مشترکات سے بھی تمیز حاصل ہو جائے تو تعریف جائز ہے۔

پس لفظ عام کی ہی کوئی خصوصیت نہیں رہی اخص بلکہ مباین سے بھی تعریف جائز ہوئی، بلکہ اخص تو جمیع ماعدا سے ممتاز بھی کر دیتا ہے البتہ کچھ فرد کو اپنے سے بھی خارج کر دیتا ہے۔

شہادتیں ● متقدمین نے اعم اور اخص دونوں سے تعریف جائز رکھی۔

دلیل یہ دی کہ تمام مشترکات سے تمیز دینا مقصود نہیں، بعض اغیار سے تمیز مقصود ہوتی ہے البتہ معرف تام کے لئے مساوی ہونا ضروری ہے، اور یہ بات حد ورسم سب کے لئے عام ہے۔

(حاشیہ شرح مواقف میر سید شریف و شرح مطالع حسن چلپی)

● معرف میں بعض ماعدا سے امتیاز مطلوب ہوتا ہے تمام ماعدا سے نہیں، تو خاص اور عام دونوں تعریف کی صلاحیت رکھتے ہیں (شرح شمسیہ میر سید شریف)

[1] شرح المواقف المرصد السادس المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۵، ۶

[2] لوامع الاسرار حاشیہ علی شرح مطالع الانوار

وکذلك صححه المولی العلامة بحر العلوم
قدس سرہ فی شرح السلم، فقال المتقدمون
قالوا ان کان الغرض الامتیاز عن کل ماعداہ،
فلا یجوز الا المساوی والاخص، ان لم یکن
الاعم ذاتیا له، وان کان الغرض الامتیاز
عن بعض الاغیار، فیجوز بالاعم الاخص
والمساوی، واما المباین فان کان یورث
الامتیاز فلا حجر فی التعریف به لکنه نادر
جدا، ووجه حقیة هذا المذهب ظاهر،
فان الحاجة الی جمیع الاقسام المذکورة
ثابتة، فاسقاط البعض عن درجة الاعتبار
غیر لائق[1] اھ الکل مختصر. واذا جاز الامران،
فمن این لك ان اطباق المترجمین قاطبة
علی التفسیر بمیش، وتفسیر اکابر العلماء
من الفقهاء، والمفسرین، والمحدثین،
واللغویین، بذات الصوف، او بخلاف المعز،
هو الخارج من جادة الجودة، دون تفسیر
البعض لصاحبة الالیة، ومایدریك لعل الثلثة
الاول هی التفسیر بالمساوی، وهذا التفسیر
بالاخص، ولم تکن بیدیك علقة شبهة، تدعوك
الی ما ادعیت الا الاغترار بهذا اللفظ فحسب،
وقد شرد عنك وبردلنا ماقد مناونذکر بعد، و
للّٰه الحمد من قبل ومن بعد.

● متقدمین کہا کہ کل ماعدا سے امتیاز مطلوب ہو، تو
مساوی یا اخص کے سوا جبکہ عام اس کا ذاتی
نہ ہو، کسی سے بھی تعریف جائز نہیں، اور اگر غرض
بعض ماعدا سے امتیاز ہو تو اعم واخص اور مساوی
سبھی سے جائز ہے، اور مباین سے امتیاز ہوسکے
تو اس سے بھی تعریف جائز ہے، لیکن ایک نادر الوجود
بات ہے، اور اس مذہب کی حقانیت ظاہر ہے
کیونکہ وقت وقت سے ضرورت سارے ہی اقسام
کی پڑتی ہے، تو بعض کو ترجیح دینا اور بعض کو ترک کرنا
غلط ہے۔ (شرح سلم بحر العلوم)

تو ثابت ہوا کہ عام کی کوئی تخصیص نہیں، خاص
عام دونوں ہی سے تعریف ہوسکتی ہے، پس آپ
کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ علمائے محققین، مفسرین و
محدثین کی ان تینوں تعریفوں کو (میش، اون دار،
خلاف ماعز) تو آپ ساقط الاعتبار گردانیں، اور
بعض حضرات نے "صاحب الیہ" تفسیر کردی تو وہ
قابل اعتبار ہوگئی، کیا ایسا ممکن نہیں کہ وہ تینوں
تعریفیں مساوی کے ساتھ ہوں، اور پچھلی والی
تعریف تعریف بالاخص ہو، ہمارے اس نظریے
کے خلاف خوش اعتمادی کے سوا اور کوئی دلیل نہیں،
تو مسئلہ بالکلیہ ہمارے موافق ہوگیا۔

---

[1] شرح السلم لبحر العلوم فصل المعرف الشیئ الخ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۱۸

السادس عشر[16] استشهادك بمن التبعیضیة ان تمشی، ففی عبارة شرح النقایة دون سائر عبارات التی نقلنا بعضها، ثم لاحاجة لك فیها ایضا فان ما فی قوله ما کان من ذوات الصوف[1] للاستغراق والفردیة تأتی بالبعضیة، فمن فی محلها قطعا من دون دلالة علی عموم الحد، والمعنی ان الضان اسم کل فرد من ذوات الصوف، کان تقول علی ما اشتهر باقتفاء اٰثار الفلاسفة المبطلة ان الانسان اسم لکل من کان من اهل النطق، افیفهم منهم ان الناطق یعم الانسان وغیره وانظر الی عبارة نفسك حیث نزلت عن ادعاء التفسیر بالاعم واتیت علی تعبیر المساواة بین الضان وذات الصوف علی قول مخالفك۔ فقلت لو قبل ان غرضهم من تفسیر الضان بمیش ان الضان ماکان من ذوات الصوف سواء کان له الیة اولا، کما ان میش کذلك الخ۔ فاین ذهب عنك ههنا من التبعیضیة۔

تنبیہ شانزدہم تعریف میں مِنْ تبعیضیہ کی تحقیق

صرف شرح نقایہ کی عبارت میں لفظ مِنْ آیا ہے، ماکان مِنْ ذوات الصوف (جو اون والوں میں سے ہو) اس کو بعض کے معنٰی میں لے کر یہ سہارا پکڑنا کہ یہاں مراد تمام صوف والے نہیں بلکہ بعض صوف والے ہیں (یعنی دنبہ) غلط ہے، کیونکہ اس سے قبل ماکان ہے، جو استغراق کے لئے ہے، تو یہاں مِنْ جو تبعیض کے لئے آتی ہے کل کے افراد پر فرداً فرداً دلالت کے لئے ہے، اور معنٰی یہ ہے کہ ضان نام ہے اون والے جانوروں میں سے ہر ہر فرد کا، تو مِنْ کی تبعیض بھی سلامت رہی اور ما کا استغراق بھی۔

یہ ایسے ہی ہے کہ فلاسفہ نے انسان کی اوندھی سیدھی جو تعریف کی ہے: الانسان حیوانٌ ناطقٌ۔ اس کی تعبیر کوئی یوں کرے، الانسان اسم لکل ماکان من اهل النطق (انسان ہر اس کا نام ہے جو نطق والوں میں سے ہو) تو کیا اس مثال میں کوئی یہ گمان کرسکتا ہے کہ ناطق انسان سے اعم ہے۔

مجیب اگر خود اپنی عبارت پر غور کرے تو اپنے اس غلط استشہاد سے رجوع کرے، کیونکہ جب اس پر یہ اعتراض ہوا کہ علماء نے فارسی میں ضان کو میش کہا، اور یہی چیز اردو میں بھیڑ کہی جاتی ہے لہذا بھیڑ ضائن میں داخل ہوئی، تو اس نے کہا اس تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ "ماکان من ذوات الصوف

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۳۰۶

میش سواء کان لہ الیۃ اولا" (جو اون والی ہے میش ہے، اس کے چکتی ہو یا نہ ہو)

دیکھئے یہاں بھی مِنْ تبعیضیہ ہے، لیکن مجیب نے اس چکتی دار اور غیر چکتی دار دونوں میں عام مانا، یہاں مِنْ تبعیضیہ کا سہارا لے کر صوف دار کو ضان سے عام نہیں مانا۔

پس معلوم ہوا کہ ان تعریفوں میں مِنْ کا سہارا لینا بھی غلط ہے۔

السابع عشر استنادك بعموم حد المعز لا يغني عنك شيئا، فان عموم قرين لا يدل على عموم صاحبه، وقد نص العلماء على ان الاستدلال بالقران في الذكر من افسد الدلائل، وايضا ليس اسلوب الكلام فيه كمثله في الضان لعدم ما الافرادية هنا، وكان هذه هي نكتة التغيير، ان كان القهستاني لا يخص الشعر بالمعز، على انا رأينا العلماء يخصون. قال العلامة علی القاری فی المرقاۃ تحت حدیث زید المذکور رضی اللہ تعالٰی عنہ ان الشعر مختص بالمعز، كما ان الوبر مختص بالابل، قال تعالٰی ومن اصوافها واوبارها واشعارها اثاثا ومتاعا الی حین ولکن قد یتوسع بالشعر فیعم[1] اھ وسیأتیك من کلام المفسرین ما یمیل الیہ میلا ظاہرا، مع ان الکلام ھھنا فی الغنم فغیرہ خارج عن المقسم، فلم یکن فی شیٔ

تنبیہ ہفدہم قران فی اللفظ کی بحث (علماء نے ضان کی تعریف میں ماکان من ذوات الصوف کہا (جس کے اون ہو) اور معز کی تعریف میں ماکان ذوات الشعر (جو بال والا ہو) کہا، اس سے ان لوگوں کی تائید ہوتی تھی جو بھیڑ کو ضان میں داخل مانتے ہیں کہ علماء نے ضانیت کا مدار اُون پر رکھا چکتی پر نہیں)

اس کا جواب مجیب نے یہ دیا تھا کہ یہ تو جب ہو جب ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مَالَہٗ صُوْفٌ کا لفظ ضان کے مساوی ہے، حالانکہ یہ لفظ یہاں بھی ضان سے اعم ہے، دلیل یہ ہے کہ اسی کے ساتھ مالہ شعر کہہ کے بکری کی تعریف کی گئی ہے، تو اگر اس تعریف میں بھی مدار بال پر رکھا جائے تو گائے اور بھینس بھی جو بال دار ہیں، بکری بھی شامل ہو جاتے ہیں، اس لئے حقیقت یہی ہے کہ اس مقام پر علماء نے ضان اور معز دونوں ہی کی تعریفیں لفظ عام سے فرمائی ہیں۔

مجیب کی یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ اس جواب کا مدار اس قاعدے پر ہے کہ "جو دو جملے لفظ میں

---

[1] مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب فی الاضحیۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۶۸

من التعریف بالاعم ۔ ساتھ ساتھ ہوں، ان دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہوتا ہے" جبھی تو مجیب یہ کہہ رہا ہے کہ معز کی تعریف "مَالَہٗ شَعْرٌ" میں شعر عام ہے تو "مالہ صوف" میں صوف عام ہونا چاہیے، حالانکہ یہ استدلال ہی سرے سے فاسد اور غلط ہے۔

(الف) علمائے اسلام کا فیصلہ ہے کہ "قران فی اللفظ قران فی الحکم" لفظ میں ساتھ ہونا حکم میں ساتھ ہونے کو مستلزم نہیں ہے، اس لئے یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ مَالَہٗ شَعْرٌ عام ہو، تو مَالَہٗ صُوْفٌ بھی عام ہو۔

(ب) شاید اسی لئے قہستانی نے ضان کی تعریف میں "مَاکَانَ مِنْ ذَوَاتِ الصُّوْفِ" لفظ ماکان کے ساتھ، اور معز کی تعریف میں صرف "من ذوات الصوف" لفظ ماکان کے بغیر کہا، یعنی یہ اسلوب بدلنا اسی لئے ہوا کہ ایک جگہ عام اور ایک جگہ مساوی مراد ہو۔

(ج) معز کی تعریف میں لفظ شَعر، مَعز کے مساوی ہے' یہ خیال غلط ہے کہ عام ہے۔
ملا علی قاری وغیرہ علماء کے نزدیک بکری کے بال کو ہی شَعر کہا جاتا ہے، اس لئے بھینس اور گائے کے شمول کا کوئی سوال نہیں۔

"بیشک بال بکری کے ساتھ خاص ہے، جیسا وبر اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالٰی نے قرآن عظیم میں "مِنْ اَصْوَافِھَا وَ اَوْبَارِھَا وَ اَشْعَارِھَآ" فرمایا، کہ صوف ضان کے لئے، وَبر اونٹ کے لئے، اور شَعر بکری کے لئے، البتہ محاورہ میں مجازًا دوسرے بال کے لئے بھی شَعر کا اطلاق ہوجاتا ہے۔" (ملا علی قاری، مرقات زیر حدیث زید)[1]

(د) گائے، بیل اور بھینس سے اعتراض بیکار ہے کہ وہ یہاں مُقسم میں شامل ہی نہیں، کلام تو غنم میں ہے کہ غنم کی دو قسمیں ہیں مالہ صوف و مالہ شعر، تو لفظ مساوی مان کر بھی حصر کامل ہوگیا۔

الثامن عشر[18] کلا بل لا مساغ ھٰھنا لادعاء العموم، فان العلماء صرحوا ان الصوف مختص بالضان، قال العلامۃ کمال الدین الدمیری

تنبیہ ہیژدہم لفظ ضان اور صوف کی تحقیق ضان کی تعریف مَالَہٗ صُوْفٌ میں لفظ صوف ضان سے اعم ہو ہی نہیں سکتا، اور یہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ تعریف بالاعم ہے"

---

[1] مرقات المفاتیح کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/۵۷۸

فی حیوٰۃ الحیوان لیس الصوف الا للضان اھ[1] وقال الامام الرازی فی مفاتیح الغیب تحت الآیۃ المتلوۃ آنفاً قال المفسرون واھل اللغۃ الاصواف للضان، والاوبار للابل، والاشعار للمعز اھ[2] وقال القاضی فی انوار التنزیل الصوف للضائنۃ، والوبر للابل، والشعر للمعز اھ[3] قال العلامۃ المفتی ابوالسعود فی ارشاد العقل الضمائر للانعام علی وجہ التنویع ای وجعل لکم من اصواف الضان والاوبار الابل، واشعار المعز اثاثاً الخ[4] وقال محی السنۃ فی المعالم یعنی اصواف الضان واوبار الابل، واشعار المعز اھ[5] فلو وجد الصوف لشیٔ من الانعام سوی الضان، والکنایۃ الالٰھیۃ انما ھی للانعام، ماساغ لھم الحکم علی کلام اللہ عزوجل بخصوص العنایۃ مع عموم الکنایۃ، وقد اسمعناک کلام المرقاۃ مفرقا

کیونکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ صوف ضان کے بال ہی کو کہتے ہیں،

• صوف صرف ضان کے بال کو کہتے ہیں۔ (حیوٰۃ الحیوان دمیری)

• اہلِ تفسیر ولغت فرماتے ہیں کہ صوف ضان کا بال، وبر اونٹ کا بال، اور شعر معز کے بال کے لئے خاص ہے (مفاتیح الغیب للرازی)

• صوف ضائنہ کے لئے، اور وبر اونٹ کے لئے، اور شعر معز کے لئے۔ (قاضی بیضاوی)

• ضمائر انعام کے لئے ہیں، اور اس کے ہر نوع پر تقسیم بھی ہے، یعنی تمھارے لئے ضان کے صوف اونٹ کے وبر اور معز کے بال بنائے۔ (ارشاد العقل لابی السعود)

• یعنی ضان کے صوف، اونٹ کے وبر اور معز کے بال۔ (تفسیر خازن)

کلامِ الٰہی میں ان تینوں ضمیروں کا مرجع جو تینوں بالوں کے ساتھ ہیں، لفظ انعام ہے، تو اگر فی نفسہ انعام میں سے کسی اور جانور کا بال بھی صوف کہلاتا، تو مفسرین کو ہرگز یہ جرأت نہ ہوتی

---

[1] حیوٰۃ الحیوان باب الغین المعجمۃ تحت الغنم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۲

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۲۰/ ۹۲

[3] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) " " مصطفی البابی مصر نصف اول ص ۲۷۷

[4] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۳

[5] معالم التنزیل علی ہامش (تفسیر الخازن) " " مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۷

فی موضعین ، فاجمعه فانه
یدلك بفحواه علی ان الصوف
مختص بالضان ، وھو المستفاد من
تفاسیر اللغة ، وبالجملة من عرب لسان
العرب لو یعرب عنه ان الصوف لیس الا
للضان ، فاما ان یعم افراده کما ھو الواقع
فمساو اولا فاخص وعلی الکل فلا تکون
ذات الصوف الا من الضان ، وقد اعترفت
ان حیوانا ھذا من ذوات الصوف فوجب
ان یکون من الضأن ، وفیه المطلوب
باتم شان ۔

التاسع عشر[19] کان من قولی فیما سلف
ما یدریك لعل الثلثة الاولی ھی التفسیر
بالمساوی وھذا بالاخص ، والاٰن اقول
قابضا للعنان بعد ما ارخیت مالی ترجیت
وقد قضیت ، اما تفطنت بما فی السابع
والحادی عشر القیت ، ان لو قصرت الضانیة
علی شئ اخص من الصوف بطل حصر الغنم
فی نوعین فوجب ان یکون التفسیر بذات
الصوف ھو التفسیر بالمساوی ، والتعریف
بذات الالیة التعریف بالاخص ، علی
ما توھمت من معناھا والنظر حقیقة
لم تبلغ مرماھا ۔

العشرون[20] ھل لك اجالة نظر فی
کلمات الائمة الکرام ، فانھم یتکلمون

کہ اللہ تعالٰی نے جس کو عام فرمایا ، یہ خاص کریں۔

صاحبِ مرقات کے متفرق کلام جو ہم نے
دو جگہ لکھا ، ملاؤ تو ان کا فرمان بھی یہی ہے کہ صوف
صرف ضان کے لئے ہے ، پس ایسی صورت میں
صُوف کو اگر دونوں (بھیڑ اور دنبہ) کے لئے عام
مانا جائے تو مساوی کے ساتھ تعریف ہوتی
ورنہ اخص کے ساتھ ، اعم کے ساتھ تعریف کا
تو کوئی سوال ہی نہیں۔

تو ثابت ہوا کہ ضان صوف والا ہے ، اور
ہمارا یہ جانور بھی صوف والا ہے ، لہذا اب بات
واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ بھیڑ بھی ضان ہی ہے۔

تنبیہ نوزدہم تعریف بالاعم اور تعریف بالاخص میں نے پہلے کہا تھا ' ہوسکتا ہے کہ ضان
کی پہلی تعریف لفظ مساوی سے ہو ، اور " الیۃ"
چکتی والی تعریف اخص کے ساتھ ہو ، اب میں
قطعیت کے ساتھ اسی بات کو دُہراتا ہوں کیونکہ
میں بتا چکا ہوں کہ اعم ماننے میں " غنم " کا حصر
اس کی دو نوعوں میں ختم ہوجائے گا ، اور بھیڑ
تیسری قسم ہوجائے گی۔

تنبیہ بستم ائمہ وعلماء کے فتاوے یہ لطیفہ بھی قابلِ ملاحظہ
ہے ، دنبہ جس کے چکتی ہوتی ہے اگر کسی کے خلقۃً

فیما اذا خلقت شاۃ بلا الیۃ ھل تجوز التضحیۃ بھا، فمذھب امامنا الاعظم والھمام الاقدم سراج الامۃ کاشف الغمۃ امام الائمۃ ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنھم ان نعم، وھو الاصح عند الائمۃ الشافعیۃ رحمھم اللہ تعالٰی، وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لا تجوز التضحیۃ بشاۃ کذا، وانا اسمعک اولا کلمات العلماء قال الامام الاجل فقیہ النفس فخر الدین الاوزجندی فی الخانیۃ، الشاۃ اذا لم یکن لھا اذن ولا ذنب خلقۃ تجوز، قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لایکون ھذا ولو کان لایجوز[1]، وذکر فی الاصل عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یجوز اھ ثم قال وان کان لھا الیۃ صغیرۃ مثل الذنب خلقۃ جاز اما علی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی فظاھر لان عندہ لو لم یکن لھا اذن ولا الیۃ اصلا جاز، فصغیرۃ الاذنین اولی، واما علی قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی صغیرۃ الاذنین جائزۃ، وان لم تکن لھا الیۃ ولا اذن خلقۃ لا تجوز اھ[2] وفی الاجناس، ثم الخلاصۃ، ثم الھندیۃ، وعن

چکتی ہوتی ہی نہیں، اس کی قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟
امام اعظم ہمام اقدم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ایسے دنبہ کی قربانی جائز ہے۔"
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہی صحیح ہے۔"
امام محمد بن حسن فرماتے ہیں: "ایسے کی قربانی صحیح نہیں ہے۔"
بکری کا کان اور دُم پیدائشی طور پر غائب ہو تو قربانی جائز ہے یا نہیں؟
امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ناجائز ہے۔"
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے: "جائز ہے۔" (فقیہ النفس امام قاضی خاں)
اگر دنبہ کی چکتی دُم ہی کی طرح خِلقۃً چھوٹی ہو؟
"امام اعظم جب بے کان اور دم کی جائز قرار دیتے ہیں تو چھوٹے کان میں کیا رکھا ہے، یہ بھی جائز ہوگی۔"
امام محمد کے یہاں صرف صغیر الاذن کی جائز ہے، خلقی کان چکتی نہ ہو تو جائز نہیں۔" (قاضی خان لامام فقیہ النفس)
"اجناس میں ہے کہ اگر دنبہ کی چکتی کان کی طرح چھوٹی ہو قربانی جائز ہے، اور اگر مطلقاً ہو ہی نہیں تو امام کے یہاں ناجائز ہے۔" (اجناس، خلاصہ، عالمگیری، اخیرین میں میں نے خود دیکھا عبارت

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الاضحیۃ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/۴۴۸

[2] " " " " " ۴/۴۴۹

الاخیرین، نقلت واللفظ للوسطی، فی الاجناس[1]
ان کانت للشاۃ الیۃ صغیرۃ خلقت شبہ
الاذن تجوز، وان لم تکن لھا الیۃ
خلقت کذٰلک قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی
لا تجوز[1] اھ وفی وجیز الامام الکردری التی
لھا الیۃ صغیرۃ تشبہ الذنب تجوز، وان
لم تکن لھا الیۃ خلقۃ فکذٰلک وقال
محمد رحمہ اللہ تعالٰی لا تجوز[2] اھ وفی خزانۃ
المفتین لا تجوز السکاء وھی التی لا اذن لھا
خلقۃ، کما لا ذنب لھا خلقۃ او لا الیۃ لھا
خلقۃ[3] اھ وفی الانوار للامام یوسف الاردبیلی
الشافعی تجزئ التی خلقت بلا ضرع او الیۃ
او قرن[4] اھ وفی حیٰوۃ الحیوان للکمال الدمیری
الشافعی تجزئ الشاۃ التی خلقت بلا ضرع
او بلا الیۃ علی الاصح[5] اھ فظھر باتفاق
القولین ان الالیۃ لیست من ارکان
حقیقۃ الضان بحیث ان لو عدمت لم تکن
ضأنا، اما علی قول الامام الاعظم فظاھر
فانہ یجیز التضحیۃ لھا وان لم تکن
لھا الیۃ خلقۃ اصلا، واما علی قول محمد

خلاصہ کی ہے)
"وہ دنبہ کہ اس کی چکتی چھوٹی دم کے مشابہ ہو
یا ہو ہی نہیں اس کی قربانی جائز ہے، امام محمد کے
یہاں ناجائز ہے۔" (وجیز امام کردری)
"سکاء جس کے خلقۃً کان نہ ہو اس کی قربانی
جائز نہیں، ایسے ہی جس کی دُم یا چکتی نہ ہو۔"
(خزانۃ المفتین)
"جس کے خلقۃً تھن یا چکتی نہ ہو اس کی قربانی
جائز ہے۔" (امام ابویوسف اردبیلی شافعی)
"جو پیدائشی طور پر بے تھن اور چکتی کا جانور ہو صحیح
یہی ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے۔" (حیٰوۃ الحیوان
دمیری)
ان دونوں قولوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ
چکتی ضان کی حقیقت کا جُز نہیں کہ یہ نہ ہو تو جانور
ضان کے بجائے کچھ اور ہو جائے، امام اعظم رحمۃ اللہ
علیہ کے قول پر تو یہ امر بالکل واضح ہے، امام محمد
رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر بھی، کیونکہ بے چکتی شاۃ کی بات
کر رہے ہیں اگر چکتی حقیقت کی جُز ہو تو انکی عبارت "لا الیۃ لہ"
کے معنی یہ ہو جائیں گے "اگر بکری بکری ہی نہ ہو تو
اس کی قربانی ناجائز ہے، اور ایسی ردی عبارت

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی | کتاب الاضحیۃ | الفصل الخامس | مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ | ۴/۳۲۱
فتاوٰی ہندیۃ | " | الباب الخامس | نورانی کتب خانہ پشاور | ۵/۲۹۷
[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ | کتاب الاضحیۃ | الفصل الخامس | " " | ۶/۲۹۳
[3] خزانۃ المفتین | کتاب الاضحیۃ | قلمی نسخہ | ۲/۲۰۷
[4] الانوار لاعمال الابرار
[5] حیاۃ الحیوان | باب الشین المعجمۃ (الشاۃ) | مصطفی البابی مصر | ۱/۵۹۲

رحمه الله تعالیٰ، فلانه یتکلم علی شاة لاالیة لها، فلوکانت الالیة رکن حقیقتها لکان معنیٰ قوله ان لولم تکن الشاة شاة لم تجز الاضحیة بها، وهذا قول غسل رذل اشبه شیئ بالهزل، لایجوز صدوره عن عاقل، فضلا عن امام مجتهد کامل، فانظر الاٰن الی دندنتك این مدت عنك فی غایة امر قفار بل اجتثت من فوق الارض مالها من قرار، والحمد لله علی توالی اٰلائه کقطر المطر وامواج البحار۔

تو کوئی عام عربی بھی نہیں بول سکتا، چہ جائیکہ امام اللغۃ والفقہ امام محرر المذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ۔

الحادی والعشرون[۲۱] یاهذا اصنع واتبع، ان اطعتنی ذهبت بك الی حیث یلمع الحق من دون حجاب، ویزیل عنك کل تحیر واضطراب، حقیقة الامران الاطراف فی الحیوان تجری مجری الاوصاف، کما نصوا علیه قاطبة، ولذا لایقابلها شیئ من الثمن حتی انه اذا اشتری جاریة فاعورت فی ید البائع ثم قبل التسلیم لاینتقص شیئ من الثمن وکذلك اذا اشتری جاریة فاعورت فی ید المشتری، ثم اراد ان یبیعها مرابحة کان له ذٰلك من دون حاجة الی البیان کما فی الهدایة وشروحها، کفتح القدیر و غایة البیان وغیرهما وان سألت سردت لك نصوصها واوصاف الشیئ

تنبیہ لبست وکیم حیوان کے اعضاء کا حکم	میری مانو تو میں تم کو نور حق کے سامنے کھڑا کردوں گا

جہاں کوئی حجاب نہ ہوگا، اور ہر قسم کے خطرات دُور ہوجائیں گے،

واقعہ یہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء وجوارح اوصاف کے مرتبہ میں ہوتے ہیں جس کے مقابلہ میں دام کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، اس پر سارے فقہاء کا اتفاق ہے۔

"کسی نے ایک باندی خریدی، ابھی بائع کے ہی پاس تھی کہ بھینگی ہوگئی، دام میں سے کچھ کم نہ ہوگا، یونہی کسی نے باندی خریدی، وہ مشتری کے قبضہ میں اگر بھینگی ہوگئی اور مشتری کسی دوسرے کے ہاتھ اس کو منافع پر (مرابحۃً) بیچنا چاہتا ہے، تو اُسے بتانے کی ضرورت نہیں

لاتدخل فی سنخ قوامه، وقد افادوا کما علمت انها کالاعراض المفارقة، لا انتفاء للحقیقة بانتفائها، فانعدام الالیة رأسا لایخرج الضأن عن الضأنیة، کما لو خلق انسان بلا ید لایخرج عن الانسانیة، وانما مدار التعریف ھٰھنا ان ھذا الوصف لایوجد الا فی ھذہ الحقیقة ینتقل الیھا الذھن منه بھٰذا الوجه لا انھا لا توجد الا به، فمعنی قول القائل الضأن ماھو الیة انه النوع الذی تتحقق فیه الالیة لا انه لایکون ضانا مالم تکن له الیة، اتقن ھذا فقد جلیت لك جلیة الحال بغیر مریة۔

کہ یہ میرے یہاں آکر علمی ہوگئی ہے۔"
میں اس موضوع پر کثیر نصوص پیش کرسکتا ہوں کہ اطراف حیوان کا حکم اوصاف کا ہے، اور اوصاف کسی شئے کی حقیقت میں داخل نہیں ہوتے، جیسا کہ علماء نے بیان فرمایا ہے، اور آپ بھی جانتے ہوں گے یہ اُن اعراض مفارقہ کی طرح ہیں جن کے انتفاء سے حقیقت منتفی نہیں ہوتی، تو ضان بھی چکتی نہ ہونے کی صورت میں ضان سے نہیں نکل سکتا' جیسے وہ آدمی ہی رہتا ہے جس کے پیدائشی ہاتھ نہ ہو، اس وصف کے ساتھ تعریف کرنے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ وصف صرف اس حقیقت میں پایا جاتا ہے تو اس وصف سے ذہن صرف اس حقیقت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ حقیقت اس وصف کے بغیر پائی ہی نہیں جاتی۔

تو "ماتکون له الیة" کا مطلب یہ ہوا کہ ضان جانور کی وہ قسم ہے کہ اس میں چکتی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ بے چکتی کا ضان ہوگا ہی نہیں۔ اسی کو ذہن میں راسخ کرکہ میں نے تیرے لیے روشن حال کو بغیر کسی شک کے واضح کیا

الثانی والعشرون[۲۲] ھذا اما سایرناك فیه، وانت تزعم ان الالیة ھی الضخمة الکبیرة العریضة السمینة المحتویة علی لحم کثیر وشحم غزیر، المعروفة فی لسان الھند بچکتی، وھو زعم باطل لادلیل علیه، وانما الالیة طرف الشاة لایشترط فیھا کبر ولا صغر ولا طول ولا قصر، قال فی مجمع البحار نقلا عن نہایة ابن الاثیر'

تنبیہ بست و دوم چکتی کی بحث | اب تھوڑی دیر چکتی پر بحث ہوجائے، آپ سوچتے ہوں گے کہ "الیة" (چکتی) جبھی ہوگی جب اس پر خوب گوشت، چربی، اور وہ خوب چوڑی ہو' جس کو ہندی میں چکتی کہتے ہیں، تو یہ ایک زعم باطل اور بلا دلیل ہے، "الیہ" بکری کی دُم کو کہتے ہیں، اس میں چھوٹے اور بڑے، لانبے اور ناٹے ہونے کی شرط نہیں، حوالے ملاحظہ ہوں:
"الیات" الیة کی جمع، بکری کی دُم کو کہتے

الیات جمع الیة وھی طرف الشاۃ اھ[1] وفسرھا
فی القاموس بما رکب العجز من شحم ولحم اھ[2]
وقد شرحنا عن فخ العضو لھذا الحیوان الذی
نتحاور فیه، فوجدناه یحتوی علی لحم وشحم
فتم معنی الالیة، وقدمنا کلمات العلماء
الکرام ان الالیة ان کانت صغیرة تشبه
الذنب جازت الاضحیة، وھذه الایا الشاۃ
التی توجد فی بلادنا، فجزئیتھا منصوص
علیھا فی الکتب المذھبیة، وظھر انھا یصدق
علیھا ما لھا الیة، وان ابیت الا اللجاج
فابرز لنا ما عندك فی الحجاج وابن ما حد
الالیة ورسمھا، وعلی ای حد یجب ان یکون
حجمھا، بحیث لو صغرت عنه لم تکن الیة
وبین الالیة التی تشبه الذنب خلقة، وکیف
تکون ھذه فی ھیأتھا، وکم تکون فی بسطتھا
واثبت کل ذلك بکلام ائمة الشان، لا بھوی
النفس وھفوات اللسان، فان لم تفعل و
لن تفعل فاقف الحق حیث ظھر، فان من
لم یر الشمس وھی بازغة، فعلیه التسلیم
لاھل النظر۔

ہیں۔ (مجمع نقلاً عن ابن اثیر)
"ریڑھ کی آخری ہڈی پر جو چربی، یا چربی اور گوشت
دونوں چڑھ جاتی ہے اسی کو الیہ کہتے ہیں (قاموس)
اور بھیڑ کا بھی یہی حال ہے کہ اس کی دم پر بھی
گوشت چربی آلود ہوتا ہے تو اس کو الیہ کون نہ کہے گا
علماء کے حوالہ سے ہم لکھ آئے ہیں کہ معمولی چکتی والے
کی قربانی جائز ہے، تو کیا یہی مسئلہ بھیڑ کا جزئیہ نہ تھا
تو بیشک اس بھیڑ پر بھی لھا الیۃ کی تعریف صادق ہے،
اور اگر اس پر بھی تسلی نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ
چکتی کی لمبان چوڑان کیا ہوگی کہ اس سے کم کو چکتی
کے بجائے دُم کہا جائے، اور ذرا اس چکتی کا بھی
خیال رہے، جس کو فقہائے دُم کی طرح چھوٹا کہا ہے،
ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں ائمۂ اعلام کے کلام سے
ثابت کرنی ہوگی، زبانی جمع خرچ کی سند نہیں۔

الثالث والعشرون [23] تقرر مما تحرر
ان الفقھاء فسروا الضان بثلثة تفاسیر

تنبیہ بست وسوم: تعریفوں میں عدم تضاد
گزشتہ تحریروں سے یہ واضح ہوچکا ہے کہ علماء نے ضان

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الھمزۃ مع اللام تحت (الی) مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱/۹۷
[2] القاموس المحیط باب الواو والیاء فصل الھمزۃ مصطفی البابی مصر ۴/۳۰۲

ذات الصوف وذات الالية، وخلاف المعز من الغنم، وترجموه بميش، والقينا عليك ان عند بيان الاحكام لا يجوز التعريف وكذا الترجمة الا بالمساوی، لما فی غيره من المساوی، فثبت ان الاربعة بل الخمسة خامسها بھیڑ، كلها متساوية فيما بينهما، ومساوية لمحدودها، وان كل ذات صوف، ذات الية، وبالعكس وانما مطمح النظر كما وصفنا الشان النوعی لا الفعلية الفردية كما هو المرسوم فی كثير من الرسوم، كالتحرك الارادی، والمشی، والضحك، والكتابة، فی الحيوان، والانسان، كما لا يخفى على ذی الشان فظهر ان الذی بضئين بلادنا الية جزما وان كان شابه الذنب حجما، وانه المنصوص عليه صورة، وحكما وان لاخلاف بين التفاسير، وان ليس هنا باعم ولا اخص تفسير، وان الكل متحد مآلا، وان لا تثليث فی الانواع بماله الية، ومالا، وانما كان كل ذلك شقشقة هدرت عن واهمة بدرت، هكذا ينبغی التحقيق والله ولی التوفيق۔

کی تین تفسیریں کی ہیں، اون والا، چکتی والا، معز کے علاوہ۔ اور فارسی والوں نے اس کا ترجمہ میش کیا اور ہم یہ ثابت کر آئے کہ احکام مخصوصہ کے بیان کے وقت ترجمہ ہو یا تعریف، مساوی کے علاوہ نہیں ہوسکتی، تو پتہ چلا کہ مذکورہ بالا چاروں لفظ بلکہ ہندی کا بھیڑ مل کر پانچوں لفظ آپس میں مساوی ہیں، ان کا محدود و مفہوم شئے واحد ہے، تو جو اون والی ہے وہی چکتی والی ہے، اور جو چکتی والا ہے وہی اون والا ہے، کیونکہ ایسے مواقع پر تعریف کا مقصد وصفِ نوعی بیان کرنا ہوتا ہے، افراد کے وصف فعلی کا ذکر نہیں ہوتا کہ یہ تو عام طور پر رسم میں ملحوظ ہوتا ہے، جیسے انسان اور حیوان کی تعریف میں تحرک ارادی یا مشی یا ضحک اور کتابت وغیرہ اوصاف ـــــ تو ہماری تقریر سے ثابت ہوگیا کہ بھیڑ کی دم جو ہمارے بلاد میں ہوتی ہے وہ چکتی ہی ہے، اور فقہ حنفیہ میں اس کی صورت اور حکم دونوں کا جزئیہ موجود ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان بظاہر مختلف تعریفوں میں کوئی تضاد نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں تعریف نہ تو اعم کے ساتھ خاص ہے نہ اخص کے ساتھ، بلکہ سب مساوی ہیں، اور یہ کہ غنم میں چکتی اور بے چکتی کی بنیاد پر ایک تیسری قسم نہیں پیدا ہوتی، یہ سب دماغی خدشات اور وہمی خیالات ہیں۔

الرابع والعشرون [۲۴] به تبين ان صغر الالية ودقتها بحيث تشبه الذنب كما فی اضئوناهذه ليس من النقص فی شئ،

تنبیہ بست وچہارم: ناقص کامل کی نفی یہ بھی واضح ہوا کہ بھیڑ کی دم میں کوئی کمی نہیں کہ کہا جائے وہ ناقص ہے اور چکتی کامل ہے، لہذا دنبہ کے ساتھ

ولذا اجازت التضحیۃ معہ کما نصوا علیہ فمن عم ان ھذا ناقص فلا یلحق بالکامل قول ناقص، خالف نصوص الائمۃ الاکامل۔

لاحق نہیں ہوسکتی۔

الخامس والعشرون[25] لئن تنزلنا عن کل ھذا وسلمنا ان لا الیۃ لہا، فہم تاتی الخلافیۃ بین الامام الاعظم، والامام الثالث رضی اللہ تعالٰی عنہما، و یجب بحکم الجواز بناء ان الفتوٰی علی قول الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ علی الاطلاق، ای مالم یتفق ائمۃ الفتیا علی الفتوی بقول صاحبیہ اواحدھما کما نص علیہ فی الفتح والبحر والخیریۃ[1] وردالمحتار وغیرھا من معتمدات الاسفار، و قد سردنا نصوصہا فی کتاب النکاح من فتاوٰنا۔ ھذا اذا لم یرجح قول الامام فکیف اذا رجح قول الامام فکیف اذا رجح، وقد رجح ھھنا قولہ رضی اللہ تعالٰی عنہ من نصوا علی انہ لایعدل عن تصحیحہ لانہ فقیہ النفس اتدری من ھو ھو الامام قاضی خان کما قالہ العلامۃ قاسم فی تصحیح القدوری، ونقلہ السید الحموی فی غمز العیون، وسید الشامی فی حاشیۃ الدر[2]

تنبیہ بست وپنجم امام اعظم کے فتوٰی کی بنیاد پر فیصلہ | اور اگر ہم سب چھوڑ چھاڑ کر یہی مان لیں کہ بھیڑ بے چکتی کا ہے تب بھی یہ انعام میں داخل ہے، تو قربانی کا جانور ہے، اور اسی جانور کی قربانی جائز ہونے نہ ہونے میں امام اعظم اور امام محمد رحمہم اللہ کا اختلاف ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ائمہ جب تک کسی مسئلہ میں امام اعظم کے خلاف کسی اور امام کے قول پر متفق نہ ہوں، فتوٰی امام کے قول پر ہے، یہ مسئلہ فتح، بحر، نہر، خیریہ، شامی وغیرہ معتمد اسفار میں منصوص ہے، میں نے ان سب کو اپنے فتاوٰی کی جلد کتاب النکاح میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔

یہ حکم تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا ہے جس کی ائمہ ترجیح میں سے کسی نے ترجیح نہ دی ہو، اور اس قول کی تو امام فقیہ النفس قاضیخاں نے ترجیح فرمائی ہے کہ اپنے اصول کے موافق اسی کو مقدم کیا، یہ مسئلہ بھی امام شامی اور امام طحاوی نے منصوص فرمایا۔

---

[1] بحرالرائق کتاب القضاء فصل المفتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹
فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۳
ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۲
[2] ردالمحتار کتاب العبد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳
[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۴/ ۵۵

فان کنت عارفا بھذہ المسالک مدرکا لتلک المدارک فقد عرفت تصحیحہ ھنالک وان لم تعرف فاسمع منی فانی لک نعیم بذلک، المتن قد قدم قول الامام وھو رحمہ اللہ تعالٰی کما صرح بہ فی صدرھا واٰہ لا نقدم الا الاظھر الاشھر، قال السید ان الفاضلان الطحطاوی والشامی فی حواشی الدر، ان مایقدمہ قاضیخان یکون ھو المعتمد[1]، وانی قد احلت لک ھٰھنا القول طنابک ان لک اشتغالا بالعلم فتکون قد وقفت علی ھذہ المطالب الدائرۃ السائرۃ الظاھرۃ الزاھرۃ، فان خفی علیک شیئ منھا فراجعنی، ولا تیأس من التفھیم فقد قلت لک انی لک باظھار کل ذٰلک نعیم، فثبت بحمد اللہ تعالٰی ان لو فرض عدم الالیۃ، لھذا الحیوان لکان جوازا لتضحیۃ بہ ھو المذھب وقول امامنا الاعظم الاوحد، وھو الماخوذ الصحیح المعتمد والحمد للہ الاحد الصمد علینا ما اسبغ من نعم لاتعد۔

پس ایسی صورت میں بھیڑ کی قربانی کے جواز کا فتوی دئے بغیر چارہ نہیں۔

تذییل الکتب السبعۃ التی اسندت الیھا لیس فی ثلثۃ منھا اعنی ذخیرۃ العقبٰی والدر المختار واشعۃ اللمعات اثر من التفسیر الضأن بمالہ الیۃ، بل فی الاول والثالث مایرد علیک کما سمعت باذنیک، واما عبارۃ

تذییل آپ کی سات مستند کتابوں میں سے تین (ذخیرہ عقبٰی، درمختار، اشعۃ اللمعات) میں تو ضان کی تفسیر میں "بمالہ الیۃ" کا کہیں پتہ نہیں، بلکہ ذخیرہ عقبٰی اور اشعۃ اللمعات میں تو آپ کے مدعا کے خلاف ہے جیسا کہ مذکور ہوا، لیکن صاحب تعلیق ممجد

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۵

تعلیق المسجد لبعض ابناء الزمان فقد کانت تستاھل ان ترد الی الحق، وتحل علی مااعطاہ کلام العلماء بجعل الوصف لزیادۃ الکشف، دون الاحتراز، بید انی احطت علما بان الرجل ینکرکون ضئین الھند من الضئین اعتراہ الوھم، کما اعتراك انہا لا الیۃ لہا، ومایدرینی لعلك انما قلدتہ فیہ لکنہ وقف دونك ولم یتجاوز وقد تجاوزك بانکار التضحیۃ بہا اصلا، وانما زعم انہا لا تجوز التضحیۃ بجذع منہا، حیث قال فی فتیاہ بکری اور بھیڑ اور ایسے ہی گائے اور اونٹ چھ مہینہ کا نہیں درست ہے، فقط دنبہ چھ مہینے کا درست ہے۔

فالظاھران مرادہ ھو التقیید زعما منہ بان الصوف اعم من الالیۃ، لکن لیس کلام المنح الذی عزا الیہ بھذا الاسلوب، وانما عبارتہا کما نقل بنفسہ ثمہ، والسیدان الفاضلان الطحطاوی والشامی فی حواشی الدر ان الضأن ماتکون لہا الیۃ اھ فلیس فیہا ذکر الصوف، ثم التقیید بالالیۃ ربالیتك

نے تو انھوں نے حق کی تلاش میں تساہل برتا، اور کلامِ علماء میں ذکرِ وصف کو زیادتی کشف کے بجائے قیدِ احترازی سمجھا، اور بھیڑ کو ضان میں شامل نہ ماننے میں وہ بھی اسی طرح وہم میں گرفتار ہوئے جیسے آپ نے "الیۃ" کے لفظ سے دھوکا کھایا، اغلب ہے کہ آپ نے اس معاملہ میں انھیں کی تقلید کی ہو، مگر ان سے آگے بڑھ گئے، کیونکہ وہ تو صرف یہ کہہ کر رہ گئے کہ چونکہ یہ ضان نہیں اس لئے اس کے ششماہہ بچے کی قربانی جائز نہیں، اور آپ نے سرے سے اس کو قربانی کے جانور سے ہی خارج کردیا۔

یہ بات فاضل لکھنوی کے فتوٰی سے ظاہر ہے، وہ کہتے ہیں بکری اور بھیڑ، ایسے ہی گائے اور اونٹ کا چھ ماہہ درست نہیں ہے، فقط دنبہ چھ ماہہ درست ہے۔

اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ "منح الخالق" کی عبارت میں (جس کا حوالہ انھوں نے دیا ہے) ضان کے بیان میں صوف کا ذکر ہے جس کو "مالہ الیۃ" سے مقید کیا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ الیہ کی قید احترازی ہے، حالانکہ خود ان کی عبارت اور امام طحاوی اور شامی کی روایت میں صوف کا ذکر نہیں ہے صرف مالہ الیۃ

؎۱ مجموعہ فتاوٰی لعبدالحی	کتاب الاضحیۃ	مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ	۲/۲۷۹
؎۲ حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار	" "	دارالمعرفۃ بیروت	۴/۱۶۴
ردالمحتار	" "	داراحیاء التراث العربی بیروت	۵/۲۰۲

اذ قلدتہ اتممت تقلیدہ فلم تعد الی ما عددت
من المحال، ولم تنسب المسلمین الی الضلال
والاضلال، وقد کان سألنی بعض تلامذۃ ھذا
المعاصر اعنی صاحب التعلیق الممجد من بنارس
فی اول ھذہ السنۃ عن فتیاہ المذکورۃ فاجبت
باحرف تکفی وتشفی وبینت ان الجذع
من ھذہ یجزئ ویکفی، وما ذکرنا ھٰھنا بتوفیق
اللہ تعالٰی، فھو حافل کافل بدفع کلا الوھمین
بل الرد الاشد علی من یجز التضحیۃ بھا لا بجذعھا
فانہ اذ قد جاز التضحیۃ فقد کانت من
الانعام ولا انعام الا الانواع الاربعۃ واذ
لیست من ابل وبقر ومعز، وجب ان تکون
من الضان فوجب اجزاء الجذع منھا اذا
کان بحیث لو خلط بالثنایا لم یتمیز من
بعد، وللہ الحمد تعالٰی من قبل ومن بعد،
وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد
وآلہ اجمعین کان الفراغ عن ھذہ العجالۃ
المسماۃ ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ۔

ہے، تو آپ کو بھی ان کی تقلید کرنی تھی تو اتنی ہی
بات میں کرتے نہ کہ آگے بڑھ کر ایک محال بات
کا دعوٰی کر دیا، اور سب مسلمانوں کو گمراہ اور گمراہ گر
کا خطاب دیا۔

مجھ سے لکھنوی صاحب کے ایک شاگرد نے
ان کا یہ فتوٰی ذکر کرکے صورتِ حال دریافت کی تھی،
میں نے چند جملوں میں اس کا خلاصہ لکھ دیا تھا،
اور مسئلہ حق واضح کر دیا تھا، یہ کلام تو اللہ تعالٰی
کی توفیق سے حافل اور کافل ہے، ان دونوں
وہموں کو دفع کرنے والا، بلکہ اس کا تو رد شدید
ہے جو ان کی قربانی جائز کرتا ہے، اور
ان کے بچے کی نہیں۔

بلاشبہہ بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ جو دیکھنے
میں سال بھر کا معلوم ہو اس کی قربانی جائز
ہے وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد
وعلٰی آلہ واصحٰبہ اجمعین، اس رسالہ
ہادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ سے ۱۳۱۲ھ
میں فراغت حاصل ہوئی۔

مسئلہ ۲۰۴: ازبنارس محلہ کندی گڈ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

ماقولکم ایھا العلماء (اے علمائے کرام! آپ کا کیاارشاد ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ قربانی بھیڑ شششماہہ کی درست ہے یا نہیں؟ اکثر حدیثوں میں جو لفظ جذعۃ من الضان آیا ہے اس سے شششماہہ بھیڑ مراد ہے یا دُنبہ یا دونوں؟ عبارت نہایہ شرح ہدایہ مندرجہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی شششماہہ بھیڑ کی جائز نہیں، اسی پر مولانا استاذنا مولوی عبدالحی صاحب نے عمل فرمایا ہے، چنانچہ یہ مسئلہ مولوی صاحب مرحوم کے مجموعہ فتاوی کی جلد اول ص ۱۹۱ میں موجود ہے، عبارت شرح ہدایہ:

ویجزئ من ذٰلک کلہ الثنی فصاعدا الا الضان فان الجذع منہ یجزئ، والتقیید بالضان لان الجذع من الابل والبقر والغنم لایجزئ منھا الا الثنی[1]۔ بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

ان تمام جانوروں میں کامل سال یا اس سے زائد عمر والا جائز ہے ماسوائے بھیڑ کے کہ اس کا جذع یعنی کامل چھ ماہ والا جائز ہے اور ضان یعنی بھیڑ کی قید اس لئے کہ اونٹ، گائے اور بکری میں صرف کامل سال والا ہی جائز ہے۔ کتاب سے بیان کیجئے، یوم حساب اجر حاصل کیجئے۔(ت)

الجواب

شششماہہ بھیڑ کی قربانی بلاشبہہ جائز ہے جبکہ یکسالہ ہمجنسوں میں دُور سے متمیز نہ ہوسکے،

فی الدرالمختار صح الجذع ذوستۃ اشھر من الضان ان کان بحیث لوخلط بالثنایا لایمکن التمییز من بعد[2]۔

درمختار میں ہے بھیڑ میں چھ ماہ کا جذع جو سال والے جانوروں میں خلط ہو تو امتیاز نہ ہوسکے تو وہ جائز ہے۔(ت)

یہی شرط دنبہ میں ہے، اور دنبہ اور بھیڑ ایک ہی نوع ہیں اور دونوں کا ایک ہی حکم، اس قدر میں تو کسی کو کلام ہو ہی نہیں سکتا کہ جواز شششماہہ کا حکم احادیث صحیحہ وکتب فقہیہ سب میں بلفظ ضان وارد ہے، اب مدار صرف ادراک معنی ضان پر رہا، اگر یہ لفظ اس بھیڑ کو بھی شامل تو قطعاً یہ بھی اس حکم میں داخل والالا، مگر بالیقین معلوم کہ ضان وہی چیز ہے جسے فارسی میں میش، اردو میں بھیڑ، اور اسی کی ایک صنف کو دنبہ کہتے ہیں،

---

[1] مجموعہ فتاوی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۶۹

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲ و ۲۳۳

عرب دونوں معز وضان کے سوانہیں جانتے، نہ یہاں تیسری نوع ہے۔

(۱) قال اللہ تعالٰی ثمٰنیۃ ازواج من الضان اثنین ومن المعز اثنین[1] مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی مرحوم موضح القرآن میں اس آیۂ کریمہ کا ترجمہ فرماتے ہیں:

پیدا کئے آٹھ نر و مادہ بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو[2]

دیکھو ضان کا ترجمہ بھیڑ کیا۔ اسی طرح مولانا رفیع الدین نے ترجمہ کیا، یونہی نفائس میں اس کا عکس یعنی بھیڑا کو میش نر و ضأن سے مترجم کیا۔

تحفۃ المومنین میں کہا: بھیڑ بھندی غنم ست[3]۔ پھر لکھا: غنم ضان ست[4]۔

(۲) سب جانتے ہیں کہ بھیڑ کا ترجمہ میش ہے، اور اہل لغت نے یہی ترجمۂ ضان کیا۔ منتخب رشیدی میں ہے: ضأن میش، ضائن میش نر[5]۔

صراح میں ہے: ضائن میش نر خلاف ماعز، والجمع ضأن خلاف معز[6]۔

تحفہ ومخزن میں ہے: ضان بفارسی میش نامند[7]۔

(۳) علمائے لغت وتفسیر وحدیث وفقہ ضأن کی تعریف اون والی غنم فرماتے ہیں، اور معز کی تفسیر بالوں والی۔ مصباح المنیر وحیوۃ الحیوان وغیرہما میں ہے:

الضان ذوات الصوف من الغنم[8] بکری کی اون والی جنس کا نام ضان ہے۔ (ت)

تفسیر کبیر میں ہے:

الضان ذوات الصوف من الغنم، والمعز بکری کی اون والی جنس ضان ہے اور بالوں والی

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۳

[2] موضح القرآن ۶/ ۱۴۳ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۲

[3] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الباء مع الھاء نولکشور کانپور ص ۱۶۹

[4] " " " " الغین مع المیم " ص ۴۲۵

[5] منتخب اللغات مع غیاث اللغات باب الضاد مع النون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۲

[6] الصراح فی لغۃ الصحاح باب النون فصل الضاد نولکشور لکھنؤ ص ۴۱۸

[7] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الضاد مع الالف نولکشور کانپور ص ۲۹۷

[8] المصباح المنیر الضاد مع الواو (الضأن) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

ذوات الشعر من الغنم[1] | جنس معز ہے۔(ت)

معالم التنزیل میں ہے:

الضان والنعاج ھی ذوات الصوف من الغنم والمعز والمعزی ذوات الشعر من الغنم[2] | بکری کی اون والی جنس ضان اور نعاج ہے اور بالوں والی معز اور معزی ہے۔(ت)

جامع الرموز پھر ردالمحتار میں ہے:

الضان ماکان من ذوات الصوف والمعز من ذوات الشعر[3] | ضان وہ ہوتی ہے جو اون والی ہو اور معز بالوں والی۔(ت)

اب یہ دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ بھیڑ کے بدن پر اون ہوتی ہے یا بال۔

(۴) علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان الکبرٰی میں صاف حصر فرمادیا کہ اون صرف ضان کے لئے ہوتی ہے، لفظ غنم میں فرماتے ہیں:

صوف الضان افضل من شعر المعز واعز قیمۃ ولیس الصوف الا للضان[4] | بھیڑ کی اون بکری کے بالوں سے افضل اور قیمت میں گراں ہے اور اون صرف ضان کی ہے(ت)

اب بھیڑ کو ضان سے خارج ماننے والے پر لازم ہوگا کہ بھیڑ کی اون سے انکار، اور اس کی پشت پر بکری کے سے بال آشکارا کرے، وانّٰی لہ ذٰلک۔

(۵) زبانِ عرب وخود قرآن شاہد ہے کہ نوعِ غنم میں صرف دو صنفیں ہیں، ایک وہ جسے عربی میں مَعز، نر کو تَیس، مادہ کو عَنز، فارسی میں بُز کہتے ہیں۔ دوسری جسے عربی میں ضان، نر کو کبش، مادہ کو نعجہ، فارسی میں گوسپند ومیش کہتے ہیں۔ رب العزت جل وعلا نے آیۂ مذکورہ میں آٹھ ہی جوڑے بتائے، ضان، معز، ابل، بقر ہر ایک سے دو، مادہ ونر، اہلِ زبان نے معز کو خلافِ ضان، ضان کو خلافِ معز سے تفسیر کیا، معلوم ہوا کہ ان کے لئے ثالث نہیں۔ قاموس میں ہے:

المعز خلاف الضان من الغنم[5] | بکری کی جنس میں معز الگ ہے ضان سے۔(ت)

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۶/۱۴۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۳/۲۱۶
[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن " " مصطفی البابی مصر ۲/۱۹۲
[3] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۳۰۶
ردالمحتار " باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۱۹
[4] حیاۃ الحیوان باب الغین المعجمۃ (الغنم) مصطفی البابی مصر ۲/۱۲۲
[5] القاموس المحیط فصل المیم باب الزای المعز " ۲/۱۹۹

اسی میں ہے :

الضائن خلاف الماعز من الغنم "ج" ضائن اضأن ضانك اعزلها من المعز[1]

ملینڈھا غنم میں بکرے کے خلاف ہے، ضائن کی جمع اضان ہے، تیری بھیڑ، اسے علیحدہ کرلے بکری سے۔ (ت)

مختار رازی میں ہے :

الضائن ضد الماعز، والجمع الضأن والمعز[2]

ضائن (مینڈھا) بکرے کی ضد ہے، اس کی جمع ضان اور معز ہے۔ (ت)

اسی میں ہے :

المعز من الغنم ضد الضان[3]

معز غنم سے ہے ضان کی ضد ہے۔ (ت)

مجمع بحار الانوار میں ہے :

فی ح شقیق مثل قراء ھذا الزمان کمثل غنم ضوائن ذات صوف عجاف، ھو جمع ضائنۃ، وھی الشاۃ من الغنم، خلاف المعز[4]

ح میں بیان کیا، اس زمانہ کے قرار کی مثل میں شقیق جیسے ضوائن باریک کھال پر اون والی جس کی جمع ضوائن ہے یہ بکری ہے جو معز سے مختلف ہے۔ (ت)

کوئی ادنٰی فہم والا بھی نہیں کہہ سکتا کہ بھیڑ معز میں داخل ہے، کیا بھیڑ کو فارسی میں بُز کہتے ہیں، کیا مینڈھے کو عربی میں تیس، مادہ کو عنز بولتے ہیں، جتنا صاف ترجمہ بکرا بکری ہے لاجرم بھیڑ ضان ہی ہے اور ضان ہی میں داخل ہے اور حکم ضان اُسی کا حکم ہے، اسے قطعًا شامل۔ شیخ محقق قدس سرہ

عہ احترازا عما اذا جز صوفھا فاستبان عجفھا والمقصود ان باطنھم علی خلاف ظاھرھم ۱۲ منہ قدس سرہ۔

یہ اجتناب ہے اس بھیڑ سے جس کی اُون کاٹ دی جائے تو چمڑی برہنہ ہوجائے اور مقصد یہ ہے کہ ان کا ظاہر اون باطن چمڑی ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۱۲ منہ قدس سرہٗ (ت)

---

[1] القاموس المحیط فصل الضاد باب النون (الضائن) مصطفی البابی مصر ۴/۲۴۳

[2] مختار الصحاح تحت لفظ ضائن موسسۃ علوم القرآن بیروت ص ۳۷۶

[3] " " " معز " " " ص ۶۲۷

[4] مجمع بحار الانوار باب الضاد مع الہمزہ تحت لفظ ضائن مکتبۃ دار الایمان المدینۃ المنورہ ۳/۳۸۲

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں :

بدانکہ اضحیہ جائز نیست مگر از ابل وبقر وغنم، وغنم دو صنف است، معز کہ آنرا بز گویند، وضان کہ آنرا میش خوانند، ودر جمیع ایں اقسام ثنی شرط ست، مگر از ضان کہ جذعہ ہم درست ست، و درست نیست از معز[1]

جان لینا چاہئے کہ قربانی صرف اونٹ، گائے اور بکری کی جائز ہے، بکری دو قسم ہے، ایک معز جس کو بز، بکری کہتے ہیں اور دوسری ضان جس کو میشہ کہتے ہیں، ان تمام اقسام میں کامل سال شرط ہے مگر ضان کہ اس کا جذعہ بھی جائز ہے اور بکری (معز) میں یہ جائز نہیں ہے۔ (ت)

کیا اس ارشاد سے بھی زیادہ کوئی تصریح صریح درکار ہے، اور بالفرض باطل اگر بھیڑ کو ضان میں داخل نہ مانئے، اور اس کا ابل وبقر ومعز: اونٹ گائے بکری سے نہ ہونا بدیہی، تو حاصل یہ رہے گا کہ وہ بہیمۃ الانعام کی چاروں قسم سے خارج ہے، اور بالاجماع قربانی صرف انھیں چار قسم پر محدود، تو بھیڑ اگر ضان نہیں، تو واجب کہ سرے سے اس کی قربانی بھی باطل ہو اگرچہ کتنی ہی عمر کی ہو، نہ یہ کہ قربانی جائز ہونے کو تو وہ ضان میں داخل اور شش ماہہ جائز نہ ہونے کو ضان سے خارج، یہ جہل صریح وتعسف قبیح ہے، غرض حکم واضح ہے، اور مسئلہ روشن، اور اس کا خلاف نہ بین نہ مبین بلکہ باطل بیّن، عبارت نہایہ منقولہ استفتاء مذکورہ فتاوٰی کو اگر بعد ادراک معنی ضان لحاظ کیجئے تو صراحۃً ہمارا ہی مطلب اس سے ثابت، اور تحقیق معنی ضان کی نظر سے دیکھئے تو راساً بے علاقہ وساکت، ہاں مجیب لکھنوی کو وجہ اشتباہ عبارت منح الغفار واقع ہوئی کہ الضان ماتکون لہ الیۃ[2] (ضان وہ ہے جس کی چکی ہوتی ہے۔ ت) وہم گزرا کہ الیہ خاص چوڑی چکلی چکتی کو کہتے ہیں جس میں بکثرت چربی ہو، لہذا ضان بالتخصیص صنف دنبہ کا نام خیال کیا حالانکہ غنم میں اَلیہ مطلقاً دُم گوسپند کا نام ہے، کبر وصغر وطول وقصر وغیرہا کچھ اس میں شرط نہیں۔ نہایہ ابن اثیر ومجمع بحار الانوار میں ہے :

الیات جمع الیۃ وھی طرف الشاۃ[3]

الیہ کی جمع الیات ہے اور وہ بھیڑ کی دُم ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۰۸

[2] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۰۴

حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار بحوالہ المنح الغفار دارالمعرفۃ بیروت ۴/۱۶۴

[3] مجمع بحار الانوار باب الہمزۃ مع اللام (الی) مکتبہ دارالمدینۃ المنورۃ ۱/۹۷

صراح میں ہے: اَلْیَہ بالفتح دُنبہ[1]۔ برہان میں ہے: دُنب بالضم بمعنی دُم[2] لاجرم فتاوی امام اجل قاضی خاں و ردالمحتار وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ اگر الیہ خلقۃً صغیر و مشابہ دُم ہو روا ہے۔ خانیہ میں ہے:

ان کان لھا الیۃ صغیرۃ مثل الذنب خلقۃ جاز[3]۔ اگر اس کی چکی چھوٹی دُم کی مانند پیدائشی ہو تو جائز ہے۔ (ت)

یہ بعینہٖ ہمارے بلاد کی بھیڑوں کی صورت ہے ہم نے ان بھیڑوں کی دُم کو تشریح کرکے دیکھا وہ ضرور گوشت اور چربی پر مشتمل ہوتی ہے بخلاف دُمِ بُز، بس یہی فرق اَلیہ و دُنب میں ہے، طول و قصر، عظم و صغر و کثرت و قلت لحم و شحم کو ہرگز اس میں نہ لغۃً دخل ہے نہ فقہاً، وھذا مما لایخفی علی جاھل فضلاً عن فاضل (یہ کسی جاہل پر مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل پر مخفی ہو۔ ت) بات یہ ہے کہ جانوروں بلکہ آدمیوں کے بھی بعض اعضاء صورت و ہیأت بلکہ نفس وجود و عدم میں اختلاف ممالک سے مختلف ہوتے ہیں، اس سے وہ دو نوعیں ہوجائیں گے، نہ ان کے احکام مختلف، فقیر نے بعض بلاد کے اونٹ دیکھے چھوٹے چھوٹے نہایت خوشنما، بدن پر بڑے بڑے بال مشابہ بہ یال، پشت پر دو کوہان بلند و مرتفع، بیچ میں نشست کی جگہ خالی کہ سوار کو آگے پیچھے دو تکیوں کا کام دیتے، چینیوں کی ناکیں کس قدر پست و پہن، تاتاریوں کی آنکھیں چھوٹی، زنگیوں کے لب فرو ہشتہ و سطبر ہوتے ہیں اہنود نا تدین الاسکتین کہ خفاض کیا جاتا ہے، زنانِ مغربیہ میں خلقۃً نہیں ہوتا، بعض اتراک و حوش کے عصعص پر لحمۂ زائدہ بقدر ایک بالشت مثل دُنب ہوتا ہے۔ امام کمال الدین دمیری و علامہ زکریا بن محمد بن محمود انصاری قزوینی نے ایک قسم کی بھیڑ ذکر کی جس کے چھ الیہ ہوتے ہیں، ایک سینہ پر، دو شانوں پر، ایک پیچھے، دو رانوں پر۔ یہی اختلاف ممالک دُمِ گوسپند میں ہے، ان دیار میں پتلی لمبی ہوتی ہے جس میں اُسی کے لائق گوشت اور چربی، عرب میں اکثر چوڑی چھوٹی قدرے زیادہ گوشت اور چربی پر مشتمل، اور بعض خوب پہن و دراز بکثرت لحیم شحیم، یہ کابل وغیرہ میں کثیر الوجود ہے، اور بعض کی چکتی تو اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اسے چلنے سے معذور کر دیتی ہے ایک ہلکی گاڑی بنا کر اُسے جوتتے اور دُم گاڑی پر رکھ دیتے ہیں جسے وہ کھینچتی چلتی ہے، کیا ان اختلافات سے یہ انواع مختلفہ ہوجائیں گی، اور ان کے احکام جدا، ایسا کوئی عاقل

---

[1] الصراح فی لغۃ الصحاح باب الواو والیاء (فصل الف) نولکشور لکھنؤ ص ۴۳۹

[2] البرہان

[3] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاضحیۃ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۴۹

خیال نہیں کرسکتا، عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات میں ہے:

یجلب من الھند نوع من الضان علی صدرہ الیۃ وعلی کتفہ الیتان، وعلی فخذیہ الیتان، وعلی ذنبہ الیۃ، وربما تکبر الیۃ الضان حتی تمنعہ من المشی فیتخذ لالیتہا عجلۃ توضع علیہا، وتشد الی صدرہا فتمشی الضان، وتجر العجلۃ الالیۃ علیہا[1]۔

ہندوستان سے ایک قسم کی بھیڑ لائی جاتی ہے اس کی چھاتی پر چکی، اس کے کندھوں پر دو چکیاں اور اس کی دونوں رانوں پر دو چکیاں اور اس کی دُم پر ایک چکی ہوتی ہے اور کبھی یہ چکی اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اس کا بوجھ اس کے چلنے سے مانع ہوتا ہے تو اس کی چکی کے نیچے ریڑھی بنائی جاتی ہے جس کو اس کی چھاتی سے باندھ دیتے ہیں تو وہ ریڑھی چکی کو اٹھائے پھرتی ہے (ت)

اسی طرح حیاۃ الحیوان میں ہے، الی قولہ تمنعہ من المشی[2] (چکی اس کے چلنے سے مانع ہے، تک۔)
جسے اس قدر کافی نہ ہو ہمارا رسالہ عربیہ ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ ملاحظہ کرے کہ بتوفیق علام تحقیق مرام بمالامزید علیہ ہے، وللہ الحمد، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۴: از ضلع آرہ ڈاکخانہ وقصبہ داؤد نگر مسئولہ محمد یوسف

خصی سال سے کم عمر والے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

چھ مہینے تک کا ایسا فربہ مینڈھا کہ سال بھر والوں کے ساتھ ہو تو دور سے تمیز نہ ہو اس کی قربانی جائز ہے اگرچہ خصی نہ ہو۔ اور بکرا سال بھر سے کم کا جائز نہیں اگرچہ خصی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۵ و ۲۰۶: از ریاست جے پور سوائی تکیہ آدم شاہ گھاٹ دروازہ مرسلہ مولانا عبدالرحمٰن اعظمی مئوی صاحب مورخہ ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرا بکری اگر سال بھر سے کسی قدر کم کا ہو، مثلاً گیارہ مہینہ یا کم وبیش کا، تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس جانور کو جس پر نیت قربانی کی ہو چکی ہے اور پورے سال بھر کا نہیں ہے تو کیا کرنا چاہیے، اور اگر جائز ہے یک سال سے

---

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات تحت لفظ ضان مصطفی البابی مصر ص ۲۴۹
[2] حیاۃ الحیوان باب الضاد المعجمۃ تحت لفظ الضائن " ۲/ ۶۳

کم مدت کا، تو اُس کتاب کا درج کردیا جائے تاکہ یہاں دیکھ کر اطمینان حاصل کیا جائے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بکرا بکری ایک سال سے کم کا قربانی میں ہرگز جائز نہیں، نہ اس پر قربانی کی نیت صحیح، وہ اس کی ملک ہے جو چاہے کرے، قربانی کے لئے دوسرا جانور لے، ہاں اگر یہ نیت کی ہو کہ آئندہ سال اس کی قربانی کروں گا تو اسے قربانی ہی کے لئے رکھے، اس کا بدلنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے:

صح ابن خمس من الابل، وحولین من البقر والجاموس، وحول من الشاۃ والمعز[1]

پانچ سال کا اونٹ، دو سال کی گائے اور بھینس، اور ایک سال کی بکری اور بھیڑ کی قربانی صحیح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع تقدیر ھذہ الاسنان بما ذکر لمنع النقصان لا الزیادۃ، فلو ضحی بسن اقل لا یجوز، و باکبر یجوز، وھو افضل[2]

بدائع میں ہے کہ ان عمروں کا بیان جو مذکور ہوئی کو روکنے کیلئے ہے زیادتی کو مانع نہیں، تو عمر میں اگر قلیل سی کمی ہو تو جائز نہ ہوگا اور بڑا ہو تو جائز ہے جبکہ بڑا افضل ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لو اشتری بقرۃ یرید ان یضحی بھا عن نفسہ ثم اشرك فیھا ستۃ معہ جاز استحسانا، وفی القیاس لا یجوز لانہ اعدھا للقربۃ فیمنع عن بیعھا تمولا، وجہ الاستحسان دفع الحرج والاحسن ان یفعل ذلك قبل الشراء، لیکون ابعد عن صورۃ الرجوع فی القربۃ، وعن ابی حنیفۃ انہ یکرہ الاشتراك بعد

اگر اپنے لئے گائے خریدی تاکہ قربانی دے پھر بعد میں چھ اور شریک کرلئے تو استحساناً جائز ہے جبکہ قیاس کے لحاظ سے جائز نہیں کیونکہ اسے اس نے قربت کے طور خریدا تو مال کے حصول کیلئے فروخت کرنا منع ہے اور استحساناً جواز کی وجہ یہ ہے کہ حرج نہ پیدا ہو اور بہتر یہ ہے کہ خریدنے سے قبل حصہ دار بنائے تاکہ قربت کے معاملہ میں رجوع کی صورت پیدا نہ ہو، جبکہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی سے خرید لینے کے بعد

---

[1] درمختار　کتاب الاضحیۃ　مطبع مجتبائی دہلی　۲/ ۲۳۳

[2] ردالمحتار　"　داراحیاء التراث العربی بیروت　۵/ ۲۰۵

الشراء لمابینا۔[1] (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔ شریک بنانا مکروہ ہے (ملخصًا)۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۷: مرسلہ عبداللہ خاں از شہر انبالہ محلہ وکیل پور یکم صفر ۱۳۳۵ھ

جناب مولانا صاحب! بعد سلام علیک کے واضح ہو کہ بقرعید کی قربانی میں بکرا خصی جائز ہے یا نہیں، اور جو کہ قربانی کرے اس کو روزہ رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب

خصی کی قربانی افضل ہے اور اس میں ثواب زیادہ ہے، اور عید کے دن کا روزہ حرام ہے، ہاں پہلی سے نویں تک کے روزے بہت افضل ہیں، اس پر قربانی ہو یا نہ ہو، اور سب نفلی روزوں میں بہتر روزہ عرفہ کے دن کا ہے، ہاں قربانی والے کو یہ مستحب ہے کہ عید کے دن قربانی سے پہلے کچھ نہ کھائے قربانی ہی کے گوشت میں سے پہلے کھائے، مگر یہ روزہ نہیں، نہ اس میں روزہ کی نیت جائز، کہ اُس دن اور اس کے بعد تین دن روزہ حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۸: مرسلہ قاضی سید واجد علی صاحب مقام جاود ضلع مندسور ریاست گوالیار
نیمچ دروازہ ۱۱ صفر ۱۳۳۵ھ

ایک بچہ بکری کا ہے اور وہ کتی کے دودھ سے پرورش پایا، اس کی قربانی کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جب سال بھر کا ہوجائے اس کی قربانی جائز ہے والمسئلۃ فی الخانیۃ[2] وغیرھا (یہ مسئلہ خانیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۰۹: از بنگالہ میمن سنگھ قصبہ کھولا مرسلہ میاں جان سرکار ۲۶ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی (اللہ آپ پر رحم کرے آپ کا کیا فرمان ہے) کہ ہندہ نے بکری پالی تھی اس نے ایک بچہ جنا، بعدہٗ وہ بکری بقضائے الٰہی مرگئی اس بچہ کی ہندہ مذکورہ نے اپنے پستان کے دودھ سے پرورش کیا، پھر خصی کردیا، اب وہ بچہ بڑا ہوگیا، ہندہ اس کو قربانی کرنا چاہتی ہے، اگر قربانی کرے تو ہندہ مذکورہ اور اس کے خاوند کو

---

[1] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۳
[2] فتاوٰی قاضیخاں الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴/۵۲

اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بلاشبہہ جائز ہے جس کے جواز میں اصلاً گنجائش کلام نہیں۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لوان جدیا غذی بلبن الخنزیر لا باس باکلہ، لان لحمہ لایتغیر، وماغذی بہ یصیر مستھلکا لایبقی لہ اثر[1]

اگر بھیڑ کے بچے نے خنزیر کے دودھ سے غذا پائی تو اسکے کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے اسکا گوشت متغیر نہیں ہوتا اور جو غذا اس نے کھائی وہ ختم ہوگئی اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ (ت)

فتاوٰی کبرٰی و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر، ان اعتلف ایاما فلا باس، لانہ بمنزلۃ الجلالۃ، والجلالۃ اذا جست ایاما فعلفت لا باس بھا فکذا ھذا۔[2]

بھیڑ کے بچے نے اگر گدھی کے دودھ یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائی اور پھر چند روز چارہ دکھایا تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ گندگی کھانیوالے جانور کی طرح ہے کہ جب اس کو چند روز قید رکھا تو اس نے چارہ کھایا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے تو یہ بھی ایسے ہے۔ (ت)

اور شوہر کے حق میں اگر رضاعت کا خیال ہو تو محض جہل، اوّل تو عمر رضاعت کے بعد رضاعت نہیں، اور شوہر اتنی ہی عمر کا بچہ ہو بھی تو شیر زن مستہلک ہوگیا، گوشت کھانا دودھ پینا نہیں۔ درمختار میں ہے:

لایحرم المخلوط بطعام وکذا لوجبنہ لان اسم الرضاع لایقع علیہ، بحر، اھ ملخصا[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

طعام میں دودھ مخلوط ہوجانے سے حرمت پیدا نہیں ہوتی اور یونہی اگر دودھ سے پنیر بنالیا تو حرج نہیں کیونکہ دودھ پلانے کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا، بحر، اھ، ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الفتاوٰی الکبرٰی کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[3] درمختار کتاب النکاح باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۳

مسئلہ ۲۱۰ تا ۲۱۲ مسئولہ سید منیر الدین پیشکار محلہ کلال ٹولہ، گیا ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً کسی نامعلوم شخص کا بیل یا گائے زید کے جانوروں میں شامل ہوگیا، اور زید نے اس کو پکڑ کر اپنے قبض وتصرف میں رکھا، اور ایام قربانی میں چونکہ وہ دو برس سے کم کا تھا اس لئے اس کو اپنی لڑکی کی گائے سے بلا علم لڑکی کے بدل کر اس لڑکی کی گائے کو قربانی دیا اور غیر سے ذبح کرایا اور اس غیر کو گائے کے کُل قصہ مذکور سے واقفیت نہیں،

(۱) ایسی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ذبح کرنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(۳) تین سال کی گائے جس کے سینگ ہنوز نمودار نہ ہوئے ہوں اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) جانور کو تصرف میں رکھنا حرام تھا، اسے بیٹی کی گائے سے بدلنا حرام تھا، اس گائے کی قربانی حرام تھی۔

(۲) ذابح پر اس کا ذبح کرنا حرام تھا، دونوں سخت گنہگار ہوئے، پھر اگر بیٹی نے اپنی گائے کی قیمت نادانی میں اپنے باپ سے لے لی، تو اس کے باپ کی قربانی ادا ہوگی ورنہ نہیں۔ درمختار میں ہے،

یصح لوضحی شاۃ الغصب ان ضمنہ قیمتھا حیۃ[1] ای قیمتھا لوکانت حیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر مغصوبہ بکری قربان کردی اور اس پر ضمان زندہ بکری والا دے دیا تو قربانی صحیح ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) جب دو سال کامل کی ہوگئی قربانی کے قابل ہوگئی اگرچہ سینگ کبھی نہ نکلیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۳ مسئولہ عبد اللہ عرف دین محمد صاحب ساکن شہر کہنہ بریلی محلہ روہیلی ٹولہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے ایک اہل ہنود سے گائے مبلغ پینتالیس[عہ] روپیہ میں خرید کی تھی، اس ہنود نے خرید کرتے وقت دریافت کیا تھا کہ تم کس واسطے اس گائے کو لیتے ہو، میں نے اس شخص سے کہا کہ پالنے کو لیتا ہوں، اور اصل میں واسطے قربانی کے لی تھی، تو ایک مسلمان نے اس شخص سے کہا کہ انھوں نے قربانی کے واسطے لی ہے، اور میں ریلوے کے بڑے بابو کی

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

ماتحتی میں کام کرتا ہوں وہ بھی اہلِ ہنود ہیں، اس نے بابو سے آکر کہا کہ وہ میری گائے واپس کرا دی جائے، انھوں نے میرے مکان پر آدمی روانہ کیا کہ اُس کو مبلغ پانچ روپیہ نفع لے کر واپس کر دو، میں نے نہیں واپس کی، میں کام پر اپنے گیا تو بابو نے کہا کہ وہ گائے واپس کر دو، میں نے اس سے انکار کیا، تو انھوں نے ایک پولیس کے داروغہ سے بہت بڑا زور ڈال کر کہا، اور یہ بھی کہا کہ اگر نہیں دوگے تو ہم تم کو نوکری سے برخاست کردینگے، تو میں نے بسبب نوکری جانے کے پانچ روپیہ نفع لے کر گائے واپس کر دی، اور مبلغ چالیس للعہ روپیہ کی فوراً اور گائے قربانی کے واسطے لایا، اب اس میں سے دس روپیہ بچے اس کا کیا کیا جائے، اور لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم نے پانچ روپیہ لے کر گائے دی، اور میں نے مجبوراً دی، اور مجھ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ میری ملازمت جاتی تھی، اور مجھ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ میں مال گودام ریلوے میں کام کرتا ہوں شاید کچھ الزام نہ لگا دیں، یہ وجہ تھی فقط۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر وہ شخص صاحبِ نصاب ہے، اور اگر یہ بیان واقعی ہے تو اس پر کچھ الزام نہیں، اور جو پانچ روپیہ نفع کے لئے ان کا تصدق کر دینا چاہئے، اور یہ گائے جو پانچ کم کر کے خریدی اُس کمی کا کوئی معاوضہ اس پر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۱۴ تا ۲۱۵ از کرتولی ضلع بدایوں مسئولہ برادرم عزیزم مولوی محمد رضا خاں صاحب سلمہٗ ۶ ر ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

(۱) بحضور قبلہ وکعبۂ دارین مدظلہم العالی بجاہ النبی الرؤف الرحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، سلام سنّت اسلام کے بعد عرض ہے کہ قربانی کی غرض سے دو گائیں خریدنے کو چاروں کو روپیہ دے کر بھیجا، وہ دو گائیں خرید لائے جو گراں قیمت ثابت ہوئیں، اس پر اور دو گائیں منگوائیں، وہ بھی بسبب گرانی قیمت کے، اور یہ کہ اُن مؤخر گائیوں ہی سے ایک پر گابھن کا خیال ہے، جس نے فروخت کی وہ جولاہا ہے کہتا ہے کہ گابھن ہوگئی ہے مگر ابھی کہل بھتن ہے جس کو اور لوگ بھی گابھن کہہ سکیں، صرف دو جانیں کا خیال قربانی کا تھا آیا ان گائیوں کا فروخت کرنا جائز ہوگا یا نہیں، ان کے عوض میں اپنی گائیں دے سکتا ہوں یا نہیں، ایک گائے پارسال قربانی کے واسطے منگوائی تھی (ان چاروں کو وقت آنے کے قربانی کے واسطے نامزد نہیں کیا، پارسال والی کو نامزد کر دیا تھا) روانگی کے وقت لنگڑی ہوگئی بریلی جانے کے قابل نہ رہی اب اچھی ہے دو مہینہ بعد اندازاً ایسا چلے گی، اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ آیا وہ میرا مال ہے یا قربانی کا؟

(۲) قرآن مجید بائیں ہاتھ میں باوضو لے کر تلاوت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) جان برادر بلکہ از جان بہتر مولوی محمد رضا خاں سلمہٗ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

جو گائے قربانی کے لئے تھی اور وہ لنگڑی ہوگئی اور اس کے عوض دوسری کردی، اب وہ گائے تمہارا مال ہے جو چاہو کرو، جب روپیہ دے کر گائیں خریدنے کو بھیجا اس سے اگر یہ نیت تھی کہ دیکھنے کے لئے خریدتے ہیں جس کی قربانی مناسب جانیں گے کریں گے ورنہ اور لیں گے، تو وہ گائیں قربانی کے لئے مخصوص نہ ہوئیں اور ان کے بدلے اپنے پاس سے یا اور خرید کر قربانی کرو، اور اگر مخصوص قربانی کے لئے خریدیں، اور اب اس وجہ سے کہ یہ زائد قیمت کی ہیں، انھیں نہ کرنا چاہو، اور ان کے بدلے اپنے پاس سے یا کوئی اور لے کر ان سے کم قیمت کی قربانی کرو تو قربانی ہوجائے گی اور وہ پہلی گائیں بیچو یا رکھو اختیار ہے، مگر ایسا کرنا جائز نہ ہوا کہ جب اُن پر مخصوص قربانی کی نیت ہوئی تھی، تو ان کو اگر بدلتے تو ان سے بہتر سے بدلتے نہ کہ کمتر سے جبکہ کمتر سے بدلا تو جتنی زیادتی رہی اتنے دام تصدق کرنے کا حکم ہے، مثلاً دس روپیہ کی گائے قربانی کو خریدی تھی پھر اس کے بدلے سات روپے کی قربانی کردی تو تین روپے تصدق کئے جائیں، یہ تو سال گزشتہ کا علاج ہے اور ہر سال کہ ابھی قربانی نہیں ہوئی وہی پہلی گائیں اگر قربانی کے لئے خریدی تھیں خواہی نخواہی قربانی کی جائیں اور ان سے کم قیمت کی ہرگز نہ بدلی جائیں کہ قصداً خلاف کرکے جرمانہ دینا جسارت ہے بلکہ خلافِ حکم کیا ہی نہ چاہئے، قربانی میں بالخصوص ارشاد ہوا کہ دل کی خوشی سے کرو کہ وہ صراط پر تمہاری سواریاں ہیں، پہلوں کو گراں سمجھ کر جو دوسری خریدیں اور ان میں ایک گابھن ہے یا نہیں، بہر حال ان کا تم کو اختیار ہے کہ سرکاری مطالبہ پہلی گائیوں سے متعلق ہوچکا اسی شرط پر کہ آدمی ارادہ سے بھیجے ہوں کہ جو جانور یہ لائیں قربانی کریں گے نہ اس ارادہ سے کہ دیکھ کر جو مناسب سمجھیں گے کریں گے۔

(۲) قرآن مجید باوضو ہاتھ میں لے کر تلاوت کرسکتا ہے، جبکہ اس کے لئے کوئی وجہ ہو مثلاً داہنا ہاتھ خالی نہیں یا تھک گیا۔ والسلام، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۶ مرسلہ امام علی صاحب از بمبئی ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو گائیں خریدی گئیں شرکت میں، قیمت جداجدا نہ کی گئی چودہ حصے کئے گئے، قربانی کے بعد دونوں کا گوشت یکجائی ملا کر برابر حصوں میں تقسیم کردیا گیا، ایک گائے کم قیمت یعنی ملعہ کی اور دوسری ھے کی، ان چودہ حصوں میں ہر شخص کا برابر حصہ قیمت وگوشت میں کیا گیا، یہ صورت جواز کی ہوئی یا نہیں؟

الجواب

دونوں مشتریوں کی رضا سے اس میں کچھ حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۷ تا ۲۲۱ از موضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب مورخہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

(۱) ایک شخص نے قصاب سے گائے منگائی اس نیت سے خرید کر کہ وہ آجائیگی تو جو شریک حصہ ہونگے شریک سمجھ لوں گا۔

(۲) ایک جگہ دیکھا کہ فقراء کے گوشت میں آنت، اوجھڑی بالکل ڈال کے تقسیم کرتے ہیں، دو حصوں میں نہیں۔

(۳) ایک جگہ دیکھا ہے کہ سر اور پیر سقے اور حجام کو، اور ایک پارچہ قصاب کو۔

(۴) بعض لوگوں کو دیکھا ہے قربانی یا عقیقہ یا نیاز میں کھانا بھنگی کو دیتے ہیں۔

(۵) قربانی گائے میں نصف ایک شخص ہو اور نصف میں دو شریک یا تین، درست ہے یا نہیں؛ اور نصف میں چار ہو جائیں، یہ کیونکر ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) جائز ہے، واللہ تعالٰی اعلم

(۲) بیجا کرتے ہیں، مستحب یہ ہے کہ تہائی حصہ گوشت کا فقیروں کو ملے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) سقے، حجام، قصاب کا قربانی میں کوئی حصہ نہیں، دینے کا اختیار ہے، مگر قصاب کی اگر یہ اجرت قرار پائی تو حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۴) بہت برا کرتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم

(۵) نصف میں تین تک شریک ہو سکتے ہیں اور نصف گائے ایک کی ہو، اور دوسرے میں چار شریک ہوں توان پانچوں یعنی کسی کی قربانی ادا نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۲ از بلگرام شریف ضلع ہردوئی محلہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم میاں صاحب ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو یا چار یا سات آدمیوں نے ایک گائے قربانی کے واسطے خریدی منجملہ ان کے ایک شخص نے قیمت نہ وقت خرید کے ادا کی نہ بعد، اور وہ شریک رہا، پس اس صورت میں کسی کی یا اس کی قربانی میں حرج یا غیر جائز تو واقع نہیں ہوا، جواب اس کا بحوالہ عبارت مرحمت فرمایا جائے کہ ضرورت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بیع نفسِ ایجاب وقبول سے تمام ہو، مبیع ملکِ مشتری میں داخل، اور ثمن ذمہ پر لازم ہوتی ہے ادائے ثمن حصولِ ملک کے لئے شرط نہیں، اگر نہ دے گا تو بائع کا مدیون رہے گا، مبیع میں ملک تام ہے،

فی التنویر اذا وجدا (ای الایجاب والقبول) لزم البیع[1] — تنویر میں ہے، جب ایجاب وقبول پایا جائے بیع لازم ہوجاتی ہے (ت)

اسی میں ہے:

وصح بثمن حال ومؤجل الی معلوم[2] — نقد اور ادھار مقرر مدت ہو تو بیع جائز ہے (ت)

پس جب شرکائے مشترین مالکِ گاؤ ہوئے اور انھوں نے بہ نیت اضحیہ قربانی کی، سب کی قربانی ادا ہوگئی، ثمن کا مطالبہ اس شریک پر رہا، اگر وہ نیت قربانی ہی سے دست بردار ہوکر اصلاً ذبح نہ چاہتا یا خالی گوشت وغیرہ امور غیر قربت کی نیت سے ذبح چاہتا، اور ایسی حالت میں بقیہ شرکاء بہ نیت قربانی ذبح کرلیتے تو کسی کی قربانی ادا نہ ہوتی کہ اُن میں ایک شریک کی نیت تقرب نہیں،

فی التنویر ان کان شریك الستۃ نصرانیا او مرید اللحم لم یجز عن واحد[3] واللہ تعالٰی اعلم۔ — تنویر الابصار میں ہے اگر قربانی کرنیوالے کے ساتھ باقی چھ میں کوئی نصرانی یا گوشت کے ارادے سے شریک ہو تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۳: مرسلہ صاحب علی طالب علم از جاورہ ۱۲ صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

ایک گائے کو چھ شخصوں نے قربانی کی، ایک کے دو حصے نفلی اور پانچ شخصوں کے واجبی، تو کیا دو حصہ والا شخص بعد ذبح گائے، قبل تقسیم گوشت کے ایک حصہ میں دوسرے شخص کو شریک کرسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

قربانی اراقۃ دم کا نام ہے، اور اب اراقۃ دم ہوگئی، تو دوسرے کی طرف اس کا انتقال ناممکن ہے،

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵

[2] " " " " " ۲/۶

[3] " " " کتاب الاضحیۃ ۲/۲۳۳

ہاں اس کا ثواب یا گوشت جسے چاہے دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۴ از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ عزیز احمد فرید پوری ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی عید اضحیٰ کے پوست کی قیمت گوشت کی طرح تین حصوں پر تقسیم کی جائے یا تمام و کمال قیمت خیرات کر دی جائے اور کھال کا اپنے صرف میں لانا صاحبِ قربانی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور کھال قربانی کی قیمت سیّد کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ درصورت عدمِ جواز کوئی شرعی حیلہ تحریر فرمائیے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

کھال اپنے ایسے صرف میں لاسکتا ہے جس میں کھال باقی رہے، مثلاً مشک، ڈول یا کتاب کی جلد بنا سکتا ہے۔ کھال اگر اپنے خرچ میں لانے کی نیت سے داموں کو بیچی تو وہ دام تمام خیرات کرے، یعنی فقیر محتاج مصرفِ زکوٰۃ کو دے، سیّد کو نہیں دے سکتا، اور اگر سیّد کو دینے کی نیت سے بیچی تو وہ دام سیّد کو دے، تین حصوں کا حکم گوشت میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۲۵ از موضع ڈوالہ ویرم تحصیل ضلع امرتسر مرسلہ میاں شمس الدین صاحب حنفی قادری ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

مولوی غلام قادر صاحب بھیروی نے مسئلہ قربانی اور کتابِ اسلام میں لکھا ہے کہ اگر غنی قبل از ایام عید قربانی خریدے، وہ واجب بالنذر ہو جائے گا، وہ سب گوشت فقراء کو صدقہ کرے آپ نہ کھائے، ایسے ہی فقیر جس پر قربانی واجب نہیں، لیکن اس نے کتاب کا حوالہ نہ دیا، اس لئے بعض جہلاء احناف کو تردد ہے، براہِ مہربانی حوالۂ کتب سے ارشاد ہو، اور یہ بھی آپ تحریر فرمائیں کہ کس قریہ میں قربانی قبل از عید بعد طلوع آفتاب عند الحنفیہ جائز ہے، یا باوجود قریہ جامع ہونے کے بھی بعد طلوع قربانی درست ہے کیونکہ کتبِ فقہ میں لفظ دیہ یعنی گاؤں واقع ہے، اور بعض کتب میں لکھا ہے کہ جس گاؤں میں چند کس حر بالغ آزاد ہوں جمعہ واجب ہے، جب جمعہ واجب ہوا تو عید بھی وہاں درست ہوگی، پھر بعد عید قربانی ہوگی یا بعد طلوع قبل از عید؟ جواب بواپسی ڈاک مرحمت ہو۔ والسلام

الجواب

فقیر اگر بہ نیتِ قربانی خریدے اس پر خاص اُس جانور کی قربانی واجب ہو جاتی ہے، اگر جانور اس کی ملک میں تھا اور قربانی کی نیت کر لی یا خریدا، مگر خریدتے وقت نیتِ قربانی نہ تھی، تو اُس پر وجوب نہ ہوگا۔ غنی پر ایک اضحیہ خود واجب ہے، اور اگر اور نذر بصیغہ نذر کرے گا تو وہ بھی واجب ہوگا، اُس

عبارت میں بھی یہی ہے کہ واجب بالنذر ہوجائے گا یعنی نذر کئے سے واجب ہوگا نہ کہ غنی پر مجرد خریداری سے۔

درمختار میں ہے:

تصدق بها ناذر وفقیر شراها لوجوبها علیه بذلك (ملخصاً)[1]

نذر والا اور فقیر جس نے قربانی کی نیت سے خریدا تھا، یہ صدقہ کریں گے کیونکہ نذر اور خریدنے کی بنا پر ان پر واجب ہوگیا تھا (ملخصاً)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلوکانت فی ملکه فنوٰی ان یضحی بها، او اشتراها، ولم ینو الاضحیة وقت الشراء ثم نوی بعد ذٰلك لایجب، لان النیة لم تقارن الشراء فلا تعتبر، بدائع[2]

اگر بکری اپنی ملک میں تھی تو نیت کرلی کہ اس کی قربانی کرے گا یا خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ کی ہو پھر بعد میں قربانی کی نیت کی تو اس سے اس پر قربانی واجب نہ ہوگی، کیونکہ خریدتے وقت ساتھ نیت نہ کی لہٰذا بعد کی نیت معتبر نہ ہوگی۔ بدائع (ت)

درمختار میں ہے:

لوماتت فعلی الغنی غیرها لا الفقیر، ولو ضلت او سرقت فشری اخرٰی فظهرت فعلی الغنی احداهما وعلی الفقیر کلاهما شمنی[3]

اگر مرجائے تو غنی پر دوسری واجب ہے فقیر پر نہیں، اور اگر گم ہوجائے یا چوری ہوجائے تو دوسری خریدی اور پہلی مل گئی تو غنی پر ایک ہی لازم ہوگی جبکہ فقیر پر دونوں کی قربانی واجب ہوگی، شمنی۔ (ت)

جو شہر نہ ہو اس میں نہ نماز جمعہ ہے نہ نماز عید، سَو دو سَو کی آبادی کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ اُس میں متعدد محلے ہوں، دائم بازار رہوں، وُہ پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں۔ اُس میں فصل مقدمات پر کوئی حاکم مقرر ہو وُہ شہر ہے، جہاں ایسا نہیں صبح سے قربانی جائز ہے، هو الصحیح الذی علیه المحققون کما فی الغنیة (وہی صحیح ہے جس پر محقق حضرات ہیں، جیسا کہ غنیہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار | کتاب الاضحیة | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۲۳۲
[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/۲۰۴
[3] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۲۳۳

مسئلہ ۲۲۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سات شخصوں نے ایک راس گائے واسطے قربانی خرید کی، وہ گائے فرار ہوگئی، اس کو ہر چند تلاش کیا سب کانجی ہاؤس اور اس شخص کے مکان پر، اور اس کے نواح میں بھی جہاں سے اس کو خرید اتھا، آج وہ گائے بفضلہ تعالٰی ہاتھ آگئی، اب اس گائے کے واسطے کیا حکم ہے اور کس طرح سے ہم کو ثواب قربانی کا حاصل ہوگا؟

الجواب

ساتوں شخص اس گائے کو زندہ خیرات کردیں کسی فقیر کو دے ڈالیں، بیانِ سائل سے معلوم ہوا کہ ان میں پانچ شخص صاحبِ نصاب تھے، ان پانچوں پر واجب تھا کہ اگر وہ گائے گُم ہوگئی تھی، اور گائے یا بکریاں لے کر بارھویں تاریخ تک قربانی کرلیتے، اب کہ بارھویں گزار دی اور قربانی نہ کی، یہ پانچوں گنہگار ہُوئے، ان پر توبہ واستغفار واجب ہے، اور گائے کی نسبت ساتوں پر واجب ہے کہ زندہ خیرات کردیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی البدائع ان الصحیح ان الشاۃ المشتراۃ للاضحیۃ اذا لم یضح بھا، حتی مضی الوقت یتصدق الموسر بعینھا حیۃ کالفقیر بلاخلاف بین اصحابنا فان محمدا قال وھذا قول ابی حنیفۃ وابی یوسف وقولنا[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

بدائع میں ذکر کیا کہ صحیح یہ ہے کہ جو قربانی کے لئے خرید شدہ بکری کی قربانی نہ کرسکا اور وقت گزر گیا تو غنی شخص اس زندہ کو ہی صدقہ کرے جیسا کہ فقیر کے لئے یہ حکم بلاخلاف ہمارے اصحاب میں ہے کیونکہ امام محمد نے فرمایا: یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور ہمارا قول ہے رحمہم اللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۷: ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پردیس میں ہے اس کی جانب سے اس کا کوئی عزیز قربانی کردے تو فرض زید پر سے اُتر جائے گا یا اجازت کی ضرورت ہے؟

الجواب

قربانی وصدقہ فطر عبادت ہے اور عبادت میں نیّت شرط ہے تو بلا اجازت ناممکن ہے، ہاں اجازت کے لئے صراحۃً ہونا ضرور نہیں دلالت کافی ہے، مثلاً زید اس کے عیال میں ہے، اس کا کھانا پہننا سب اس کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۰۴

پاس سے ہوتا ہے، یا یہ اس کا وکیل مطلق ہے، اس کے کاروبار یہ کیا کرتا ہے، ان صورتوں میں ادا ہوجائیگی، درمختار میں ہے:

لا عن زوجتہ وولدہ الکبیر العاقل، ولو ادی عنھما بلا اذن اجزأ استحسانا للاذن عادۃ ای لوفی عیالہ والا فلا قھستانی عن المحیط، فلیحفظ، قلت ومسئلۃ القائم بامورہ بامرہ اظھر واظھر لوجود الاذن ولو فی ضمن العام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بیوی اور عاقل بالغ بیٹے کی طرف سے اس پر واجب نہیں، اور اگر ان دونوں کی طرف سے اجازت کے بغیر ادا کردے تو استحساناً جائز ہے عادتاً اجازت کی بنا پر، یعنی جب عاقل بالغ بیٹا اسکی عیال میں شامل ہو ورنہ اجازت کے بغیر نہیں، یہ قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے، تو اس کو محفوظ کرلو،

میں کہتا ہوں اگر وہ بیٹا والد کے کام میں مشغول ہو والد کے حکم سے تو پھر یہ مسئلہ زیادہ ظاہر اور بہتر ہے کیونکہ اذن پایا گیا اگرچہ عام کے ضمن میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا آدمی پر اولاد صغار کی طرف سے قربانی مثل صدقہ فطر واجب ہے، اپنے مال سے کرے یا ہر شخص اپنی علیحدہ کرے، اور جس قدر چاہے اس قدر کرے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اولاد صغار کی طرف سے قربانی اپنے مال سے کرنا واجب نہیں، ہاں مستحب ہے، اور قربانی جس پر واجب ہے اس پر ایک ہی واجب ہے زیادہ نفل ہے، چاہے ہزار جانور قربانی کرے گا ثواب ہے، نہ کرے گا کچھ مواخذہ نہیں۔

فی الدر المختار تجب التضحیۃ عن نفسہ لا عن طفلہ علی الظاھر، بخلاف الفطرۃ، شاۃ او سبع بدنۃ اھ ملتقطا، وفی الخانیۃ فی ظاھر الروایۃ یستحب

درمختار میں ہے قربانی خود اپنی طرف سے واجب ہے، نابالغ اولاد کی طرف سے اس پر واجب نہیں بخلاف فطرانہ کے، قربانی کے لئے بکری یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ واجب ہے اھ ملتقطا، اور خانیہ میں ہے کہ ظاہر روایۃ یہ کہ نابالغ کی طرف

---

[۱] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۳

[۲] " کتاب الاضحیۃ " ۲/۲۳۱

ولایجب بخلاف صدقۃ الفطر، والفتوٰی علی ظاھر الروایۃ[1] اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔

سے مستحب ہے واجب نہیں بخلاف صدقہ فطر کے، اور فتوٰی ظاہر روایۃ پر ہے اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۹: از دیورنیاں ضلع بریلی مسئولہ رحیم بخش بروز شنبہ تاریخ ۱۱ ۱۳۳۴ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ! بعد ادائے آداب کے عرض ہے، دیگر احوال یہ ہے، ایک شخص نے ایک راس بکری عید اضحٰی کو قربانی کی اور اس کی کلیجی ٹول اور خاسہ میں باندھ کر قبر کہنہ میں دفن کیا اور راس مذکور کا گوشت سب تقسیم کردیا، اپنے لئے قطعی نہیں رکھا، محلہ والوں نے سبب دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا کہ مجھ کو اپنے فعل کا اختیار ہے، تحریر فرمائیے کہ یہ قربانی جائز ہے یا کیا قصہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے کوئی ٹوٹکا کیا ہے، تحریر فرمائیے کہ کیا وجہ ہے؟

الجواب

کلیجی دفن کرنا مال ضائع کرنا ہے اور اضاعتِ مال ناجائز، اگر اس نے بہ نیت قربانی جانور مولا تعالٰی کیلئے ذبح کیا تو قربانی ہوگئی اور بعد کو اس کا یہ فعل منافیِ قربانی نہیں، اور اگر سرے سے اس کا ذبح ہی کسی ٹوٹکے یا عمل کیلئے تھا، نہ بہ نیت ادائے واجب، تو قربانی نہ ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۰: از موضع بہدور ضلع پٹنہ مرسلہ مولوی عبدالحکیم صاحب ڈاکخانہ سرہ بروز چہارشنبہ ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

ورثۃ الانبیاء کیا حکم دیتے ہیں اس مسئلہ میں کہ منجانب میت جو قربانی دی جائے اُس گوشت کو کس طرح تقسیم کیا جائے، اس کا رواج ہے کہ ایک حصہ خویش و اقربا اور ایک وقف علی المساکین، اور تیسرا حصہ وقف کیا جاتا ہے۔ مع دلیل جواب ارشاد ہو۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس کے بھی یہی حکم ہیں جو اپنی قربانی کے، کہ کھانے، کھلانے، تصدق، سب کا اختیار ہے، اور مستحب تین حصے ہیں، ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا۔ ہاں اگر میت کی طرف سے بحکم میت کرے، تو وہ سب تصدق کی جائے۔ ردالمحتار میں ہے:

من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ

اگر میت کی طرف سے قربانی کی تو صدقہ اور کھانے میں

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاضحیۃ فصل فی صفۃ الاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۴/۴۴۲

نفسه من التصدق والاكل والاجر للميت والملك للذابح قال الصدر والمختار انه ان بامر الميت لايأكل منها والا یاکل" بزازیۃ[1]۔ میں اپنی ذاتی قربانی والا معاملہ کیا جائے اور اجر وثواب میت کے لئے ہوگا اور ملکیت ذبح کرنے والے کی ہوگی، فرمایا صدر نے اور مختار یہ ہے کہ اگر میت کی وصیت پر قربانی اس کے لئے کی تو خود نہ کھائے ورنہ کھائے، بزازیہ۔ (ت)

اور فقیر کا معمول ہے کہ قربانی ہر سال اپنے حضرت والد ماجد خاتم المحققین قدس سرہ العزیز کی طرف سے کرتا ہے اور اس کا گوشت پوست سب تصدق کردیتا ہے اور ایک قربانی حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کرتا ہے، اور اس کا گوشت پوست سب نذر حضرات سادات کرام کرتا ہے، تقبل اللہ تعالٰی منی ومن المسلمین (آمین) (اللہ تعالٰی میری طرف اور سب مسلمانوں کی طرف سے قبول فرمائے، آمین۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۱ ازقصبہ حافظ گنج ضلع بریلی مرسلہ رحیم بخش منہار ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

گوشت قربانی کا جو بقرعید میں اہل اسلام میں ہوتا ہے وہ اہل ہنود کو دیا جائے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی ہم کو ضرورت ہے، جواب سے مطلع فرمائیے گا۔

الجواب

قربانی اگر فقیر نے کی ہو اس کا گوشت کسی کافر کو دینا جائز نہیں، اگر دے گا تو اتنے گوشت کا تاوان دینا لازم ہوگا، اور اگر غنی نے کی تو ذبح کرنے سے اُس کا واجب ادا ہوگیا، گوشت کا اسے اختیار ہے، مگر مستحب یہ ہے کہ اس کے تین حصے کرلے، ایک حصہ اپنے لئے، ایک عزیزوں خویشوں کے لئے، ایک تصدق کے لئے، یہاں کے کفار کو دینا ان تینوں مدوں سے خارج ہے، لہذا انھیں دینا خلافِ مستحب ہے، اور اپنے مسلمان بھائی کو چھوڑ کر کافر کو دینا حماقت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۲ از چتور گڑھ محلہ چھیپیاں مسئولہ جمیع مسلمانان گنہ گار ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا، عقیقہ کا گوشت کافر کو دینا جائز ہے یا ناجائز؟ اسی طرح قربانی کے رودہ اور آنت کا کافر کو دینا کیسا؟ اور اگر کسی نے نہ جاننے کی حالت میں گوشت یا رودہ وغیرہ دلایا تو اس کی قربانی ادا ہُوئی یا نہیں؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۰۷/۵

الجواب

آنت کھانے کی چیز نہیں، پھینک دینے کی چیز ہے، وہ اگر کافر لے جائے یا کافر کو دے دی جائے تو حرج نہیں،

الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت۔[1] خبیث چیزیں خبیث دو کے لئے اور خبیث لوگ خبیث چیزوں کے لئے۔(ت)

یہاں کے کافروں کو گوشت دینا جائز نہیں، وہ خاص مسلمانوں کا حق ہے،

والطیبٰت للطیبین والطیبون للطیبٰت۔[2] طیب چیزیں طیب لوگوں کے لئے اور طیب لوگ طیب چیزوں کے لئے۔(ت)

پھر بھی اگر کوئی اپنی جہالت سے دے گا قربانی میں کوئی حرج نہ کرے گا، وھو اعلم۔

مسئلہ ۲۲۳: مسئولہ اکبر یار خاں باشندہ سوداگری محلہ بریلی سوداگر چشمہ بروز جمعہ ۱۱ ذوالقعدہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص نے ایک قربانی تین آدمیوں کے نام جو مرگئے ہیں، کیا، وہ فرماتے ہیں قربانی درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب

قربانی اللہ عزوجل کے لئے کی، اور اس کا ثواب جتنے مسلمانوں کو پہنچانا چاہا اگرچہ عام امت مرحومہ کو، تو قربانی درست ہوگی، اور ثواب سب کو پہنچے گا، اور اگر ان تینوں میتوں نے اپنی طرف سے قربانی کی وصیتیں کی تھیں، تو ہر ایک کے مال سے جدا قربانی لازم ہے، ایک قربانی دو کی طرف سے نہیں ہوسکتی، اگر کی جائے تو کسی کی طرف سے نہ ہوگی محض گوشت ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۴: از سیتاپور ڈاکخانہ خیرآباد مدرسہ نیازیہ مرسلہ شکور اللہ صاحب

۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے نیت قربانی کی اور عمرو نے عقیقہ کی نیت، جانور واحد معین میں کر کے جانور حلال کیا، اور دونوں نے آپس میں برابر گوشت تقسیم کرلیا، عمرو کا عقیقہ اور زید کی قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب

گائے یا اونٹ میں دو سے سات تک شریک ہوسکتے ہیں، اور صحیح یہ ہے کہ کسی طرح باہم

ع اصل میں بیاض تھی اندازہ سے درست کیا۔

---

[1] و [2] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

حصہ کریں جبکہ ایک حصہ سے کم نہ ہو جائز ہے، ہاں اگر ایک نے سوا چھ حصے لئے دوسرے نے پون، تو وہ جانور نرا گوشت ہوگیا قربانی وعقیقہ کچھ نہ ہوا، نہ اس پون والے کا نہ سوا چھ والے کا، کہ ایک حصہ سے کم میں تقرب نہیں ہوسکتا، اور جب اس کے ایک جز میں نہ ہوا تو کسی جز میں نہ ہوا، اللہ عزوجل ہر شریک سے غنی ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ بعض اس کے لئے اور بعض غیر کے لئے، جس کا ایک ذرّہ غیر کے لئے ہو وہ کُل غیر کے لئے ہے، یہاں جبکہ دو شخصوں میں گائے نصفا نصف ہے تو ہر ایک کے ساڑھے تین حصے ہوئے، ایک حصہ ٹوٹا مگر اور سالم حصے موجود ہیں، اور قربانی عقیقہ دونوں اللہ ہی کے لئے ہیں لہٰذا دونوں صحیح ہوگئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۵ ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرے دو طرح خصی کئے جاتے ہیں، ایک یہ کہ رگیں کوٹ دی جائیں اس میں کوئی عضو کم نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ آلت تراش کر پھینک دی جاتی ہے، اس صورت میں ایک عضو کم ہوگیا، آیا ایسے خصی کی بھی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ بوجہ مذکور ممانعت کرتے ہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے کہ اس کی کمی سے اس جانور میں عیب نہیں آتا بلکہ وصف بڑھ جاتا ہے کہ خصی کا گوشت بہ نسبت فحل کے زیادہ اچھا ہوتا ہے فی الھندیۃ عن الخلاصۃ یجوز المجبوب العاجز عن الجماع[1] الخ (ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ ذکر کٹا جو جفتی کے قابل نہ رہا وہ قربانی میں جائز ہے الخ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۶ ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گائے کا کان چرا ہوا ہے جیسے گاؤں کے لوگ بچپن میں کان چیر دیتے ہیں کہ طول یا عرض میں شق ہوجاتا ہے مگر وہ ٹکڑا کان ہی میں لگا رہتا ہے جدا نہیں ہوتا اور اس کے سینگ جو گھوم کر چہرے پر آئے، اور ایک سینگ آنکھ تک آیا جس سے آنکھ کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا اس کی نوک تراش دی گئی، ایسی گائے کی قربانی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بلاشبہہ جائز ہے، مگر مستحب یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بالکل سلامت ہوں،

فی العالمگیریۃ تجزئ الشرقاء وھی عالمگیری میں ہے قربانی شرقاء جائز ہے یہ وہ ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۷

مشقوقة الاذن طولا، والمقابلة ان يقطع من مقدم اذنها شیئ ولا یبان بل یترك معلقا، والمدابرة ان یفعل ذلك بمؤخر الاذن من الشاۃ، وما روی ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم نھی ان یضحی بالشرقاء والمقابلة والمدابرة والخرقاء فالنھی فی الشرقاء والمقابلة والمدابرة محمول علی الندب وفی الخرقاء علی الکثیر علی اختلاف الاقاویل فی حد الکثیر کذا فی البدائع[1]

جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے ہوں، اور مقابلہ جائز ہے یہ وہ جانور ہے جس کے کان کا اگلا کچھ حصہ کٹا ہو لیکن جُدا نہ ہو بلکہ لٹکا ہوا ہو، اور مدابرہ جائز ہے یہ وہ ہے جس کے کان کا پچھلا حصہ اسی طرح کٹا ہو۔ یہ صفات بکری کی ہیں، اور جو مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرقاء، مقابلہ، مدابرہ اور خرقاء کی قربانی سے منع فرمایا ہے، تو شرقاء، مقابلہ اور مدابرہ میں یہ نہی تنزیہہ پر محمول ہے جبکہ کثیر کی حد میں اقوال کا اختلاف ہے، بدائع میں یوں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یضحی بالجماء ھی التی لاقرن لھا خلقة وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر اوغیرہ فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قھستانی، وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین اھ[2] والله تعالٰی اعلم۔

جماء کی قربانی جائز ہے یہ وہ ہے جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں، اور یوں عظماء بھی جائز ہے یہ وہ ہے جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا ہو، اور غیر میں اگر سینگ مخ سمیت ٹوٹا ہو تو ناجائز ہے، قہستانی۔ اور بدائع میں ہے اگر سینگ کا ٹوٹنا مشاش تک ہو جائے تو ناجائز ہے، اور مشاش یہ ہڈی کا سرا ہے جیسے گھٹنے اور کہنیاں الخ۔ والله تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۳

۱۴ رجادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ

ایک راس عقیقے کے لئے خریدی، اس کا سینگ ٹوٹ گیا، اب دوبارہ پھر نکل آیا، یہ راس قابلِ قربانی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۸

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

الجواب

سینگ ٹوٹنا اُس وقت قربانی سے مانع ہوتا ہے جبکہ سر کے اندر جڑ تک ٹوٹے، اگر اوپر کا حصہ ٹوٹ جائے تو مانع نہیں،

فی ردالمحتار یضحی بالجماء وھی التی لاقرن لھا خلقۃ، وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر او غیرہ، فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قہستانی، وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین اھ[1]۔

ردالمحتار میں ہے جماء کی قربانی جائز ہے یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ پیدائشی نہ ہوں، اور یوں عظماء بھی، یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹا ہو، اور مخ تک ٹوٹ چکا ہو تو ناجائز ہے، قہستانی۔ اور بدائع میں ہے اگر یہ ٹوٹ مشاش تک ہو تو ناجائز ہے اور مشاش ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں اھ۔ (ت)

اور پھر اگر ایسا ہی ٹوٹا تھا کہ مانع ہوتا، مگر اب زخم بھر گیا، عیب جاتا رہا تو حرج نہیں لان المانع قد زال وھذا ظاھر (لہٰذا مانع جاتا رہا، اور یہ ظاہر ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۸: مسئولہ مولوی خلیل الرحمٰن متعلم مدرسہ منظر الاسلام اہلسنت وجماعت بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا جانور کس قدر صحیح ہونا چاہئے اور کس قدر سینگ جانور کا ٹوٹا ہوا ہو تو قربانی ہوسکتی ہے، اور جڑ سے ٹوٹ گیا ہو تو کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سب اعضاء سلامت ہونا ضروری ہے، سینگ ٹوٹا ہونا مضائقہ نہیں رکھتا مگر جہاں سے اُگا ہے اگر وہاں تک ٹوٹا تو ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قولہ (ویضحی بالجماء) ھی التی لاقرن لھا خلقۃ وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر او غیرہ فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قہستانی، وفی البدائع ان بلغ الکسر

اس کا قول کہ "جماء کی قربانی جائز ہے، یہ وہ ہے جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں، اور یوں عظماء بھی، جس کے سینگ کا ٹوٹنا وغیرہ کچھ حصہ میں ہو، اور یہ ٹوٹ مخ سمیت ہو تو ناجائز ہے قہستانی۔ اور بدائع میں ہے اگر ٹوٹنا مشاش

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

الشاش لایجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔

یک ہو تو ناجائز ہے، مشاش ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۹ از چونیاں ضلع لاہور ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

انجمن مذکور کے اشتہار مذکور میں ہے جس جانور کے پیدائشی کان دُم نہ ہوں وہ جائز ہے ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک، اور ناجائز ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔ مگر چونکہ وہ روایت اصول ہے اس واسطے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتوٰی کے اوپر فتوٰی دیتے ہیں کہ جس جانور کے پیدائشی کان دُم نہ ہوں وہ جائز ہے۔

اب حضرت مولانا صاحب جواب خود تحریر فرمائیں کہ ایسا مذکورہ بالا جانور واقعی قربانی میں جائز ہے یا ناجائز، کیونکہ میں نے سُنا ہے کہ اکثر فتاووں میں ایسے جانور کو ناجائز لکھا ہے، حضرت صاحب انجمن کے اشتہار شائع شدہ میں یہ دونوں مسئلے اسی طرح لکھے ہیں، آیا یہ دونوں مسئلے درست لکھے ہیں، یا کہ نہیں، مفصل طور پر تحریر فرمائیں بحوالہ کتب معتبرہ۔

الجواب

جس جانور کی اصل پیدائش میں کان اور دُم نہ ہوں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کی قربانی جائز ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک ناجائز، اور معتمد قول امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما، خانیہ میں ہے:

الشاۃ اذا لم یکن لھا اذن ولا ذنب خلقۃ یجوز، وقال محمد رحمہ اللہ لایکون ھٰذا، ولوکان لایجوز، وذکر فی الاصل عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یجوز[2]۔

بکری کی اگر پیدائشی طور پر کان اور دُم نہ ہو تو جائز ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ایسا جانور نہیں ہوتا اگر ہو تو قربانی جائز نہیں ہے، اور مبسوط (اصل) میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ یہ جائز ہے۔ (ت)

اسی طرح اجناس وخلاصہ وبزازیہ میں ہے، غالبًا یہ ہے جس پر اشتہار میں اعتماد کیا، اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

[2] فتاوٰی قاضیخان ؍؍ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۳۴۸

واقع میں وُہ قابلِ اعتماد نہ تھا۔

اوّلاً متون و شروح نے عدمِ جواز پر جزم کیا اور قولِ خلاف کا نام نہ لیا، مختصر امام کرخی پھر غایۃ البیان علامہ اتقانی میں ہے:

قال ھشام وسألت ابا یوسف عن السکاء التی لاقرن لھا قال تجزئ فان لم یکن لھا اذن لاتجزئ وھو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی[1]

ہشام نے کہا کہ میں نے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے سکاء کے متعلق سوال کیا اور یہ وہ ہے جس کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں، تو انھوں نے فرمایا جائز ہے اور اگر کان نہ ہوں تو ناجائز ہے یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے (ت)

ہدایہ میں ہے:

السکاء وھی التی لااذن لھا خلقۃ لاتجوز لان مقطوع اکثر الاذن اذاکان لایجوز فعدیم الاذن اولٰی[2]

سکاء وہ ہے جس کے پیدائشی طور پر کان نہ ہوں، جائز نہیں، کیونکہ جب کان کا اکثر حصّہ کٹا ہو تو ناجائز ہے، تو بالکل کان نہ ہوں تو بطریق اولٰے ناجائز ہوگا۔ (ت)

عنایہ وغایۃ البیان و نتائج الافکار وغیرہا میں اس پر تقریر کی، منسک متوسط میں ہے:

لایجوز الذی لااذن لہ خلقۃ اولہ اذن واحدۃ[3]

جس کے پیدائشی کان نہ ہوں یا صرف ایک کان ہو تو ناجائز ہے (ت)

مسلک متقسط میں اس پر تقریر کی، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ولاالسکاء التی لااذن لھا خلقۃ[4]

اور سکاء جس کے پیدائشی کان نہ ہوں، ناجائز ہے (ت)

طحطاوی و شامی میں اس پر تقریر کی، بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

---

[1] غایۃ البیان

[2] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۶

[3] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط باب الہدایا دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۱۴

[4] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

لاتجوز مقطوعۃ احد الاذنین بکمالھا، والتی لھا اذن واحدۃ خلقۃ[1]

ایک کان کامل کٹا ہو اور جس کا پیدائشی ایک ہی کان ہو ناجائز ہے (ت)

تبیین[13] الحقائق امام زیلعی میں ہے:

السکاء وھی التی لااذن لھا خلقۃ لاتجوز[2]

سکاء وہ ہے جس کا پیدائشی کان نہ ہو، ناجائز ہے (ت)

مناسک[14] امام کرمانی پھر شلبی[15] علی الزیلعی میں ہے:

لانہ فات عنہ عضو کامل[3]

کیونکہ اس کا کامل عضو معدوم ہے (ت)

شرح طحاوی[16] امام اسبیجابی پھر خزانۃ[17] المفتین میں ہے:

لایجوز السکاء وھی التی لااذن لھا خلقۃ اولا الیۃ لھا خلقۃ[4]

سکاء وہ ہے جس کا پیدائشی کان یا چکی نہ ہو وہ جائز نہیں ہے (ت)

اتقانی علی[18] الہدایہ میں ہے:

قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الاصل بلغنا عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال استشرفوا العین والاذن، وروی فی السنن عن علی کرم اللہ وجہہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان نستشرف العین والاذن وقد اعتبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقاء الاذن فمنع فواتھا من جواز الاضحیۃ[5]

امام محمد نے فرمایا اصل میں، کہ ہمیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آنکھ اور کان کو بغور دیکھو۔ اور سنن میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت فرمایا کہ ہم آنکھ اور کان کو بغور دیکھیں۔ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کان کی بقا کا اعتبار فرمایا ہے تو معدوم ہونا جوازِ قربانی کے لئے مانع ہوگا۔ (ت)

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الاضحیۃ فصل واما شرائط اقامت الواجب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۷۵

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۶/۶

[3] حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق " " " ۶/۶

[4] خزانۃ المفتین " قلمی نسخہ ۲/۲۰۰

[5] غایۃ البیان

فتح اللہ المعین[19] میں ہے :

لایضحی بالسکاء وھی التی لااذن لھا خلقۃ بخلاف صغیرۃ الاذن[1]

سکاء، جس کے پیدائشی کان نہ ہوں اس کی قربانی نہ کی جائے بخلاف چھوٹے کان کے۔(ت)

مجمع الانہر[20] میں ہے :

ولا السکاء وھی التی لااذن لھا خلقۃ[2]

اور سکاء، جس کے پیدائشی کان نہ ہوں، جائز نہیں۔ (ت)

سراجیہ[21] میں ہے :

لاتجزئ التی لم یخلق لھا اذن[3]

جس کے کان پیدا نہ ہوں جائز نہیں (ت)

ثانیاً یہی قضیۂ حدیث ہے، کما علمت من غایۃ البیان (جیسا کہ تم نے غایۃ البیان سے معلوم کرلیا ہے۔ ت)

ثالثاً اس کی وجہ اظہر وازہر ہے کما علمت من الھدایۃ ومناسك الکرمانی (جیسا کہ تم نے ہدایہ اور مناسک کرمانی سے معلوم کرلیا ہے۔ ت) ایراث نقص میں عدم طاری واصلی میں تفرقہ کی کوئی وجہ ظاہر نہیں۔

رابعاً یہی اکثر کتب میں ہے والعمل بما علیہ الاکثر (عمل اس پر ہوگا جس پر اکثریت ہو۔ ت)

خامساً یہی احوط ہے، تو بوجوہ اسی کو ترجیح، اور اسی پر اعتماد وعمل وفتوٰی واجب۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۰

۹ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے کی دُم نہائی کے قریب کٹی ہوئی ہے اور ایک کان چِرا ہُوا ہے مگر حصہ اس کا جُدا نہ ہوا کان ہی میں لگا ہے، تو اس صورت میں اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] فتح المعین | کتاب الاضحیۃ | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۳/ ۳۸۰

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۵۲۰

[3] فتاوٰی سراجیہ | کتاب الاضاحی | نولکشور لکھنؤ | ص ۸۹

الجواب

جائز ہے،

فی التنویر یضحی بالجماء لا مقطوع اکثر الاذن اوالذنب[1]، فی الدر المختار للاکثر حکم الکل بقاء و ذھابا، فیکفی بقاء الاکثر وعلیہ الفتوٰی[2]، فی الھندیۃ تجزئ الشرقاء وھی مشقوقۃ الاذن طولا، والمقابلۃ ان یقطع من مقدم اذنھا شیئ، ولایبان بل یترك معلقا والمدابرۃ ان یفعل ذلك بمؤخر الاذن، والنھی محمول علی الندب کذا فی البدائع[3] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

تنویر الابصار میں ہے جماء، جس کا پیدائشی سینگ نہ ہو، کی قربانی کی جائے، نہ کہ اس کی جس کا کان یا دُم اکثر کٹی ہو۔ درمختار میں ہے اکثر کا حکم کل والا ہوتا ہے بقاء اور ضیاع میں، تو اکثر حصہ کی بقاء کافی ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ ہندیہ میں ہے شرقاء جائز ہے، یہ وہ جس کا کان لمبائی میں کٹا ہو۔ اور مقابلہ جائز، یہ وہ ہے جس کا کان آگے سے کٹا ہو اور جُدا نہ ہوا ہو بلکہ لٹکتا ہو۔ اور مدابرہ جائز ہے یہ وہ جس کان پیچھے سے ایسے کٹا ہو اور ان سے نہی تنزیہہ پر محمول ہے۔ بدائع میں یوں ہے اھ مختصراً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۱: قصبہ کوسی کلاں ضلع متھرا محلہ مسجد منڈی، حافظ محمد رمضان پیش امام بروز یکشنبہ ۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

قربانی کی کھال سید کو یا والدین کو دینا درست ہے یا نہیں، کتاب مالابدمنہ کے اندر صدقہ نفل سید کو جائز لکھا ہے[4]، اب یہ امر قابلِ تحقیق ہے کہ کھال قربانی صدقہ واجب ہے یا نفل ہے، سید کو قربانی کی کھال دے یا نہیں؟ اکثر لوگ قربانی کی کھال دے دیا کرتے ہیں، درست ہے یا نہیں؟

الجواب

قربانی کی کھال سادات کرام کو دینا جائز ہے، اپنے ماں باپ اولاد کو بھی دے سکتا ہے، شوہر زوجہ کو زوجہ شوہر کو دے سکتی ہے، وہ بہ نیتِ تصدق ہو تو صدقہ نافلہ ہے ورنہ ہدیہ، سقا کو دینے میں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار | کتاب الاضحیۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۲۳۳

[2] " " | " | " | ۲/ ۲۳۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ | کتاب الاضحیۃ الباب الخامس | نورانی کتب خانہ پشاور | ۵/ ۲۹۸

[4] مالابدمنہ (فارسی) | کتاب الزکوٰۃ | مطبع علوی لکھنؤ | ص ۵۹

بھی حرج نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۲ مرسلہ حاجی اﷲ یار خاں صاحب تاجر کتب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

قربانی کی کھال کو بہ نیت تصدق فروخت کرنا یا اس کی قیمت سے بوریا وغیرہ خرید کر مسجد میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے کہ تصدق کے لئے بیچنا یا مسجد کے صرف میں لانا دونوں قربت ہیں، اور یہاں وہی مقصود، لا عین التصدق ولا تصدق العین (نہ کہ عین التصدق اور عین چیز کا تصدق۔ ت) عالمگیری میں ہے:

لایبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علی نفسه وعیاله، ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز، لانه قربة کالتصدق کذا فی التبیین[1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اپنے یا اپنی عیال پر خرچ کرنے کے لئے قربانی کی کھال کو دراہم سے فروخت نہ کرے اور اگر دراہم کا صدقہ کرنا ہو تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح عبادت ہے تبیین الحقائق میں یوں ہے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ایضاح الجواب اصل یہ کہ اضحیہ مثل دم قران وتمتع وذبح تطوع دم شکر ہے ان میں قربتِ مقصودہ صرف اراقہ دم لوجہ اللہ سے حاصل ہوجاتی ہے، ولہذا ان کے لحم وغیرہ کا تصدق واجب نہ ہوا، اور خود کھانے کی بھی اجازت عطا فرمائی،

قال تعالٰی فکلوا منها واطعموا القانع والمعتر[2]، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کلوا واطعموا وادخروا۔ اخرجه احمد والشیخان[3] عن سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنه۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا قربانی سے خود کھاؤ اور قناعت والے اور محتاج کو کھلاؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ، کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔ اس کو احمد اور شیخین نے سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اور کھال کی کوئی چیز مثل مشکیزہ وغربال وپوستین وتوشہ دان وفرش وتکیہ وجلد کتاب وغیرہا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

[3] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایؤکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵

بناکر اپنے تصرف میں لانا بھی روا،

کما نص علیه فی عامة کتب المذهب وعن ام المؤمنین عائشة رضی الله تعالٰی عنها قالت قالوا یارسول الله ان الناس یتخذون الاسقیة من ضحایاهم و یحملون فیها الودك فقال وما ذاك قالوا نهیت ان توکل لحوم الاضاحی بعد ثلث قال نهیتکم من اجل الدافة فکلوا وادخروا وتصدقوا ۔ اخرجه احمد والبخاری و مسلم[1]۔

جیسا کہ اس پر عام کتبِ مذہب میں تصریح کی ہے اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم نے عرض کی یارسول اللہ! لوگ قربانی کے چمڑے سے مشکیزے بناتے ہیں اور مشکیزوں میں چربی بھرلیتے ہیں تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا یہ کیا ہوا، انھوں نے عرض کی آپ نے تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے، حضور علیہ الصلٰوۃ و السلام نے فرمایا میں نے تمھیں ضرور تمندوں کی آمد کی وجہ سے منع کیا تھا تواب کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔ اس کی تخریج امام احمد، بخاری اور مسلم نے کی ہے۔(ت)

اسی طرح مذہب صحیح میں جلد و لحم کی تبدیل بھی ایسی اشیاء سے جائز ٹھہری جو اپنی بقائے عین کے ساتھ استعمال میں آئیں، جیسے برتن، کتابیں، کپڑے۔ ہدایہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

اللفظ للهدایة یعمل منه اٰلة تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال و نحوها لان الانتفاع به غیر محرم ولاباس بان یشتری به ماینتفع به فی البیت بعینه مع بقائه استحسانا، وذلك مثل ما ذکرنا، لان للبدل حکم المبدل، واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح[2]، اھ ملخصا۔

ہدایہ کے الفاظ میں ہے اس کھال سے گھر کے استعمال والے آلات بنائے جائیں مثلاً بچھونا، تھیلا، غربال (چھلنی) جیسی چیزیں، کیونکہ کھالوں سے انتفاع حرام نہیں ہے اور ان سے گھر میں استعمال کیلئے چیز خریدنا جو بعینہٖ باقی رہے تو استحساناً اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی مثال ہماری ذکر کردہ چیزیں ہیں، کیونکہ بدل کا حکم مبدل والا ہے، اور گوشت حکم میں بمنزلہ کھال کے ہے صحیح مذہب میں، اھ ملخصاً۔(ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ماکان من النهی عن اکل لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸

[2] الهدایة کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

یوہیں اغنیاء کو گوشت یا کھال یا اس کی کوئی چیز بناکر یا اسی قسم کی اشیاء ان کے عوض خرید کر ہدیہ دینا بھی جائز ہوا،

لانہ لما جاز التصرف بنفسہ، فجواز الھدیۃ من باب اولٰی کما استدل فی الھدایۃ لجواز اطعام الغنی بقولہ متی جاز اکلہ وھو غنی جاز ان یؤکل غنیا[1]۔

کیونکہ جب خود اپنا تصرف جائز ہے تو ہدیہ کا جواز بطریق اولٰی ہوگا جیسا کہ ہدایہ میں غنی کو کھلانے کے جواز پر استدلال فرماتے ہوئے فرمایا جب خود غنی ہونے کے باوجود کھانا جائز ہے تو کسی غنی کو کھلانا بھی جائز ہے۔ (ت)

ولہذا فقیر کو دینے میں تملیک شرط نہ ہوئی، بلکہ اباحت بھی روا ٹھہری، یعنی دے نہ ڈالے، بلکہ دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دے۔ شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے:

ویوکل ای یطعم من شاء منھا علی طریق الاباحۃ سواء کان فقیرا او غنیا، ویھب من یشاء علی سبیل التملیک، فقیرا او غنیا[2]۔

قربانی کے گوشت میں سے جس کو چاہے دے اباحت کے طور پر، اور ہبہ کے طور پر تملیک کرے فقیر کو خواہ غنی کو۔ (ت)

شرح لباب میں ہے:

کل دم وجب شکرا، فلصاحبہ ان یاکل منہ ماشاء، ویوکل الاغنیاء، ولو بالاباحۃ والفقراء تملیکا او اباحۃ ولا یجب التصدق بہ، لا بکلہ، ولا ببعضہ[3] اھ ملخصا۔

ہر قربانی جو بطور شکر واجب ہو تو مالک کو اختیار ہے جتنا چاہے کھائے، اغنیاء کو کھلائے اباحت کے طور پر، خواہ تملیک کے طور پر، فقیر کو خواہ غنی کو، کل یا بعض گوشت کا صدقہ واجب نہیں ہے اھ ملخصاً۔ (ت)

اور یہ معنی خود آیت وحدیث سے مستفاد کہ اطعموا[4] فرمایا نہ کہ اعطوا، البتہ یہ ناجائز ہے کہ اپنے یا

---

[1] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] شرح النقایۃ للبرجندی " نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۹

[3] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب الہدایا فصل فیما لایجوز من الہدایا دار الکتاب بیروت ص ۳۱۲

[4] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب ما یؤکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵

اپنے اہل وعیال یا اوراغنیا کے صرف میں لانے کو گوشت یا کھال یا کسی جز کو بعوض ایسی اشیاء کے فروخت کرے جو استعمال میں خرچ ہوجائیں اور باقی نہ رہیں جس طرح روپیہ پیسہ یا کھانے پینے کی چیزیں یا تیل پھلیل وغیرہ کہ ان کے عوض اپنی نیت سے بیچنا تمول ہے، اور نیت اغنیا مثل اپنی نیت کے ہے، اور یہ جانور جس سے اقامت قربت ہوئی، اس قابل نہ رہا کہ اس کے کسی جز سے تمول کیا جائے۔ ہدایہ میں ہے:

لایشتری به مالاینتفع به الاباستهلاکه کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراهم، والمعنی فیه انه تصرف علی قصد التمول[1]

قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو ہلاک کرکے نفع اٹھائے جیسے سرکہ یا بیج، جس طرح کہ دراہم سے نفع بطریقہ ہلاک ہوتا ہے تو یہ بھی منع ہے منع کی وجہ مال حاصل کرنے کی غرض سے تصرف کرنا ہے۔ (ت)

علامہ عینی بنایہ میں فرماتے ہیں:

والمعنی فی عدم اشتراء مالاینتفع به الابعد استهلاکه انه تصرف علی قصد التمول، وهو قد خرج عن جهة التمول[2]

ایسی چیز خریدنے کی ممانعت میں وجہ یہ ہے کہ ہلاک کرکے نفع کی صورت میں مال حاصل کرنے کی غرض سے تصرف کرنا ہے حالانکہ قربانی میں تو مال سے خارج کرنا مقصود ہوتا ہے (ت)

بخلاف اس کے کہ اس قسم کی اشیاء سے مصرف خیر میں صرف کرنے کو مبادلہ کرے کہ اس میں معنی ممنوع یعنی تمول متحقق نہیں، تو اس نیت سے یہ استبدال بھی جائز، ولہذا تبیین میں فرمایا:

لوباعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق[3]

اگر دراہم سے اس لئے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ بھی صدقہ کی طرح قربت ہے۔ (ت)

خلاصہ یہ کہ بعد قربانی اس کے اجزا میں ہر قسم کا تصرف غنی کو حلال ہے، مگر وہ جس میں معنی تمول پائے جائیں، اسی لئے مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں تصریح کی کہ المعنی انه لایتصرف علی قصد التمول[4] اھ

---

[1] الہدایۃ — کتاب الاضحیۃ — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۴/ ۴۴۸

[2] البنایۃ فی شرح الہدایۃ — " — المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ — ۴/ ۱۹۰

[3] تبیین الحقائق — " — المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر — ۶/ ۹

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر — " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۲/ ۵۲۱

(مقصد یہ ہے کہ مال کے حصول کی غرض سے تصرف نہ کرے۔ ت)

اس تحقیق و تنقیح سے واضح ہوا کہ علماء جو ایک شق تصدق کی لکھتے ہیں اُس کے یہ معنی نہیں کہ تصدق عین ضروری ہے یعنی خاص اُسی چیز کو بغیر بدلے خیرات کرے بلکہ مطلقاً ہر شئی کے عوض بیچ کر خیرات کرنی جائز ہے خواہ روپے پیسے ہوں یا اشیائے خوردنی یا اعیان باقیہ، نہ عین تصدق ضرور ہے، جس کے حقیقی معنی فقیر کو مالک کرنا،

کما فی الزکاۃ من فتح القدیر حقیقۃ الصدقۃ تملیک الفقیر[1]۔

جیسا کہ فتح القدیر کے زکوٰۃ کے باب میں ہے کہ صدقہ کی حقیقت فقیر کو مالک بنانا ہے (ت)

بلکہ مطلقاً ہر مصرفِ خیر میں صرف کرنا جائز ہے اگرچہ اس میں کسی کی تملیک نہ ہو، جیسے کفنِ موتٰی و نفقۂ مسجد و غیر ذٰلک، ولہٰذا اباحت روا ٹھہری، اور علامہ زیلعی کی عبارت مذکور نے صاف واضح کر دیا کہ قربت چاہیے خاص تصدق کی کوئی خصوصیت نہیں، اور خود ظاہر ہے کہ جب بے صورت تمول اپنے اور اغنیا کے صرف میں لانا روا ہوا، اور جانور کا قربت کے لئے ہونا اس کا مانع نہ ٹھہرا تو مصارف خیر جس میں اصلاً بوئے تمول نہیں اور خود امورِ قربت ہیں، بدرجۂ اولیٰ جائز ہوں گے۔

اب حکمِ مسئلہ بحمد اللہ روشن ہو گیا، بر عیت تصدق والوں کے لئے یہ عبارت فتاوٰی ہندیہ سے گزرا اور مسجد کی چٹائی وغیرہ میں صرف کرنا بھی قربت ہے، نہ اپنا تمول جو ممنوع ٹھہرا، پس دونوں صورت مسئولہ سائل کا حکم جواز ہے، یہ بحمد اللہ تعالٰی وہ تحقیق ہے جس سے اس فصل کی تمام جزئیات کا حکم نکل سکتا ہے،

فاتقن ھذا العلک لا تجدہ بھذا الایضاح والتحریر فی غیر ھذا التحریر، ولا علیک من خفائہ علی بعض[ع] ابناء الزمان المدعین العلم العزیز، واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم۔

اس کو مضبوط کرو ہو سکتا ہے اس وضاحت اور صفائی سے تمہیں کسی اور تحریر میں نہ ملے اور موجودہ زمانے کے مدعیانِ علم پر اس کے مخفی ہونے پر تمہیں تعجب نہ ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔ (ت)

ع مولوی رشید احمد گنگوہی

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۸

مسئلہ ۲۲۳ از بنارس محلہ کنڈی ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی واسطے تعمیر مسجد و اشیائے متعلقہ مسجد مثل بوریا، بدھنا، فرش، شامیانہ وغیرہ یا برائے درستگی قبرستان کے دینا جائز ہے یا نہیں؟ درصورت عدم جواز کے اگر کوئی شخص مصرف مذکور میں صرف کرے، یا سرا پایہ وغیرہ ہندو کا فرکو دے، تو اس کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب

قربانی اراقۃ دم لوجہ اللہ سے ہو جاتی ہے کما نص علیہ العلماء قاطبۃ (جیسا کہ تمام علماء نے اس پر نص فرمائی ہے۔ ت) اس کے بعد کھانے، کھلانے، دینے، دلانے سے اس میں کچھ فرق نہیں آتا اگرچہ کسی کو دے، اور چرم کے باب میں ابھی بیان ہوا کہ ہر قربت روا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۴ از موضع کٹرہ ڈاکخانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ مولوی عبدالکریم رضا صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت پوست قربانی مرمت مسجد اور بوریا وغیرہ مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور غسل خانہ، پاخانہ واردین مسجد کے لئے اس قیمت سے بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اصل یہ ہے کہ اراقۃ دم سے اقامت واجب کے بعد اجزائے اضحیہ سے صرف تمول ممنوع ہے خاص تصدق ضرور نہیں بلکہ جمیع انواع خیر کہ مثل تصدق قربت ہیں، سب جائز ہیں، اور بلا بیع خود اپنے تصرف میں لانا دیگر احباب اغنیاء کو ہدیہ دینا بھی جائز،

کما طفحت بنقول ذٰلک کتب المذھب المعتمدۃ ولنا فی خصوص ذٰلک رسالۃ حافلۃ سمیناھا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ"۔

جیسا کہ تم نے مذہب کی کتب معتمدہ سے فائدہ پایا، اور خاص اس مسئلہ میں ہمارا جامع رسالہ ہے ہم نے اس کا نام "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" رکھا ہے۔ (ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

کلوا وادخروا واتجروا[1] کھاؤ اور اٹھا رکھو، اور وہ کام کرو جس سے ثواب

---

[1] سنن ابی داود کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲

رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

حاصل ہو (اس کو ابوداؤد نے حضرت نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق [1]

اگر دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے، تو جائز ہے، کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

لباب میں ہے: لایجب التصدق بہ [2] (سب گوشت صدقہ کرنا واجب نہیں ہے۔ت)

شرح میں ہے: لابکلہ ولا ببعضہ [3] (نہ سب کا صدقہ کرنا نہ بعض کا واجب ہے۔ت)

بالجملہ مدار قربت وعدم تمول ہے، اور شک نہیں کہ مسجد کی مرمت، اس میں بوریا وغیرہ آلات کا رکھنا، غسل خانہ بنانا سب افعال قربت ہیں، تو ان میں اس کا صرف ضرور جائز، اسی طرح واردینِ مسجد کے لئے پاخانہ بنوانا اگر فنائے مسجد سے جُدا اور زمین وقف میں خلاف مشروط تصرف سے برکراں ہو، باعثِ اجر ہے، کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۵

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھالیں تعمیر دیوار مسجد کے لئے دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کھالیں بیچ کر دام کرلئے ہوں تو یہ دام صرف مسجد میں دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر کھالیں صرف مسجد کے لئے پہلے سے دے دی جائیں یا اُن کا داموں کے عوض بیچنا اپنے صرف میں لانے کے لئے نہ ہو بلکہ امورِ قربت وثواب کی غرض سے ہو، تو اُن داموں کا مسجد کے صرف کیلئے دے دینا یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، اور اگر کھالیں اپنے صرف میں لانے کے لئے داموں کو بیچ ڈالیں تو یہ دام مسجد میں صرف نہیں ہوسکتے بلکہ مساکین کو دے دیئے جائیں، جس مسکین کو دے وہ اپنی طرف سے مسجد میں لگادے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/۹

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایا دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

[3] " " " " " " " " " "

تو مضائقہ نہیں،

وذلك لان الطريق فی الجلود اما الادخار، واما الاشتجار، فاذا اعطاها المسجد، او باعها لامور القرب، واعطى الثمن فيه، فقد اتى بما ينبغی، اما اذا باعها للتمول، فقد خالف فما حصل خبيث، وسبيله التصدق وانما التصدق تمليك للفقير، اما اذا ملك فقيرا، فاعطى المسجد فلاحرج، فان الصدقة قد بلغت محلها۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ اس لئے کہ قربانی کی کھالوں میں طریق ذخیرہ کرنا یا اجر وثواب حاصل کرنا ہے تو جب مسجد کو دیں یا ان کو فروخت کرکے تقرب والے امور کے لئے یا ان کی قیمت ان امور میں خرچ کرنے کے لئے تو اس نے مناسب محل پورا کردیا لیکن اگر مال حاصل کرنے کی غرض سے فروخت کیا تو خلاف ورزی کی لہذا جو مال بنایا خبیث ہوا اس کا راستہ یہی ہے کہ اس کو صدقہ کرے جبکہ صدقہ فقیر کو مالک بنانا ہے تو فقیر کو مالک بنایا تو اس نے مسجد کو دے دیا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ صدقہ اپنے محل پہنچ چکا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۶ مرسلہ جناب حکیم سراج الحق صاحب، شہر الہ آباد دروازہ جناب حضرت شاہ محمد اجمل صاحب ۵ ذی الحجہ یکشنبہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا چمڑا فروخت کرکے مسجد کی جانماز اور مسجد کی مرمت کرنا اور مسجد میں لگانا، عام اس سے کہ مسجد کی دیوار ہو یا مسجد کا پاخانہ، غسل خانہ وغیرہ ہو، جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قربانی کی کھال ہر اس کام میں صرف کرسکتے ہیں جو قربت وکار خیر وباعث ثواب ہو۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قربانی کی نسبت فرماتے ہیں،

کلوا وادخروا وائتجروا[1]۔ رواہ ابوداؤد عن نبيشة الهذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کھاؤ اور اٹھا رکھو اور وہ کام کرو جس سے ثواب ہو (اسے ابوداؤد نے نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے،

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲

لو باعها بالدراھم لیتصدق بھا جاز، لانہ قربۃ کالتصدق۔[1]

اگر صدقہ کرنے کی غرض سے دراہم کے بدلے فروخت ہو تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے (ت)

مگر فنائے مسجد میں پاخانہ بنانا قربت نہیں بلکہ ممنوع ہے کہ مسجد کو بُوئے بد سے بچانا واجب، اور اس کی فنا کا ادب بھی اسی کی مانند ہے یہاں تک کہ علماء نے فنائے مسجد میں بعد مسجدیت جدید دکان بنانے کی ممانعت فرمائی کہ باعثِ بےحرمتی ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

قیم المسجد لایجوزلہ ان یبنی حوانیت فی حدالمسجد، او فی فنائہ، لان المسجد اذاجعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمتہ، وھذا لایجوز والفناء تبع المسجد، فیکون حکمہ حکم المسجد، کذا فی محیط السرخسی۔[2]

مسجد کے منتظم کو جائز نہیں کہ مسجد کی حدود میں دکانیں بنائے، کیونکہ مسجد یا فنائے مسجد کو دکانیں بنایا تو مسجد کی حرمت ساقط ہوگی اور یہ جائز نہیں ہے جبکہ فنائے مسجد بھی مسجد کے تابع ہے تو اس کا حکم بھی مسجد والا ہوگا، محیط سرخسی میں یوں ہے۔ (ت)

ہاں اگر حدود فنائے مسجد سے دُور کوئی پاخانہ مسافروں اور بے گھر نمازیوں کے متعلق مسجد ہے تو اس کی تعمیر یا مرمت ضروری بھی نیت صالحہ سے ضرور قربت و موجبِ اجر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۷: مولانا مولوی بشیر احمد صاحب علی گڑھی بالائے قلعہ مدرس اول مدرسہ منظر الاسلام
یوم یکشنبہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کھال قربانی بیچ کر مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور کوئی عمارت مثل مسافرخانہ، نشست کی چوپال جس میں مسافر یا اپنے ہم قوم مقیم ہوسکیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مسجد یا لوجہ اللہ مسافرخانہ وغیرہ آرام مسلمانان کی عمارت بنانا جس میں اجر ہو اور حصول اجر ہی کی نیت ہو، بالجملہ ہر اس کام میں جو شرعاً قربت ہو، قربانی کی کھال صرف کرنا ہرگز ممنوع نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اضحیہ کی نسبت جیسا تصدقوا فرمایا، صدقہ کرو، یونہی وائتجروا[3] بھی

---

[1] تبیین الحقائق　کتاب الاضحیہ　المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر　۶/ ۹
[2] فتاوٰی ہندیۃ　کتاب الوقف　الباب الحادی عشر　الفصل الثانی　نورانی کتب خانہ پشاور　۲/ ۴۶۲
[3] سنن ابی داؤد　کتاب الضحایا　باب حبس لحوم الاضاحی　آفتاب عالم پریس لاہور　۲/ ۳۳

ارشاد فرمایا، وہ کام کرو جس میں ثواب ہو، رواہ ابوداؤد عن نبشة الهذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے ابوداؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت) امام زیلعی شرح کنز میں فرماتے ہیں:

لو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز لانه قربة كالتصدق[1] | اگر ان کو دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے (ت)

معلوم ہُوا کہ عین تصدق لازم نہیں، بلکہ قربت ہونا درکار ہے، تصدق بھی اسی لئے مطلوب ہوا کہ قربت ہے، تو جو قربت ہو سب کی وسعت ہے، ہاں بہ نیت تمول اپنے صرف میں لانے کو اس کے دام کرنا جائز نہیں، حدیث:

من باع جلد اضحية فلا اضحية له۔ رواہ الحاکم[2] والبیہقی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ | جس نے قربانی کی کھال فروخت کی تو اس کی قربانی نہ ہوئی۔ اس کو حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

کا یہی محل ہے، اور حدیث صحیحین میں مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اپنے شتران قربانی حج کی نسبت حکم فرمانا کہ ان کا گوشت پوست تصدق کردیں[3]۔ جواز تصدق کی دلیل ہے نہ کہ تعیین تصدق کی، ورنہ اکل و اذخار بھی ممنوع ہوجائے حالانکہ بالاجماع جائز و منصوص ہے، وہ واقعۂ حال ہے، اور وقائع حال کے لئے عموم نہیں، اسی حدیث میں ان کی نکیلیں اور جھولیں تصدق کر دینے کا بھی حکم ہے تو یہ جواد کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بخشش تھی نہ کہ عام تشریع، ہاں جس نے تمول کے لئے بیچی وہ ان داموں کو تصدق ہی کرے کہ اول ان کا حصول بروجہ خبیث ہے، اور جو مال یُوں حاصل ہو اس کی سبیل تصدق ہے، عبارتِ ہدایہ کا یہی مطلب ہے، خود ہدایہ میں فرمایا:

المعنى فيه انه تصرف على قصد التمول[4] | وجہ یہ ہے کہ اس نے مال بنانے کی غرض سے تصرف کیا۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق | کتاب الاضحیۃ | المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر | ۶/۹
[2] المستدرک للحاکم | کتاب التفسیر | دارالفکر بیروت | ۲/۳۹۰
[3] صحیح البخاری | کتاب المناسک باب یتصدق بجلود الہدی | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۱/۲۳۲
[4] الہدایۃ | کتاب الاضحیۃ | مطبع یوسفی لکھنؤ | ۴/۴۴۸

اس مسئلہ کی تحقیق تام مع ازاحتِ اوہام فقیر کے رسالہ الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۸: از جیت پور کاٹھیاواڑ مرسلہ مولوی نور محمد عرف باوامیاں بن قاضی محمد ہاشم امام مسجد جامع جیت پور ۳ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

بخدمت اقدس عالی جناب فیضمآب اعلم اہلسنت وجماعت مجدد مائۃ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ اعلحضرت مولانا مولوی مفتی حاجی شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ برکاتکم و مد فیوضاتکم علینا آمین، از جانب احقر العباد نور محمد بن قاضی محمد ہاشم کے، بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے گزارش یہ ہے کہ قربانی کے چمڑوں کو یہاں کے مسلمان اپنے اپنے محلہ کی مسجد میں للہ خیرات دیتے ہیں اور متولیانِ مسجد ان کو بیچ کر قیمت جمع رکھتے ہیں، اور حسبِ ضرورت امام کا پگار اس رقم میں سے دیتے ہیں۔

پس یہ قربانی کے چمڑوں کا مسجد میں خیرات دینا اور اس پیسوں کا امام کو دینا یا دوسرے ضروری خرچ مسجد ڈول رسّی وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

قربانی کے چمڑوں کو للہ مسجد میں دے دینا کہ انھیں یا ان کی قیمت کو متولی یا منتظمانِ مسجد، مسجد کے کاموں مثلاً ڈول، رسّی، چراغ، بتّی، فرش، مرمت، تنخواہِ مؤذن، تنخواہِ امام وغیرہا میں صرف کریں، بلاشبہہ جائز و باعثِ اجر و کارِ ثواب ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے: جاز لانہ قربۃ کالتصدق[1] (جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ ت) اسی طرح ہدایہ و کافی و عالمگیری وغیرہا میں ہے۔

ابوداؤد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: کلوا وادخروا وأتجروا[2] (کھاؤ اور اٹھا رکھو اور وہ کام کرو جس سے ثواب ہو۔ ت) امام اگرچہ غنی ہو اس کی تنخواہ دینے کو متولی یا منتظم ان چمڑوں کو بیچ سکتے ہیں، یا پہلے سے انھوں نے مصارفِ مسجد کے لئے دام رکھے ہیں، تو ان میں سے تنخواہ دے سکتے ہیں۔

فان الجلد قد وصل موضع التقرب وعطاء وظیفۃ امام المسجد ایضا قربۃ،	کیونکہ کھال تقرب کے مقام کو پہنچ گئی، امام مسجد کو وظیفہ دینا بھی قربت ہے اگرچہ غنی کو لینا قربت نہیں

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

وان لم یکن اخذھا قربۃ للغنی بل مباحا علی المفتی بہ، فلم یکن فی معنی البیع بالدراھم لھدیۃ غنی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بلکہ مفتی بہ قول پر مباح ہے تو غنی کو ہدیہ دینے کی غرض سے فروخت کے معنی میں نہ ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۹ و ۲۵۰: مسئولہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلہ پٹھان ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی امام یا مؤذن مسجد کو دینا یا اس کی قیمت فروخت کرکے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر پیش امام تنخواہ پاتے ہیں تو کیا حکم ہے؟ اور جن کی کوئی تنخواہ بھی مقرر نہیں صرف عید کو کچھ بطور ہدیہ چندہ کرکے دے دیا، عید الاضحی کو قربانی کے چرم وغیرہ دے دیئے، یا محلہ میں نکاح خوانی لیں، اسی پر ان کی گزراوقات ہے، تو ایسوں کے واسطے چرم قربانی یا اس کی قیمت دینا کیسا ہے اور کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔ کانجی ہاؤس کے نیلام کی راس اور عدالت سے کسی شخص کے قرضہ کی بابت کے نیلام کی راس قربانی کے واسطے علیحدہ علیحدہ کیا حکم رکھتی ہے؟

الجواب

(۱) امام و مؤذن غیر تنخواہ دار کو بطور اعانت چرم قربانی یا اس کی قیمت دینے میں حرج نہیں، اور تنخواہ دار کو بھی جبکہ تنخواہ میں نہ دیں، یعنی زید نے امام کو نوکر رکھا اور اس کی تنخواہ اس کے ذمہ ہے، یہ قربانی کی کھال بیچ کر اسے ادا کرے تو اپنا روپیہ بچاتا اور اپنا مطالبہ اس سے ادا کرتا ہے، اور یہ تمول ہے اور قربانی سے تمول جائز نہیں، ہاں اگر اہل محلہ نے امام و مؤذن کو مسجد کا نوکر رکھا جس کی تنخواہ ذمہ مسجد ہے تو چرم قربانی یا اس کی قیمت مسجد میں دے کر اس سے تنخواہ ادا کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) کانجی ہاؤس کے نیلام کی راس خریدنا جائز نہیں، نہ اس کی قربانی ہوسکے کہ وہ فضولی کی بیع ہے، یعنی غیر مالک کی بے اجازت مالک، اور ایسی بیع اجازتِ مالک پر موقوف رہتی ہے، اور بیع موقوف قبل اجازت مفید ملک نہیں ہوتی، اور ملکِ غیر کی قربانی نہیں ہوسکتی، اسی طرح کچہری کا نیلام جبکہ قیمت اس مطالبہ سے زائد نہ دی گئی ہو جس میں وہ نیلام ہوا، وہ نیلام بھی بے رضائے مالک ہے، ہاں مثلاً اگر سو روپے کا مطالبہ تھا اور راس سوا ایک کو نیلام ہوا، سو روپے ڈگری دار کو دیئے گئے اور باقی روپیہ اصل مالک کو، اور وہ اس نے لے لیا، تو یہ اس بیع کی اجازت ہوگئی، اب خریدار اس شَے کا مالک ہوجائے گا، اور اس کی قربانی صحیح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۱ تا ۲۵۴: از موضع سٹیلہ ڈاکخانہ سوانہ کلاں ضلع میرٹھ مرسلہ مجید اللہ خاں ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ

حامدًا ومصلیًا، کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسائل ہذا میں:

(۱) کھال قربانی کی اگر ہم لوگ بلارعایت کسی استحقاق خدا کے واسطے خیال کرکے اگر اپنے امام مسجد کو دیں تو جائز ہوگا یا نہیں ؟

(۲) آج ہمارا امام غریب ہے کل کو خدا کے فضل سے صاحبِ نصاب ہوگیا تو کھال قربانی اس صورت میں بھی دینا جائز ہوگا یا نہیں ؟

(۳) سیّد صاحب کو کھال قربانی اور مدِ زکوٰۃ سے مسلوک ہونا جائز ہوگا یا نہیں ؟

(۴) صاحبِ قربانی اپنی قربانی کی کھال کو اپنے صرف میں لا سکتا ہے تو کس کس خرچ میں ؟ ڈول، مصلّی، مشک وغیرہ کے علاوہ تاڑی سائی وغیرہ بھی بنوا سکتا ہے یا نہیں ؟

فیض اللہ خاں، حبیب خاں، جمّو خاں، کالے خاں پسر جنگ باز خاں۔

الجواب

واجب اضحیہ اراقۃ دم سے ادا ہوجاتا ہے، اس کے بعد لحم وجلد اس کی مِلک ہیں، اس میں ہر تصرف مالکانہ کرسکتا ہے صرف تموّل ممنوع ہے، تو کھال بعینہ، خواہ اس کا ڈول، مشک، کتاب کی جلد وغیرہ بنواکر اپنے صرف میں لا سکتا ہے، سیّد کو بھی دے سکتا ہے، ہر غنی کو دے سکتا ہے تو امام نے کیا قصور کیا ہے، عام ازیں کہ صاحبِ نصاب ہو یا نہو، ہاں اُسے داموں سے بیچنا اس غرض سے کہ وہ دام اپنے یا کسی غنی کے صرف میں لائے جائیں، جائز نہیں، وُہ غنی امام ہو یا غیر، یونہی اگر امام اس کا نوکر ہے اور اس کی تنخواہ کے بدلے کھال دی تو نا جائز ہے کہ یہ بھی تموّل ہوا یعنی کھال دے کر مال بچانا، اور اگر کھال اس لئے بیچی کہ اس کے دام تصدق کرے تو امام غیر صاحبِ نصاب کو دے سکتا،

وکل ذٰلک مفصل فی فتاوٰنا و فی رسالتنا الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ۔

یہ تمام ہمارے فتاوٰی اور ہمارے رسالہ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" میں مفصل بیان ہو چکا ہے (ت)

بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، نہ انھیں لینا جائز، نہ ان کے دیے ادا ہو، یہی ظاہر الروایۃ ہے، اور یہی صحیح ہے، کما بیناہ فی رسالتنا "الزھر الباسم فی حرمۃ الزکٰوۃ علی بنی ھاشم" (جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے رسالہ "الزھر الباسم فی حرمۃ الزکٰوۃ علی بنی ہاشم" میں بیان کیا ہے۔ ت) امامت کے معاوضہ میں بھی چرم قربانی دینا ایک صورت میں جائز ہے، وُہ یہ کہ متولیانِ مسجد یا اہل محلہ نے اسی طرح آ مقرر کیا کہ تم امامت کرو قربانی کی کھالوں سے تمہاری خدمت کی جائے گی، یہ صورت بھی صورتِ تموّل نہیں، چرم قربانی جس طرح مذکور ہوا اپنے مصرف میں مطلقاً لاسکتا ہے، رنگوانے کی شرط محض رنگ آمیزی حماقت

ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۵: مرسلہ سید محمد حسن علی قاضی، مہدیوا، علاقہ اندور محلہ جمال پورہ بروز یک شنبہ تاریخ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کیسے شخص کو دینا درست ہے اور جائز ہے، اور اگر قربانی کی کھال صاحبِ نصاب کو دے دیں تو قربانی اس کی جائز ہوئی یا نہیں؟ اگر اگر قربانی کی کھال صاحبِ نصاب کو کہ وُہ پیش امام بھی مسجد کا ہے، دے دی، تو قربانی اس کی درست اور جائز ہُوئی یا نہیں؟ اور اگر قربانی کی کھال مسجد کے پیش امام کا حق سمجھ کر اس کو دے دی جائے یا وہ پیش امام اُن کھالوں کو اپنا حق سمجھ کر بزور لے لے تو ان کھالوں کا اس شخص کو دینا درست اور جائز ہے یا نہیں؟ اور قربانی ان لوگوں کی درست اور جائز ہوئی یا نہیں؟ اگر قربانی کی کھالیں کسی مسجد کی تعمیر کے کام میں لائیں یا ان کو فروخت کرکے مسجد کے جانماز بنوالیں، یا مسجد کے اور کام میں لائیں مثلاً مسجد کا سقاوا بنوالیں یا مسجد میں اس کی قیمت کا پانی ڈلوائیں تاکہ سب نمازی وضو کریں، یا مسجد میں آفتابے بنوائے جائیں تاکہ نمازی وضو کریں، ان سب صورتوں میں قربانی درست اور جائز ہُوئی یا نہیں؟ بحوالہ حدیث و آیاتِ کتبِ معتبرہ تحریر فرمائیں اجر ملے گا دن قیامت کے نزدیک اللہ جل شانہ کے۔

الجواب

قربانی اراقۃِ دم لوجہ اللہ کا نام ہے، واجب اس قدر سے ادا ہوجاتا ہے، پھر اس کے گوشت پوست کے لئے تین صورتیں ارشاد ہوئی ہیں بلعینہٖ اپنے صرف میں لایا جائے، یا وقتِ حاجت کے لئے ذخیرہ رکھا جائے، یا اس سے ثواب کا کام کیا جائے،

کلوا وادخروا واتجروا۔[1] کھاؤ اور اٹھا رکھو اور ہر وہ کام کرو جس سے ثواب ہو۔ (ت)

ثواب میں وُہ مسجد کے سب کام داخل ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے اجزائے اضحیہ سے صرف تمول ممنوع ہے کہ اس کے دام کرکے اپنے کام میں لائے جائیں،

من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ۔[2] جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی اس کی قربانی نہ ہوئی۔ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس ۲/ ۳۳

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

کھال کی جس طرح جانماز یا کتابوں کی جلدیں یا مشکیزہ اپنے لئے بنوا سکتا ہے یونہی کسی غنی کو بھی ہدیہ دے سکتا ہے اگرچہ وہ غنی امام ہو، جبکہ اس کو تنخواہ میں نہ دی جائے، اور اگر تنخواہ میں دے تو امام اگر اس کا نوکر ہے جس کی تنخواہ اسے اپنے مال سے دینی ہوتی ہے تو دینا ناجائز، کہ یہ وہی تموّل ہوا جو ممنوع ہے، اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے جس کی تنخواہ مسجد دیتی ہے تو جائز ہے کہ یہ مسجد میں دے دے اور مسجد کی طرف سے امام کی تنخواہ میں دی جائے، قربانی کی کھالوں میں امام کا کوئی حق نہیں اور اسے جبراً لینا حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[۱]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۶: از کیلاکھیڑا ڈاکخانہ باز پور ضلع نینی تال مرسلہ عبدالمجید خاں صاحب ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

اس علاقہ میں یہ رسم ہے کہ بقرعید کی قربانی کی کھال مسجد کے پیش امام کو دیتے ہیں، یہ جائز ہے یانہیں؟

الجواب

قربانی کی کھال امام مسجد کو دینا جائز ہے اگر وہ فقیر ہو اور بطور صدقہ دیں، یا غنی ہو، اور بطور ہدیہ دیں، لیکن اگر اس کی اُجرت اور تنخواہ میں دیں تو اس کی دو صورتیں ہیں: اگر وہ اپنا نوکر ہے تو اس کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں، اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے اور کھال مہتمم مسجد کو مسجد کے لئے دے دی اس نے مسجد کی طرف امام کی تنخواہ میں دے دی تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۷: محمد عبدالحافظ صاحب، میمن سنگھی مدرس مدرسہ یاکد سرپوست لکھیا ضلع میمن سنگھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی جلد سے مسجد بنانا اور مسجد کے چُونا لگانا اور مرمت کرنا اور چٹائی وفرش خریدنا جائز ہے یانہیں؟ بدلائل کتب صافیہ وعباراتِ صحیحہ سے بیان فرمایا جائے، فقط۔

الجواب

جائز ہے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا[۲]۔ رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الہذلی رضی اللہ کھاؤ اور اٹھا رکھو اور ثواب کے کاموں میں خرچ کرو (اسے ابوداؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ

---

[۱] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[۲] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

تعالٰی عنہ۔

(تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

تبیین الحقائق و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

لوباعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق۔[1]

اگر دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کا صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے (ت)

ثابت ہُوا کہ خاص تصدق ضرور نہیں بلکہ ہر قربت، ہاں اس سے اپنا تموّل ممنوع ہے کہ اپنے خرچ کے لئے روپوں یا کسی ایسی ہی چیز سے بدلے جو خرچ ہوجاتی ہے۔ بنایہ شرح ہدایہ للامام العینی میں ہے:

المعنی فی عدم اشتراء مالا ینتفع بہ الا بعد استھلاکہ انہ تصرف علی قصد التمول، وھو قد خرج عن جھۃ التمول۔[2]

کھال کے بدلے ایسی چیز نہ خریدنا جس کو ہلاک کرنے کے بعد انتفاع حاصل کی ممانعت کا مطلب مال حاصل کرنے کی غرض سے تصرف مراد ہے جبکہ اس صورت میں تمول کی جہت خارج ہوگیا (ت)

ظاہر ہے کہ مسجد میں صرف کرنا تمول سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا بلکہ تصرفؑ باطل ہے، کوئی ذی شعور ایسا نہیں کہہ سکتا، نہ کہ ذی علم۔ اُن مدعیوں پر فرض ہے کہ اوّلاً شرع مطہر سے اس کا ثبوت دیں کہ جس مسجد کی مرمت پوست قربانی سے ہوئی ہو اس میں نماز ناجائز ہے، جب وہ ثبوت دینے کا ارادہ کریں گے اُن پر کھل جائے گا کہ ان کی دونوں باتیں محض بے اصل و باطل تھیں، اُن پر توبہ فرض ہے کہ شرع مطہر پر افترا بہت سخت چیز ہے، اللہ تعالٰی ہمارے بھائیوں کو توفیقِ خیر دے، آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۸ تا ۲۶۴ از رنگون مگول اسٹریٹ، یونانی ڈسپنسری (یونانی شفاخانہ) مرسلہ حکیم محمد ابراہیم راندیری ۲۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

اس بستی میں دستور ہے کہ قربانی کی کھالیں مسجد کے پیش امام کو دے دیتے ہیں، اگر نہ دی جائے تو جھگڑا بھی ہوتا ہے اور پیش امام صاحب بھی یوں فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھالوں کا میں حقدار ہُوں، ضرور مجھے دی جائیں، اور اہل جماعت یُوں کہتے ہیں کہ پیش امام صاحب کو قربانی کی کھالیں تبرعًا دینا جائز ہیں نہ کہ جبرًا،

ؑ فی الاصل ھکذا ولعلہ من قلم الناسخ والصحیح بلکہ اس کو تمول کہنا تصرف باطل ہے ۱۲ عبدالمنان الاعظمی

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[2] البنایۃ فی شرح الہدایۃ " المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۱۹۰

جب تبرعاً دینا جائز ہے تو کچھ حصہ قیمت چرم قربانی کا امام صاحب کو دینگے ، اور کچھ حصہ دیگر مساکین کو دیا جائے تو زیادہ افضل ہے ، پس اختلاف طرفین کی جانب سے ایک مولوی صاحب منصف قرار دیئے ، منصف مولوی صاحب نے یوں حکم دیا کہ قربانی کی کھال سب کی سب مسجد کے پیش امام صاحب کو دے دو اور کسی دیگر مساکین کو نہ دو ، اس واسطے کہ وہ لوگ تمھاری حیات و ممات کے حقدار نہیں ، اور پیش امام صاحب پر جبراً لینے سے بھی گناہ نہیں ، اور گناہ واقع ہو تو میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ حشر کے دن اُس گناہ کی جزا سزا میں نے لی ، تم لوگ بے خوف قربانی کے سب چمڑے پیش امام صاحب کو دے دو۔

حاضرین محفل میں سے کسی صاحب نے ان مولوی صاحب سے یہ عرض کیا کہ میں نے ایک گائے کی قربانی کی ، اور دو مسکینوں نے ایک ساتھ چمڑا مانگا اُن کو دیا جائے یا نہیں ؟

مولوی صاحب نے جواب دیا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا چمڑہ دو مسکینوں کو دینا مکروہ و منع ہے ، اُس نے پھر کہا کہ دوسرا مسکین بھی تو سائل ہے ، مولوی صاحب نے کہا کہ دوسرے سائل کا سوال اُس کی ڈبر میں جانے دو۔

اب سوال یہ ہے کہ :

(۱) اس طرح جبراً قربانی کی کھال پیش امام کو لینا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) اگر جبراً لے لیا تو اس پیش امام کے حق میں حکم شرعی کیا ہے ؟

(۳) اور اسی طرح جو شخص جبراً لینے والے کی مدد کرے ، اس مددگار کے حق میں کیا حکم ہے ؟

(۴) اگر کوئی شخص اس خیال سے کہ امام صاحب کو تنخواہ ملتی ہے ، قربانی کی کھال نہ دے تو اس شخص پر امام صاحب کو حاضرین مجلس کے ساتھ غضب خدا پڑنے کی بددعا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۵) اُس منصف مولوی صاحب کے حق میں جس نے حشر کے دن مواخذۂ خداوندی کی ضمانت لے لی ہے ، کیا حکم ہے ، نیز منصف مولوی صاحب ایک مسجد کے پیش امام ہیں ، اُن کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

(۶) جو شخص حق کو باطل کرے اس کے حق میں حکم شرعی کیا ہے ؟

(۷) ایک کھال کئی مسکینوں کو صدقہ دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

اس شخص نے جھوٹ کہا کہ قربانی کی کھالیں اُس کا حق ہیں ، شریعت مطہرہ نے کھالوں میں اتنے اختیار دئے ہیں ، وہ صورت کرے کہ بعینہٖ ان کو باقی رکھ کر استعمال میں لائی جائیں ، مثلاً مشک یا

ڈول یا کتابوں کی جلدیں بنوالے، یا کسی ایسی ہی چیز سے جو باقی رکھی جاتی ہے بدل لے، مثلاً اُن کے بدلے برتن یا کتاب خرید لے، یا بعینہ کھال اپنے عزیزوں، قریبوں خواہ کسی غنی کو دے دے، یا مسجد یا مدرسہ دینی میں دے دی جائے، یا اُسے تقرب الی اللہ کے لئے بیچ کر اُس کے دام فقرا رمساکین طلبہ وغیرہم مصارفِ خیر کو دیئے جائیں، خواہ ایک کو یا سَو کو، یہ جو اس شخص نے کہا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا ایک چمڑا دو کو دینا منع ہے، محض جھوٹ کہا، اور شریعتِ مطہرہ پر افترا کیا، اور اس کا یہ کہنا کہ پیش امام کو جبراً لینے سے بھی گناہ نہیں، شریعت پر اس کا دوسرا افترا اور ظلم کو جائز کرنا ہے، اور اس پر وہ سخت جرأت کہ اُس پر جو سزا ہو وُہ اپنے ذمہ لی، عذابِ الٰہی کو ہلکا سمجھا اور معاذ اللہ کلمۂ کفر ہے، اس کی امامت جائز نہیں، اور یہ پیش امام اگر کھالیں لینے پر جبر کرے اور اس سے باز نہ رہے تو یہ بھی فاسق معلن ہے، اور اس کا امام بنانا گناہ، اور اس جبراً لینے میں جو اس کی مدد کرے وہ سخت شدید گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، حدیث میں ہے:

من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام[1] جو دانستہ ظالم کی مدد کو چلا وہ اسلام سے نکل گیا۔ (ت)

اور جو شخص امام کو کھال نہیں دیتے خواہ وُہ تنخواہ پاتا ہو یا نہ پاتا ہو، اس میں ان پر کوئی شرعی الزام نہیں کہ امام کو دینا شرع نے واجب نہ کیا تھا، نہ کھال امام کا حق تھی کہ اس کی حق تلفی ہوتی، اس پر جو امام نے اُس مسلمان کو وُہ سخت بددعا دی کہ "وہ خود ہی مستحقِ غضب ہوا، العیاذ باللہ تعالٰی کہ اس نے مسلمان کو ناحق ایذا دی، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ[2] جس نے بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ (ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۵ تا ۲۶۹: از سنبھل محلہ رحمٰن سرائے مرسلہ احمد خاں صاحب ۹ رجادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) قربانی کے جانور کی کھال کے دام صاحبِ قربانی اپنے صرف میں لائے یا نہیں؟ اور (۲) قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کرے؟ اور (۳) قربانی کے چمڑے کو بھی پیش امام دے یا نہیں؟

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/۲۲۷

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/۳۷۳

اور مسجد میں صرف کرے یا مدرسۂ علم قرآن وحدیث میں؟ اور سری قربانی کی حجام اپنا حق سمجھ کر لے تو دے یا نہیں؟

الجواب

قربانی کی کھال کے دام صاحبِ قربانی اپنے صرف میں نہیں لاسکتا۔ حدیث میں ہے:

من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ[1] جو اپنی قربانی کی کھال بیچے اس کی قربانی نہ ہوئی۔

مستحب یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کرے، ایک حصہ اپنا، ایک احباب کا، ایک مساکین کا۔

پیش امام کا اس میں کوئی حق نہیں، دو تو اختیار ہے، لیکن اگر وہ اس کا نوکر ہے تو تنخواہ میں نہیں دے سکتا، مسجد اور مدرسہ وغیرہ دونوں میں صرف کرنا جائز۔ حجام کا اس میں کوئی حق نہیں، دینے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۷: از موضع میونڈی بزرگ ضلع بریلی مسئولہ سید امیر عالم حسین صاحب ۲۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ قیمتِ جلودِ قربانی مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ فرش وچھت میں لگانا درست نہیں، یعنی جس جگہ سجدہ کیا جائے وہ جگہ قیمت جلودِ قربانی سے نہ بنائی جائے کہ وہ قیمتِ صدقہ ہے اس جگہ سجدہ کرنا حرام ہے، ہاں اس قیمت سے حدودِ دیوارِ مسجد یا غسلخانہ وغیرہ بنایا جائے تو درست ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ کنواں وغیرہ بنوادیا جائے تو کچھ حرج نہیں خواہ مسجد میں ہو یا اور کہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ کنواں بھی نہ بنایا جائے کہ وہ قیمت صدقات سے ہے کہ اس کے پانی سے وضو جائز نہ ہوگا اور نہ اس کا پانی پینے کے قابل ہوگا، تو جناب قبلہ سے امیدوار ہیں کہ اس کا ثبوت غلامان کو کیوں نہ دیا جائے کہ قیمتِ جلودِ قربانی کس کام میں صرف کی جائے، آیا مسجد یا کنویں وغیرہ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر قربانی کی کھال مسجد میں دے دی تو متولی کو اختیار ہے کہ اُسے مسجد کے جس صرف میں چاہے صرف کرے، اور اگر مسجد میں دینے کی نیت سے خود اس کے دام کیے تو وہ دام بھی مسجد کے ہر کام میں صرف ہوسکتے ہیں، ہاں اگر اپنے خرچ لانے کی بدنیت سے کھال بیچے تو یہ دام خبیث ہیں، مسجد میں نہ دے، نہ مسجد کے کسی کام میں صرف ہوں، بلکہ فقیر مسلمان پر صدقہ کیے جائیں وتحقیق المسئلۃ فی رسالتنا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" (اس مسئلہ کی تحقیق ہمارے رسالہ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ"

---

[1] المستدرک کتاب التفسیر دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۱: ازجزمیرہ ضلع فریدپور ڈاک خانہ خاص مرسلہ مولوی مفیض الدین صاحب قاضی ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

ماقولکم ونفع المسلمین بعلومکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں کہ تعمیر مسجد از چرم اضحیہ جائز ست یا نہ، وتصدق بچرم اضحیہ از قبیل تطوعات ست یا از واجبات، ودر ادائے صدقہ واجبہ تملیک مشروط ست، ہکذا در ادائے صدقہ نافلہ تملیک مشروط است یا نہ؟

آپ کا کیا ارشاد ہے اور اللہ تعالٰی آپ کے علوم سے مسلمانوں کو نفع دے، اس مسئلہ میں کہ قربانی کے چرم سے مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟ قربانی کے چرم کا صدقہ واجب ہے یا نفل؟ اور صدقہ واجبہ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے کیا نفلی صدقہ کی ادائیگی میں بھی تملیک شرط ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب

صدقہ باطلاق عام درگرو تملیک نیست کما نطقت بہ الاحادیث الکثیرۃ وحققناہ فی فتاوٰنا منہا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما اطعمت زوجتک فہو لک صدقۃ، وما اطعمت ولدک فہو لک صدقۃ، وما اطعمت خادمک فہو لک صدقۃ[1] بلکہ کفارہ صوم وظہار و یمین خود واجب ست، وشک نیست کہ از قسم صدقہ است، ولہذا غنی را روا نیست، معہذا تملیک لازم نکردہ اند، اباحت دارد کما نصوا علیہ قاطبۃ بر چرم اضحیہ راسًا ہیچ وظیفہ از شرع معین نیست، روا ست کہ باستعمال خود دارد یا بغنی ہدیہ کند، پس اولٰی

مطلق صدقہ تملیک کا پابند نہیں ہے جیسا کہ کثیر احادیث اس پر ناطق ہیں اور اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے، ایک حدیث یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: جو تو نے اپنی بیوی کو کھلایا صدقہ ہے اور جو تو نے اپنی اولاد کو کھلایا ہے وہ تیرا صدقہ ہے اور جو تو نے اپنے خادم کو کھلایا ہے وہ تیرا صدقہ ہے۔ بلکہ کفارہ صوم، ظہار اور قسم واجب ہے، اور شک نہیں کہ از قسم صدقہ ہے اسی لئے غنی کو کھانا جائز نہیں اس کے باوجود تملیک لازمی نہیں ہے بطور اباحت دینا جائز ہے جیسا کہ تمام فقہاء نے اس پر نص فرمائی ہے چرم قربانی پر تو کوئی شرعی حکم معین نہیں ہے خود استعمال کرنا جائز ہے یا کسی غنی کو ہدیہ کرے تو شرعی مطالبہ کے

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۶۳۲۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۴۱۵

مطالبہ شرعیہ اصلاً صدقہ نیست، نہ واجبہ، نہ نافلہ، نہ عامہ، نہ خاصہ، پس شرط تملیک فقیر زیادت برشرع است، آری اگر بفقیر بخشید صدقہ خاصہ نافلہ شود، وایں معنی موجب آں نبود کہ جزیں کار آنجا ہیچ روا نیست، نہ بینی کہ زرے کہ بہ بنائے مسجد یا تکفین میت صرف کنی، اگر بفقیرے دہی، نیز صدقہ خاصہ نافلہ بود، وایں معنی منع نہ کند از صرف زر در کار خود یا در کار خیر، بلکہ آنجا خود مطالبہ شرعیہ بود کہ بنائے مسجد بمحل حاجت، وتکفین میت، ہر دو واجب ست، وبصرف اضحیہ یا چرم او بکار دگر اصلاً مطالبہ نیست تا گویند کہ مطلوب شرع صدقہ اوہست مصرف صدقہ جز محل تملیک نباشد بہ صدقہ اش زنہار از شرع مطالبہ نیست، بلکہ ایں جا سہ کار فرمودہ اند کلوا وادخروا وائتجروا خورید، و برائے حاجت بردارید، وبکار ثواب صرف کنید، رواہ ابوداؤد[1] عن نبیشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ایں سوم خود جمیع مبرات ومثوبات را شامل ست، تعمیر مسجد نیز ازاں ست، پس بالیقین رواست، واللہ تعالٰی اعلم۔

طور پر ہرگز صدقہ نہیں ہے، نہ واجب، نہ ہی نفل، اور نہ عام نہ خاص، پس اس میں تملیک فقیر کی شرط کرنا شرع پر زیادتی ہے، ہاں اگر فقیر کو دے گا تو خاص نفلی صدقہ ہوگا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقیر کے بغیر کسی کے لئے روا نہیں، دیکھئے جو زر آپ نے مسجد کی تعمیر پہ کیا یا میت کے کفن پر خرچ کیا اگر فقیر کو دیتا تو وہ بھی خاص نفلی صدقہ ہوجاتا جبکہ وہ اس چیز کو مانع نہیں کہ آپ خود اپنے صرف میں یا کسی بھی کار خیر میں صرف کریں بلکہ مسجد کی تعمیر ضروری ہو یا کفن دینے کی حاجت ہو تو شرعی مطالبہ ہے اور یہ دونوں واجب ہوجاتے ہیں حالانکہ چرم قربانی کو کسی کام پر خرچ کرنے کا شرعاً کوئی مطالبہ نہیں ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ اس کو صدقہ کرنا شرعاً مطلوب ہے اور اس صدقہ کا مصرف تملیک کے بغیر نہیں ہوسکتا جبکہ شرع نے اس کو صرف کرنے کا کوئی بھی حکم نہیں دیا۔ ابوداؤد نے حضرت نبیشہ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ، ذخیرہ کرو اور اجر کماؤ، یہ تین کام کرنے کا حکم فرمایا جبکہ تیسرا حکم تمام نیکیوں اور ثواب والے مقامات کو شامل ہے اور مسجد کی تعمیر بھی نیکی کا کام ہے لہٰذا اس کا مصرف تعمیر مسجد کے لئے بالیقین جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از ملا محمد اسمٰعیل ابن محمد رمضان در مسجد رنگریزاں پالی تاریخ ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ہم لوگ سب محلہ قربانی کی کھالیں ہمارے محلہ کی مسجد میں دیتے ہیں تاکہ مسجد کی ڈول، رسی وچراغ دبتی میں امداد پہنچے، اور اگر سوائے ہماری مسجد کے اور جگہ اُن

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲

کھال صرف کردے، تو اس کو ہم محلہ سے خارج کر دیتے ہیں، عند الشرع ایسا کرنا کس حکم میں داخل ہے؟

الجواب

مسجد میں چرم قربانی صرف کردینا جائز ہے مگر واجب نہیں، دوسرا اگر اور کسی جائز صرف میں خرچ کرے اُس پر کوئی مواخذہ نہیں، اس بنا پر اُسے محلہ سے خارج کردینا ظلم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۷۳، ۲۷۴ از انبیٹھہ تحصیل نکوڑ ضلع سہارنپور مسئولہ سید مظفر صاحب ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

علمائے ذی شان مسئلہ محررۂ ذیل میں کیا ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) زید پوست قربانی بعینہ مسجد میں دینے کو اور اس کی ضروریات میں خرچ کرنے کو خواہ تنخواہ مؤذن ہو یا دیگر حوائج مسجد، جائز کہتا ہے، اور نیز قربانی کرنے والے کو اپنے استعمال میں لانا، خواہ ڈول بنا کر یا دیگر کسی طریقہ سے شے معتدا پنے لئے تیار کرانے کو شرعاً جو جائز کہا گیا، تو اُسی ڈول کو جو اس نے اپنے استعمال کے لئے تیار کرایا تھا مسجد میں اگر دے دے تو زید مذکور اس کو جائز رکھتا ہے اور عمرو ان دونوں امر کو ناجائز کہتا ہے، اور استدلال ہر دو کا کتب فقہ مثل ہدایہ و شامی کی عبارت سے جیسا کہ عبارت ہدایہ مطبوعہ اصح المطابع صفحہ ۴۴۸ میں ہے:

ویتصدق بجلدھا لانہ جزء منھا او یعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوھا[1] الخ۔

قربانی کی کھال کو صدقہ کیا جائے کیونکہ یہ قربانی کا جز ہے یا اس کو خود کام میں لاکر گھر میں خوان یا تھیلا یا چھلنی وغیرہ بنالے الخ (ت)

زید کہتا ہے جبکہ پوست قربانی کی اشیاء قربانی کرنے والا اپنی ذات کے لئے تیار کرا کر استعمال کرسکتا ہے، تو وہ ان کو مسجد میں دے دے تو کیا حرج ہے، عمرو کہتا ہے کہ صدقۂ فطر کے معنی تملیک بلا عوض ہے، تو مسجد میں پوست قربانی دینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ مسجد تملیک کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی، ایسے ہی شارع علیہ السلام نے پوست قربانی کی اشیاء تیار شدہ کو اپنے نفس کے لئے اپنے گھر میں استعمال کرنے کے لئے حکم فرمایا نہ کہ مسجد میں اُسی شئی کو اپنی طرف سے دے دینے کو۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی گائے وغیرہ کے سینگ کے اوپر کا حصہ نیچے تک ٹوٹا ہو تو ہدایہ میں تو مطلقاً مکسورۃ القرن کو جائز لکھا ہے، اور شامی میں تفصیل اس طرح کہ اگر کسر مخ تک پہنچی تو ناجائز ہے، و نیز مشاش یعنی رؤس عظام تک اگر کسر پہنچے تو ناجائز۔ تو جس جانور کا اوپر والا حصہ نیچے تک

---

[1] الہدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

اُکھڑ گیا وہ جائز ہوگا یا ناجائز ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) زید کا قول صحیح ہے، بیشک اسے امورِ بر وخیر میں صرف کرسکتے ہیں، اور اپنے لئے ایسی چیز جو باقی رکھ کر استعمال کی جائے جیسے ڈول، مشک، کتاب کی جلد وغیرہ بنا سکتے ہیں اور اسے بدرجہ اولٰی مسجد میں دے سکتے ہیں، تصدق جس میں تملیک فقیر ضرور ہے، صدقات واجبہ مثل زکوٰۃ میں ہے ہر صدقہ واجبہ میں بھی نہیں، جیسے کفارۂ صیام وظہار ویمین کہ ان کے طعام میں تملیک فقیر کی حاجت نہیں اباحت بھی کافی ہے، کما فی فتح القدیر[1] وغیرہ عامۃ الکتب (فتح القدیر وغیرہ عام کتب میں جیسا کہ موجود ہے۔ت) چرم قربانی کا تصدق اصلاً واجب نہیں، ایک صدقہ نافلہ ہے، اس میں اشتراطِ تملیک کہاں سے آیا، بلکہ ہر قربت جائز ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا[2] کھاؤ اور ذخیرہ رکھو اور ثواب کا کام کرو۔

کیا مسجد میں دینا ثواب کا کام نہیں، امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں: لانہ قربۃ کالتصدق[3] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت) کیا مسجد میں دینا قربت نہیں، اور عجیب منطق یہ ہے کہ مسجد میں دینا تو جائز نہیں کہ تملیک فقیر نہ ہوگی اور گھر کا اپنے صرف میں رکھنا جائز اس میں تملیک فقیر ہوگئی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) قرن اوپر ہی کے حصے کو کہتے ہیں، جو ظاہر ہوتا ہے وہ اگر کل ٹوٹ گیا حرج نہیں ولہذا ہدایہ میں مکسورۃ القرن کو جائز فرمایا، ہاں اگر اندر سے اس کی جڑ نکل آئی کہ سر میں جگہ خالی ہوگئی، تو ناجائز ہے۔ ردالمحتار کا یہی مفاد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۵: از تلہر ضلع شاہجہانپور محلہ ہندوپٹی مرسلہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۲۰ رمضان ۱۳۳۷ھ

مفتیانِ کرام ذوی الاحترام کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے، زید کہتا ہے کہ جلد قربانی و عقیقہ مسجد و مدرسہ کے صرف میں آسکتی ہے؛ بکر کا قول ہے کسی فقیر کو دی جائے وہ خرچ کرسکتا ہے

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقۃ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[3] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

کیونکہ یہ صدقہ ہے، اور صدقات کی تفصیل کلامِ الٰہی نے فرمادی: انما الصدقات للفقراء[1] الاٰیۃ سورہ توبہ (صدقات خاص کر فقراء کے لئے ہیں۔ ت) اور حکم باری تعالیٰ ہے:

فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ والرسول[2] تو اگر تم کسی معاملہ میں تنازع کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیرو۔ (ت)

لہذا کلام ربانی کی طرف رجوع کی گئی، نیز بکر کا بیان ہے کہ بر تقدیر صحت قول زید اس کا ماخذ کہاں ہے امید کہ مسئلہ کی توضیح مع نقل عبارات فرمائی جائے، فقط۔

الجواب

بیشک ہر منازعت میں اللہ و رسول ہی کی طرف رجوع لازم ہے، مگر ہر ایک کو بلا واسطہ رجوع کی لیاقت کہاں، یہیں دیکھئے آیہ کریمہ میں صدقات سے زکوٰۃ مراد کہ اسی میں ارشاد ہوتا ہے والعاملین علیہا[3] (صدقات پر کام کرنے والوں پر۔ ت) اور بکر نے اسے قربانی وعقیقہ کو شامل کر دیا، یہ بھی نہ دیکھا کہ اس کے گوشت کی نسبت خود قرآن عظیم میں ارشاد ہے، فکلوا منہا[4] اس میں سے خود بھی کھاؤ۔ اب کہاں رہی صدقات کی وہ تفصیل جو اس آیہ کریمہ میں بالحصر ارشاد ہوئی تھی کہ انما الصدقات للفقراء[5] الاٰیۃ (صدقات فقراء کے لئے ہیں الاٰیۃ۔ ت) یہ بھی نہ سمجھا کہ عوام تک اس کو قربانی کہتے ہیں نہ کہ صدقہ، تو ہر کار تقرب اس میں روا لہذا امام زیلعی نے شرح کنز الدقائق میں فرمایا: لانہ قربۃ کالتصدق[6] (کیونکہ صدقہ کی طرح یہ قربت ہے۔ ت)، ہاں ہم نے خاص مسئلہ قربانی میں اللہ عزوجل کی طرف رجوع کی تو اس کا ارشاد پایا،

فکلوا منہا واطعموا البائس الفقیر[7] خود اس میں سے کھاؤ اور ضرورتمند فقیر کو کھلاؤ۔ (ت)

اطعام کے لفظ نے بتایا کہ تصدق ہی واجب نہیں اباحت بھی کافی ہے جو محض ایک قربت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رجوع کی، تو حضور کا ارشاد پایا:

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۰
[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹
[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۰
[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۸ و ۳۶
[5] القرآن الکریم ۹/ ۶۰
[6] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹
[7] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۸

فکلوا وادخروا واتجروا[1]۔ رواہ ابوداؤد وغیرہ عن نبیشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کھاؤ اور ذخیرہ رکھو اور ثواب کا کام کرو۔ اسے ابوداؤد وغیرہ نے حضرت نبیشہ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

مسجد و مدرسہ وغیرہ اہلسنت میں دینا بھی ثواب کا کام مثل اطعام، اور اسی ائتجروا کے حکم میں داخل ہے، ہاں اگر کوئی شخص اس کی جلد اپنے صرف میں لانے کی نیت سے روپوں پیسوں کو بیچے تو بیشک قیمت اس کے حق میں خبیث ہوگی،

لانہ جزء من التمول کما نصوا علیہ وفی حدیث المستدرک من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ[2]۔

کیونکہ یہ مالداری کا جزء ہے جیسا کہ انھوں نے نص فرمائی ہے، اور مستدرک کی حدیث میں ہے: جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی تو اس کی قربانی نہیں۔ (ت)

وہ قیمت نہ مسجد میں دے نہ مدرسہ میں فان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب[3] (اللہ تعالٰی طیب ہے وہ صرف طیب کو قبول فرماتا ہے۔ ت) بلکہ فقراء پر تقسیم اور تصدق کرے کما ھو حکم مال الخبیث (جیسا کہ ناپاک مال کا حکم ہے۔ ت) اور اگر نہ اپنے لئے بلکہ مسجد و مدرسہ یا کسی فقیر ہی کو دینے کیلئے روپوں پیسوں کو بیچے، خود یہ خواہ متولی مسجد و مدرسہ و وکیل فقیر، بہر صورت جائز ہے، اور وہ دام مدرسہ و مسجد میں صرف ہو سکتے ہیں کہ ممنوع تمول ہے نہ کہ تقرب،

وقد مر عن التبیین انہ قربۃ کالتصدق[4] وتمام التحقیق فی رسالتنا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ"۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

تبیین سے گزرا کہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ مکمل تحقیق ہمارے رسالہ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۶ تا ۲۷۹: انجمن اسلامیہ راناوارڈ کاٹھیاوار ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

مجدد مائۃ حاضرہ امام اہلسنت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی! بعد تسلیم

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

[3] مسند امام احمد بن حنبل مسند ابوہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

[4] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

بصد تکریم و قدمبوسی عرض یہ ہے کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) قربانی کے چمڑے کے پیسے جو معلم کہ مدرسہ کی دینی اور دنیاوی تعلیم پر مقرر کئے گئے ہیں آیا ان کو بطور ماہانہ تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۲) قربانی کے چمڑے کے پیسے سے غریب اور تونگر کے بچّوں کو تعلیم دینے کے لئے مدرسہ کیلئے عمارت بنانے کے کام میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں ؟

(۳) قربانی کے چمڑے کی آمد سے عمارت بنا کر اس کا سود یا کرایہ کہ آئے، اس کو بچّوں کی تعلیم میں صرف کرسکتے ہیں یا نہیں ؟

(۴) قربانی کے چمڑے کی آمد سے غریب یا تونگر طلباء کو کتاب دے سکتے ہیں یا نہیں مانند قرآن شریف وغیرہ۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اقول وباللّٰہ التوفیق اغنیاء جو ایامِ نحر میں قربانی کرتے ہیں کہ ابتداءً شرع مطہر نے اُن پر واجب فرمائی اس کی کھال میں یہ احکام ہیں :

(۱) وہ اسے باقی رکھ کر اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں، مثلاً اُن کے مشک، ڈول یا کتابوں کی جلدیں بنوالیں لقولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وادخروا[1] (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ "اور ذخیرہ کرو"۔ ت)

(۲) اپنے استعمال کے لئے اُس سے وہ چیزیں خرید سکتے ہیں جو باقی رکھ کر استعمال ہوتی ہیں، جیسے برتن، کتابیں وغیرہا فان قیام البدل کقیام المبدل منہ (بدل کا قیام مبدل کے قیام کی طرح ہے۔ ت)، درمختار میں ہے :

یتصدق بجلدھا، او یعمل منہ نحو غربال وجراب وقربۃ وسفرۃ ودلو او یبدلہ بما ینتفع بہ باقیا کما مر[2]

کھال کا صدقہ کرے یا خود غربال، تھیلا، مشکیزہ، خوان یا ڈول بنا لے یا ایسی چیز سے تبادلہ کرے جس کو باقی رکھ کر نفع حاصل کرتا رہے، جیسا کہ گزرا۔ (ت)

(۳) اسے اپنے لئے داموں کو نہیں بیچ سکتے، اگر بیچیں تصدق کریں لانہ سبیل ما حصل

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

بوجہ خبیث (خبیث طریقہ سے حاصل شدہ کا یہی حکم ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے :

تصدق بالدراھم فیما لو ابدلہ بھا[1] اگر اسے دراہم سے بدلا تو دراہم کو صدقہ کرے (ت)

یہاں تک کہ اگر داموں کو بیچ چکا ہے کہ اُن داموں سے کوئی چیز ایسی خریدے جس کی خرید جائز تھی، جیسے برتن وغیرہ، تو اب اس کا اختیار نہیں، وُہ دام تصدق ہی کرنے ہوں گے۔ طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے :

قولہ بما ینتفع بعینہ، ظاھرہ انہ لایجوز بیعہ بدراھم ثم یشتری بھا ماذکر[2] قولہ وہ چیز جس کے عین سے نفع حاصل کرے اس کا ظاہر یہ ہے کہ کھال کو دراہم کے عوض فروخت کرکے پھر دراہم کے ساتھ کوئی چیز خریدنا جن کو ذکر کیا، جائز نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے :

ویفیدہ ما نذکرہ عن البدائع[3] اس کا فائدہ دے گا جو ہم بدائع کے حوالہ سے ذکر کرینگے۔(ت)

(۴) یوں ہی اپنے لئے کسی ایسی چیز سے بدلیں جو خرچ ہو کر کام میں آتی ہے، جیسے کھانے پینے کی چیزیں، یہ ناجائز ہے، اور اُن کی قیمت تصدق کرنی ہوگی۔ درمختار میں عبارت مذکورہ ہے :

لا بمستھلك كخلّ و لحم و نحوہ کدراھم فان بیع اللحم او الجلد بہ ای بمستھلك او بدراھم تصدق بثمنہ[4] ہلاک ہونے والی چیز کے عوض نہیں جیسے سرکہ، گوشت وغیرہ مثلاً دراھم، تو اگر گوشت یا کھال کو ایسی ہلاک ہونے والی چیز یا دراھم کے عوض فروخت کیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔(ت)

(۵) اسے باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیز سے بدل کر اسے کرائے پر نہیں دے سکتے، مثلاً کھال کی مشک بنائی یا اس سے کوئی برتن خریدا، اور اس مشک یا برتن کو کرایہ پر دیا، یہ ناجائز ہے، اس کرائے کو تصدق کرنا ہوگا۔ درمختار میں ہے :

---

[1] ردالمحتار　کتاب الاضحیۃ　داراحیاء التراث العربی بیروت　۵/ ۲۰۹
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار　کتاب الاضحیۃ　دارالمعرفۃ بیروت　۴/ ۱۶۲
[3] ردالمحتار　"　داراحیاء التراث العربی بیروت　۵/ ۲۰۱
[4] درمختار　"　مطبع مجتبائی دہلی　۲/ ۲۳۴

لایؤجرها فان فعل تصدق بالاجرۃ[1] نہ اجرت پر دے اگر اجرت لی تو صدقہ کر دے (ت)

حاوی الفتاوی، فتاوی ظہیریہ، پھر درمنتقی، پھر ردالمحتار میں ہے:

لوعمل الجلد جرابا و اجرہ لم یجز، وعلیہ التصدق بالاجرۃ[2] اگر کھال کو تھیلا بنایا اور اجرت پر دیا تو اجرت کو صدقہ کرے، اجرت لینا جائز نہیں۔ (ت)

(۶) اپنے اوپر کسی آتے ہوئے کے بدلے میں، مثلاً نوکر کی تنخواہ یا کسی کام کی اجرت میں نہیں دے سکتے فانہ ایضا فی معنی البیع للتمول (کیونکہ یہ بھی تمول کے معنی میں ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

لایعطی اجر الجزار منہا لانہ کبیع[3] قصاب کو اجرت میں نہ دے کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے۔ (ت)

کفایہ، پھر ردالمحتار میں ہے:

لان کلا منہما معاوضۃ لانہ انما یعطی الجزار بمقابلۃ جزرہ، والبیع مکروہ فکذا ما فی معناہ[4] کیونکہ یہ دونوں معاوضہ ہیں کیونکہ قصاب کو اس کی مزدوری کے عوض دے گا، اور بیع مکروہ ہے تو اس کا ہم معنی بھی مکروہ ہے۔ (ت)

(۷) یونہی اپنی زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو نہیں دے سکتے لانہ ایضا معنی البیع بالدراھم (کیونکہ یہ بھی دراہم کے بدلے بیع کے معنی میں ہے۔ ت) اور اگر دیں گے فقیر اس کا مالک ہو جائیگا اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ قنیہ پھر شرح نقایہ قہستانی پھر ابن عابدین علی الدر میں ہے:

اذا دفع اللحم الی فقیر بنیۃ الزکوۃ لایحسب عنہا فی ظاھر الروایۃ[5] جب فقیر کو زکوٰۃ کی نیت سے گوشت دے تو ظاہر الروایۃ میں زکوٰۃ نہ ہوگی۔ (ت)

(۸) فقراء کو دینے کی نیت سے داموں کو بھی بیچ سکتے ہیں کہ یہ اپنے لئے تمول نہیں، تبیین الحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] درمختار	کتاب الاضحیۃ	مطبع مجتبائی دہلی	۲/۲۳۴
[2] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۵/۲۰۹
[3] درمختار	"	مطبع مجتبائی دہلی	۲/۲۳۴
[4] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۵/۲۰۹
[5] ردالمحتار	"	" " "	۵/۲۰۹

لایبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علی نفسه وعیاله، ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق۔[1]

دراہم کے عوض اپنے یا اپنے عیال پر خرچ کرنے کے لئے فروخت نہ کرے اگر دراہم کے عوض فروخت کیا دراہم کو صدقہ کرنے کے لئے، تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ (ت)

(۹) غنی کو ہبہ کرسکتے ہیں کہ وہ اپنا تمول نہیں، پھر اس غنی کو اختیار ہے چاہے داموں کو بیچ کر اپنے خرچ میں لائے چاہے کسی کی اجرت یا تنخواہ میں دے چاہے اپنی زکوٰۃ میں دے، اور اس کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی کہ اب حکم اضحیہ منقطع ہوگیا، وہ اس کی ملک ہے جو چاہے کرے،

لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم هو لها صدقة ولنا هدیة۔[2]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ اس کے لئے صدقہ اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ (ت)

قنیہ پھر جامع الرموز پھر ردالمحتار میں لعبارت مذکورہ ہے،

لکن اذا دفع لغنی ثم دفع الیه بنیتها یحسب اه ای دفع الموهوب له بنیة الزکوٰۃ جاز واجزأ۔[3]

لیکن اگر غنی کو دیا اور غنی نے اپنی زکوٰۃ میں دیا تو زکوٰۃ شمار ہوگی، یعنی موہوب لہ اپنی زکوٰۃ کی نیت سے دے تو جائز ہے۔ (ت)

(۱۰) مسجد میں دے سکتے ہیں،

لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وائتجروا۔[4] رواه ابوداؤد عن نبیشة الهذلی رضی اللہ تعالٰی عنه۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی بنا پر کہ اجر کماؤ۔ اس کو ابوداؤد نے حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

پھر مہتممانِ مسجد کو اختیار ہے کہ اسے بیچ کر مسجد کے جس کام میں چاہیں لائیں اگرچہ امام یا مؤذن یا فراش کی تنخواہ میں،

لانه صار ملك المسجد کمسألة الغنی المذکور فانقطع حکم الاضحیة۔

کیونکہ مسجد کی ملک ہوگئی جس طرح غنی والا مذکور مسئلہ، تو قربانی کا حکم ختم ہوگیا۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ ۹/۶ و فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب السادس ۵/۳۰۱

[2] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ علٰی موالی ازواج النبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۰۲

[3] ردالمحتار باب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۰۹

[4] سنن ابی داؤد کتاب الاضحیۃ باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۳

واقعات امام حسام الدین پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

ویمکن تصحیحه تملیکا بالھبة للمسجد واثبات الملك للمسجد علی ھذا الوجه صحیح، فیتم بالقبض[1]

ہبہ کے طور تملیک کی صحت مسجد کے لئے ممکن ہے اور اس طریقہ سے مسجد کی ملکیت ثابت کرنا صحیح ہے تو ہبہ قبضہ سے تام ہوجائیگا۔ (ت)

فتاوٰی عتابیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

یصح بطریق التملیك اذا سلمه للقیم[2]

جب منتظم کو سونپ دیا تو تملیک کا طریقہ صحیح ہوگیا۔ (ت)

(۱۱) یونہی ہر قربت کے کام میں صرف کرسکتے ہیں، جیسے مدرسہ دینیہ کی اعانت،

لاطلاق عموم قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم واتجروا[3]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کہ "ثواب کماؤ" کے اطلاق کی بناء پر۔ (ت)

امام زیلعی سے گزرا، لانه قربة کالتصدق[4] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ ت)

(۱۲) اس کار قربت مثل مسجد یا مدرسہ دینیہ یا تعلیم یتیماں میں صرف کرنے کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ خود اسی نیت سے بیچ کر اس کار خیر میں صرف کرنے والوں کو دے دیں،

لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[5]، وتقدم فرق الامام فخرالدین بین ما اذا باع بالدراھم لینفقھا علی نفسه وعیاله واما اذا باعھا لاجل الفقراء۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کہ "عمل صرف نیت سے اور ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق ملا۔ اور امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ تعالٰی کا بیان کردہ گزرا کہ اپنے اور اپنی عیال کے لئے دراہم کے عوض فروخت میں فقراء کے لئے فروخت میں فرق ہے۔ (ت)

جب یہ احکام معلوم ہولئے، بعونہٖ تعالٰی سوال کی چاروں صورتوں کا حکم واضح ہوگیا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الواقعات الحسامیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

[2] " " " الفتاوی العتابیہ " " " ۲/ ۴۶۰

[3] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[4] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

[5] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

(۱) مدرسہ دنیوی میں نہ دیں کہ وہ قربت نہیں، اور مُدرّسانِ مدرسہ دینی اگر اس کے نوکر ہیں جن کی تنخواہ اس پر واجب ہوتی ہے اس میں نہیں دے سکتا کہ یہ اس پر آتا ہے، ورنہ مہتمم مدرسہ کو دیدے وہ تنخواہ میں دے، یا جس کار دینی مدرسہ دینیہ میں چاہے صرف کرے۔

(۲) مدرسہ دینیہ کی عمارت میں خرچ کرسکتا ہے کہ قربت ہے۔

(۳) لا الٰہ الا اللہ سُود حرام قطعی ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ سُود کھانا ستّر بار اپنی ماں سے زنا کرنے سے بدتر ہے[۱]۔ ہاں جو عمارت کارِ خیر مثل تعلیم علمِ دین کے لئے وقف کریں کہ اس کے کرایہ سے وہ کارِ خیر جاری ہو، اس کی تعمیر میں صرف کرسکتا ہے۔

(۴) اسے کتابوں سے بدل کر طلبہ کو دے سکتے ہیں، اگرچہ وہ طلبہ غنی ہوں کہ کتاب باقی رہ کر کام آتی ہے اور ایسی چیز کے عوض اپنے لئے بیچنا جائز ہے، طلبہ کے لئے بدرجۂ اولٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸: مرسلہ حافظ محمود حسین صاحب مدرس تلمیذ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی
ہفتم ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت پوست قربانی کو تنخواہِ مدرسین میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جو مدرسہ تعلیم علومِ دینیہ کے لئے چندہ سے مقرر ہوا اس میں قربانی کی کھال خواہ بیچ کر اس کی قیمت بھیجنا کہ مصارف مدرسہ مثل تنخواہ مدرسین و خوراکِ طلباء وغیرہ میں صرف کی جائے، مذہبِ صحیح پر جائز ہے کہ ایسے مدارس کی اعانت قربت ہے، اور قربات میں صرف کرنے کے لئے گوشت پوستِ قربانی بیچنے کی مطلقاً اجازت ہے،

فی الھندیۃ لایبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ، واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح، ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق، کذا فی التبیین

ہندیہ میں ہے کہ اپنے اور اپنے عیال پر دراہم خرچ کرنے کے لئے فروخت نہ کرے اور گوشت بمنزلہ کھال ہے صحیح قول میں، اور دراہم فقیر کو صدقہ کرنے کی غرض سے فروخت کیا تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ یوں تبیین،

---

[۱] شعب الایمان حدیث ۵۵۲۰ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/۳۹۳

وھکذا فی الھدایۃ والکافی[1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ہدایہ اور کافی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۱: ازبہار، محلہ کندی گڈ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مالِ زکوٰۃ و چرمِ قربانی سے اعانت مدرسہ کی کی جائے یا نہیں، مصارفِ مدرسہ میں تنخواہ مدرسین کے لئے اور وہ اپنی اُجرت لیتا ہے، اور یہ امر ظاہر ہے کہ اجرت میں مالِ زکوٰۃ یا چرمِ قربانی دینا جائز نہیں۔

الجواب

زکوٰۃ میں تملیک بلاعوض بہ نیت زکوٰۃ درکار ہے، بے اس کے اور وجوہ تقرب مثل مسجد و مدرسہ و تکفین موتٰی وغیرہا میں اس کا صرف کافی نہیں، ہاں مثلاً جو طلبۂ علم مصرف ہوں، انھیں نقد یا کپڑے یا کتابیں بروجہ مذکور دے کر اعانت مدرسہ ممکن، کما یظھر من الدر وغیرہ (جیسا کہ در وغیرہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ت) چرمِ قربانی میں تصدق بمعنی مسطور اصلاً ضرور نہیں۔

منسک متوسط میں ہے: لایجب التصدق بہ[2] (اس کا صدقہ واجب نہیں۔ ت)

مسلک متقسط میں ہے: لابکلہ ولا ببعضہ[3] (نہ کل نہ بعض۔ ت) مطلق تقرب روا ہے۔ حدیث میں ہے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

واتجروا[4]۔ رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ ثواب میں خرچ کرو۔ اس کو ابوداؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا (ت)

امام زیلعی نے شرح کنز میں فرمایا: لانہ قربۃ کالتصدق[5] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ ت) ظاہر ہے کہ مدارس دینیہ بھی وجوہ قربت و اتجار سے ہیں، اور وہ تنخواہ حق مدرس میں اجرت ہونا حق

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب الہدایا دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

[3] " " " " " " " " " ص ۳۱۲

[4] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[5] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

معطی لاعانۃ علم الدین ہیں قربت ہونے کے منافی نہیں، جیسے سقائے سقایہ و مؤذنِ مسجد کی اُجرت'

وقد فصلنا القول فیہا فی فتاونا فی المسئلۃ رسالۃ کافلۃ کافیۃ سمیتہا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ"۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ کافلہ کافیہ جس کا نام ہم نے "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" رکھا، میں بیان کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸۲ از طالب پور ضلع مرشد آباد کوٹھی راجہ صاحب مرسلہ محمد جان صاحب محمد ۶ رمضان مبارک

چہ مے فرمایند علمائے شریعت غرا اندریں مسئلہ کہ اگر چرم اضاحی بمتولیان مدارس دینیہ تملیکاً دادہ شود و ایشاں لصوابدید خود یا باشارۃ استشارۃ دہندگاں چرم اورا درضروریات مدرسہ صرف نمایند سخے از جواز دارد یا نہ؟ بیّنوا توجروا۔

روشن شریعت کے علماء کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں اگر چرمِ قربانی مدارس کے متولیوں کو تملیک کر دی جائیں اور وہ اپنی صوابدید پر یا دینے والوں کے مشورہ سے مدرسہ کی ضروریات میں صرف کریں تو جواز کی صورت ہے یا نہیں۔ بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب

درجواز بعد اراقۃِ دم و اقامت قربت صورت مذکورہ جائے سخن نیست، متولیان اگر فقراء باشند ایں تملیک تصدق باشد ورنہ ہدیہ، وہیچ یک ازینہا در اجزائے اضحیہ ممنوع نیست، فی النقایۃ و شرحہا للبرجندی یھب من یشاء علی سبیل التملیک فقیرا او غنیا[1]، آنچہ کہ ممنوع و مکروہ است بیع بروجہ تمول ست لحدیث من باع اضحیتہ فلا

قربانی کے خون بہا دینے اور قربت قائم کر دینے کے بعد مذکورہ صورت کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں ہے، متولی حضرات اگر خود فقیر ہوں تو ان پر صدقہ ہوگا ورنہ ہدیہ ہوگا، ان میں سے کوئی بھی قربانی کے اجزاء میں ممنوع نہیں ہے۔ نقایہ اور اس کی شرح برجندی میں ہے جس کو چاہے دے کر مالک بنا کر فقیر کو خواہ غنی کو اور منع صرف تمول کے طور پر فروخت کرنا ہے اس حدیث کی بناء پر کہ جس نے قربانی کی کھال فرخت کی اس کی

[1] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الاضحیۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۳/۱۹۹

اضحیۃ لہ[1]۔ رواہ الحاکم فی المستدرک و البیھقی فی السنن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وپیداست کہ ہدیہ از بیع چیزے نباشد، بالجملہ ایں مبنی خود در لحم اضحیہ رواست، وجلد بالاتر ازونیست، بالاتفاق، وفی الھدایۃ والکافی والتبیین وغیرھا اللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح[2]، باز آں گاہ کہ جلد بتملیک مضحی در ملک متولی آمد، حکم اضحیہ منتہی شد، متولیان را ہر گونہ تصرف دروروا باشد لحصول المطلق وانتھاء الحاجز، و ذٰلک قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی اللحم المتصدق بہ علی بریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا ھو لھا صدقۃ ولنا ھدیۃ[3]، رواہ البخاری عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھا، ازینجاست کہ اگر کسے لحم اضحیہ خودش بہ نیت زکوٰۃ بر فقیر تصدق کند زکوٰۃ ادا نشود، واگر بغنی ہدیہ داد و او از زکوٰۃ خویش بدست فقیرے نہاد زکوٰتش ادا شود، زیرا کہ حکم اضحیہ بآں ہدیہ بپایاں رسید، حالا ایں چیزے

قربانی نہیں، اس کو حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے اپنی سُنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ ہدیہ فروخت کی قسم نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ قربانی کے گوشت میں بھی یہ معنی موجود ہے جبکہ کھال اس سے اہم نہیں ہے بالاتفاق، اور ہدایہ، کافی اور تبیین وغیرہا میں ہے کہ گوشت کھال کے حکم میں ہے صحیح قول میں، پھر جب کھال قربانی دینے والے کی طرف سے متولی کی ملک کر دی گئی تو قربانی کا حکم تام ہوگیا، متولی حضرات کو اب ہر طرح اس میں تصرف کا اختیار ہے، ممانعت ہونے اور اجازت پائے جانے کی وجہ سے، اور یہ اسی طرح کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد اس گوشت کے متعلق جو حضرت بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو صدقہ ملا کہ وہ اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے اس حدیث کو بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے اسی سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اگر قربانی کا گوشت فقیر کو زکوٰۃ میں دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اگر غنی کو ہدیہ کے طور پر دیا اور اس نے وہ زکوٰۃ میں دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ غنی کو ہدیہ دینے سے قربانی کا حکم تام ہوگیا اور اب غنی کے لئے یہ مملوکہ

---

[1] المستدرک — کتاب التفسیر — دار الفکر بیروت — ۲/ ۳۹۰

[2] الہدایۃ — کتاب الاضحیۃ — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۴/ ۴۴۸

[3] صحیح البخاری — کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ علی موالی ازواج النبی — قدیمی کتب خانہ کراچی — ۱/ ۲۰۲

ست از آن آں غنی ور رنگ سائر مملوکات او کہ بآنہا ہرچہ خواہد کند، فی رد المحتار اذا دفع اللحم الی فقیر بنیۃ الزکوٰۃ لایحسب عنہا فی ظاہر الروایۃ، لکن اذا دفعہ لغنی ثم دفعہ الیہ بنیتہا یحسب[1]۔ پس اگر ایشاں درغیر صور قرب استہلاک کنندے، ہیچ مانع نبودے کہ آنکہ تمول کرد مضحی نبود، و آنکہ مضحی بود تمول نہ کرد، کما اذا تصدق بہ علی فقیر فباعہ بدراہم لنفقتہ، ایں جا کہ صرف ہم بامور قربت ست، وقربت خود یکے از مصارف اضحیہ است لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واتجروا، رواہ ابوداؤد[2] عن نبیشۃ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ، ومن فقیر درفتاوٰی خودم بقدر کفایت، ودر رسالہ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ"[3] بمالامزید علیہ تحقیق نمودہ ام کہ اگر مضحی بجودی خود بے تخلل تملیک بدیگرے جلد اضاحی را بچو امور قربت صرف نماید محذورے نیاید، لاجرم ایں صورت اولٰی بجواز ست کما لایخفی علی اولی النہی، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

قرار پائی۔ ردالمحتار میں ہے جب قربانی کا گوشت فقیر کو زکوٰۃ کی نیت سے دیا تو ظاہر الروایۃ میں زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگا، لیکن جب غنی کو دیا اور غنی نے فقیر کو اپنی زکوٰۃ میں دیا تو غنی کی زکوٰۃ ادا ہوگی، اگر قربانی والے کھال کو قربت کے علاوہ بھی صرف کریں تو کوئی مانع نہیں ہے کیونکہ قربانی والا تمول نہیں بناتا اور تمول والے نے قربانی نہ بنائی مثلاً جب فقیر پر صدقہ کیا اور فقیر نے دراہم کے عوض فروخت کردی تو یہاں کھال قربت میں صرف ہوئی جبکہ قربت خود احکام قربانی سے ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی بناء پر کہ "ثواب کماؤ" اس کو ابوداؤد نے حضرت نبیشہ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، اور اس فقیر نے اپنے فتاوٰی میں بقدر کفایت اور رسالہ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" میں انتہائی بیان کردیا ہے کہ اگر قربانی والا خود بلاواسطہ تملیک دوسرے کو خود صرف کرلے تو کوئی حرج نہیں ہے تو یہ صورت بطریق اولٰی جائز ہوگی، جیسا کہ صاحب فہم پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)۔

مسئلہ ۲۸۳: از سہسرام ضلع — مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۳ رجادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

قیمت کھال قربانی جو پہلے سے بیوہ و بیکس، یتیم و بے بس، مساکین سکنائے جار واقربائے دیار پر تقسیم ہوتی، و مساجد کے فرش، جانماز، روشنی، ڈول، رسّی وجھاڑو وغیرہ کے مصارف میں صرف،

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

ہوا کرتی تھی جس کو اہالیانِ مدرسہ ناجائز مشتہر کرا کے اب مسلم کھال یا کل قیمت باغوائے اہلیان مدرسہ باغوائے بیان واعظین داخلِ مدرسہ ہوجاتی ہے، اور مسکینان محروم رہتے ہیں، ستم ہے یا نہیں ؟ اور اہلیان و مہتممانِ مدرسہ کو اس رقم کا لینا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

چرمِ قربانی کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اُسے بغیر بیع اپنے کسی صرف میں لائے تو لا سکتا ہے، مثلاً کتابوں کی جلدیں بنائے یا مشک، ڈول بنوائے، اور ایسے ہی کاموں کے لئے کسی غنی کو ہدیہ بھی دے سکتا ہے، اور بہتر یہ ہے کہ اسے مصارفِ خیر میں صرف کرے، مثلاً یتامیٰ و بیوگان و مساکین کو دیں یا مساجد کے مصارفِ مستحبہ میں صرف کرنا یا سُنّی مدارس دینیہ میں امداد علم دین کے لئے دینا، یہ سب صورتیں جائز ہیں لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا واتجروا[1] (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی بنا پر کہ کھاؤ، ذخیرہ بناؤ اور ثواب کماؤ۔ ت) ان میں سے جن میں زیادہ مناسب اور حاجت وقت کے ملائم جانے صرف کرے، کسی صورت کو ظلم نہیں کہہ سکتے، ہاں یتیموں اور بیواؤں اور مسکینوں کو دینا جو ناجائز بتائے وہ ظلم کرتا ہے کہ یہ اس کا شریعت مطہرہ پر افترا ہے، یونہی اگر کچھ لوگ اپنے یہاں کی کھالیں حاجتمند یتیموں، بیواؤں، مسکینوں کو دینا چاہیں کہ ان کی صورت حاجت روائی یہی ہو، اُسے کوئی واعظ یا مدرسہ والا روک کر مدرسہ کے لئے لے لے تو یہ اُس کا ظلم ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۴
۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک غریب شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی، وہ اس قابل نہیں ہے کہ عقیقہ کرے ساتھ قربانی کے، مگر بسبب سنّت ادا ہونے کے اس کو کسی شخص نے کچھ عطیہ کیا تھا اس کو فروخت کرکے اُس نے قربانی کی، اور اس کے پاس کسی طرح کا مقدور نہیں ہے، اور اس قربانی کی کھال کے دام اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

عقیقہ کے احکام مثل اضحیہ ہیں، اس سے بھی مثل اضحیہ تقرب الی اللہ عزوجل مقصود ہوتا ہے، اور جو چیز تقرب کے لئے رکھی گئی وہ تموّل یعنی اپنا مال بنانے سے محفوظ رکھنا چاہئے، کھال بھی جانور کا جزء ہے، تو داموں کو بیچ کر اپنے صرف میں لایا جیسا کہ اضحیہ میں ناجائز ہے، یہاں بھی ضرور نامناسب ہونا چاہئے

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

کہ رجوع عن التقرب نہ ہو، ہاں اُس سے کتاب کی جلد یا مشک، ڈول بناکر اپنے صرف میں لاسکتا ہے یا اسے کسی محتاج کو دے دے، پھر اس سے خفیف قیمت کو اس کی مرضی سے خرید کر دوسرے کے ہاتھ پوری قیمت کو بیچے، ھذا ما ظھرلی (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۸۵ از تلہر، محلہ ہندوپٹی، ضلع شاہجہاں پور مرسلہ مولانا مولوی ضیاء الدین صاحب مدظلہ
۲۵ رمضان المبارک، ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت جلد قربانی یا عقیقہ براہ راست مسجد یا مدرسہ دینیہ میں صرف کی جاسکتی ہے، یا تملیک مسکین کی ضرورت واقع ہوگی، بیّنوا بالدلیل و توجروا بالاجر الجزیل (دلیل کے ساتھ بیان کرو اور کثیر اجر پاؤ۔ ت)

الجواب

ہاں جلد براہِ راست صرف کی جاسکتی ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
وائتجروا[1]۔ اجر و ثواب حاصل کرو۔ (ت)

اور اگر مسجد و مدرسہ میں دینے کے لئے داموں کو فروخت کی تو دام بھی براہِ راست صرف کئے جاسکتے ہیں۔ تبیین الحقائق میں ہے: لانہ قربۃ کالتصدق[2] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ ت)
ان صورتوں میں تملیک مسکین ضروری جاننا شرع مطہر میں زیادت کرنا ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، تو اپنی طرف سے ایجاد ایجاب ہوا، ما انزل اللہ بھا من سلطٰن[3] (اللہ تعالیٰ نے اس پر کوئی دلیل نہ فرمائی۔ ت)
ہاں اپنے خرچ میں لانے کے لئے داموں کو بیچے تو اس کی سبیل تصدق ہے کہ ملک خبیث ہے براہِ راست مدرسہ و مسجد میں نہ دے، فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب[4] (بیشک اللہ تعالیٰ طیب ہے اور صرف طیب کو قبول فرماتا ہے۔ ت) اس سوال کا جواب پہلے فتوٰی میں نظر نہ آنا عجیب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳
[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹
[3] القرآن الکریم ۵۳/ ۲۳
[4] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

مسئلہ ۲۸۶ از کانپور مرسلہ مولوی سلیمان صاحب

قربانی کے چمڑا کا روپیہ مسکینوں کو نہ دے بلکہ اس روپیہ سے فوائد عوام کے واسطے کتب خانہ میں قرآن شریف وکتب عربیہ وفارسیہ وانگریزی وبنگلہ وغیرہ خرید کرکے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے جبکہ وہ دینی کتابیں ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۷ از بارہ بنکی مسئولہ ریاض حسین ناظم انجمن نور الاسلام ۱۶ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کی قیمت ایک ایسی انجمن میں جس کے اغراض ومقاصد دستور العمل منسلکہ سے واضح رائے عالی ہونگے، صرف ہوسکتی ہے؟

الجواب

مقاصد کے عام الفاظ ہمیشہ دل خوش کن ہوتے ہیں، اعتبار واقع کا ہے، اگر یہ انجمن حقیقۃً اہلسنت کی ہے، جن کے عقائد وہابیت ودیوبندیت وغیرہما ضلالت سے پاک ہیں اور بچوں کو اسی مذہب حق کے مطابق تعلیم ہوتی ہے، تو بیشک چرم قربانی اس میں صرف کرنے کو دیا جاسکتا ہے، اور اس کے مصارف کے لئے بیچ کر قیمت بھی اس میں دی جاسکتی ہے۔ تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے: لانہ قربۃ کالتصدق[1] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۸ از پٹنہ بستی، اشرف منزل مرسلہ سید محمد فریدالدین صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر پٹنہ میں ایک انجمن جس کا نام حفظ المساجد ہے قائم ہوئی ہے، اس کا مقصد محض مرمت مساجد وتعمیر منہدم مسجدوں کی ہے، اس انجمن میں تمامی امراء وغربا علی قدر مراتب دامے درمے امداد کرتے ہیں، اب یہ انجمن چاہتی ہے کہ چرم قربانی عیدالاضحٰی بھی اسی کی مد میں شامل کیا جائے اگر چرم قربانی عیدالاضحٰی یا قیمت چرم اس انجمن میں دیا جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے، قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واتجروا[2] (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

زیلعی وعالمگیری میں ہے: لانہ قربۃ کالتصدق[1] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۹: از قصبہ کٹرہ، تحصیل تلہر، ضلع شاہجہانپور محلہ مرتھی مرسلہ عبدالغفار خاں
۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں نے اگلے سال گائے قربانی کی تھی، اس کی کھال فروخت کرکے اور وہ روپیہ میں نے خدا کی راہ میں اس طرح پر خیرات کیا کہ کھانا پکایا اور بھوکوں کو تقسیم کیا، اور مجھ کو محرم میں چھٹی ملی، اور ادھر اُدھر نہیں ملی، تو مجھ سے دو چار لوگوں نے کہا یہ بیکار خرچ کیا، اس کا عذاب تاقیامت تجھ کو ہوگا، اس واسطے کہ تم نے محرم میں اماموں کو خیرات دی، تم کو چاہئے کہ مسجدمیں یا اسلامیہ مدرسہ میں فرش دے دئے ہوتے، یا یہاں ایک فقیر صاحب ایک پیر کا عرس کرتے ہیں اُن کو دیا ہوتا، تو تم کو تاقیامت ثواب ہوتا، ورنہ تم عذاب میں داخل ہوگئے یا حضرات کو بھجوا دئے ہوتے تو ثواب ہوتا۔

جناب! یہاں اسلامیہ مدرسہ میں سرکاری انتظام ہے، اور مسجدمیں بھی بہت فرش تھے، اس وجہ سے بھوکوں کو کھلادیا میں نے اچھا سمجھ کر، اور آپ کا حال نہیں معلوم تھا کہ جناب کو کٹرہ والے روپیہ روانہ کردیا کرتے ہیں، خیر مجھ سے خطا ہوئی، اب جو حضرت ارشاد فرمائیں وہ فدیہ کرے، یا تو اگلے سال کا حرجہ دے یا اس سال کا بھی ویسے ہی خرچ کر دے، مجھ کو محرم میں چھٹی ہوگی۔ بینوا توجروا

الجواب

(فدیہ مدرسہ نسواں اسلامیہ کٹرہ)

آپ نے بہت اچھا کیا کہ مساکین کو کھانا کھلادیا، یہ بہت بڑے ثواب کی بات ہے نہ کہ عذاب کی، اُن لوگوں کا کہنا محض غلط ہے، خیرات مولٰی تعالٰی کے نام پر ہوتی ہے اور اس کا ثواب اماموں کی ارواحِ پاک کو پہنچا سکتے ہیں، اور وہ ان پر تصدق نہیں بلکہ اُن کی نذر ہے، یہ فقیر بفضلہ تعالٰی غنی ہے اموالِ خیرات نہیں لے سکتا، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ احباب اچھے مصارف میں صرف کرنے کیلئے زکوٰۃ وصدقات کے اموال بھی بھیجتے ہیں کہ اپنی رائے سے مصارفِ خیر میں صرف کروں، اور وہ بفضلہ تعالٰی صرف کر دئے جاتے ہیں، زکوٰۃ اُس کی جگہ اور دیگر صدقات اُن کی جگہ، یُوں یہ فقیر بھی اُن احباب کا شریکِ ثواب ہوجاتا ہے کہ صدقہ اگر سَو ہاتھوں پر نکلے گا سب کو ثواب ملے گا، ایک روٹی کا ٹکڑا کہ زید کے مال سے پکا، اور زید کی بی بی نے خادمہ کے ہاتھ دروازہ کے سائل کو بھیجا، تو زید جس کا مال ہے، اور بی بی جس نے بھیجا، اور خادمہ جس نے جاکر فقیر کو دیا تینوں یکساں شریکِ ثواب ہیں، اور مولٰی تعالٰی کا فضل

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق، مصر ۶/ ۹
فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

بہت بڑا ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۰ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ سلطان رومؔ کے ساتھ اور غیر قوم ملکی جو لڑ رہا ہے، یہ اظہر من الشمس ہے اور اس لڑائی کے خرچہ کے بابت اس دیار کے بڑے بڑے آدمی مل کر مجلس کر رہا ہے کہ اس سال قربانی کا چمڑا کی قیمت جتنا ہوگا وہ سب وہاں بھیجنا ہوگا، اور وہاں بھیجنے سے ہم لوگوں کا ثواب بہت ہوگا اور جہاد کا رتبہ ملے گا، اور ہم لوگ وہاں جاکر سلطان کی لشکر کے ساتھ ہمراہ ہونے کا کچھ تو سرانجام نہیں رکھتا ہوں یہ ہی ہم لوگوں کے واسطے بس ہے، بعد اس کے کہنے کہ اس دیار کا فقراء و غرباء لوگ یہ کہہ رہا ہے کہ اس برس سلطان کی جہت سے ہم لوگ سب کے سب شاید مارا جاوے گا، یہ سب آہ وزاری انھوں کا سُن کے کوئی بیچارہ تھوڑا ہی کچھ علم رکھتا تھا، وُہ اپنی زبان سے یہ کلام باہر کیا کہ یہ جو بڑے آدمی اور بعض دو عالم، سلطان کی خیر خواہی کے واسطے جو کمیٹی کیا ہے شاید یہ خیر خواہی نہ ہوگا بلکہ یہ بدخواہی ہوگا کیونکہ ہر سال جو یہاں کا فقراء وغرباء مساکین لوگ یہ سب چمڑہ کا قیمت اپنے دو زن وفرزند لے کر خوشی سے اوقات بسر کرینگے، اس سال وُہ لوگ غم میں دُو اوقات بسر کرتے ہیں، اور یہ سب روپیہ اچھا نہیں ہے کیونکہ یہ فقیروں کا حق ہے، اور مجھ کو خوف ہے کہ میرے سلطان المعظم کو کچھ نقصان آجائے، اب بڑے دو آدمیوں کو اور بڑے دو عالموں کو جنھوں نے یہ رواج کیا ہے یہ ضرور لازم ہے کہ گاؤں بگاؤں مجلس کرکے ہر ایک مسلمان سے دوؔ طاقت کے مطابق کچھ چندہ وغیرہ مقرر کرکے سب کو ملاکر وہاں بھیجنے سے اولٰی ہوگا، اور وہ مسکین لوگ اپنا حصہ پاکر اگر خوشی سے دیوے تو بھی بہتر ہوگا، جیسے کہ اور جگہ کے فقیر لوگ دے رہا ہے، اور یہ بھی بہتر ہوگا کہ اس موسم میں ہم لوگوں کو اپنے دو حصہ کے مطابق فقیروں کو اور غریبوں کو کچھ للہ دیویں، اور بواسطہ اس کے میرے سلطان مدظلہ العظیم کے لئے خدا عزوجل سے مدد چاہوں، یہ بات اُن بیچارے کا کوئی بڑے آدمی سنتے ہے، وُہ بیچارے کو لعن طعن کر رہا ہے، احقر حضور سے یہ امید کرتا ہے کہ کون حق پر ہے، اور اگر وہ آدمی ناحق پر ہے تو اُس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

قربانی کا چمڑا کچھ خاص حقِ فقراء نہیں، ہر کارِ ثواب میں صَرف ہوسکتا ہے، حدیث میں فرمایا: کلوا وادخروا واتجروا[1] (کھاؤ، ذخیرہ کرو اور ثواب کماؤ۔ ت) اور واقعی جہاں تک معلوم ہے

ع سوال میں جگہ جگہ دوؔ کا لفظ سائل کا تکیہ کلام ہے ۱۲ عبدالمنان

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

مجاہدین کو اس وقت امداد کی بہت ضرورت ہے اور اس میں دین کی بڑی منفعت ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔
اور اُسی جگہ حکم ہے کہ وہی کام اختیار کریں جس کی حاجت شدید ہو، اور شک نہیں کہ وہاں کی حاجت شدید ہے،
فقراء کی خبرگیری جہاں تک شرعاً ضروری ہے اہلِ مال پر لازم ہے وہ اگر نہ کریں ان کی بے سعادتی ہے، مگر
یہ کھالیں جن میں شرع نے فقراء کا کوئی حق معیّن نہ فرمایا، یہ اگر نہ دی جائیں دوسرے کارِ اہم میں صَرف
کی جائیں تو اس پر اُن کی ناراضی کی کوئی وجہ نہیں، نہ اس پر اُن کا رزق موقوف ہے، نہ عام طور پر یہ
کھالیں ان کو دی جاتی تھیں بلکہ مدارس کو دی جاتی تھیں، اور شریعت میں ضررِ عام کا لحاظ ضررِ خاص سے زیادہ
اہم ہے، یہاں تک کہ ضررِ عام کے دفع کے لئے ضررِ خاص کا تحمل کیا جاتا ہے کما فی الاشباہ والنظائر
وغیرہا[1] (جیسا کہ اشباہ والنظائر وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۱: مسئولہ عنایت بیگ منیجر کارخانہ گلاب کمپنی، سکندرہ راؤ، ضلع علی گڑھ
بروز شنبہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ناصرانِ شرعِ متین کہ ہمارے قصبہ سکندرہ راؤ میں مدرسہ اسلامیہ ہے،
اس میں قرآن شریف، اردو، انگریزی پڑھائی جاتی ہے، اس کی امداد کے لئے چرمِ قربانی دینا موجبِ ثواب
ہے یا نہیں، بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس میں انگریزی کی تعلیم ہے اس لئے اس کی امداد ٹھیک نہیں ہے۔

الجواب

مصرفِ قربانی میں تین باتیں حدیث میں ارشاد ہوئی ہیں کلوا وادخروا وائتجروا[2] کھاؤ اور
ذخیرہ رکھو اور ثواب کا کام کرو۔ انگریزی پڑھنا بیشک کوئی بات ثواب کی نہیں، اگر یہ احتیاط ہو سکے
کہ اُس کے دام صرف قرآن مجید و علمِ دین کی تعلیم میں صَرف کئے جائیں تو دے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔
واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۲: از شاہجہانپور تاجرخیل افضل المدارس مرسلہ مولوی محمد الدین صاحب
۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

تاج العلماء افضل الفضلاء حضرت! یہ استفتاء نہایت ضروری ہے، مخالفین کا مقابلہ ہے،
بہت جلد جواب سے مطلع فرمائیے گا۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۱
[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، بعض جگہ دستور ہے چند گائے جمع کرلی گئیں، اور اُن میں حصے مقرر کردیئے، اور مالک حصص سے کہہ دیا کہ یہ گائے تمہاری طرف سے کی جاتی ہے اس شرط پر کہ یہ چرم فلاں مدرسہ میں دینا ہوگا، فلاں کام میں صرف کرنا ہوگا۔ اس قسم کے شرائط عند الشرع جائز ہیں یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ کوئی شخص ان میں کسی معین گائے کا ایک حصہ یا چند حصص خریدے اور اُن لوگوں کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دے اور یہ شرط ٹھہرے کہ اس کی کھال مدرسہ وغیرہ یا فلاں نیک کام میں صرف کرنا ہوگی تو یہ جائز ہے، اس میں حرج نہیں۔

وھو ان کان بیعا بشرط فلیس شرطا فیہ نفع احد المتعاقدین، او المعقود علیہ الصالح للاستحقاق، واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ اگرچہ بیع بالشرط ہے لیکن اس شرط میں عاقدین اور معقود علیہ میں سے کسی کا نفع نہیں ہے معقود علیہ نفع کے استحقاق کا اہل نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

۱۳

اَلصّافیۃ المُوحِیَۃ لحُکمِ جلود الاضحیّۃ

(چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب)

مسئلہ ۲۹۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ما قولکم دام فضلکم فیمن باع جلد اضحیتہ لیصرف ثمنہ فی وجوہ القرب کاعانۃ المدارس الاسلامیۃ و شراء حصر المساجد و زیت قنادیلہ وغیرذلک من القربات التی لا تملیک فیھا ، فھل ھو جائز ، والصرف الی تلک الوجوہ سائغ ام لا ، بل یکون صدقۃ واجبۃ لا یصرف الا فی مصارفھا افیدونا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب: الحمد للہ وبہ نستعین ، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین ، ما تقرب

خلاصۂ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ"

مسئلہ: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھال کو راہ ثواب میں خرچ کرنے کیلئے بیچنا جیسے مدارس اسلامیہ کی اعانت، مسجد کیلئے چٹائی، روشنی وغیرہ کارِ ثواب جس میں کسی خاص فقیر کو مالک نہیں بناتے، جائز ہے یا ناجائز؟ اور ایسا پیسا ان مصارف میں صرف ہو سکتا ہے یا وہ صدقہ واجبہ ہے اور اس کا فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب: اللہ تعالٰی کے لئے تعریف ہے اور ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں، درود وسلام سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل و اصحاب پر،

الی اللہ تعالٰی بالقرابین ، نعم اذا باعہ بالدراھم لا لمال یتمول ، او ربح یتحصل ، بل لیصرفہ الی وجوہ القرب ومرضات الرب ، جاز لہ ذلک وان لم یوجد تملیک ھنالک ، فان المطلوب فی الاضاحی مطلق التقرب دون خصوص التملیک من الفقیر ولذا جازت الاباحۃ ولو لغنی ۔

والمعنی المانع فی البیع انما ھو التصرف علی قصد التمول کما نص علیہ الائمۃ الاعلام ۔ قال فی الھدایۃ لا یشتری بہ ما لا ینتفع بہ الا باستھلاکہ کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراھم والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول اھ[1] وفی مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر لا یبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ والمعنی انہ لا یتصرف علی قصد التمول اھ[2] ومثلہ فی البنایۃ شرح الھدایۃ للعلامۃ البدر وغیرہ من اسفار العلماء الغر ،

جب تک لوگ خدا کے لئے قربانی کرتے رہیں ۔

قربانی کی کھال کو تمول کی غرض سے نہ بیچا ہو ، بلکہ کارِ ثواب میں صرف کرنے کی غرض سے بیچا ہو ، تو یہ بھی جائز ہے اور ان مصارف میں اس کا صرف کرنا بھی جائز ہے ، اگرچہ وہاں فقیر کو مالک نہ بنایا گیا ہو ، کیونکہ قربانی کا مقصد مطلق کارِ ثواب ہی ہے ، فقیر کو مالک بنانا نہیں ، اسی لئے قربانی کا گوشت وغیرہ مالدار کو دینا بھی جائز ہے ۔

اصل میں قربانی کی کھال کی بیع اس وقت منع ہے جب اس کو اپنی ذات کے تمول کے لئے بیچا ہو ، اسی کی علماء اعلام کے کلام میں تصریح ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

مسئلہ کے جزئیات

"قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو فنا کئے بغیر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے ، جیسے سرکہ یا غلہ سے بدلنا (کہ ان کو ختم کرکے ہی ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے) دراہم کے ساتھ بیع کرنے کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے کارِ ثواب کی چیز کو اپنی ذات کے نفع اور مالداری کے لئے برتا ۔"

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے : "روپیہ کے بدلے بیچنا اس وقت منع ہے کہ وہ روپیہ اپنے اور بال بچوں پر صرف کرے کہ یہی "تصرف علی

---

[1] الھدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸
[2] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۲۱

وظاھر ان البیع للقرب لیس من التمول فی شئ فلا وجہ لمنعہ بل ھو قربۃ لکونہ فعلا لاجل قربۃ، فیکون اقامۃ للمطلوب الشرعی لادخولا فی الوجہ المنھی، الا تری الی ما قال الامام العلامۃ فخر الدین الزیلعی فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق[1] اھ فانما علل الجواز بکونہ قربۃ، ومانحن فیہ ایضا کذلک، فیکون مثلہ فی حکم الجواز، ویالیت شعری من این یحکم بوجوب التصدق مع انہ لم یکن معینا فی القربان راسا ولا حدث اٰخر ما یوجبہ عینا بخلاف ما اذا باع بالدراھم لینفقھا علی نفسہ وعیالہ حیث یجب التصدق لحدوث التمول المنھی عنہ اقول والسر فی ذٰلک ما یستفاد من کلمات العلماء الکرام ان اصل القربۃ فی الاضحیۃ انما تقوم باراقۃ الدم لوجہ اللہ

وجہ التمول" ہے۔"

یہی بات بنایہ وغیرہ کتب کبار میں ہے، تو ثابت ہوا کہ کھال کی وہی بیع منع ہے جو اپنی ذات کے نفع کے لئے دراہم یا برتنے سے ختم ہوجانے والی چیز کے بدلے میں ہو، اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کار ثواب کے لئے بیچنے کا اس سے کچھ علاقہ نہیں، تو ایسی بیع ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے، بلکہ یہ تو اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جس کے لئے قربانی ہوئی، تو اس کو تو بدرجہ اولی جائز ہونا چاہئے۔

علامہ فخر الدین زیلعی اپنی شرح کنز میں فرماتے ہیں: "اگر کھال کو صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا تو جائز ہے، کیونکہ یہ کار ثواب ہے، جیسے گوشت ہی صدقہ کردیتا۔"

امام زیلعی نے اپنے کلام میں بیع الدراہم کے جواز کی وجہ مطلقاً کار ثواب بتایا، بیع مسئولہ بھی کار ثواب کے لئے ہی ہے، پھر اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے، یہ بلا شبہہ جائز ہے۔

ایسے پیسوں کا صدقہ واجب قرار دینا بالکل بے اصل بات ہے، جب خود قربانی کے گوشت اور کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں، تو اس کے دام کا صدقہ کس طرح واجب ہوگا، جبکہ صدقہ کو واجب کرنے والی کوئی نئی بات پیدا بھی نہ ہوئی۔

ہاں وہ بیع بالدراہم جو اپنی ذات کے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۶/۹

تعالیٰ فما لم یرق لایجوز الانتفاع بشئ
منه حتی الصوف واللبن وغیر ذٰلک
لانه نوی اقامة القربة
بجمیع اجزائها فاذا اقیمت وحصل
المقصود ساغ الانتفاع علیٰ جمیع
الوجوه، بید انه لما کان شیئا
تقرب به الی المولیٰ سبحٰنه
وتعالیٰ، والتقرب والتمول ضدان متباینان
لایلتئمان، فقد خرج بذٰلک عن
جهة التمول بحیث لاعود الیه
ابدا فاذا قصد بشئ منه التمول
فقد خالف واورث ذٰلک خبثا فی
البدل، وایما مال حصل بوجه
خبیث فسبیله التصدق، اما
القربات فلا تنافی التقرب
بل تحققه ولا تورث خبثا بل
تزهقه فمن این تحرم
وتجب تصدقه، قال
الامام العینی فی البنایة
المعنی فی اشتراء ما لاینتفع
به الا بعد استهلاکه انه
تصرف علی قصد التمول
وهو قد خرج عن جهة
التمول فاذا تمولته بالبیع
وجب التصدق لان هذا

انتفاع کے لئے ہو، وہ ضرور بیع منہی عنہ ہے کہ
اس بیع کا مقصد مال حاصل کرنا ہے، اور یہ شرعاً
منع ہے، اس کا بھید یہ ہے کہ قربانی میں اصل
کارِ ثواب اللہ کے لئے خون کا بہانا ہے، اسی لئے
جب تک جانور سے یہ اصل غرض حاصل نہیں
ہوتی اس سے ہر قسم کا انتفاع مطلقاً منع ہے، حد
یہ ہے کہ اُون اور دُودھ سے بھی انتفاع جائز نہیں،
نہ قربانی کرنے والے کو نہ غیر کو، اور جب اصل غرض
حاصل ہو گئی تو اس کے تمام اجزاء سے ہر قسم کا انتفاع
جائز ہو گیا، لیکن قربانی شدہ جانور کو کُلاً یا بعضاً
کسبِ زر کے لئے بیچنا، اس کو قرابت اور
کارِ ثواب سے پھیر کر دنیا کی طرف موڑ دینا ہے،
اور کارِ ثواب، اور حصولِ زر میں منافات ہے،
اس لئے اس طرح بیع ناجائز اور منع ہوگی، اور
جو روپیہ اس طرح حاصل ہوگا وہ مالِ خبیث
ہوگا اور مالِ خبیث کا شرعی حکم صدقہ کرنا ہی ہے،
اور صدقہ کی غرض سے بیچنے اور قربانی میں کوئی
منافات نہیں کہ یہ بھی کارِ ثواب اور وہ بھی کارِ ثواب،
تو یہ ایک طرح سے اسی کی تکمیل ہے، تو اس سے
حاصل شدہ رقم خبیث نہ ہوگی، لہذا یہ بیع بھی
حرام نہ ہوگی۔ اسی بات کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ
نے بنایہ میں ارشاد فرمایا: "جس چیز سے انتفاع
اس کے فنا کے بغیر نہ حاصل ہو ایسی چیز کی بیع
حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی کے
جانور میں تمول کی غرض سے تصرف ہوا حالانکہ وہ جانور

الثمن حصل بفعل مکروہ فیکون خبیثاً فیجب التصدق[1] اھ و بہ تبین وان کان[عہ] بیناً بنفسہ ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولاً والا لما جاز البیع بالدراھم بنیة التصدق ایضا لصدق التمول علیہ حینئذ فیکون تصرفا ممنوعا خبیثا وھو خلاف المنصوص علیہ ویکون التصدق اذ ذاك لازالة الخبث والخروج عن المآثم لا لاکتساب الثواب والتقرب الی رب الارباب ولایجوز لہ فیہ رجاء القبول، فان اللّٰہ طیب لایقبل الا الطیب[2]، ولو رجاء لباء باثم علی اثم فان ارتجاء القبول فی مال خبیث اثم بحیالہ کما صرحوا بہ وھذا کلہ باطل بالبداھة

تمول کی جہت سے نکل کر ہمیشہ کے لئے تقرب کی جہت میں داخل ہوگیا ہے، تو جب اسے بیع کرکے کسب زر کیا اس کا صدقہ واجب ہوا، اس لئے کہ یہ قیمت فعل مکروہ سے حاصل ہوئی، تو وہ خبیث ہوئی، اور اس کا صدقہ واجب ہوگیا۔"

سوال وجواب | یہاں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ کھال کی بیع بطور تمول ناجائز ہے، اور حاصل ہونے والی قیمت خبیث ہے، ہمارا یہ کہنا ہے کہ کسی ایسی چیز کے بدلے بیچنا جو برتنے سے ختم ہوجائے یہ بھی بیع بطور تمول ہے، تو کارِ ثواب کے لئے بھی اس طرح بیچنا بطور تمول ہوا جس کو ناجائز ہونا چاہیے، اور قیمت کا صدقہ واجب ہونا چاہیے۔

جواب یہ ہے کہ اس خیال کی تردید امام عینی کا کلام کررہا ہے کیونکہ انھوں نے تصدق کے لئے مستہلک سے بھی بیع کو جائز قرار دیا، حالانکہ اس پر بقول آپ کے بیع برائے تمول صادق آتا

عہ فان نفس لفظ التمول یدل بعبارتہ علی المال وبھیأتہ علی تحصیلہ لنفسہ کما لایخفی ۱۲ منہ قدس سرہ۔

کیونکہ تمول اپنے لفظ کے اعتبار سے مال پر اور صورت کے اعتبار سے اپنی ذات کے لئے تحصیل پر دلالت کرتا ہے ۱۲ منہ قدس سرہ۔

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۱۹۰

[2] مسند امام احمد بن حنبل از مسند حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

فثبت ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولا و ان البیع للتصدق خارج عنه فکذا السائر القرب اذ لافارق یقضی بکون ھذا تمولا وذاك غیرہ ومن ادعاہ فلیات ببرھان علی دعواہ ولم یقدر علیه ان شاء اللہ۔

چاہیے، اور اس کو حرام ہونا چاہیے، اور اس کا تصدق بلانیت ثواب ضروری ہونا چاہیے جو مال خبیث کا حکم ہے اس سے ثواب کی امید رکھنا گناہ بالائے گناہ ہونا چاہیے، اور یہ سب باطل ہے، کیونکہ یہاں تصدق اور طلبِ ثواب کی نیت سے یہ بیع ہوئی، پھر بھی امام علیٰ نے اس کو جائز قرار دیا، تو ثابت ہوگیا کہ مستھلک سے بیع مطلقاً تمول کے لئے نہیں ہوتی۔

فان قال قائل انما جاز البیع للتصدق لان للوسائل حکم المقاصد فالبیع للتصدق مثل التصدق و التصدق جائز فکذا البیع له۔

ایک اور سوال وجواب اگر کوئی یہ کہے کہ صدقہ کی غرض سے بیع جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صدقہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور جو حکم مقصد کا ہوتا ہے وہ وسیلہ کا بھی ہوتا ہے صدقہ جائز ہے تو اس کا وسیلہ بیع بھی جائز ہوگا۔

قلت کذلك البیع للتقرب مثل التقرب والتقرب جائز فکذا البیع له بل یلزم علیه جواز البیع للاکل ایضا لجواز الاکل بنص القرآن العظیم فالحق فی التعلیل ما قدمنا عن الامام الزیلعی من انه قربة[1]، وحینئذ لابد من کلیة الکبری القائلة بان کل قربة تجوز ھھنا ینتج ان البیع للتصدق یجوز ھھنا وبه یتضح جواز سائر القرب وضوح الشمس فی رابعة النھار ھذا و للعبد الضعیف لطف به القوی اللطیف

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاویل بعینہ دیگر کار ثواب میں بھی جاری ہے کہ یہ سارے کار ثواب جائز ہیں، تو اس کے لئے بیع بھی جائز ہونا چاہیے بلکہ اس توجیہ سے تو اشیائے مستھلکہ کے عوض بیچنا بھی جائز ہونا چاہیے، مثلاً غلّہ کے عوض کھال بیچیں اور غلّہ کو اپنے استعمال میں لائیں کہ قربانی کو کھانا جائز اور بیع اس کے حصول کا ذریعہ، اور جو حکم مقصد کا وہی ذریعہ کا، تو یہ بیع بھی جائز، حالانکہ اس بیع کے ناجائز ہونے کا جزئیہ کلام ائمہ میں موجود ہے۔

تو ثابت ہوا کہ اصل علتِ جواز یہ نہیں کہ وسیلہ مقاصد کے حکم میں ہے بلکہ اصل علت وہی ہے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبری الامیریة بولاق مصر ۶/۹

تقریر آخر اشمل واظهر لبیان الفرق تظهر به المسائل جمیعا ان شاء الله تعالیٰ ۔

کہ حصولِ زر اور تمول کی غرض سے بیع ناجائز ہے، اور مقاصدِ خیر کی غرض سے جائز، جیسا کہ امام زیلعی نے اس کے جواز کی علت میں فرمایا "لانہ قربۃ" (اس لئے کہ یہ کارِ ثواب ہے) اور منطق کی زبان میں یہ قول قیاس کا صغریٰ ہوا، اور نتیجہ دینے کے لئے کبریٰ کا کلیہ ہونا ضروری ہے جو اس طرح ہوگا "ہر قربت جائز ہے" تو بات نصف النہار کی طرح واضح ہوگئی کہ ہر قربت اور کارِ ثواب کے لئے بیع جائز ہے، وللہ الحمد۔

فاقول وبالله التوفیق الجهات ثلث، الاکل والادخار والائتجار وهو طلب الاجر بای وجه کان فقد اخرج ابوداؤد فی سننه بسند صحیح رواته کلهم من رجال الصحیحین ماخلا مسددا فثقة حافظ من شیوخ البخاری عن نبیشة الخیر الهذلی رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انا کنا نهیناکم عن لحومها ان تاکلوها فوق ثلث لکی تسعکم جاء الله بالسعة فکلوا وادخروا و ائتجروا الا وان هذه الایام ایام اکل و شرب وذکر الله عزوجل [1] والائتجار باطلاقه یشمل التصدق وسائر وجوه التقرب کما لایخفی فان فسره مفسر بالتصدق فلیکن التصدق فی کلامه بالمعنی الاعم علی ماسیأتیك تحقیقه ان شاء الله تعالیٰ۔

ایک دوسری تقریر شرعاً قربانی کے مصرف کی تین جہتیں ہیں: اکل (کھانا)، ادخار (جمع کرنا)، ائتجار (کارِ ثواب) میں صرف کرنا چاہے کون سا بھی کارِ ثواب ہو، جیسا کہ ابوداؤد نے ایک ایسی سند سے جس کے تمام راوی بخاری اور مسلم کے رواۃ ہیں، ایک صاحب حضرت مسدد ایسے نہیں تو وُہ ثقہ ہیں، حافظ ہیں، اور امام بخاری کے اساتذہ میں ہیں، الغرض یہ حدیث صحیح حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: "حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زائد روکنے سے منع کرتے تھے، اس کا مقصد مسکینوں پر آسانی تھی، اب اللہ تعالےٰ نے کشادگی فرمادی، تو اب کھاؤ، جمع کرو اور کارِ ثواب میں صرف کرو، سنو یہ دن ہی کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں۔" تو اس حدیث سے مطلقاً ہر کارِ ثواب کیلئے بیچنا جائز ہوا۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۳

فان قلت الوارد فی حدیث احمد والبخاری و مسلم وغیرھم عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وتصدقوا[1]، فلیحمل الائتجار علی التصدق لاتحاد الحکم والحادثۃ۔

قلت کلا فان الامر ھھنا لیس للوجوب باجماع عامۃ علماء الامۃ، منھم ساداتنا الائمۃ الاربعۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم، وقد نصوا فی غیر ما کتاب ان لو اکلہ کلہ ولم یتصدق بشیئ منہ لاشیئ علیہ ومعلوم ان الترخیص والترغیب فی مقید لاینافی الترغیب والترخیص فی مطلق، فلا معنی للحمل ولا داعی الیہ۔

وسر المقام ان الحمل عندنا ضروری لایصار الیہ الا لضرورۃ وھو ان یتمانعا بحیث لایمکن العمل بھما اما حیث لاتمانع فنحن نجری المطلق علی اطلاقہ حملا للفظ علی ظاھرہ وعملا بالدلیل بتمامہ، قال المولی المحقق علی الاطلاق

سوال وجواب اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ کارِ ثواب سے مراد وہی فقراء پر صدقہ کرنا ہے، تو ہمیں اصرار ہے کہ حدیث شریف کا لفظ ایتجار تمام امورِ خیر کو عام ہے، اس کو تملیک فقراء والے صدقہ میں منحصر کرنا تحکم ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب حدیث عام کو صدقہ خاص پر محمول کرنے کی یہ دلیل دیں، بخاری ومسلم وغیرہ کتبِ احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں ایتجار کے بجائے تصدقوا کا لفظ ہے، تو ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کے لئے کیوں نہ ہم لفظ ایتجار (کارِ ثواب) کو صدقہ پر محمول کریں کیونکہ اصول کا مسئلہ یہ ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے، اور یہاں پر ایسا ہی ہے کہ واقعہ دونوں حدیثوں میں قربانی کے جانور کا ہے اور حکم بھی دونوں جگہ ایک ہی ہے، بس فرق یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں صدقہ عام کا حکم ہے اور صحیحین کی حدیث میں صدقہ خاص کا، لہذا یہاں ایتجار سے مراد صدقہ ہی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہی ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا، لیکن یہ حکم عمومی نہیں کہ ہر واجب و مستحب کو عام ہو، بلکہ صرف حکم وجوبی کے ساتھ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ما کان من النہی عن اکل لحوم الاضاحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۵۸

محمد بن الهمام قدس سره فی فتح القدير اجيب عنا بانا انما نحمل فی الحادثة الواحدة للضرورة[1] الخ وقال فی تشييد هذا الجواب تحقيقه ان الحمل لما يجب الا للضرورة وهي المعارضة بين المطلق والمقيد[2] الخ۔

فالمناط عند التنقيح هو التمانع دون اتحاد الحكم والحادثة۔

خاص ہے کہ احکام واجبہ میں اتحاد حکم وواقعہ کے وقت عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا، اور قربانی کے مصرف کے سلسلہ میں جو حکم ہے استحبابی ہے، اس بات پر چاروں اماموں کا اجماع ہے، لہذا مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید رکھا جائے گا، ایک کو دوسرے پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں، تو جس حدیث میں تصدق کا لفظ ہے اس سے وہی مراد لیں گے، اور جس میں مطلقاً کار ثواب کا لفظ ہے اس سے جمیع وجوہ خیر مراد لیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے باری باری دونوں ہی امور کی طرف رغبت دلائی۔

اس کا رمز یہ ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بدرجہ مجبوری ہے، یعنی جب مطلق اور مقید دونوں کو اپنے اپنے محل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو، اور جہاں ایسا ممکن ہو حمل کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ امام ابن ہمام فرماتے ہیں: "حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بضرورت ہے، جب مطلق اور مقید کے حکم میں تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے کہ مجبوری ہے۔"

تو ثابت ہوا کہ اصل مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا سبب مطلقاً اتحاد حکم وحادثہ نہیں، بلکہ دونوں حکموں کا تعارض اور منافاۃ ہے۔

يجزم بذلك من عاشر عرائس نفائس عباراتهم فقد حكموا ان لا حمل ان وردا فی السبب اذ لا تجاذب فی الاسباب ولا ان كان منفيين لامكان الجمع بالامتناع مطلقا، وانه يجب الحمل ان اتيا فی حكمين مختلفين يوجب احدهما تقييد الآخر

مزید وضاحت کے لئے ہم کلام علماء سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

(الف) تلویح وغیرہ میں ہے: "مطلق اور مقید اگر اسباب کے بیان میں وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ ایک شئی کے چند اسباب ہوسکتے ہیں، تو تعارض نہیں، تو حمل کی ضرورت نہیں۔"

---

[1] فتح القدیر

[2] فتح القدیر

بتوسط لازم، وذلك كان ينفي المقيد لازم اطلاق المطلق فينتفي بانتفائه فيتقيد لامحالة كما في اعتق عني رقبة ولا تملكني رقبة كافرة فان النهي عن تمليك كافرة ينفي جواز اعتاقها عنه، اذ لا اعتاق عنه بدون تمليكه عنه۔

وقد اجابوا القائلين بالحمل في الاسباب واختلاف الحوادث بعدم التعارض كما في التلويح وغيره، وعللوا وجوب الحمل عند الاتحاد بامتناع الجمع ممثلين له بقوله تعالٰی فصیام ثلثة ایام[1] مع قراءة ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ بزیادۃ متتابعات، قالوا فان المطلق یوجب اجزاء غیر المتتابع والمقید یوجب عدم اجزائه کما فی التوضیح[2] وغیرہ فقد افادوا ان الحمل خاص بالایجاب دون الجواز والاستحباب، ولہذا

(ب) تلویح میں اسباب متعدد اور اختلاف حوادث کی صورت میں بھی مطلق کو مقید پر حمل کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: "اگر ایک ہی حادثہ میں ایک حکم میں مطلق کی نفی ہو، اور دوسرے میں مقید کی نفی، تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائیگا کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اصل مراد دونوں کی نفی ہے۔

ہاں دو ایسے مختلف احکام میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، جہاں ایک حکم دوسرے کی تقیید کو مستلزم ہو جیسے کسی نے کسی سے کہا ہماری طرف سے ایک غلام آزاد کرو، اور مجھے کسی مشرک غلام کا مالک نہ بنانا، ایسی صورت میں آمر کی طرف سے صرف مسلمان خرید کر ہی آزاد کیا جائیگا اگرچہ حکم مطلقًا آزاد کرنے کا ہے، لیکن مشرک غلام کی ملکیت کی نفی نے تملیک کو صرف مسلم غلام تک خاص رکھا، اور اُسے مالک بنائے بغیر اُس کی طرف سے آزاد نہیں ہو سکتا، تو جس کا مالک بنا سکتا ہے، یعنی مسلمان کا، اُسی کو آزاد بھی کرے گا، آزادی کا حکم لاکھ عام ہو"۔

(ج) توضیح وغیرہ میں تعارض کے وقت مطلق کے مقید پر محمول ہونے کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا: "اللہ تعالٰی نے کفارہ میں مطلقًا تین روزے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸۹

[2] التوضیح والتلویح فصل فی ذکر المطلق والمقید مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۶۳ و ۶۴

قال المولی بحر العلوم ملک العلماء عبد العلی اللکنوی قدس سرہ فی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ، فیہ اشارۃ الی ان الحمل انما ھو اذا کان الحکم الایجاب دون الندب او الاباحۃ اذ لا تمانع فی اباحۃ المطلق و المقید بخلاف الایجاب فان ایجاب المقید یقتضی ثبوت المؤاخذۃ بترک القید و ایجاب المطلق اجزاءہ مطلقا[1] اھ ، قول الامام السغناقی فی النھایۃ علی ما نقلہ فی البحر مقرا علیہ بل متمسکا بہ من ان الاصحاب انہ لایجوز حمل المطلق علی المقید عندنا الا فی حادثۃ ولاحادثتین حتی جوز ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ التیمم بجمیع اجزاء الارض بحدیث جعلت لی الارض مسجدا و طھورا و لم یحمل ھذا المطلق علی المقید وھو حدیث التراب طھورا[2] اھ فلعلہ اراد نفی زعم من زعم ان مذھب اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم وجوب الحمل عند اتحاد

رکھنے کا حکم دیا، متفرق طور پر ہو یا مسلسل، اس سے کچھ تعرض نہیں کیا، صِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ (تین یوم کا روزہ) لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قراءت ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ (مسلسل تین دن) آیا، یہاں ایک حادثہ میں دو متعارض حکم واجب کئے گئے، کیونکہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ متفرق طور پر بھی روزہ رکھ لے تو کفارہ کے لئے کافی ہوگا، اور متتابعات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلسل رکھنا واجب ہے، اس لئے یہاں مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا۔"

تو ان علماء نے تعارض والی صورت کو وجوب کے ساتھ خاص فرمایا۔

(د) یہی بات ملا عبد العلی بحر العلوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فواتح الرحموت میں فرمائی: "مصنف کی عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مطلق کو مقید پر حمل کرنا احکامِ واجبہ کے ساتھ خاص ہے، احکامِ مستحبہ اور مباحہ کے ساتھ نہیں، اس لئے کہ مطلق اور مقید دونوں کے مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، البتہ احکامِ واجبہ میں تعارض ہے کہ مقید کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نے قید پر عمل چھوڑ دیا، مجرم ہوا، اور مطلق کا تقاضا یہ ہوگا کہ کوئی جرم نہیں کیا، اس تعارض کو دفع کرنے کی ضرورت ہے، مطلق کو

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی فصل المطلق ما دل علی فرد منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۳۶۲

[2] بحر الرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۹۹

الحادثۃ مطلقا ، فافاد ان لیس ھذا ۵۲ مقید مان لیا جاتا ہے ۔
من المناط فی شیئ بل لایجوز فی حادثۃ ایضا ای مالم یتمانعا فیضطر الیہ لدفع التعارض ، الاتری ان امامنا الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یحمل الارض علی التراب مع اتحاد الحادثۃ وعلی ھذا التقریر لایتجہ ما اوردعلیہ العلامۃ المحقق محمد بن عابدین الشامی قدس سرہ السامی فی ردالمحتار کما اوضحتہ فیما علقتہ علیہ وللعبد الضعیف ھٰھنا بحث شریف لولا غرابۃ المقام لاتیت بہ ۔

(۵) امام سغناقی نے نہایہ میں فرمایا اور صاحب بحر الرائق نے ان کے قول کو سند کے طور پر ذکر کیا : " صحیح یہی ہے کہ حادثہ چاہے ایک ہو چاہے چند، مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جائے گا ، دیکھو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا : "ساری روئے زمین میرے لئے طہور بنائی گئی " یہ مطلق ہے ۔ دوسری حدیث میں فرمایا : " التراب طھور " (مٹی پاک ہے) ، یہ خاص اور مقید ہے ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ نے عام کو خاص پر حمل نہیں کیا ، اور اس کے سارے اجزا سے ہی تیمم جائز قرار دیا ، اگرچہ حادثہ ایک ہی ہے ۔

اس عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام سغناقی ان لوگوں کو جواب دے رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک اتحادِ حادثہ وحکم ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا حالانکہ دارومدار حادثہ واحدہ یا متعددہ پر نہیں ، تعارض پر ہے ، اور اسی مجبوری سے عام کو خاص پر یا مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے ، اور اسی سے ہمارے امام اعظم نے ایک حادثہ میں بھی عام کو خاص پر حمل نہیں کیا کہ ان دو حکموں میں کوئی تعارض نہیں ۔

(یہاں امام شامی کا ایک اعتراض ہے جس کا جواب ہم نے ان کی کتاب پر لکھے ہوئے اپنے حاشیہ میں دیا ہے)

علی ان لقائل ان یقول ان الائتجار ھٰھنا لوحمل علی التصدق لکونہ معہ کالمطلق مع المقید فکذٰلک یجب حمل الاطعام الوارد وعند احمد والشیخین وغیرھم فی حدیث سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا واطعموا وادخروا[1] ، و

ایک اور دلیل یہی حدیث حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام احمد وشیخین نے اس طرح روایت کیا :

(۱) کلوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو)

اور امام احمد ، مسلم ، ترمذی نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں روایت کی :

[1] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۳۵

عند احمد و مسلم و الترمذی من حدیث بریدة رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا ما بدا لکم و اطعموا و ادخروا[1] وعند مسلم وغیرہ من روایۃ ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا واطعموا و احبسوا و ادخروا[2]، فان الاطعام ایضا مع التصدق کالائتجار مع انہ باجماع العلماء علی اطلاقہ جار للاتفاق علی اباحۃ الاباحۃ وعدم قصر الامر علی التملیك، فافھم والمتامل الموفق اذا نظر حدیث اُمّنا رضی اللہ تعالٰی عنہا مع ھذہ الاحادیث الاربعۃ[عہ] القی فی روعہ ان المراد ثمہ بالتصدق المعنی الاعم الشامل لجمیع انواع القرب المالیۃ

(۲) کلوا ما بدا لکم (جتنا چاہے کھاؤ) واطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو)

اور امام مسلم وغیرہ کے یہاں ان الفاظ میں مروی ہے:

(۳) کلوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) احبسوا (روک رکھو) ادخروا (جمع کرو)

حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث اس کے ساتھ ملالی جائے، تو ان چاروں حدیثوں میں "کلوا" اور "ادخروا" کا لفظ مشترک ہے، صرف حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں تیسرا لفظ "ایتجروا" (طلب اجر یعنی کار ثواب کرو) ہے اور بقیہ تین حدیثوں میں "ایتجروا" کے بجائے اطعموا ہے، اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس مقام پر تصدقوا ہے، گویا ان حدیثوں میں تیسری چیز کو تین لفظوں سے تعبیر کیا: ایتجروا، اطعموا، تصدقوا۔ اب اگر سب چھوڑ کر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

عہ: ای احادیث نبیشۃ وسلمۃ و بریدۃ وابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہم ۱۲ منہ قدس سرہ۔

عہ۲: ظنی انہ لابد ھھنا من لفظ علیہ (ای یجب حمل الاطعام الوارد فی الاحادیث علی التصدق)

یعنی حضرت نبیشہ، سلمہ، بریدہ اور ابی سعود رضی اللہ تعالٰی عنہم کی احادیث۔ ۱۲ منہ قدس سرہ۔ (ت)

میرا گمان ہے کہ یہاں "علیہ" کا لفظ ضروری ہے یعنی حدیث میں وارد اطعام کو صدقہ پر محمول کیا جائے۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاضاحی باب فی الرخصۃ فی اکلہا بعد ثلاث امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۸۲

[2] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ما کان من النہی عن اکل لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹

كما سيرد عليك تحقيقه ان شاء الله تعالىٰ كما تلتم وترد مورداً واحداً، و الاحاديث يفسر بعضها بعضا وبالله التوفيق.

حدیث کا لفظ "ایتجروا" عام نہیں، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی طرح اس سے مراد خاص صدقہ تملیکی ہے (یعنی جس میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہوتا ہے)، تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ بقیہ تینوں حدیثوں میں لفظ "ایتجروا" کے بجائے لفظ "اطعموا" ہے، تو اس کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث "تصدقوا" سے وہی نسبت ہوئی جو ایتجروا کو ہے، تو لازم ہوگا کہ اطعام کو بھی تصدقوا پر محمول کیا جائے، اور اطعام میں بھی اباحت کافی نہ ہو تملیک ضروری ہو، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قربانی کا گوشت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دے تو یہ ناجائز ہوگا جب تک کہ فقیر کو اس کا مالک نہ کرے، جبکہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ آدمی قربانی کا گوشت جس طرح دوسروں کو دے سکتا ہے اسی طرح بطور اباحت دعوت بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر حدیث کے لفظ اطعام کو تصدق پر محمول نہیں کرتے تو ایتجار کو کیسے محمول کرتے ہیں۔

الغرض ان سب حدیثوں پر جتنا غور کیا جائے گا یہ حقیقت کھلتی جائے گی کہ تصدقوا سے مراد صدقہ خاص نہیں، بلکہ عام طور پر ہر کار ثواب مراد ہے چاہے اس میں تملیک ہو یا نہ ہو۔

وناهيك قول الامام الجليل صاحب الهداية فيها يستحب ان لا ينقص الصدقة عن الثلث لان الجهات ثلثة الاكل والادخار كما روينا والاطعام لقوله تعالىٰ واطعموا القانع والمعتر، فانقسم عليها اثلاثاً اه، ومعلوم ان الاطعام لا يقتصر على التمليك لا لغةً ولا شرعاً وقد اجمعوا ههنا على

تائید مزید اور انصاف پسندوں کے لئے تو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہی کافی ہے جس میں وہ لفظ اطعام کی تفسیر مفہوم صدقہ سے کرتے ہیں، عبارت ان کی یہ ہے: "مستحب یہ ہے کہ صدقہ والا حصہ ایک ثلث سے کم نہ ہو، کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، دو چیزیں تو احادیث سے ثابت ہیں؛ کھانا اور جمع کرنا، اور تیسری چیز اطعام، یہ قرآن سے ثابت ہے، ارشادِ الٰہی ہے: اطعموا القانع والمعتر (کھلاؤ صابر اور مانگنے

جواز الاباحة بل نصوا ان کل ما شرع بلفظ الاطعام جاز فیه الاباحة لما سیأتی فاین تعیین التملیك تدعون، ثم رأیت العلامة الاتقانی فی غایة البیان قال فی شرح هذا الکلام وذلك لان الآیة والخبر تضمنا جواز الاکل والتصدق والادخار فکانت الجهات ثلثا فانقسمت علیها اثلاثا[1] اھ و معلوم ان لیس فی الآیة الا لفظ الاطعام المجمع علی شموله للاباحة، وقد عبر عنه بالتصدق فعلم ان التصدق المذکور ههنا هو المحمول علی الاستجار دون العکس والله الموفق۔

والے فقیروں کو) تو جب جہتیں تین ہیں تو گوشت بھی تین حصہ کرلیا جائے۔"

اس عبارت کے شروع میں جس کو صدقہ والا حصہ کہا ہے یہ وہی ہے جس کو بعد والی عبارت میں لفظ اطعام سے بیان کرتے ہیں، اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ اطعام کے لئے تملیک ضروری نہیں، نہ شرعاً نہ لغۃً، بلکہ سب نے بالاتفاق اطعام میں اباحت کو جائز رکھا، بلکہ یہ تصریح کی کہ جہاں لفظ اطعام آئے وہاں اباحت مراد ہوگی، امام اتقانی اسی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قرآن وحدیث نے جب کھانا، صدقہ اور جمع کرنا جائز قرار دیا، تو جہتیں تین ہوئیں، لہٰذا گوشت کا بھی تین حصہ کرنا چاہیے۔"

ہمارا کہنا ہے کہ آیت میں صدقہ کا لفظ بھی نہیں اطعام کا لفظ ہے جس کے لفظ میں اباحت داخل ہے، اور اسی کو یہ علماء لفظ تصدق سے تعبیر کرتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر لفظ تصدق ہی عام معنی میں مستعمل ہے اور اس سے ہر قسم کا کار خیر مراد ہے۔

ثم ان الحاکم روی فی تفسیر سورۃ الحج من مستدرکه بطریق زید بن الحباب عن عبدالله بن عیاش المصری عن الاعرج عن ابی هریرۃ رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له[2]

ایک شبہہ اور اس کا جواب: امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سورہ حج کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ایک روایت نقل کی ہے، امام بیہقی نے بھی سنن کبرٰی میں اسے نقل کیا، حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد بتایا، لیکن امام ذہبی نے تلخیص میں اس پر جرح کی، جو کچھ بھی ہو یہ

---

[1] غایۃ البیان

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/۳۹۰

ورواه البیھقی ایضا فی سننہ الکبری ، قال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔[1]

قلت وھذا وان ردہ الذھبی فی التلخیص فقد تلقاہ العلماء بالقبول، و بھذا یتقوی الحدیث وان ضعف سندا ' بید انھم کما تری لایجرون علی اطلاقہ، فقد اتفقوا علی جواز البیع للتصدق ، ونص ائمتنا فی الصحیح عندھم علی جواز البیع بما یبقی ، فکان الشان فی تنقیح معنی الحدیث۔

وانا اقول وباللہ التوفیق من تأمل نظم الحدیث وامعن النظر فی القواعد الفقھیۃ ، الجأہ ذلک الی الجزم بان المراد بیع خاص لامطلق التبدل کیفما کان ، کیف وان التصدق من مقاصد لاضحیۃ الماذون فیھا شرعا، وان للبدل حکم المبدل' وقد ثبت شرعا جواز دفع القیمۃ فی زکوۃ وفطرۃ ونذر وکفارۃ کما نص علیہ فی الھدایۃ والکافی والکنز والتنویر وغیرھا عامۃ کتب المذھب' فاذا جاز ھذا ، والصدقات واجبۃ ، فلأن یجوز وھی نافلۃ اولی فافھم ، اما عدم جواز ذلک فی الھدایا والضحایا بان لایریق الدم

حدیث علمائے اسلام میں مقبول ومتداول ہے ، اور یہ چیز ضعیف حدیث کو قوی بنا دیتی ہے ، الفاظ حدیث کے یہ ہیں ؛

من باع جلد اضحیۃ فلااضحیۃ لہ۔

(جس نے قربانی کی کھال بیچی اس کی قربانی نہیں)

اس حدیث سے اگر کسی کو شبہہ ہو کہ امور خیر کے لئے بھی اس حدیث کی رُو سے ناجائز ہوئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے اطلاق پر نہیں جس کے خارجی ، داخلی اور شرعی سبھی قسم کے شواہد ہیں۔

خارجی دلیل تو یہ ہے کہ سارے علمار اس امر پر متفق ہیں کہ صدقہ کے لئے کھال کی بیع جائز ہے اور خاص علمائے احناف تو باقی رہنے والی چیز کے بدلہ میں بھی اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں' اور ظاہر ہے کہ سب علمار حدیث کے خلاف اتفاق نہیں کر سکتے، اس لئے لامحالہ سب کے نزدیک یہ حدیث مطلق نہیں ہوئی بلکہ مؤول ہے۔

شرعی شہادت یہ ہے کہ شریعت نے قربانی کے گوشت وغیرہ کے جو مقاصد قرار دیئے ہیں ان میں صدقہ بنیادی مقصد ہے، اور از روئے شرع بدل پر وہی حکم لاگو ہوتا ہے جو مبدل کا تھا' چنانچہ زکوۃ وفطرہ میں جس طرح اصل (غلہ، چاندی سونا وغیرہ) ادا کرنا جائز ہے ، اسی طرح اسکی

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الاضحیۃ تفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ویعطى القيم ، فان القربة فيها بالاراقة
دون التصدق ، وهى غير معقولة ،
فلا تستبدل ولا تتقوم ، كما افاده
فى الهداية والبحر وغيرهما
ثم انا نجد الجزاء اى فلا اضحية
له[1] اعظم شاهد على عدم
الاطلاق ، فان من باع
للتصدق فقد اتى بما كان
مندوبا اليه فى الاضاحى ،
فكيف يجازى بانتفاء قربته مع
انه لم يزد على القربة الا
قربة مطلوبة فى خصوص
المحل ، وقضية الجزاء ترتبه
على فعل ينافى التضحية و
ينفى الاضحية على ما فيه من
التاويل لكونه فى معنى الرجوع
عن القربة ، فلا يمكن ان يكون
من باب القربة ، بل ولا من
باب الاكل والادخار فان
الشرع قد رخص فيهما ايضا
مثل الائتجار، ولو كان فيهما ما ينافى
الاضاحى ويصح ان يترتب عليه نفى
الاضحية ، لما اذن فيهما ، فعند

قیمت بھی، تو قربانی میں بھی یہی ہونا چاہئے کہ جس طرح
گوشت اور کھال کا صدقہ جائز ہے اسکی قیمت
کا صدقہ بھی جائز ہو۔

ایک ذیلی شبہہ اور اس کا جواب | اصل قربانی
میں تو ایسا نہیں ہوتا کیونکہ کوئی شخص قربانی کے
بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا چاہے تو شرعاً
جائز نہیں، قربانی ہی کرنی ہوگی، اس کا جواب یہ
ہے کہ قربانی میں اصل مقصد خون بہانا ہوتا ہے
جو قیمت صدقہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتا ، اور
چونکہ قربانی کا حکم خلافِ قیاس ہے، اس لئے اس
میں اپنی عقل سے بدلہ مقرر کرنا صحیح نہیں، جیسا کہ
بحر و ہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور گوشت
اور کھال کا مقصد صدقہ ہے، اس لئے قیمت سے
بھی ادا ہو جاتا ہے۔

داخلی شہادت یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک بطورِ
شرط وجزا وارد ہوئی، شرطیہ جملہ ہے، "جس نے
قربانی کی کھال بیچی" اور جزا یہ ہے "اس کی
قربانی نہیں ہوئی"۔

پس اس جزا کا تقاضا یہ ہے کہ شرط ایسی
چیز ہو جس پر قربانی کی نفی مرتب ہو سکے۔ اور قربانی،
قربانی نہ رہ جائے، نہ کہ وہ چیز جس سے قربانی کا
مقصد بدرجۂ اتم حاصل ہو، یعنی شرط ایسی بیع
ہوگی جو ثواب کے لئے نہ ہو، اور وہ بیع جو حصول ثواب

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/۳۹۰

ذلك رأينا ان المراد هو البيع بحيث يخرج عن جميع ما رخص له الشرع فيه، وما هو الا البيع بمستهلك لا لان يصرف الى قربة فان الاكل وهو الانتفاع به عاجلا قد ذهب بنفس التبدل، والادخار(ع) لكونه لا نفع به ببقائه، والانتجار لعدم التقرب فخرج عن الوجوه الثلثة الشرعية، فكان هو الملحوظ بالنهي المورث للخبث الموجب للتصدق، اما اذا باع ما ينتفع به باقيا فالاكل وان فقد والانتجار وان لم يكن فالادخار باق، لان البدل ينوب المبدل وهو مبقى فيكون مدخرا، وكذا اذا باع بمستهلك لقربة فالاكل والادخار وان ذهب فالانتجار حاصل، وهو افضل الوجوه فلا معنى للمنع وبه ظهر ان ما نحن فيه اولى بالجواز من البيع بباق وهو مصرح بجوازه في عامة كتب المذهب

کی غرض سے ہو، یا وہ بیع جو باقی رہنے والی چیز سے ہو، یا اس کو کھالیا جائے، تو یہ افعال لا اضحیۃ لہ (اس کی قربانی نہیں) کی شرط نہیں بن سکتے، کیونکہ ان کی تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے، تو لامحالہ شرط میں وہی بیع مراد ہوگی جس کی کھال یا گوشت کو تمول کیلئے بیچا گیا ہو کیونکہ ایسی بیع سے قربانی کے مقاصد ثلثہ فوت ہوگئے، بیع کی صورت میں کھانا منتفی ہوگیا، یہ ظاہر ہے، ادخار (جمع کرنا) اس لئے منتفی ہوگیا کہ ایسی چیز کے عوض بیچا جو باقی رہنے والی نہیں ہے کہ کہا جائے کہ بدل اصل کا قائم مقام ہے، اور طلب ثواب اس لئے منتفی ہوگیا کہ یہ بیع تمول اور کسب زر کی غرض سے ہوئی تو ایسی بیع کی صورت میں قربانی کے تینوں مقاصد منتفی ہوگئے، اور یہ کہنا بالکل چسپاں ہوگیا کہ لا اضحیۃ لہ (اس کی قربانی نہیں)، اور اس بیع سے جو قیمت حاصل ہوئی خبیث ہوئی، تو اس کا صدقہ واجب ہوگیا۔

برخلاف اس کے اگر باقی رہنے والی چیز سے بدلا تو اکل و ثواب تو ضرور منتفی ہوا، مگر ادخار باقی رہا کہ بدل کا باقی رہنا اصل کا باقی رہنا ہے، اور ہلاک ہونیوالی چیز سے بدلے ثواب

ع الادخار والانتجار كلاهما بالنصب عطفا على الاكل ۱۲ منه قدس سره.

ادخار اور انتجار دونوں نصب کے ساتھ ہیں لفظ اکل پر عطف کی بنا پر، ۱۲ منہ قدس سرہ (ت)

فانکار جواز هذا ان ليس تحكما فماذا ، وانت اذا تأملت ما القيت عليك ، واخذت الفطانة بيديك وجعلت الانصاف بين عينيك ، لعلمت ان هذا هو الغنی المفهوم من الحديث ، فی اول النظر كما بعد الطلب الحثيث فان المتبادر من سياق اللفظ ان يكون بيعه للانتفاع لانه عقد موضوع

بچا، نرا اکل وادخار تو ضرور منتفی ہوا، لیکن طلب ثواب اب بھی باقی ہے، اور یہ ان وجوہ ثلثہ میں سب سے افضل ہے، تو یہ جائز ہوگا، اور اس کا انکار زیادتی اور زبردستی ہے۔

ایک آسان بات | یہ لمبی اور دقیق بحث ترک بھی کردی جائے تو یہ ایک آسان اور سامنے کی بات ہے کہ لفظ بیع انتفاع کے لئے بیچنے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ عقد بیع کی وضع ہی اسی غرض کیلئے ہوتی ہے اور یہی لفظ بیع بالدراہم کی طرف بھی اشارہ

عہ ثم بعد زمان لما منّ المولیٰ سبحنه وتعالیٰ علی بشراء غاية البيان للعلامة الاتقانی رأيته نقل عن الامام شيخ الاسلام بكل ما يشير الی هذا الذی نحوت اليه حيث قال قال شيخ الاسلام خواهر زاده رحمه الله تعالیٰ فی مبسوطه اما اللحم فالجواب فيه كالجواب فی الجلد ان باعه بالدراهم تصدق بثمنه وان باعه بشئ آخر ينتفع به جاز كما فی الجلد وانما ذكر محمد رحمه الله تعالیٰ البيع فی حق الجلد دون اللحم لانه بنی الامر علی ما هو الغالب وفی الغالب كما ينتفع بعين الجلد يباع بشئ آخر ينتفع به وفی اللحم فی الغالب ينتفع به

پھر کچھ زمانہ بعد جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا علامہ اتقانی کی غایۃ البیان خرید لینے کا، اسے میں نے دیکھا کہ انھوں نے امام شیخ الاسلام سے وہ سب کچھ نقل فرمایا جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالےٰ نے اپنی مبسوط میں فرمایا کہ گوشت کی بابت حکم وہی ہے جو کھال میں ہے کہ اگر دراہم سے فروخت کیا تو صدقہ کرے اور اگر کسی اور نفع آور چیز سے فروخت کیا جائز ہے جیسا کہ کھال کا حکم ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے صرف کھال کے متعلق بیع کا حکم اس لئے ذکر کیا کہ انھوں نے غالب رواج پر بنا کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ غالب طور پر جلد کو نفع یا نفع مند کے بدلے فروخت

(باقی برصفحہ آئندہ)

لذلك وهو الغالب فيه وان يكون بالدراھم لانه البيع المطلق، والبيع من كل وجه اما المقايضة فتستوی فيه جهتا البيع والشراء، اما سائر المستهلكات ففي حكم الدراھم، ولذا جعلها في الهداية هي الاصل، وقال في سائرهن اعتبارا بالبيع بالدراھم[1] هذا كله ماخطر بالبال مستعجلا، فانعم الفكر منصفا متأملا، فان وجدت شيئا يعرف وينكر فلم آلُ جهدا في اتباع الغرر من ائمة النظر، والله الهادی الی عوالی الفکر۔

کرتا ہے کیونکہ بیع کی یہی صورت اصلی ہے، اور اشیاء سے تبادلہ میں تو بدلین پر قیمت اور بیع دونوں ہونے کا احتمال رہتا ہے، اس لئے صرف لفظ بَاعَ بھی اس مقصد پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حدیث میں لفظ "من باعَ" سے خاص وہی بیع مراد ہے جو دراہم کے بدلے اپنی ذات کے تمول وانتفاع کے لئے ہو۔

شبہہ اور اس کا جواب | اگر کوئی یہ کہے کہ دیگر مستہلکات سے بھی تو بقول آپ کے بیچنا منع ہے، تو آپ کے اس قول کا کیا وزن رہا کہ لفظ بیع پر غور کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ بیع ممنوع بالدراہم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر مستہلکات کے ساتھ بیع کی ممانعت دراہم کے ہی تابع ہو کر ہے، اصالۃً نہیں، اسی لئے تو ہدایہ میں دراہم کو ہی اصل قرار دیا، اور بقیہ کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا: اعتبارا بالبیع بالدراھم (دراہم کی بیع پر قیاس کرتے ہوئے)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولایباع[2] اھ فاشار ان المراد بالبیع ھو الذی یقصد بہ الانتفاع ۱۲ منہ قدس سرہ۔

کیا جاتا ہے اور گوشت میں غالب یہی ہے کہ اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور اسے فروخت نہیں کیا جاتا اھ، تو اس سے اشارہ ہوا کہ بیع سے مراد صرف وہ ہے جس سے انتفاع مقصود ہو ۱۲ منہ قدس سرہ۔ (ت)

---

[1] الھدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی ۴/۴۴۸

[2] غایۃ البیان

(تنبیہ نفیس) اقول وبھذا التحقیق استبان والحمد للہ معنی قول الھدایۃ "لو باع الجلد او اللحم بالدراھم او بما لاینتفع بہ الا بعد استھلاکہ تصدق بثمنہ[1]" اھ فانما معناہ اذا باع بھا لاجل الانتفاع لا البیع بھا مطلقا فانہ رحمہ اللہ تعالٰی ونفعنا ببرکاتہ فی الاولٰی والاخرٰی قال اولا "یعمل منہ اٰلۃ تستعمل فی البیت[2]"، ثم قال "ولا باس بان یشتری بہ ماینتفع بہ فی البیت بعینہ مع بقائہ[3]"، ثم قال "ولا یشتری بہ مالاینتفع بہ الا بعد استھلاکہ[4]"، وقال فی تعلیلہ "اعتبارا بالبیع بالدراھم[5]"، قال "والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول[6]"، ثم قال "ولو باع الجلد او اللحم[7]" الخ فکلامہ کلہ، بدؤہ وثناؤہ وفتحہ وانتہاؤہ فی البیع لاجل الانتفاع، لا مطلق البیع، کیف ولو ارید المطلق لما ساغ قولہ "ولا یشتری بہ مالاینتفع بہ" الخ فان شراء ذٰلک لاجل التصدق جائز قطعا ولما صح قولہ "اعتبارا بالبیع بالدراھم" لمثل مابینا

عبارتِ ہدایہ کی تشریح | ہماری اس تحقیق سے ہدایہ کے مندرجہ ذیل قول کے معنی بالکل واضح ہوگئے اور مانعین کا استدلال باطل ہوگیا، "اگر جلد یا گوشت کو دراہم یا ایسی چیزوں کے ساتھ بیچا جنھیں ختم کئے بغیر ان سے انتفاع نہ ہوسکے تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔"

(۱) اس عبارت میں بیچنے سے مراد اپنی ذات کیلئے بیچنا ہے، مطلقاً نہیں۔ کیونکہ پہلے انھوں نے یہ فرمایا کہ کھال سے گھریلو کام کے لئے کوئی سامان بنایا جاسکتا ہے، پھر کہا ایسی چیز جسے باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے

اس سے بدل بھی سکتے ہیں، تو ان دو مسئلوں میں انتفاع ذاتی ہی کا بیان ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسی چیز سے نہ بدلیں جو استعمال میں خرچ ہوجائے، تو یہ ممانعت بھی ذاتی استعمال والی ہی بیع کے لئے ہوئی، اب اسی بیع کی ممانعت کی علت بیان فرماتے ہیں کہ یہ بیع بالدراہم کی طرح ہے، تو ظاہر ہے کہ اس سے وہی بیع بالدراہم مراد ہوگی، جو ممنوع ہے، صدقہ کے لئے تو دراہم کے عوض بیچنا جائز ہی ہے، اور آگے اسی کے لئے فرماتے ہیں کہ اس میں معنیٰ تمول ہے، تو یہ کلام ابتداء سے انتہاء تک پکار پکار کر اعلان کررہا ہے کہ اس بیع سے مراد ذاتی انتفاع

---

[1] تا [6] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸

وبطل تعلیلہ بانہ "تصرف علی قصد التمول" فلیس کل بیع بالدراھم مما یصدق علیہ ذلک کما اسلفنا تحقیقہ، وقولہ "ولو باع الجلد الخ" انما ھو متفرع علی تلک المسئلۃ فلا یراد بہ الا ما ارید بھا، کانہ لما بین عدم جوازہ نشأ السؤال فقیل اذا لم یجز ھذا، فان فعلہ فاعل فما ذا علیہ، فاجاب بانہ یتصدق بثمنہ ثم نشأ السؤال بان قولکم ھذا یفید صحۃ البیع فکیف بحدیث "من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ[1]" فاجاب "بانہ الحدیث انما یفید کراھۃ البیع اما البیع جائز لقیام الملک والقدرۃ علی التسلیم[2] اھ" وھذا دلیل اٰخر علی ان لیس الکلام فی مطلق البیع بالدراھم، فان البیع بھا لاجل التصدق لایکرہ اصلا، وقد بیّن ھذا، فابین من ھنا مولانا العلامۃ العلائی صاحب الدر حیث قال بعد قول المولی الغزی رحمھما اللہ تعالٰی "تصدق بثمنہ اھ مفادہ صحۃ البیع

والی بیع ہے مطلقاً بیع نہیں، ورنہ حضرت کی ان عبارتوں کے کوئی معنی نہ ہوں گے "ما لاینتفع بہ" (جس سے نفع نہ اٹھایا جاسکے) اعتباراً بالبیع بالدراھم (بیع بالدراہم پر قیاس کرتے ہوئے) وانہ تصرف علی قصد التمول (یہ تمول کی نیت سے تصرف ہُوا) اور اسی کے بعد صاحبِ ہدایہ کی یہ متنازع عبارت "اگر جلد اور گوشت الخ" تو اس کا مطلب مطلقاً بیع کیسے ہوسکتا ہے، یہ تو اسی حکم پر متفرع ہے، گویا کسی نے پوچھا کہ ذاتی اغراض کے لئے جو بیع بالدراہم ہوئی وہ تو ناجائز ہوئی، اب جو پیسہ اس سے حاصل ہوا کیا کیا جائے، تو فرمایا وہ مال خبیث ہے، اس کا صدقہ واجب ہے، اس پر گویا پھر کسی نے پوچھا آپ کے حکم "یہ مال خبیث ہے" سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بیع ہُوئی مگر فاسد، اور حدیث مبارک "لا اضحیۃ لہ" سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیع باطل ہے، تو اس کا جواب اس طرح دیا کہ "الحدیث انما یفید الکراھۃ" یعنی حدیث سے بھی بطلان ثابت نہیں، مراد کراہت ہی ہے، کیونکہ بیع کے تو تمام ارکان پائے گئے کہ جانور بیچنے والے کی ملک ہے، اور مشتری کو اس پر قبضہ بھی دلا سکتا ہے اس لئے بیع تو ہوگئی، مگر قصد تمول اور عدم بقائے بدل

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر (تفسیر سورۃ الحج) دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

[2] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

مع الکراھۃ، وعن الشافعی باطل لانه
کالوقف مجتبیٰ[1] اھ فقد نص ان
قول التنویر "کالھدایۃ تصدق
بثمنه" یفید کراھۃ البیع،
فمحال ان یکون الکلام فی
مطلق البیع بالدراھم، بل فی
الصورۃ المکروھۃ فقط، وھی
المارۃ فی قوله "لایشتری به
مالاینتفع به" الی قوله
"تصرف علی قصد التمول"[2]
ومن اوضح الدلائل علی ذٰلک
ایضا تعلیل الکافی شرح الوافی
لمسئلۃ الھدایۃ بقوله لان معنی
التمول سقط عن الاضحیۃ فاذا
تمولها بالبیع انتقلت القربۃ
الی بدله فوجب التصدق[3] اھ
فافادان الکلام انما ھو فی
صورۃ التمول لاغیر، ولذا
جاء تصویر المسئلۃ فی التبیین
ومجمع الانھر وغیرھما من
الاسفار الغر بلفظۃ "لایبیعه

کی وجہ سے فاسد ہوتی۔
(۲) صاحب ہدایہ کا یہ بعد والا کلام بھی اس بات
کی دلیل ہے کہ بیع سے ان کی مراد مطلقاً بیع
بالدراہم نہیں کیونکہ تصدق کے لئے بیچنے کو تو
سبھی جائز کہتے ہیں۔
(۳) یہیں سے "صاحب درمختار" کے کلام کا
مطلب بھی واضح ہوگیا جو انھوں نے امام غزی کے
قول "تصدق بثمنه" کی شرح میں فرمایا ہے'
اس کا مفاد یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے مگر فاسد ہے'
البتہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس جانور
کو وقف کی طرح قرار دے کر اس کی بیع کو باطل
قرار دیا، اس عبارت میں اس بات کی صراحت
ہے کہ تنویر کا لفظ تصدق بثمنه بالکل ہدایہ کی
عبارت تصدق بثمنه کی طرح ہے، جو مطلب اس کا
ہے وہی تنویر کی عبارت کا بھی ہے، تو ایسی صورت
میں محال ہے کہ اس عبارت میں مطلق بیع مراد ہو'
بلکہ وہی مراد ہے جو ہدایہ کی عبارت "لایشتری به
مالاینتفع" سے تصرف علی قصد التمول تک میں
مراد ہے۔
(۴) اس مقصد پر اس سے بھی واضح دلالت
کافی شرح وافی کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

۱؎ درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۴
۲؎ الہدایۃ " مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸
۳؎ الکافی شرح الوافی

بالدراهم علیٰ نفسه وعياله[1]، فقد اوضحوا المرام، وازاحوا الاوهام، وهذا دليل رابع علی ما ذکرت، والخامس الوتر والله يحب الوتر، ان نقل کلام التبيين فی الهندية ثم قال "وهکذا فی الهداية والکافی"[2] اھ فقد افصح بملأ فيه ان معنی کلام التبيين والهداية واحد۔

"قربانی کے جانور سے تمول کے معنی کی نفی ہو جاتی ہے لیکن جب اس کو تمول یعنی کسبِ زر کی نیت سے بیچا تو اب پھر وہ اضحیہ سے نکل گیا، تو اب اس کا صدقہ واجب ہوگا۔"

تو انھوں نے تو نص ہی کر دیا کہ ممانعت کا حکم صورت تمول میں ہے، کسی اور صورت میں نہیں، اس لئے اس مسئلہ کو تبیین، مجمع الانہر وغیرہ کتابوں میں اس طرح بیان کیا گیا: "کھال کو اپنے اور بال بچوں کے لئے دراہم کے عوض نہ بیچے"۔ تو انھوں نے تو قسمہ ہی لگانہ چھوڑا، یہ چوتھی دلیل ہوئی۔

(۵) اور پانچویں صاحبِ ہندیہ کا یہ کلام کہ انھوں نے صاحبِ تبیین کے کلام کو نقل کر کے فرمایا: "یہ مسئلہ اسی طرح ہدایہ اور کافی وغیرہ میں ہے"۔ تو انھوں نے تو منہ بھر کر گواہی دے دی کہ صاحبِ تبیین اور ہدایہ کی عبارت کا مطلب ایک ہی ہے۔

ثم بعد زمان لما من سبحٰنه وتعالیٰ علی عبده الضعيف بشراء غاية البيان شرح الهداية للعلامة الاتقانی رحمه الله تعالیٰ، رأيته شرح کلامه بما لم يبق للوهم مجالا، حيث قال يريد به ان القربة فاتت عن الجلد بما باعه ولکن الاضحية ساقط عنها معنی التمول، فلما باعه بالدراهم وجب عليه التصدق بها، لئلا يلزم التمول بشیئ من الاضحية او بدلها[3] فافاد کالکافی وغيره ان المنهی عنه

اس کے بعد غایۃ البیان علامہ اتقانی رحمۃ اللہ علیہ دیکھنے کی توفیق ہوئی تو انھوں نے تو اوہام کے سارے بادلوں کا صفایا کر دیا فرماتے ہیں: "ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کھال کی بیع کے بعد اس سے قربت اور ثواب ہونے کے معنی ختم ہوگئے حالانکہ قربانی سے کسبِ زر اور حصولِ زر کی غرض منتفی فقط ہے، تو جب دراہم سے اس کو بیچ دیا، تو اس کا صدقہ واجب ہے تاکہ قربانی یا اس کے معاوضہ سے کسی قسم کا تمول نہ لازم آئے"۔

تو انھوں نے بھی کافی کی طرح یہ بات صاف

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۶/۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۰۱

[3] غایۃ البیان

هو البیع للتمول، و زادان المراد بیع یفوت القربة فخرج البیع لاقامة قربة، فانه لایفوتها بل یحصلها وھو تقرب لاتمول، فاتضح الصواب و زال الارتیاب، والحمد للہ فی کل باب، ھکذا ینبغی التحقیق اذا ساعد التوفیق، ومن المولٰی تعالٰی ھدایة الطریق، فقد بان بنعمة اللہ جل وعلا ان البیع بالدراھم لیس مما یمنع مطلقا بل اذا کان علی جھة التمول، وھو الذی یورث الخبث وعلیہ یتفرع وجوب التصدق، اما اذا باع بھا لیصرفھا فی القربات، فذلک سائغ وسائر وجوہ القرب مطلقة حینئذ لاحجر فی شیئ منھا۔

کردی کہ ہدایہ کی عبارت سے مراد وہ بیع ہے جو تمول کے لئے ہو، اور اتنا اضافہ فرمایا کہ یہ وہ بیع ہے جس سے کارِ ثواب اور قربت ہونے کی نفی ہوتی ہے، تو وہ بیع اس حکمِ ممانعت سے خارج ہوگئی جو ادائے قربت اور حصولِ ثواب کے لئے ہو، والحمد للہ رب العٰلمین۔

تو یہ امر واضح ہوگیا کہ ممنوع مطلقاً بالدراہم نہیں، بلکہ جب تمول کے طور پر ہو یہی بدل میں خبث پیدا کرتی ہے، اور اسی سے تصدق واجب ہوتا ہے، اور کارِ ثواب کے لئے بیچنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ کارِ ثواب کسی قسم کا ہو۔

بذلک افتیت غیر مرة وکتبت فیہ فتوٰی مفصلة اذ سئلت عنہ لتسع بقین من ذی الحجة عام الف وثلثمائة وخمس من ھجرة من لولاہ ما علیت الخمس، ولا لاح قمر ولا بزغت شمس، ولا اقبل غد ولا ادبر امس علیہ وعلٰی اٰلہ الغر الکرام افضل صلاة واکمل سلام واخری مجملة اذ ورد علی السؤال لسبع خلون من ذی القعدة الحرام فی العام الذی یلی ذلک العام

میں نے بارہا یہی فتوٰی دیا اور اس موضوع پر ایک مفصل فتوٰی ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو لکھا، اور دوسرا مجمل فتوٰی آئندہ سال ذی القعدہ میں دیا، یہ دونوں فتاوٰی میرے فتاوٰی کی چوتھی جلد میں ہیں تو میرے ان فتووں کی مخالفت ہندیوں کی ایک جماعت نے شروع کی جن میں اکثر وہابیہ ہیں، ان کا خیال ہے کہ کھال کی بیع دراہم کے ساتھ مطلقاً ناجائز ہے، خواہ نیت کارِ ثواب کی ہی کیوں نہ ہو، ان کا صدقہ کرنا واجب ہے، وہ بھی اسی طرح کہ فقیر کو اُس کا مالک بنادے، کسی بھی

وهما مثبتتان فی المجلد الرابع من مجموعة فتاوی المبارکة ان شاء الله تعالیٰ الملقبة بالعطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة جعلها الله نافعة للمسلمین ومقبولة لدی العالمین وحجة لعبده یوم الدین آمین اٰله الحق آمین۔

فعند ذٰلك نازعنی شرذمة من الهندیین اکثرهم من الوهابیة المبطلین زاعمین ان البیع بالدراهم مطلقا ولو للقربات یوجب التصدق حتی لایجوز له الصرف الی ما نوی من القرب بل لایخرج عن العهدة الا بالاداء الی الفقیر علی وجه التملیك، واحتج الاصاغر منهم علی ذٰلك بعبارتی الهدایة والدر المذکورتین، وقد بینا ما هو المراد بهما واثبتنا عرش التحقیق علی انه لامساس لشیئ منهما بمزعوم القوم، فاغنانا ذٰلك عن الاسترسال مرة اخریٰ فی ردکلامهم، فانه لشدة وهن نفسه غنی عن ایهان غیره، فلئن سألتهم هل الکلام ههنا اعنی فی قول الهدایة والدر فی بیع یکره لا فی غیره، لیقولن نعم، ولئن سألتهم هل البیع بالدراهم یکره مطلقا لیقولن لا، قل فانی تذهبون، ولئن قالوا فی الاول لا، لقضت علیهم حجتهم نفسها بالخطأ والجهالة ولئن

دوسرے مصرف میں خواہ مصرف خیر ہی کیوں نہ ہو، صرف کرنا جائز نہیں، اصاغر نے تو ہدایہ اور درمختار کی انھیں دونوں عبارتوں سے سند پکڑی، جس کا مفصل بیان اُوپر گزرا، تو ہم کو دوبارہ ان کی تردید کرنی ضروری نہ تھی، ان کی بات حد درجہ کمزور ہے، کیونکہ ان سے خود پوچھ دیکھو کہ ہدایہ اور درمختار کی عبارت بیع مکروہ کے بیان میں ہے، یا کسی دوسری کے بیان کے لئے، تو کہیں گے بیع مکروہ کے لئے، پھر ان سے پوچھو کیا کھال کی بیع مطلقاً مکروہ ہے تو کہیں گے نہیں، تو اب فیصلہ کے لئے کیا باقی رہ گیا ہے، اور اگر اول میں پلٹ کر جواب دیں کہ صرف بیع مکروہ کی نہیں، تو ان کا نفس انھیں خود جھٹلائے گا، اور ثانی میں اگر کہیں ہاں، تو ان کی بات خود انھیں کو جھٹلا رہی ہے کیونکہ وہ بھی صدقہ کے لئے بیع جائز قرار دیتے ہیں، اور اگر وہ اس بیع کے جواز کا انکار کرینگے تو ہم ان کو نصوص علماء کے لشکروں سے آسودہ کردیں گے۔

قالوا فی الاخرنعم ، فکلامهم انفسهم مناد علیهم بالبهت والبطالة ، فانهم ایضا معترفون بجواز البیع للتصدق من دون کراهة ، وان لم یعترفوا الاتیناهم بجنود من نصوص العلماء لاقبل لهم بها ، فناهیك بهذا القدر مشبعا لهم ، و مزیلا لوهم عرض بالهم۔

ولکنی **اقول** لاغرو من نفر قاصرین لایکادون یمیزون بین الغیث والسمین والرخیص والثمین والمدین والضمین والشمال والیمین ، انما العجب من کبیرهم الگنگوهی المدعی طول الباع و عظم الذراع علی ما فیه من انواع الابتداع[ع] حیث زاد غباوة علی الاتباع واخذ یتشبث بما قد مناعبارتی العینی والکافی " انه تصرف علی قصد التمول" الی قوله " فیکون خبیثا

اگر یہ چھوٹے لوگ غلطی میں پڑگئے جو موٹے اور دُبلے سستے اور مہنگے ، اور دائیں بائیں کی تمیز نہیں رکھتے تو تعجب کی بات نہ تھی ، تعجب تو اس بات پر ہے کہ ان سب کے امام گنگوہی صاحب جو طول باع و وسعت اطلاع کے مدعی ہیں انھوں نے کیسے یہ فروغ دیا اور [illegible] بقہ گمرہیوں میں اضافہ کرلیا اور سند میں عینی اور کافی کی عبارت پیش کی 'ہدایہ اور دُرر کی عبارت ہی ان کے خلاف حجت تھیں ، لیکن عینی اور کافی کی عبارتیں تو ان کا صریح رَد ہیں '

[ع] هذا کان اذ ذاك ثم ترقی به الحال فی الغوایة والضلال فوقع فی الکفر البراح واختار الارتداد الصراح واستحب العمی علی الهدی نعوذ بالله من الهلاك والردی ولاحول و لاقوة الا بالله العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ العزیز۔

یہ حکم تو اس کے حال سابق پر تھا پھر گمراہی اور ضلالت میں اس کا حال مزید ترقی کرگیا پس وہ کفر ظاہر میں جا پڑا اور ارتداد صریح کو اختیار کیا اور ہدایت پر گمراہی کو اختیار کیا ، ہم ہلاکت و بربادی سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ (ت)

فیجب التصدق، وانه اذا تمولها بالبیع[1] الیٰ قوله فوجب التصدق[2] فان کلامی الهدایة والدر، وان کانا حجتین علیهم لا لهم، لکن لا کما تین الناصتین بان الکلام فی صورة التمول لا مطلق التبدل، لاسیما کلام الامام البدر المبین کالبدر، ان وجوب التصدق لاجل الخبث والخبث لکراهة البیع، وکراهة البیع لقصد التمول، فیالیت شعری فیظن الرجل ان کل تبدل بمستهلك تمول، فیحکم بکراهة البیع به مطلقا، ام لا یدری الفرق بین التمول والتقرب حتی یحتج علی الضد بالضد، ام یجیز قیاس المباین علی المباین، والخبیث علی الطیب، والمنهی عنه علی المأذون فیه، بل المندوب الیه فهل هذا الاشیٔ نکرا، وامرا امرا، وایا ما کان فالی الله الضراعة لمنح البراعة ومنع الشاعة۔

قال الرجل هداه الله تعالیٰ الیٰ مسلك اهل السنة والجماعت، اذا باع المضحی جلد اضحیته بالدراهم سواء کان البیع للتمول او بنیة التصدق تعین تصدق ثمنه کالنذر وهذا هو معنی الصدقة الواجبة۔

خصوصاً ہدایہ کی عبارت میں تو تصدق کی علت خبث کو قرار دیا ہے، اور خبث کی وجہ بیع کی کراہت کو تسلیم کیا ہے، اور بیع کی کراہت کی وجہ تمول کو گردانا ہے تو کیا یہ آدمی دراہم کے ساتھ بیع کو مطلقاً بیع متمول گردانتا ہے، یا تمول اور تقرب کا فرق نہیں جانتا، یا ضد کو ضد پر قیاس کرنے کو اور خبیث کو طیب پر محمول کرنے کو اور بیع منہی عنہ کو بیع جائز پر اعتبار کرنے کو روا قرار دیتا ہے، یہ کتنی شنیع بات ہے، ہم خدا کی اس سے پناہ مانگ رہے ہیں۔

رد اللہ تعالیٰ اس شخص کو مذہب اہلسنت وجماعت کی ہدایت دے۔ اس نے کہا: "قربانی کرنیوالے نے جب جلد دراہم کے عوض بیچ دی تو تمول (کسب زر) کی نیت ہو یا صدقہ کی اس کے دام کا صدقہ کرنا واجب ہوگیا جیسے نذر کا صدقہ واجب ہوتا ہے، علینی نے شرح ہدایہ میں کہا یہ قصد تمول پر تصرف ہے اور قربانی کسب زر کا ذریعہ ہونے سے نکل چکی ہے، تو جب بیچ کر کسبِ زر کیا تو صدقہ واجب ہوگیا کیونکہ یہ ثمن فعل مکروہ سے حاصل کیا تو خبیث ہوگا اور صدقہ واجب۔" اور کافی میں ہے جب اس سے تمول کیا تو قربت کھال سے منتقل ہو کر اس کے بدل میں چلی گئی تو اس کا تصدق واجب ہوا۔

اس کلام سے کم از کم یہ بات واضح ہوگئی کہ شخص

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۲/ ۱۹۰
[2] الکافی شرح الوافی

قال العینی فی شرح الھدایۃ انہ تصرف علی قصد التمول وقد خرج عن جھۃ التمول فاذا تمولہ بالبیع وجب التصدق لان ھذا الثمن حصل بفعل مکروہ، فیکون خبیثا فیجب التصدق اھ وفی الکافی فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الی بدلہ فوجب التصدق اھ[1] معربا ملخصا۔

اقول دلنا کلامک ھذا علی تعیین الشق الاخیر من الشقوق الثلثۃ المارّۃ فی قولی، یالیت شعری فعرفنا بتردیدک ان لیس کل بیع بمستھلک تمولا عندک وانک ماتمیز بین التمول وغیرہ، وان بدلت التقرب بالتصدق جھلا منک، اوتجاھلا مع علمک ان الکلام فی سائر القرب دون التصدق فاذن لا اجد لاحتجاجک بکلام الکافی مثلا، الا کمن ادعی ان من صلی اثم سواء کانت صلاتہ للہ تعالٰی اولغیرہ واحتج علیہ بقولہ عزوجل "قل یایھا الکفرون o لا اعبد ما تعبدون[2] o" فان کان الدلیل یتم بان یکون اخص من المدعا مع عدم المساس بالجزء المقصود منہ المتنازع فیہ اصلا، فلا اری احدا من

تمول اور تقرب کے فرق سے آگاہ ہے تبھی تو بیع تمول اور بیع تقرب کو دو علیحدہ قسمیں قرار دے کر حرفِ تردید سے بیان کیا کہ تمول ہو یا صدقہ کی نیت دام کا صدقہ واجب ہوگیا، ہاں لاعلمی یا تجاہلِ عارفانہ میں لفظ تقرب کو تصدق سے بدل دیا کیونکہ کلام تو مطلقاً کارِ ثواب کے لئے بیع کرنے سے متعلق ہے۔

الغرض اس کلام سے اب سمجھ میں آیا کہ بات وہی آخری ہے کہ اس شخص کے نزدیک ضد مخالف سے استدلال جائز ہے، اس استدلال کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہے عبادت خدا کی ہو یا غیر خدا کی سب ناجائز ہے۔ دلیل اس کی قرآن عظیم میں ہے "لا اعبد ما تعبدون، تو ما تعبدون دیکھا ہی نہیں لا اعبد سے استدلال کر دیا۔ اسی طرح صاحبِ کافی کی عبارت تو بیع تمول کی ممانعت میں ہے اور آپ نے مطلقاً بیع حرام کر دی۔

یہ تو عبارتِ کافی سے استدلال کا حال ہے، اور عینی سے استدلال کی حالت تو اور ردی ہے، اس لئے کہ وہ نص کرتے ہیں کہ اس کا تصدق اس لئے واجب ہے کہ مال خبیث ہے، اور یہ صورت بیع تمول کے سوا اور کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتی، تو آپ کا اس عبارت سے استدلال اندھیری رات

---

[1]

[2] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۱ و ۲

المبطلين يعجز عن اقامة الف دليل على دعواه هذا احتجاجك بالكافی ، اما التمسك بكلام البدر فبرأك الله من ان تنقص درجة عمن يدعی وجود الليل البهيم مُسبل الاستار يحتج عليه بوجود الشمس فی وسط السماء بازغة تبهر الابصار۔

کے ثبوت میں سورج پیش کرنے کے مرادف ہے" اس شخص نے کہا : "کافی اور عینی کی عبارتوں سے ثابت ہو گیا کہ اس کھال کے دام کا تصدق واجب ہے، تو وہ صدقہ واجبہ ہوا ، اور اس کا مصرف وہی ہے جو صدقہ واجبہ کا مصرف ہے ، تو اسے مسجد یا مدارس کی تعمیر میں صرف نہیں کرسکتے۔

قال" فقد اتضح بهاتين الروايتين وجوب التصدق واذا وجب الصدقة فكونها صدقة واجبة واضح بنفسه فلايكون مصرفها الامصرف الصدقة الواجبة كما هو ظاهر ، فلايجوز صرفه الى بناء المساجد والمدارس[1] اھ بالتعريب۔

اقول ان اريد الوجوب عند التمول فنعم ولاكلام فيه ، او عند التقرب فلا ولاكرامة وای اثر له فی دليلك فما ثبت بهما لا نزاع فيه ، ومافيه النزاع لم يثبت بهما ، وان كان بحسبك ان يقع فی كلام الاصحاب لفظ وجوب التصدق فی ای مسئلة من ای باب ، فنعم لدعواك فی كل كتاب ، دلائل عدد الرمل والتراب۔

گنگوہی صاحب کی اس عبارت کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان عبارتوں سے یہ ثابت ہے کہ بیع تمول کے لئے ہے تو قیمت کا صدقہ واجب ہے ، تو یہ بات صحیح ہے ، بیشک اگر بقصد تمول بیع کی تو اس کا تصدق واجب ہے ، اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی کارِ ثواب کی غرض سے بیع کیا تب بھی تصدق واجب ہے ، تو یہ بات ان دونوں عبارتوں سے ہرگز ثابت نہیں ، اور اگر آپ کے استدلال کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ عبارت میں صدقہ واجبہ کا لفظ مل جائے ، چاہے جس باب اور جس بیان میں ہو ، تو

قال والصدقة مطلقا لابد فيها من التمليك سواء كان اباحة او تمليكا تاما[2]

١

٢

اقول یالیتك اذ لم تھتد الی الصواب
قنعت ، بما من قبل صنعت ، ونفسك عن
الاسترسال منعت ، ولکنك اجبت ان تزید
فی الطنبور نغمة ، وفی الشطرنج بغلة ،
فابتدعت القول بان الاباحة من
التملیك وانما تجزئ فی الصدقة
مطلقا ، فجعلت القسیم قسما ،
والضد ندا مع ان کلمات العلماء فی مسائل
الاباحة غیر قلیلة ولا خفیة ، بل دوارة فی
کثیر من ابواب الفقه ، منها الطھارات ،
ومنها الزکوٰة ، ومنها الطلاق ومنها
اللقطة ، ومنها الھبة ، ومنها الکراھیة
وغیر ذلك وھذا شرح الوقایة للامام
الجلیل صدر الشریعة اول کتاب
ندارسه فی الفقه ، افاد فیه
رحمه الله تعالٰی فی اول
کتاب الطھارات من باب
التیمم ، ان القدرة تثبت بطریق
الاباحة ، وبطریق التملیك ، فان قال
صاحب الماء لجماعة من المتیممین
لیتوضأ بھذا الماء ایکم شاء ، والماء
یکفی لکل واحد منفردا ینتقض تیمم
کل واحد لثبوت القدرة لکل واحد
علی الانفراد ، اما اذا قال ھذا الماء لکم
وقبضوا لا ینتقض تیممھم لانه یبقی

یہ دونوں عبارتیں ہی کیا ہیں، ہر کتاب میں آپ کے
مدعا پر سیکڑوں دلیلیں موجود ہیں۔ اس شخص نے کہا :
"صدقہ میں مطلقاً تملیک واجب ہے عام ازیں کہ
بطور اباحت ہو یا بطور تملیک۔"

آدمی کو صحیح بات نہ معلوم ہو تو جتنا ہو چکا اسی پر
صبر کرنا چاہئے اور درازلسانی سے پرہیز کرنا چاہئے،
لیکن آپ نے تو ایک نئے سُر کا اضافہ کرنا چاہا ،
اور شطرنج کے کھیل میں گدھے کو بھی داخل کردیا کیونکہ
یہ بات بالکل غلط ہے کہ اباحت بھی تملیک کا
ایک حصہ ہے، اور صدقہ واجبہ تملیک میں بھی اباحت
سے کام چل جائے گا، افسوس کہ اس کلام میں قسیم
کو قسم اور ضد کو شریک بنادیا گیا حالانکہ ان دونوں کی
تفریق کے بیان میں کتابوں کے ابواب بھرے پڑے
ہیں، ابواب طلاق و لقطہ و ہبہ و کراہیہ وغیرہ میں
کثرت سے یہ مسائل ہیں۔

ہم لوگ فقہ میں جو اول کتاب امام صدر الشریعۃ
کی شرح وقایہ پڑھاتے ہیں اس میں کتاب الطہارۃ کی
ابتداء میں ہی لکھتے ہیں: "پانی پر قدرت اباحت سے
بھی حاصل ہوجاتی ہے اور تملیک سے بھی، تو پانی والے
نے ایک پوری جماعت سے اگر یہ کہا تم میں سے جو
چاہے اس پانی سے وضو کرے ، اور پانی کسی
ایک کے وضو بھر تھا، پوری جماعت کا وضو ٹوٹ
جائے گا، کیونکہ علیٰ سبیل الانفراد سب کی قدرت
ثابت ہوگئی۔ اور اگر یوں کہا کہ اس پانی پر تم سب
قبضہ کرلو، تو تیمم نہ ٹوٹے گا، کیونکہ اتنا پانی جب

علی ملك الواھب ولم تثبت الاباحۃ لانہ لما بطل الھبۃ بطل ما فی ضمنھا[1] اھ ملخصا ونحوہ فی الفتح والبحر وغیرھما، فانظر کیف باینوا بینھما، واسمع کیف اثبتوا الاباحۃ لکل منفردا بقول المالك لیتوضأ بہ ایکم شاء، مع بداھۃ انہ لا تثبت بقولہ ھذا شیئ من الملك لکل منھم، ولا لاحدھم افما کنت درست ھذا، اوما دریت ولا وعیت ضابطالھم، ان ماشرع بلفظ اطعام وطعام جاز فیہ الاباحۃ، وما شرع بلفظ ایتاء واداء شرط فیہ التملیك[2]، کما فی ظھار الدر ومجمع الانھر وغیرھما فافتح العین، ھل ھما قسیمان، او احدھما قسم من الاخر۔

سب کو ہبہ کیا اور تقسیم نہیں کیا تو ہبہ مشاع ہونے کی وجہ سے، وہ ہبہ باطل ہوا، اور کسی کے لئے اباحت ثابت نہ ہوئی۔ ایسا ہی فتح اور بحر وغیرہ میں ہے۔

تملیک اور اباحت کا فرق اس عبارت سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ پہلی صورت میں اباحت ثابت فرماتے ہیں، اور دوسری صورت جو ہبہ اور تملیک کی طرح ہے، اس میں اباحت کی نفی فرماتے ہیں، اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو ایک کا ثبوت اور دوسرے کی نفی کیسے ہوتی۔ در اور مجمع الانہر میں ایک مشہور و معروف ضابطہ مصرح ہے: "مالک نے کسی کھانے کی چیز کی اجازت لفظ "اطعام" سے دی کہ "اسے فلاں کو کھلادو" تو اس میں اباحت کافی ہے، اور جس کو "ایتاء" سے اجازت دے کہ اسے فلاں کو دے دو" تو اس میں تملیک ضروری ہے۔" تو آنکھ کھول کر دیکھ لیجئے کہ تملیک و اباحت آپس میں قسیم ہیں، یا ایک دوسرے کی قسم!

اوما علمت ان مولی الغزی لما قال ان الزکوۃ تملیك[3] الخ قال المحقق العلائی خرج الاباحۃ[4]، او ما عرفت ان الامام صدر الشریعۃ لما قال فی النقایۃ تصرف تملیکا[5]

امام غزی نے فرمایا: "الزکوۃ تملیك، زکوۃ میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔"

علامہ علائی فرماتے ہیں: "اس سے اباحت نکل گئی۔"

---

[1] شرح الوقایۃ — کتاب الطھارۃ — المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی — ۱/ ۱۰۶-۱۰۵
[2] در مختار — باب کفارۃ الظھار — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۲۵۱
مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر — باب الظہار — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۱/ ۴۵۳
[3] در مختار شرح تنویر الابصار — کتاب الزکوۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۱۲۹
[4] " " " — ۱/ ۱۲۹
[5] مختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایۃ — " فصل مصرف الزکوۃ — نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی — ص ۳۷

یعنی الزکاۃ قال العلامۃ الشمس محمد فی شرحہا فیہ اشارۃ الی انہ لایجوز صرف الاباحۃ[1] الخ اوما عقلت ما افاد العلامۃ البحر فی لقطۃ البحر، اذ قال انما فسرنا الانتفاع بالتملک لانہ لیس المراد الانتفاع بدونہ کالاباحۃ[2]، اوما وقفت علی قول السید الشامی فی لقطۃ رد المحتار ان التصرف علی وجہ التملک احتراز عن التصرف بطریق الاباحۃ علی ملک صاحبہا[3] اھ اوما سمعت العلماء یصرحون فی غیر ما موضع ان المباح لہ، انما یتصرف علی ملک المبیح لاحظ لہ من الملک اصلا، حتی لم یثبتوا لہ ملکا بعد زوال ملک المالک، ایضا قال المولی زین بن نجیم فی شرح الکنز فان قیل المباح یستہلکہ المباح لہ، علی ملک المبیح او علی ملک نفسہ، قلت اذا صار ماکولا زال ملک المبیح عنہ، ولم یدخل فی ملک احد[4] اھ واثرہ عنہ العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر، ھذا وکم اسود لک یا ھذا من نقول الاسفار، وھی فی الوفور والاستکثار،

امام صدر الشریعۃ نے فرمایا: "(الزکوٰۃ) تصرف تملیکا" زکوٰۃ تملیک کے طور پر خرچ کی جائے گی۔ علامہ شمس محمد نے اس کی شرح میں کہا: اس میں اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کو کسی کے لئے مباح کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

اسی طرح علماء کی تصریح ہے: "جو چیز مباح کی وہ مباح کرنے والے کی ملک پر باقی رہتی ہے جس کے لئے مباح کی گئی، اس کو اس کی ملک سے کوئی تعلق نہیں رہتا" ——— "وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں: "مالک کی ملک زائل ہوجائے تب بھی ضروری نہیں کہ مباح لہ کی ملک ثابت ہو"۔

مولانا زین ابن نجیم شرح کنز میں فرماتے ہیں: "مباح کو مباح لہٗ مباح کرنے والے کی ملک پر ختم کرتا ہے، یا وہ چیز خود اپنی ہی ملک پر ہوتی ہے کوئی اس کا مالک نہیں"۔

مطلب یہ ہے کہ جب مباح لہٗ نے اس چیز کو کھا لیا، تو وہ چیز مباح کرنے والے کی ملک سے نکل گئی، اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوئی، حتی کہ کھانے والے کی ملک بھی نہ ہوئی، یہی مطلب ہے ملک نفسہ کا۔ ان کا یہ قول ملا علی قاری نے اپنی کتاب حاشیہ در میں پیش کیا، الغرض اگر میں نقل کرنے پر

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۳۸
[2] بحر الرائق کتاب اللقطۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۵۸
[3] رد المحتار دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۱-۳۲۰
[4] بحر الرائق باب الظہار فصل فی الکفارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۰۹

ما تنزّهي دون نقله الاعمار، وانا بحمد الله عالم بمناط غلطك، ومثار لغطك، وسأنبهك عليه عن قريب، ان شاء المولى القريب المجيب، واما ما اوهمت من اجزاء الاباحة في الصدقات مطلقا، فواضح البطلان عند كل من يعلم ان الزكاة وصدقة الفطر لا تغني فيهما الاباحة على المذهب الصحيح المفتى به، وقد قدمنا نصوص النقاية والتنوير والدر، وضابط الدر وشرح ملتقى الابحر، وسيأتي زيادة على ذلك ان اراد المالك۔

آؤں تو ایسی نصوص کا انبار لگ جائے جو تملیک اور اباحت کے فرق کا اعلان کر رہی ہیں۔

اسی طرح اس کلام کا یہ ٹکڑا کہ "صدقات میں مطلقًا اباحت کافی ہے" یہ بھی غلط ہے، اتنی بات تو ہر آدمی جانتا ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں، ہم نے اس بات کے جزئیات تنویر اور درر سے پہلے نقل کئے، اور درر کا ضابطہ بھی نقل کیا، آئندہ مزید تفصیل کریں گے، تو اس قائل کا کلام از تا پا مخدوش ہی مخدوش ہے اور یہیں مزید رد کی ضرورت نہیں۔

وبالجملة كلام الرجل ككلام مدهوش، من قرنه الى قدمه مخدوش، ونحن اذ قد اوضحنا المرام وازحنا الاوهام بتوفيق ربنا الملك العلام، فلا علينا ان نقصر الكلام، ونطوي بساط الرد والابرام والحمد لله ولي الانعام۔

تذييل جليل: قال العبد الذليل بعد هذا، وقفت على تحرير اٰخر لبعض جلة العصر من افاضل اهل السنة جنح فيه نحو ما جنح اولئك القوم، وحكم ان لا بد ههنا من التمليك متمسكا بما تعريبه حكم جلود الاضاحي ان يتصدق بها او ينتفع بها بنفسه او يستبدلها بما ينتفع به مع بقاء كالغربال والسجادة وغيرهما، ففي صورة

ایک سُنّی عالم کا فتوٰی البتہ علمائے اہلسنت میں سے بھی ایک بزرگ نے اسی قسم کی بات کہی جو گنگوہی صاحب سے مذکور ہوئی، ان کا کلام یہ ہے:

"قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اس کا صدقہ کیا جائے یا اس کو خود استعمال کیا جائے، یا اس کو باقی رہنے والی چیز سے بدلا جائے، جیسے چھلنی، مصلّٰی وغیرہ، تو تصدق کی صورت میں تملیک ضروری ہے۔"

انھوں نے اپنے کلام سے نہ تو یہ ثابت کیا کہ

التصدق لابد من التملیك[1] اھ حاصله معربا۔

اقول ھذا الکلام کما تری لایکاد یرجع الی طائل، فان لزوم التملیك فی التصدق لایستلزم لزومه فی التقرب، ولم یُلْمَّ کلامکم بایجاب التصدق ھٰھنا عینا ونفی سائر وجوہ التقرب شیئا فالصغری المطویة ھی التی کانت محتاجة الی البیان وقد طویتموھا و طویتم الکشح عن بیانھا فاختل البرھان، وکان ملحظ ھذا الفاضل ومحط نظرہ ان حکم الجلود اذا کان دائرا بین الاشیاء الثلثة، وبالبیع بالدراھم ولولاجل التقرب انتفی الاخیران، فتعین الاول، وھو لابد فیه من التملیك ھذا غایة ما یقال فی تقریر کلامه، علٰی حسب مرامه ھنّاہ ربه بلطفه واکرامه فالاٰن۔

کمال کا صدقہ صدقہ واجبہ ہے، نہ یہ ثابت کیا کہ اس کو کسی اور کارِ ثواب میں نہیں لگایا جاسکتا، حالانکہ یہی دلیل کا صغرٰی ہے، بے اس کے ثبوت کے دلیل ہی بیکار رہے۔ان بزرگ کی غلطی کی بناء یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ قربانی کی کھال صدقہ کرنے، بعینہٖ اس سے انتفاع حاصل کرنے، یا باقی رہنے والی چیز سے استبدال میں منحصر ہے، اور جب بعینہٖ انتفاع اور استبدال بالباقی کی صورت نہ پائی گئی، تو تصدّق متعیّن ہوگیا، اور اس میں تملیک ضروری ہے (اللہ تعالٰی انھیں اپنے لطف سے نوازے) یہ ان کے کلام کی انتہائی توجیہ ہے۔

اقول وباللّٰہ التوفیق وبه الوصول الٰی ذری التحقیق، اعلم ان للصدقة اطلاقات[1]: الاول اخصّھا تملیك المال من الفقیر مجّانا، فخرج الاعارة والاباحة وھدیة الغنی، والاقراض وھٰذا ھو المراد فی الزکوٰة وصدقة الفطر، وبھٰذا المعنی یقال ان الصدقة لابد فیھا من التملیك وحینئذ لاتدخل فیھا الکفارات لجواز الاباحة

لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ شرع میں صدقہ کا اطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے:

(۱) "تملیك المال من الفقیر" اس صورت میں عاریۃ، اباحۃ، ہدیہ غنی، قرض وغیرہ سب صدقہ سے نکل گئے، اور صدقہ فطر اور زکوٰۃ میں لفظ صدقہ سے یہی مراد ہوتی ہے اور اسی صدقہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے، تو صدقہ کفارہ اگرچہ صدقہ واجبہ ہے، لیکن اس معنی

---

[1] ف

فیہا قطعًا، ولذا قال فی ظہار التنویر صحت الاباحۃ فی طعام الکفارات والفدیۃ دون الصدقات والعشر[1] قال السیدان الفاضلان احمد الطحطاوی ومحمد الشامی (قولہ دون الصدقات) ای الزکوٰۃ وصدقۃ الفطر[2] فانظر کیف اخرج الکفارات من الصدقات۔

الثانی[3] تمکین الفقیر من المال مجانًا، وھنا یقطع النظر عن التملیك ویکتفی

ہیں وہ صدقہ نہیں کیونکہ اس میں اباحت بھی جائز ہے، تنویر میں ہے:

"کفارہ اور فدیہ کے صدقہ میں اباحت جائز ہے، صدقات اور عشر میں نہیں۔"

لفظ صدقہ کی تفسیر میں شامی اور طحطاوی نے کہا: "صدقات سے مراد زکوٰۃ اور صدقہ فطر ہے۔" یہاں کفارہ صدقہ واجبہ ہونے کے باوجود صدقات سے خارج ہے۔

(۲) "فقیر کو مال پر قابو دے دینا" یہاں تملیك سے قطع نظر ہوتی ہے، اور یہ انتفاع، تصرف اور

ع۳ ای فی نوع الطعام منہا اما الکسوۃ فی کفارۃ الیمین فلا تکفی فیہا الاباحۃ کما فی البحر وغیرہ فلیحفظ ھذا المراد، وانا اقول خروج الکسوۃ ضروری فان الاباحۃ انما تکون ماینتفع بہ باستہلاکہ کالماکولات والمشروبات، والکسوۃ لیس ھکذا کما لایخفی والحاصل ان عندی فرقا بین الاباحۃ والاعارۃ مطلقا، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز۔

یعنی ان اقسام میں سے طعام میں اباحت ہے لیکن کفارہ یمین میں لباس میں اباحت کافی نہیں ہے لیکن جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے تو اس مراد کو محفوظ رکھو اقول (اور میں کہتا ہوں) لباس کا خروج یہاں ضروری ہے کیونکہ اباحت صرف ایسی چیز میں ہوسکتی ہے جس کو ہلاك کرکے انتفاع حاصل کیا جائے جیسے ماکولات مشروبات جبکہ لباس ایسی چیز نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے، حاصل یہ کہ میرے نزدیك اباحت اور عاریۃ دینے میں فرق ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۱

[2] ردالمحتار علی الدرالمختار " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸۴

حاشیۃ الطحطاوی " " " " دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۲

باطلاق الانتفاع ، والتصرف والاستهلاك الصادق به وبالاباحة وبهذا المعنی تشمل الکفارات فتعد من الصدقات الواجبة کما قال القهستانی والشامی وغیرهما فی مصرف الزکوٰة "انه هو مصرف ایضا لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذلك من الصدقات الواجبة"[1] وبه علمان هذین المعنیین لایتعداهما الواجب من الصدقات والخلط بینهما کانه هو الذی حدا ذاك الرجل الوهابی ان جعل الاباحة من التملیك ، وذلك انه رأی فی الفتح مایقصر الصدقة علی التملیك ورأی فی ردالمحتار مانقلنا آنفا وهو یفید ان الکفارة ایضا من الصدقات ، وقد نقل العبارتین فی فتواه فاظن انه نظم منها شکلا واستنتج منه ان الکفارة لابد فیها من التملیك ، وکان دار یا ان الاباحة تسوغ فیها ، فلم یتمالك نفسه ان حکم بکون الاباحة قسما من التملیك لانه اضطربت لدیه الاقوال ، وضاق علیه میدان المجال ، ولم یدر التفصی عن الاشکال الابادعاء هذا المحال ، ولم یعرف المسکین فرق المحال ، وان تغیر الاوسط یهدم الاشکال

استہلاک سبھی صورتوں کو شامل ہوتا ہے جو تملیک اور اباحت دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے ، صدقہ اس معنی میں کفارہ پر بولا جاتا ہے جو صدقہ واجبہ سے ہے اس کو لینے کا اہل وہی ہے جو زکوٰۃ کا اہل ہے ، چنانچہ قہستانی و شامی وغیرہ نے کہا :

"جو فقیر مصرف زکوٰۃ ہے وہی صدقہ فطر ، کفارات اور نذر وغیرہ کا مصرف ہے ۔"

صدقہ کے یہ دونوں معنی صدقات واجبہ میں ہی محقق ہونگے ، شاید اسی بات نے اس وہابی آدمی کو یہ جرأت دلائی کہ اس نے اباحت کو بھی تملیک میں شمار کیا کہ انھوں نے فتح القدیر میں دیکھا ؛ صدقہ کے لئے تملیک ضروری ہے " اور ردالمحتار کی ابھی نقل شدہ عبارت میں دیکھا کہ کفارہ بھی صدقات میں سے ہے ۔ یہ دونوں عبارتیں اس نے اپنے فتوٰی میں نقل کی ہیں اور اس سے قیاس ترتیب دے کے یہ نتیجہ نکالا کہ کفارہ کے لئے بھی تملیک ضروری ہے ، اور یہ جان ہی رہے تھے کہ کفارہ میں اباحت ہے تو اس فیصلہ میں اپنے نفس پر قابو نہ پا سکے کہ اباحت بھی تملیک کا ہی ایک حصہ ہے کیونکہ اقوال انھیں مضطرب نظر آئے اور ان میں تطبیق دے نہ پائے تو یہ محال بات بول دی اور قیاس ترتیب دیتے ہوئے انھیں یہ پتہ نہ چلا کہ حدِ اوسط مکرر نہ ہونے سے نتیجہ غلط ہوتا ، فتح القدیر کی عبارت " الصدقة

---

[1] ردالمحتار بحوالہ القہستانی کتاب الزکوٰۃ باب المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

فان التی یجب فیہا التملیک ھی الصدقۃ بالمعنی الاخص الوارد فیہا لفظ الایتاء او الاداء او مایؤدی مؤداھما ، والکفارات لیست من الصدقات بھذا المعنی ، فلا شکل ولا اشکال والحمد ﷲ المھیمن المتعال ، علی انہ ان قطع النظر عن ھذا التحقیق النفیس الانیس الدقیق ، فکان السبیل ان یقال باستثناء الکفارات من حکم وجوب التملیک کما فعل الفاضل القھستانی حیث قال تحت قول النقایۃ تصرف تملیکا یستثنی منہ اباحۃ الکفارۃ[1] اھ لا ان یرتکب مثل ھذا المحال ، وباﷲ العصمۃ عن الزلل والضلال ھذا اما وعن ذلک فلنعد الی شرح اطلاقات الصدقۃ۔

"یجب فیہ التملیک" میں صدقہ سے مراد صدقہ خاص بمعنی اول ہے، اور "الکفارات تجوز فیہ الاباحۃ" کا صدقہ ہونا بمعنی ثانی ہے، حالانکہ قہستانی ان کی راہ کشادہ کرچکے تھے، وہ فرماتے ہیں "انہ تصرف تملیکا یستثنی منہ الکفارات" صدقات واجبہ میں تملیک ضروری ہے لیکن کفارہ اس سے مستثنٰی ہے۔

الثالث وربما یقطع النظر عن الفقر ایضا ، فتشمل التملیک والاباحۃ للفقیر والغنی ، قال فی التوسط شرح سنن ابی داؤد الصدقۃ ماتصدقت بہ علی الفقراء ای غالب انواعھا کذلک فانھا علی الغنی جائزۃ عندنا یثاب بہ بلاخلاف[2] اھ وقال فی

(۳) صدقہ کا ایک اطلاق یہ ہے کہ تملیک، اباحت اور فقیر و غنی، دونوں کو عام ہو، توسط شرح ابوداؤد میں ہے:
"صدقہ یہ ہے کہ فقیروں کو دیا جائے (مطلب یہ کہ صدقہ میں عموماً یہ ہوتا ہے) ورنہ صدقہ ہمارے نزدیک مالداروں کو بھی دینا جائز ہے۔"

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ فصل مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۶-۲۳۷
[2] التوسط شرح سنن ابوداؤد

ردالمحتار عن البحر الرائق الصدقة تکون علی الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الھبۃ عند بعضھم وصرح فی الذخیرۃ بان فی التصدق علی الغنی نوع قربۃ دون قربۃ الفقیر[1] اھ وروی احمد والطبرانی فی الکبیر عن المقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انک ما اطعمت زوجتک فھو لک صدقۃ وما اطعمت ولدک فھو لک صدقۃ وما اطعمت خادمک فھو لک صدقۃ[2]، ولہ فیہ عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما انفق الرجل فی بیتہ واھلہ وولدہ فھو لہ صدقۃ[3]۔

الرابع ربما تطلق حیث لاتملیک ولا اباحۃ اصلا وانما ھو تصرف مالی قصد بہ نفع المسلمین کحفر الاٰبار وکری الانھار وبناء الربط والجسور والمساجد والمدارس وغیر ذلک، وعن ھذا تقول انھا صدقات جاریۃ، ومن ذلک قولھم فی الاوقاف صدقۃ مؤبدۃ، وعلیہ جاء قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے: "صدقہ مالداروں پر بھی ہوتا ہے کہ مجازًا ہبہ کو صدقہ کہتے ہیں، اور ذخیرہ میں تشریح ہے کہ مالدار کا صدقہ فقیروں کے صدقہ سے کم ثواب والا ہوتا ہے۔"

احمد و طبرانی نے کبیر میں مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی: "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، جو بیوی کو کھلایا تو صدقہ، جو اولاد کو کھلایا تو صدقہ، جو خادم کو کھلایا وہ بھی صدقہ۔"

طبرانی میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے: "آدمی اپنے گھر میں جو کچھ اہل و عیال اور خادموں پر خرچ کرتا ہے وہ سب صدقہ ہے۔"

(۴) اس اطلاق میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، یہ ایک قسم کا تصرف مالی ہے جس سے مسلمانوں کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے، جیسے کنواں بنانا، نہریں تیار کرنا، مسافرخانے اور پل بنانا، مساجد اور مدرسوں کی تعمیر کرنا، اور انھیں امور خیر میں صرف کرنے کو صدقہ جاریہ کہتے ہیں، اور اوقاف کو اسی معنی میں صدقہ موبدہ کہا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے: "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس

---

[1] ردالمحتار — کتاب الوقف — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۳/۳۵۷
[2] المعجم الکبیر — حدیث ۶۳۴ — المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت — ۲۰/۲۶۸
[3] ؍؍ — ؍؍ ۷۴۷۶ — ؍؍ ؍؍ ؍؍ — ۸/۱۱۲

اذ اتاہ سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال یارسول اللہ امی ماتت فای الصدقۃ افضل؟ قال سقی الماء، فحفر بئرا، و قال ھذہ لام سعد[1] کما اخرجہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم عن سعد وابویعلی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فقد سمی سقی الماء بحفر البئر صدقۃ، ومعلوم ان لا تملیک فیہ ولا اباحۃ، فان من شرطھا ان یکون الماء فی ملک المبیح کما لایخفٰی علی احد وقد قال صدر الشریعۃ انھم لما لم یملکوہ لا تصح اباحتھم اھ[2] وقد نص علماؤنا ان ماء البئر غیر مملوک لصاحبھا، ففی الھدایۃ البئر ونحوھا ماوضع للاحراز ولا یملک المباح بدونہ[3]، وفی فتاوی العلامۃ خیر الدین الرملی

حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ آئے اور عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو کون سا صدقہ اسے مفید ہوگا؟ حضور نے فرمایا، لوگوں کو پانی سے سیراب کرنا۔ انھوں نے ایک کنواں کھدوادیا اور اعلان کردیا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔" (احمد وابوداؤد ونسائی، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان عن ابی یعلٰی عن ابن عباس)

تو اس حدیث میں پانی کی سیرابی کو صدقہ قرار دیا جس میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، کیونکہ اباحت کے لئے شرط یہ ہے کہ شیئ مباح، مباح کرنیوالے کی ملک ہو۔ صدر الشریعہ فرماتے ہیں: "جب مال موقوفہ پر مالکوں کی ملک نہ رہی تو ان کی طرف سے اباحت بھی درست نہیں۔"

اس طرح علماء نے تصریح فرمائی: کنویں کا پانی کنویں والے کی ملک نہیں۔"

ہدایہ میں ہے: "کنواں اور اس کے مثل جو چیزیں ہیں قبضہ کرکے نہیں رکھی گئیں، اور قبضہ کے بغیر مباح پر ملک ثابت نہیں ہوتی۔"

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فضل سقی الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۳۶
سنن النسائی کتاب الوصایا فضل الصدقۃ عن المیت نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۱۳۳
مسند احمد بن حنبل حدیث سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/۲۸۵ و ۶/۷
موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب الزکوٰۃ باب سقی الماء المطبعۃ السلفیۃ مکۃ المکرمۃ ص ۲۱۸

[2]

[3] الھدایۃ کتاب احیاء الموات فصل فی المیاہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۸۳

فی الولوالجیة وکثیر من الکتب لو نزح ماء بئر رجل بغیر اذنه حتی یبست لاشیئ علیه عہ لان صاحب البئر غیر مالك للماء[۱] اھ فاذن لایکون الا تقربا الی اللہ تعالٰی بتصرف فی ماله لنفع المسلمین وعلٰی ھذا سائر القرب المالیة سواء فی دخولھا فی معنی الصدقة۔

فتاوٰی خیریہ، ولوالجیہ وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے: "اگر کسی نے کسی کے کنویں کا پانی نکال کر کنواں خشک کردیا تو نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں اس لئے کہ کنویں والا پانی کا مالک نہیں"۔

تو یہ صدقہ اسی معنٰی پر ہے کہ اللہ کے تقرب کے لئے اپنا مال مسلمانوں کے نفع کے خاطر صرف کررہا ہے، اور اسی معنی میں سارے مالی کارِ خیر، صدقہ قرار دیئے جانے میں برابر ہیں۔

وقد قال الامام فقیه النفس قاضی خان فی الخانیة قریة فیھا بئر مطویة بالاٰجر خربت القریة، وانقرض اھلھا وبقرب ھذہ القریة قریة اخرٰی فیھا حوض یحتاج الی الاٰجر ارادوا ان ینقلوا الاٰجر من القریة التی خربت و یجعلوھا فی ھذا الحوض، قالوا ان عرف بانی تلك البئر لایجوز صرف الاٰجر الا باذنه، لانه عاد الی ملکه وان لم یعرف البانی قالوا الطریق فی ذلك ان

اطلاق نمبر ۴ کی دوسری مثال امام فقیہ النفس قاضیخان فرماتے ہیں: "ایک دیہات میں پختہ کنواں تھا، دیہات اُجڑ گیا اور کنواں معطل ہوگیا، اس کے قریب دوسرے دیہات والوں نے اس کی اینٹیں اپنے حوض میں لگانی چاہیں، اگر کنویں کا بنانے والا موجود ہے تو اس سے اجازت لینی ضروری ہے کیونکہ تعطل کے بعد اینٹیں بانی کی ملک ہوگئیں، اور بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ اینٹیں فقیر کو دے دی جائیں اور وہ اپنی طرف سے اس کو حوض میں لگادے، کیونکہ وہ اینٹیں اب لقطہ

عہ قلت ای لاضمان لان الاتلاف صادف مباحا غیر مملوك لاحد اما التعزیر فینبغی ان یکون فیما یظھر اذا فعله لمحض الاضرار ولاضرر ولاضرار فی الاسلام ۱۲ منه۔

میں کہتا ہوں یعنی ضمان نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی مباح چیز کا اتلاف ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے لیکن تعزیر مناسب ہوگی جبکہ وہ بطور ضرر رسانی ایسا کرے کیونکہ اسلام میں ضرر و ضرار کی ممانعت ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] فتاوٰی خیریہ کتاب احیاء الموات فصل فی مسائل الشرب دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۸۶

یتصدق بها علٰی فقیر، ثم ذٰلك الفقیر
ینفقها فی ذٰلك الحوض، لانه بمنزلة
اللقطة والاولی ان ینفق القاضی
فی هذا الحوض، ولاحاجة فیه الی
التصدق علی الفقیر اھ[1]، وفی الهندیة
عن الواقعات الحسامیة، فیما اذا لم یعلم
الغارس، الحکم فی ذٰلك الی القاضی ان
رأی بیعها وصرف ثمنها الی عمارة المقبرة
فله ذٰلك اھ[2] وقال فی الخانیة قبله نبت
الاشجار بعد اتخاذ الارض مقبرة فان
علم غارسها کانت للغارس وان لم
یعلم فالرأی للقاضی ان رأی ان یبیع
الاشجار وتصرف ثمنها الی عمارة المقبرة
فله ذٰلك، وتکون فی الحکم کانها وقف اھ[3]
قلت ای فی انه مال مصروف الی
وجوه البر، اما الوقف فلا لما فی الخانیة
ایضا، رجل جعل ارضه مقبرة، وفیها
اشجار عظیمة، قال الفقیه ابوجعفر
رحمه الله تعالٰی وقف
الاشجار لا یصح، فتکون
الاشجار للواقف، ولورثته

(گری پڑی چیز) کے حکم میں ہے، اور زیادہ بہتر
یہ ہے کہ قاضی اپنے حکم سے اسے حوض میں لگادے،
اس طرح فقیر کو دینے والے حیلہ سے نجات
مل جائے گی۔"

عالمگیری اور واقعات حسامیہ میں ہے:
"اگر قبرستان میں درخت لگانے والے کا پتہ
نہ چلے تو قاضی اپنی صوابدید پر اس کو بیچ کر اس کی
قیمت قبرستان کی درستگی میں صرف کرسکتا ہے۔"
خانیہ میں ہے: "زمین کو مقبرہ بنانے کے بعد
اس میں درخت اگ آئے، لگانے والا معلوم ہو
تو وہ اسی کا ہے، اور لگانے والا معلوم نہ ہو
تو رائے قاضی کی ہے، اسے بیچ کر قبرستان کی
مرمت میں لگا سکتا ہے، اس کا حکم وقف ہی
کا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ جس طرح وقف ایک ایسا
مال ہے جو مصارفِ خیر کے لئے ہی ہے اسی طرح
اس درخت کا مصرف بھی مصارفِ خیر ہیں، وہ
درخت خود وقف نہیں ہوجاتا۔ اسی خانیہ میں ہے:
"ایک آدمی نے زمین مقبرہ کے لئے وقف کی جس میں
درخت ہیں، فقیہ ابوجعفر کا فرمان ہے کہ چونکہ
درختوں کا وقف صحیح نہیں اس لئے وہ درخت واقف کے

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الوقف المنقول الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۵
[2] فتاوٰی ہندیۃ " الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۴
[3] فتاوٰی قاضیخان " فصل فی الاشجار نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۴

ان مات ، وکذا البناء فی الدار التی جعلها مقبرة[1] اھ ومعلوم ان حکم اللقطة هو التصدق الا ان یکون الملتقط فقیرا، فیصرفه الی نفسه ، وهو ایضا من باب التصدق من المالك ، بل قال فی الدر المختار عن العمدة وجد لقطة وعرفها ولم یرد بها فانتفع بها لفقره ثم ایسر یجب علیه ، ان یتصدق بمثله[2] اھ وان کان المختار خلافه کما فی البحر والنهر عن الولوالجیة والهندیة وجامع الرموز عن الظهیریة قلت لان الصدقة اصابت محلها فلا تتغیر بتغیر حاله کفقیر اخذ الزکوٰة ثم ایسر لیس علیه ردها ، وبالجملة الحکم ههنا التصدق وقد نصوا علی جواز صرفه الی عمارة المقبرة واصلاح الحوض ، ومن ذلك ما فی الرحمانیة عن الاجناس ، اذا خرب مسجد ولا یعرف بانیه وبنی اهل المسجد مسجدا آخر ثم اجمعوا علی بیعه ، واستعانوا بثمنه فی ثمن المسجد الاخر فلا باس به ، وهذا قول محمد خلافا لابی یوسف فانه مسجد ابدا عنده[3] اھ ، وفی السراجیة مسجد عتیق لا یعرف بانیه خربت فاتخذ بجنبه

ہوں گے ، اور وُہ مرگیا تو اس کے ورثہ کی ملک ہوں گے ، اور یہی حکم اس گھر کا ہے جو ایسے دار میں ہو جس کو مقبرہ کر دیا گیا ہو۔"

رحمانیہ کا جزئیہ ہے : "مسجد ویران ہوگئی جس کے بانی کا پتہ نہیں ، اور لوگوں نے دوسری مسجد بنالی ، پھر ان کی رائے ہوئی کہ ویران مسجد بیچ کر اُس کی قیمت اِس مسجد میں لگائیں ، تو امام محمد کے نزدیک اس میں حرج نہیں ، اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک وہ ایسا نہیں کرسکتے کہ وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی۔"

سراجیہ میں ہے : "پرانی مسجد جس کے بانی کا پتہ نہیں وہ ویران ہوگئی ، لوگوں نے اسی کے قریب دوسری مسجد بنالی تو قاضی ابو یوسف کے نزدیک ویران مسجد کا سامان بیچ کر آباد مسجد میں نہیں لگا سکتے ، اور امام محمد کو اس میں اختلاف ہے ، اور فتوٰی قاضی ابو یوسف رحمہم اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔"

اس کی وجہ وہی ہے کہ مسجد جب ڈھے کر ناقابلِ استعمال ہوگئی اور لوگ مستغنی ہوگئے ، تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مالک بانی ہوجاتا ہے ، اور جب بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ لقطہ ہوگئی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو دوسری مسجد کی تعمیر

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۵

[2] درمختار کتاب اللقطۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۶

[3] رحمانیہ

مسجد اخر، ليس لاهل المسجد ان يبيعوه ويستعينوا بثمنه في مسجد اخر، عند ابي يوسف خلافا لمحمد وعليه الفتوى[1].

میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

وذلك ان المسجد اذا اخرب والعياذ بالله واستغنى عنه يعود عند محمد الى ملك الباني، كما في التنوير وغيره فاذا لم يعرف بانيه صار لقطة، وقد قال الامام محمد رحمه الله صرفه الى مسجد اخر فعلم ان التصدق المامور به في اللقطة هو بهذا المعنى الرابع الداخل فيه الصرف الى المقابر والحياض والمساجد، وهذه الاطلاقات كلها فقهية كما ترى.

تو جب ہر قسم کی اشیاء کا حکم لقطہ کا ہوا تو یہ بات صاف ہوگئی کہ اس کا حکم صدقہ کرنا ہے، ہاں پانے والا فقیر ہو تو اپنے اوپر خرچ کرے کہ یہ بھی صدقہ ہے، بلکہ درمختار میں عمدہ سے نقل کیا کہ فقیر نے لقطہ پایا اور اس کو اپنے اوپر خرچ کیا، پھر مالدار ہو گیا تو اس کا صدقہ کرے، اگرچہ فتویٰ اس کے خلاف ہے (بحر ونہر عن الولوالجیہ وجامع الرموز من الظہیریہ)

میں کہتا ہوں قرین قیاس بھی یہی ہے کہ صدقہ اپنے محل کو پہنچ گیا، تو حالت کے بدلنے سے اس کا حکم نہیں بدلے گا، جیسے فقیر مال زکوٰۃ کھاتا رہا اب مالدار ہو گیا، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ جتنی زکوٰۃ کھائی سب واپس کر اور فقیروں پر صدقہ کر۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے مال کا حکم صدقہ کا ہے اور اسی کو عمارت مقبرہ اور اصلاح حوض میں صرف کا حکم دیتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ صدقہ کا یہ اطلاق اسی چوتھے معنیٰ میں ہے اور اس کو مقابر، حوض اور مسجد میں صرف کرنا صدقہ ہی ہے حالانکہ نہ یہاں تملیک ہے نہ اباحت، نہ مالدار نہ فقیر، اور یہ بھی واضح ہو کہ یہ سارے اطلاقات فقہیہ ہیں۔

الخامس قد يتوسع فيقطع النظر عن قيد المال ايضا، ويطلق على كل نفع للغير بايصال الخير او دفع الضير، كيفما كان، ومن ذلك حديث تكرار

(۵) کبھی صدقہ سے مال ہونے کی قید بھی ختم کر دی جاتی ہے، اور مطلقاً غیر کو نفع پہنچانے، اور اس سے ضرر دفع کرنے کو صدقہ کہا جاتا ہے، اس کی مثال وہ حدیث ہے کہ منفرد کے ساتھ مل کر جماعت

---

[1] فتاوی سراجیہ کتاب الوقف باب اجارۃ الوقف وبیعہ نولکشور لکھنؤ ص ۹۳

الجماعۃ المروی فی جامع الترمذی وغیرہ
الارجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ[1] وقولہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل سلامٰی من الناس
علیہ صدقۃ کل یوم تطلع فیہ الشمس تعدل
بین الاثنین صدقۃ بینھما، وتعین الرجل
علی دابتہ فتحمل علیھا، اوترفع لہ علیھا
متاعہ صدقۃ والکلمۃ الطیبۃ صدقۃ ودل
الطریق صدقۃ وتمیط الاذٰی عن الطریق
صدقۃ[2]، اخرجہ احمد والشیخان عن
ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، وقولہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مامن رجل مسلم
یصاب بشیئ فی جسدہ فیتصدق بہ الارفعہ
اللہ بہ درجۃ وحط عنہ خطیئتہ[3]، اخرجہ
احمد والترمذی وابن ماجۃ عن ابی الدرداء
واحمد والضیاء نحوہ عن عبادۃ رضی اللہ
تعالٰی عنھما باسناد صحیح۔

کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ
میں حکم دیا:

"الارجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ
کوئی اس پر صدقہ کرے اس کے ساتھ مل کر نماز
پڑھے"۔

یوں ہی سرکار نے فرمایا: "آدمی کے ہر جوڑ پر
ہر دن صدقہ ہے، تو دو آدمیوں کے بیچ انصاف کرنا
صدقہ ہے، آدمی کو جانور پر سوار ہونے میں مدد دینا
صدقہ ہے، اس کا بوجھ لاد دینا صدقہ ہے، اچھی
بات صدقہ ہے، راستہ بتانا صدقہ ہے، راستے سے
کوڑا کرکٹ دور کردینا صدقہ ہے۔ (احمد و مسلم و
بخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

یوں ہی یہ حدیث شریف: "آدمی کے جسم میں تکلیف ہو
تو جو اس پر صدقہ کرے اور مدد کرے تو اللہ تعالٰی
اس کا درجہ بلند کرے گا اور گناہ معاف کرے گا (احمد،
ترمذی، ابن ماجہ عن ابی الدرداء، احمد و ضیاء نحوہ عن عبادہ
باسناد صحیح)

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی الجمع فی المسجد مرتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۵
جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الجماعۃ فی مسجد الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۳۰
[2] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من اخذ بالرکاب ونحوہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۱۹
صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵
مسند احمد بن حنبل مسند ابوہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۶
[3] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فی العفو امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۷
سنن ابن ماجہ " باب العفو فی القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۷
مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۴۴۸

السادس قد یستقصی فی التوسع فیقطع النظر عن الغیر ایضا و یطلق علی کل فعل حسن محمود فی الشرع فانه ان لم یکن تصدقا علی غیرہ، فتصدق علی نفسہ، ومن ذٰلک قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی حدیث ابی ھریرۃ المار کل خطوۃ تخطوھا الی الصلٰوۃ صدقۃ[1]، وجاء فی حدیث کل تکبیرۃ صدقۃ[2]۔ وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل معروف صدقۃ[3] اخرجہ احمد والبخاری و اٰخرون عن جابر، و احمد ومسلم وابوداؤد عن حذیفۃ والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، والبیھقی فی الشعب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم، زاد عبد بن حمید والحاکم وصححہ فی حدیث جابر ھذا وما انفق المسلم من نفقۃ علی نفسہ واھلہ کتب لہ بھا صدقۃ[4]، وتتمہ حدیث المقدام المقدم

(۶) اور کبھی لفظ صدقہ بھی توسع کی انتہا ہو جاتی ہے کہ ہر فعل محمود مشروع کو صدقہ کہتے ہیں کہ دوسرے پر صدقہ نہ ہو تو اپنے پر تو ہے۔

"مسجد کی طرف بڑھنے والا قدم صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، ہر نیکی صدقہ ہے (احمد وبخاری و آخرون عن جابر، احمد، مسلم، ابوداؤد عن حذیفہ، طبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، بیہقی عن ابن عباس)

عبد ابن حمید اور حاکم نے اس حدیث میں اتنا اضافہ کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی: "مسلمان نے اپنے اور اہل وعیال کے لئے جو خرچ کیا اس پر صدقہ کا ثواب ملے گا"۔

نمبر ۳ میں ذکر کی ہوئی حدیث مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تتمہ یہ ہے: "اور جو خود کھایا صدقہ ہے"۔

ان اطلاقات کو خوب ذہن نشین کر لیں، شاید کہ اس تحریر کے علاوہ اس تفصیل سے نہ ملے۔

اب صرف یہ فیصلہ رہ جاتا ہے کہ قربانی کے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۰۳ و ۴۱۹
صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ " " " ۱/۳۲۵

[2] " کتاب صلوٰۃ المسافرین " " " ۱/۲۵۰ و کتاب الزکوٰۃ ۱/۳۲۴

[3] صحیح البخاری کتاب الادب " " " ۲/۸۹۰
صحیح مسلم " " " " ۱/۳۲۴
سنن ابوداؤد " " " " ۲/۳۲۰
مسند احمد بن حنبل ۵/۳۹۷ و المعجم الکبیر حدیث ۱۰۰۴۷ و ۱۰۴۱۲ ۱۰/۱۱۰ و ۲۳۲

[4] المستدرک للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/۵۰

ذکرہ، وما اطعمت نفسك فھولك صدقۃ[1]،
اتقن ھذا فلعلك لاتجد بیانہ تلك
الاطلاقات الا فی ھذہ الوریقات واللّٰہ سبحنہ
واھب العطیات۔

ثم ان المراد بالتصدق فی قولھم
فی الاضاحی یتصدق بالثلث وقولھم
یندب ان لا ینقص الصدقۃ عن الثلث
لیس ھو المعنی الاخص الاول، کیف و
قد اجمعوا علی اباحۃ الاباحۃ فی القربان
فلا یمکن تعیین الاخص المنحصر فی
التملیك، ویتضح ذلك فی قول مجمع الانھر
وغیرہ الجھات ثلث الاکل والادخار و
التصدق اھ[2] فان الاطعام العام الغیر
المخصوص بالتملیك المنصوص علیہ فی
قولہ عزّمجدہ واطعموا القانع والمعتر[3]،
وقد استدل فی الھدایۃ بالاٰیۃ علٰی قول
البدایۃ یستحب ان لا ینقص الصدقۃ عن
الثلث، قائلا ان الجھات ثلث الاکل و
الادخار لما روینا والاطعام لقولہ تعالٰی و
اطعموا القانع والمعتر فانقسم علیھا اثلاثا[4]

سلسلہ میں جس صدقہ کا ذکر آیا ہے وہ ان اطلاقات
میں سے کس اطلاق کے تحت آیا ہے، تو یہ طے ہے
کہ نمبر اول مراد نہیں، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ
قربانی کے گوشت کو بطور اباحت کھلاسکتے ہیں تو اس
معنی پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا جس میں تملیک ضروری
ہے، اور یہ بات مجمع الانہر وغیرہ کے قول کے
ملانے سے صاف ظاہر ہوجاتی ہے۔ چنانچہ
صاحب مجمع فرماتے ہیں "قربانی کے مصرف کی تین
حیثیت ہے، کھانا، جمع کرنا، صدقہ کرنا"
حالانکہ قرآن شریف میں کھلانے کا صریح ذکر ہے،
تو ظاہر ہے کہ یہ کھلانا جس میں اباحت کافی ہوتی ہے
صاحب مجمع نے لفظ صدقہ کہہ کر اس کو بھی مراد
لیا ہے۔
اسی طرح صاحب ہدایہ نے صاحب بدایہ کے
اس قول کی دلیل دی: "صدقہ ثلث سے کم نہ ہونا
چاہیے۔"
صاحب ہدایہ کہتے ہیں "اس لئے کہ جہتیں تین ہیں،
کھانا، جمع کرنا، یہ تو حدیث سے ثابت ہے، اور
کھلانا، یہ قرآن سے ثابت ہے کہ محتاج کو کھلاؤ،
تو تینوں کے لئے ایک ایک ثلث رکھا گیا"۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۶۹/۲۰
[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۲۱/۲
[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۶۳
[4] الھدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴۴۸/۴

فلوكان المراد بالصدقة هو المعنى الاخص لما انطبق الدليل على المدعى كما لا يخفى، واذ قد علمت ان الصدقة لها اطلاقات وان لزوم التمليك انما هو فى المعنى الاول وانه غير مراد ههنا، وجب ان لا يكون مرادا ايضا قولهم يتصدق بجلدها فان التصدق ههنا هو عين التصدق فى قولهم يتصدق بالثلث، يرشدك اليه تعليل الهداية بقوله لانه كجزء منها فثبت ان ليس تصدق الجلد مما يقتصر على التمليك حتى لو صنع منه دلوا، ووقفه على بئر مسجد ليستقى به المتوضؤن جاز[عـه] قطعا فسقط الاحتجاج رأسا۔

اب اگر صاحبِ ہدایہ کے قول "صدقہ ثلث سے کم نہ ہو" میں لفظ صدقہ سے مراد وہ نہیں جس میں تملیک ضروری ہو، اور جب گوشت میں یہ ثابت ہوچکا تو حسبِ قولِ ہدایہ "کھال بھی قربانی ہی کا جز ہے" کھال کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اس میں بھی تملیک ضروری نہ ہوگی، مسجد میں پانی نکالنے کے لئے اس کا ڈول بن سکتا ہے، القصہ ان لوگوں کا ہدایہ اور کافی وغیرہ سے استدلال ساقط ہے۔

بقى انه اذ ليس المراد الاول فاى البواقى يراد وانما البينة على من يدعى، نعم ان سألتنا التبرع، فنقول حديث نبيشة الخير الهذلى رضى الله تعالى عنه يهدينا الى مطلق الائتجار الحاصل بسائر وجوه القرب، فليكن المراد هو المعنى الرابع، وهو الغالب فى الصدقات النافلة۔

اب ایک رہ گیا، قربانی میں اگر صدقہ بمعنی اول مراد نہیں، تو بقیہ معانی میں سے کون سے معنی مراد ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے، ہمیں تو تملیک والے صدقہ کی نفی سے کام تھا، جب یہ مراد نہیں تو صدقہ اور جس معنی میں مراد لیا جائے ہمارا مقصد حاصل ہے، مگر تبرعاً ہم وہ بھی بتا دیتے ہیں۔

عـه اى على المفتى به من جواز وقف المنقول حيث تعورف وقد تعارف المسلمون وقف الدلو والرشا على آبار المساجد ۱۲ منه قدس سره العزيز۔

یعنی مفتی بہ قول پر کہ منقول چیز کا وقف جائز ہے جب متعارف ہو اور بیشک مسلمانوں میں ڈول اور رسّی وغیرہ مساجد کے کنوؤں کے لئے مروج ہے ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

على أن قد بينا أن معنى المنع
ليس ترك التصدق المأمور به
فإنه غير المأمور به ههنا رأسا
بل المعنى قصد التمول المنهي عنه
في كل ما تقرب به إلى المولى
سبحنه وتعالى، وهو لا يتحقق
في شئ من القرب، فلا يضرنا
عند التحقيق إرادة شئ من المعاني
أصلا، كما لا يخفى على من رزق العقل
السليم والفهم المستقيم، والله سبحنه بكل
شئ عليم، هذا وجه في الجواب، عن احتجاج
هذا الفاضل المستطاب۔

اقول ثانيا مبناه عن حصر السائغ
في الاوجه الثلثة، ولا دليل يدل على الحصر،
وعدم الذكر ليس ذكر العدم، وهذا
الامام القدوري مقتصرا في مختصره على
شيئين التصدق وعمل آلة حيث قال
ويتصدق بجلودها او يعمل منه آلة
تستعمل في البيت[1] اهـ فترك التبدل بما يبقى
ايضا، افيظن كلامه هذا معارضا لكلام من
ثلث، وهذا المحقق الحلبي قال في ملتقاه،
وهو من متون المذهب المعتمدة كما
نص عليه العلامة الشامي، يأكل من

حدیث حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ
میں ایتجار (کارِ ثواب) کا لفظ آیا ہے جو تمام کارِ خیر
کو عام ہے، تو چوتھے معنی جو عام طور سے صدقات
نفلیہ مراد ہوتے ہیں وہی مراد لینا صحیح ہوگا۔

علاوہ ازیں ہمارا کہنا ہے کہ قربانی میں قصدِ
تصدق کی ممانعت ہے، نہیں قصد تمول کی ممانعت
ہے، تو جس قسم کے صدقہ کی نیت کرے قصد تمول نہیں
پایا جائے گا، اور صدقہ جائز ہوگا، اس لئے صدقہ
کی جو قسم بھی مراد لے لو ہمیں کوئی ضرر نہ ہوگا۔

مزید توضیح جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ اس
عالم اہلسنت کی غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے
سمجھا کہ مصارف قربانی کی صرف تین جہتیں ہیں حالانکہ
اس پر کوئی دلیل نہیں، اگر کسی مصنف نے صرف
تین ہی ذکر کیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زائد نہیں،
کہ عدمِ ذکر، ذکرِ عدم وجود کو مستلزم نہیں، امام
قدوری نے تو اپنی مختصر میں دو ہی جہت کا ذکر کیا:
"کھال کا صدقہ کردیا جائے یا گھریلو استعمال کے لئے
کوئی چیز بنالی جائے۔" تو انھوں نے باقی رہنے والی
چیز سے استبدال والی شق چھوڑ دی، تو کیا ان کے
کلام کو تین شق ذکر کرنے والوں کے کلام کے معارض
سمجھا جائے۔ حضرت ابراہیم حلبی نے فرمایا: "قربانی
کا گوشت کھائے اور مالدار اور فقیر جس کو چاہے
کھلائے، اور صدقہ تہائی حصہ سے کم نہ کرے۔"

[1] مختصر القدوری کتاب الاضحیۃ مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۹

لحم اضحیتہ ویطعم من شاء من غنی و فقیر، وندب ان لاینقص الصدقۃ عن الثلث اھ[1] فلم یذکر التبدل بالباقی فی مسئلۃ اللحم مع جوازہ قطعا علی المذھب الصحیح وان اختیر ما صححہ فی الظھیریۃ وغیرھا من جواز تبدل الماکول بالماکول کاللحم بالحبوب واللبوب وغیرہ بغیرہ کالجلد بالکتاب والجراب لاعکسہ فی الصورتین، فقد ترک ھذا الوجہ فی اللحم، وعلی کل فلم یحط بکل ماھو سائغ، ونظائر ذلک ان تتبعت اعیاك عدھا کثرا واذ لاحصر فلا مساغ لان یقال اذا انتفی الاخیران تعین الاول وقد لوحنا ببعض من ھذا فی مطاوی کلامنا فی الوجہ السابق۔

تو انھوں نے بھی تبدیل بالباقی والی شق چھوڑ دی حالانکہ مذہب صحیح پر یہ جائز ہے، اور ظہیریہ میں تو گوشت کو ماکولات جیسے غلّہ اور مغزیات کے ساتھ بدلنے کی بھی اجازت دی، اور جلد کو کتاب اور چمڑے کی تھیلی کے ساتھ، اس کا الٹا نہیں، تو ایک یہ صورت بھی متروک ہوگئی، تو قربانی میں جن جن امور کی اجازت ہے سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے، اور جب حصرو احاطہ نہیں تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب دو قسمیں متحقق نہ ہوئیں تو تیسری متعین ہے۔

واقول ثالثا ان ابیتم الا الحصر فنبئونی افلا یجوز اھداء غنی، و لیس من الثلثۃ، اولا یجوز الاعارۃ من فقیر او ملی ولیس منھا اولا یجوز البیع بالدراھم للتصدق ولیس البیع للتصدق عین التصدق، فاذ بقیت ھذہ فلیکن البیع بھا لاجل التقرب ایضا من البواقی:

اسی طرح مالدار کو ہدیہ کرنا جائز اور فقیر کو عاریۃً دینا ناجائز ہے، یہ دونوں صورتیں بھی تو ان تینوں میں شامل نہیں، کیا صدقہ کی نیت سے دراہم کے بدلے بیع جائز نہیں حالانکہ بیع کرنا صدقہ کرنا نہیں ہے، تو جب اس کارِ ثواب کے لئے بیع جائز تو دوسرے کارِ ثواب کیلئے کیوں جائز نہ ہوگی۔

وبالجملۃ فلا دلیل یظھر علی عدم جواز البیع لاجل القرب ولا علی وجوب التملیك

المختصر کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے کارِ ثواب کے لئے بیچنا منع ہو، اور اس کا تصدق بطور تملیک

---

[1] ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/۲۲۴

اذا فعل ذلك، بل الدليل ناطق بخلافه
فان المانع انما هو قصد التمول وهذا بمعزل
عنه، والمسوغ كما تبين بكلام التبيين
قصد القربة وهذا، فلنقتصر على هذا
القدر، حامدين لربنا في الورد والصدر،
هذا ما ظهر لفهمي القاصر وفكري الفاتر،
ومعاذ الله ان ابرئ نفسي من الخطأ والزلل
واصر على رائي بعد وضوح الخلل وسبحٰن
الله ايش انا وايش رأيي، وانما النقص
بضاعتي والخطأ صناعتي، والجهل صفتي،
والعجز سمتي، فان اصبت فبتوفيق ربي،
وله الحمد في كل ان وحين، وان
اخطأت فبشؤم ذنبي، واسأل التوبة ارحم
الراحمين، والحمد لله العزيز الوهاب،
والصلاة والسلام على النبي الاواب وآله و
صحبه خير آل واصحاب، واذا انتهت
الرسالة بحمد ذي الجلالة وددت
ان اسميها بعلم لطيف يكون علما على
عام التاليف، كما هو دأبي في جميع
التصانيف وقد جاءت بحمد الله تعالٰى
مختصرة، ومع الاختصار مطهرة مظهرة،
تناسب ان اسميها "الصافية الموحية
لحكم جلود الاضحية" وكان ذلك ضحوة
الخميس لليلة بقيت من ذي القعدة
الحرام سنة الف وثلثمائة وسبع من

ہونا ثابت ہو، اور جس چیز کو ممانعت پر دلیل قائم
ہے، وہ بیع بقصد تمول ہے، اور ان دونوں میں
بون بعید ہے، اور قربانی کے اجزاء سے قصد
تقرب جائز ہے، اور یہ بیع اسی لئے ہے، اس لئے
اس کے جائز ہونے میں شبہہ نہیں۔

اب ہم اسی پر بس کرتے ہیں، اور ابتداً وانتہاً
میں اپنے رب کی حمد کرتے ہیں، میں اپنے نفس
کو خطا ولغزش سے بری نہیں گردانتا، اور
خلل ظاہر ہونے کے بعد میں اپنی رائے پر اصرار
بھی نہیں کرتا، سبحان اللہ! میں کیا اور میری
رائے کیا، نقصان ہی میری پونجی ہے اور خطا
شان بندگی، لاعلمی میری صفت اور عاجزی
میرا نشان، اگر یہ ٹھیک ہو تو میرے رب کی
توفیق سے ہے، اور اسی کے لئے ہر دم
تعریف، اور غلط ہو تو میرے گناہوں کی
برائی، میں اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور
اس کی حمد بجالاتا ہوں، اور اسی کی حمد پر یہ
رسالہ ختم ہوا۔

اس کا ایک لطیف نام (جس سے میرے
طریقہ کے مطابق کتاب کا سنہ تالیف
بھی ظاہر ہو) کی تلاش ہوئی تو اس کا نام
الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ
رکھا، اور یہ پنجشنبہ کے روز چاشت
کے وقت ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ میں ہوا،
اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوران کے

هجرة المولی سید الانام افضل صلاۃ و اکمل سلام و اجمل تحیۃ من الملک المنعام علیہ وعلی آلہ وصحبہ الکرام علی مر اللیالی والایام، والحمد للہ ذی الجلال والاکرام
کتبہ العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

آل واصحاب پر ہزاروں سلام، جب تک رات دن گزرتے ہیں، والحمد للہ رب العلمین۔

مسئلہ ۲۹۴ از ریاست رامپور مدرسہ مطلع العلوم، مرسلہ محمد امام الدین صاحب ۱۵ / صفر ۱۳۳۶ھ

دیہات میں قبل صلٰوۃ العید قربانی کرنا یا مُرغ وغیرہ ذبح کرنا درست ہے یا نہیں، اور جزار بغیر پوست کش کو قربانی کے چمڑے کی قیمت مل سکتی ہے یا نہیں؛ اور میاں جی اور شاگرد جی بغیر طالب علم اس چمڑے کی قیمت کے مصرف ہوسکتے ہیں یا نہیں؛ اور اس قیمت کو مدرسہ و مسجد وغیرہ کے اسباب میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؛ اور قربانی کرنے والا اپنے ہاتھ سے مال یعنی چمڑے کی قیمت تقسیم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

مرغ کی قربانی مکروہ و تشبہ بالمجوس ہے، نہ اس سے واجب اضحیہ ادا ہوسکتا ہے، اور جائز قربانی شرعی وہ صبح ہی کرسکتے ہیں کہ ان پر نماز عید نہیں، اجرت جزار میں اس کی قیمت دینا جائز نہیں کہ تمول ہے اور قربانی سے تمول ناجائز، اس چمڑے کا یہی حکم ہے جو اصل کا، کہ ادخار و ایتجار دونوں جائز ہیں، خواہ اس کی مشک بنوالے یا کتابوں کی جلدیں، یا اُسے مسجد یا مدرسہ دینیہ اہلسنت میں دے دے، یا بہ نیت مصارفِ خیر بیچ کر اس کی قیمت مصرفِ خیر میں صرف کرے خواہ اپنے ہاتھوں سے یا اور کے ہاتھوں سے، ہاں اگر اپنے لئے اسی داموں سے بیچا تو وہ دام خبیث ہیں، اور ان کی سبیل تصدق۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۵ از سلون ضلع رائے بریلی مرسلہ محمد طٰہ صاحب ۴ / ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسّی و جھول صدقہ کرنا چاہئے، اور حسب ذیل حوالہ پیش کرتا ہے (۱) شرح وقایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الاحصار، بیان احکام الھدی (۲) عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ (۳) درمختار جلد اول، باب الھدی (۴) ہدایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الھدی (۵) قدوری، باب الھدی (۶) تنقیح الضروری حاشیہ قدوری
بکر کہتا ہے کہ قربانی کی رسّی و جھول صدقہ کرنے کی کتب فقہ میں کوئی دلیل نہیں، اور زید کے پیش کردہ حوالوں پر حسب ذیل اعتراض کرتا ہے:

اول شرح وقایہ وہدایہ وغیرہ میں مسئلہ مبحوث عنہ کو باب الہدی میں بیان کیا ہے، حالانکہ یہ مسئلہ باب الاضحیہ سے تعلق رکھتا ہے، اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

دوم علی طریق التنزل یہ ثابت بھی ہوجائے تو لفظ خطام جس سے زید نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے، تو کیا اس کے معنی کسی لغوی نے گراؤں یعنی رسی کے بیان کئے ہیں، ابن اثیر ابوعبیدہ کسی نے تصریح کی ہے خطام کے معنی گراؤں کے ہیں۔

سوم کتاب عمدۃ الرعایہ نے خطام کے تصدق کرنے کے لئے ایک حدیث نقل کی ہے، اور کہا کہ اس حدیث کی بخاری اور مسلم نے تخریج کی ہے، تو کیا اس روایت سے خطام کے تصدق کا حکم ثابت ہوتا ہے؟ فقط تمام ہوا کلام بکر کا، بس دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ اور بکر کے اعتراضات کے جوابات کیا ہیں؟

الجواب

انقیاد شتر کے لئے دو طریقے معمول ہیں، ایک یہ کہ وسط بینی کے گوشت یا ایک طرف کے نتھنے میں سوراخ کرکے تانبے، چاندی، سونے کا حلقہ یا لکڑی یا بالوں کا بنا ہوا چھلا ڈالیں، اور مضبوط ڈور کا سرا اس میں اور دوسرے سرے میں رسی یا خود اس میں رسی باندھیں، اس حلقے کو بُرہ بضم موحدہ وفتح رائے مخففہ، اور لکڑی کو خشاش بالکسر اور فارسی میں مہار بالفتح، اور بالوں کے چھلے کو عربی میں خزامہ، اور سب کو زمام بالکسر، نیز اس ڈور کو زمام اور اس رسی کو کہ اس میں باندھی جاتی ہے مقود بالکسر، نیز اسے بھی عربی وفارسی میں زمام ومہار، اور مجموع کو ہندی میں نکیل کہتے ہیں یہ اس کے انقیاد کا اکمل طریقہ ہے، اور اکثر فقہائے سواری میں یہی مستعمل ہے کہ بے اس کے انقیاد تام نہیں ہوتا، گرادینے کا احتمال رہتا ہے، دوسرا یہ کہ رسی کا حلقہ اس کے گلے میں قریب گوش ہار کی طرح ڈال کر منہ پر ناک کے قریب اس کا پھندا دیتے ہیں، عربی میں اسے خطام بالکسر، اور ہندی میں مُہیر کہتے ہیں، نیز زمام بمعنی سوم بلکہ دوم بلکہ کبھی اول کو بھی خطام بولتے ہیں، تو خطام کے چار اطلاق ہوئے، مگر وہ رسی کہ گائے بھینس بکری کے گلے میں باندھی جاتی ہے، اُسے خطام کوئی نہیں کہتا، نہ مادہ خطام اُس کی مساعدت کرتا ہے کہ وہ خطم بمعنی بینی سے ماخوذ ہے۔ نہایہ ابن اثیر ومجمع البحار میں ہے:

خطام البعیران یوخذ حبل من لیف اوشعر اوقطان فیجعل فی احد طرفیہ حلقۃ، ثم یشد فیہ الطرف الأخرحتی یصیر کالحلقۃ ثم یقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمہ، واما مایجعل

اونٹ کی خطام یہ ہے کہ کھجور کی چھال یا بالوں یا کاتی سے رسی بناکر اس کے ایک طرف حلقہ بنایا جائے پھر اس میں دوسرا کنارہ باندھا جائے تاکہ وہ حلقہ کی مثل ہوجائے، پھر اسے اونٹ کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جائے پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹ دیا جائے، اور وہ باریک رسی جو

فی الانف دقیقا فهو الزمام[1] | ناک میں ڈالی جاتی ہے وہ زمام ہے۔ (ت)

فقہ باب ۲۳ فصل ۳۶ میں ہے:

الخطام الحبل یجعل فی طرفہ حلقۃ ویقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمہ[2] | خطام وہ رسی ہے جس کے ایک طرف حلقہ بنا کر اونٹ کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جاتا ہے، پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے:

خطام البعیر معروف وسمی بذٰلك لانہ یقع علی خطمہ[3] | اونٹ کی مہار معروف چیز ہے اس کو خطام اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ناک پر لگائی جاتی ہے (ت)

تاج العروس میں ہے:

قال ابن شمیل ھو کل حبل یعلق فی حلق البعیر ثم یعقد علی انفہ کان من جلد او صوف اولیف او قنب[4] | ابن شمیل نے کہا خطام ہر اس رسّی کو کہتے ہیں جسے اونٹ کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے پھر اس کی ناک پر گرہ لگا دی جاتی ہے چاہے وہ رسّی چمڑے کی ہو یا اون کی ہو یا کھجور کی چھال کی ہو یا سَن کی ہو۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

(خطامہ) ھو حبل یجعل فی عنق البعیر ویثنی علی انفہ[5] | (اس کی خطام) وہ رسّی ہے جس کو اونٹ کی گردن میں ڈال کر اس کی ناک پر لپیٹ دیا جاتا ہے (ت)

قاموس میں ہے:

الخطم من الدابۃ مقدم انفہا وفمہا | چارپائے کا خطم اس کی ناک اور منہ کے اگلے حصے کو

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۷۱
النہایۃ لابن اثیر باب الخاء " " المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا ریاض ۲/ ۵۰
[2]
[3] المصباح المنیر الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۶
[4] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲
[5] جامع الرموز کتاب الحج فصل الاحصار مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۳۸

والخطام کل ماوضع فی انف البعیر لیقاد بہ[1]

کہتے ہیں، اور خطام اس شئے کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعے اونٹ کو کھینچا جاسکے۔ (ت)

تاج میں ہے : کذا فی المحکم[2] (محکم میں یوں ہی ہے۔ ت)۔ بحرالرائق میں ہے :

الخطام ھو الزمام وھو مایجعل فی انف البعیر[3]

خطام زمام ہی ہے اور یہ اس شئی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ (ت)

درثمین میں ہے :

الخطام الحبل الذی یقاد بہ البعیر[4]

خطام وہ رسّی ہے جس کے ذریعے سے اونٹ کو چلایا جاتا ہے۔ (ت)

مجمع البحار میں کرمانی سے ہے :

بخطامہ[ع] اوبزمامہ وھما بمعنی، والشك فی تعیینہ وھو بکسر خاء خیط یشد فیہ الحلقۃ المسماۃ

(حدیث میں وارد ہونے والے الفاظ) اسکی خطام یا اس کی زمام دونوں ہم معنی ہیں، شک اس کی تعیین میں ہے، اور خطام خاء کے کسرہ کے

ع ای فی حدیث البخاری فی کتاب العلم عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قعد علی بعیرہ وامسك انسان بخطامہ اوبزمامہ[5]۔ الحدیث ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز۔

یعنی امام بخاری نے کتاب العلم میں ابوبکرہ سے حدیث بیان کی ہے انھوں نے ذکر فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک آدمی نے اونٹ کی نکیل کو تھام رکھا تھا، الحدیث، ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] القاموس المحیط فصل الخاء من باب المیم مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۹

[2] تاج العروس " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲

[3] بحرالرائق کتاب الحج باب الھدی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۷۲

[4] الدرالثمین

[5] صحیح البخاری کتاب العلم باب من قعد حیث ینتھی بہ المجلس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

بالبرة، ویشد فی طرفه المقود[1]

ساتھ اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں برہ نامی حلقے کو باندھا جاتا ہے اور اس کے کنارے میں رسّی باندھی جاتی ہے۔ (ت)

نہایہ نیز مجمع میں ہے،

البرة حلقة تجعل فی لحم الانف، و ربما کانت من شعر[2]

برہ وہ حلقہ ہے جو ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے اور بسا اوقات وہ بالوں کا ہوتا ہے (ت)

اسی میں شرح جامع الاصول لمصنفہ سے ہے،

حلقة یشد بها الزمام[3]

وہ ایک حلقہ ہے جس کے ساتھ زمام کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

نیز امام نووی سے ہے؛

الزمام ما یجعل فی انف البعیر دقیقا و قیل ما یشد به رؤسها من حبل و سیر[4]

زمام اس باریک رسّی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے، اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی رسّی یا تسمہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے؛

قال بعضهم الزمام فی الاصل الخیط الذی یشد فی البرة او فی الخشاش ثم یشد الیه المقود ثم سمی به المقود نفسه[5]

ان میں سے بعض نے کہا زمام اصل میں اس ڈوری کو کہتے ہیں جسے برہ (حلقہ) یا لکڑی میں باندھا جاتا ہے پھر اس میں مقود (رسّی) کو باندھا جاتا ہے پھر خود اس زمام کا نام مقود رکھا جاتا ہے (ت)

تاج العروس میں ہے؛

الزمام هو الحبل الذی یجعل فی البرة والخشبة قال الجوهری او فی الخشاش

زمام اس رسّی کو کہتے ہیں جس کو حلقہ یا لکڑی میں ڈالا جاتا ہے، جوہری نے کہا یا اس کو خشاش (لکڑی)

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الخاء مع الطاء مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۴۲

[2] " " " باب الباء مع الراء " " " ۱/ ۱۸۷

[3] " " " " " " " ۱/ ۱۸۷

[4] " " " باب الزاء مع المیم " " " ۲/ ۴۴۰

[5] المصباح المنیر الزاء مع المیم تحت "الزمام" مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۴

ثم يشد فى طرفه المقود وقد يسمى المقود نفسه زماما[1]

میں ڈالا جاتا ہے پھر اس کے کنارے میں رسّی باندھی جاتی ہے اور کبھی اس رسی کا نام زمام رکھا جاتا ہے (ت)

صراح میں ہے:

خشاش بالکسر چوب کہ در بینی شتر کنند و ہرچہ از مس باشد آں را برہ گویند، و آنچہ از موئے آں را خزامہ[2]

خشاش خاء کے کسرے کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے، پیتل کی جو شے اونٹ کی ناک میں ڈالتے ہیں اس کو برہ کہتے ہیں اگر وہ بالوں کی ہو تو اسے خزامہ کہتے ہیں (ت)

اسی میں ہے: خطام بالکسر مہار[3] (خطام کسرہ کے ساتھ مہار۔ ت)، اسی میں ہے:

زمام بالکسر مہار، و رشتہ کہ در چوب بینی شتر بندند و برشتے مہار بندند[4]

زمام کسرہ کے ساتھ مہار اور وہ دھاگہ جو اونٹ کی ناک میں ڈالی ہوئی لکڑی کے ساتھ باندھتے ہیں اور اس پر مہار باندھتے ہیں (ت)

برہان میں ہے:

مہار بالفتح چوبیکہ در بینی شتر کنند و ریسماں براں بندند[5]

مہار فتحہ کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک میں ڈال کر اس پر ڈوری باندھتے ہیں (ت)

قاموس میں ہے: الخزامۃ ککتابۃ للبرۃ[6] (خزامہ بروزن کتابہ حلقہ کو کہتے ہیں۔ ت)

تاج میں ہے:

وھی حلقۃ من شعر تجعل فی وترۃ انفہ یشد بھا الزمام کما فی

اور وہ (خزامہ) بالوں کے اس حلقہ کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک کے بانسہ میں ڈال کر اس کے ساتھ

---

[1] تاج العروس فصل الزاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/۳۲۸
[2] الصراح من الصحاح باب الشین فصل الخاء مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۷
[3] " " " باب المیم فصل الزاء " " " ص ۴۶۸
[4] " " " " " " " " ص ۴۷۵
[5] برہان
[6] القاموس المحیط باب المیم فصل الخاء مصطفی البابی مصر ۴/۱۰۶

الصحاح، وقال اللیث ان کانت من صفر فھی برۃ وان کانت من شعر فھی خزامۃ۔[1]

رسی باندھی جاتی ہے جیسا کہ صحاح میں ہے۔ لیث نے کہا اگر وہ حلقہ پیتل کا ہو تو اس کو برہ اور اگر وہ بالوں کا ہے تو اس کو خزامہ کہا جاتا ہے (ت)

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھدی عام الحدیبیۃ فی ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جملا کان لابی جھل فی راسہ، برۃ من فضۃ، وفی روایۃ من ذھب یغیظ بذلک المشرکین[2]۔

بیشک نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال قربانی کے لئے جو اونٹ روانہ فرمائے ان میں ایک اونٹ ابوجہل کا تھا جس کے سر (ناک) میں چاندی کا ایک چھلا تھا، ایک روایت ہے کہ سونے کا چھلا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشرکوں کو جلانے کے لئے ایسا کیا تھا۔ (ت)

مرقاۃ میں ہے:

(فی راسہ) ای انفہ فان البرۃ حلقۃ من صفر ونحوہ تجعل فی لحم انف البعیر، وقال الاصمعی فی احد جانبی المنخرین لکن لما کان الانف من الراس قال فی راسہ علی الاتساع[3]

(اس کے سر میں) یعنی اس کی ناک میں، کیونکہ برہ پیتل یا اس جیسی کسی شے کے ایسے حلقہ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے، اور اصمعی نے کہا کہ وہ اونٹ کے نتھنوں کے ایک طرف ڈالا جاتا ہے لیکن ناک چونکہ سر ہی کا حصہ ہے اس لئے راوی حدیث نے بطور مجاز کہا کہ اس کے سر میں حلقہ تھا (ت)

مجمع البحار میں طیبی سے ہے: جعلہ فی الراس اتساعا[4] (اس حلقہ کو سر میں قرار دینا بطور مجاز ہے۔ ت) سلمہ بن سحیم کی حدیث میں ہے:

---

[1] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۷۲-۲۷۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب فی الھدی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴۴

[3] مرقاۃ المفاتیح " الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیۃ کوئٹہ ۵/ ۵۲۸

[4] مجمع بحار الانوار باب الباء مع الراء مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۶۹

ان صاحبالنا رکب ناقۃ لیست بمبراۃ فسقط فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غرّر بنفسہ[1]

ہمارا ایک ساتھی بغیر نکیل کے اونٹنی پر سوار ہوا اور گر گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے خود کو ہلاکت میں ڈالا۔ (ت)

نہایہ میں ہے:

لیست بمبراۃ ای لیس فی انفہا برۃ یقال ابریت الناقۃ فہی مبراۃ۔[2]

"وُہ اونٹنی مبراۃ نہیں تھی" کا معنٰی یہ ہے کہ اس کی ناک میں برہ (حلقہ) نہیں تھا، کہا جاتا ہے کہ میں نے اونٹنی کو حلقہ ڈالا تو وہ مبراۃ (حلقہ والی) ہوگئی (ت)

عمدۃ الرعایہ میں ہے کہ خطام کی تفسیر زمام گردن بعیر کی اگرچہ کلمات اہل فن سے جدا ہے، مگر معنی سوم زمام پر بجا ہے، اور اس سے ہر رسن گردن سمجھنا خطا ہے، اس میں زمام گردن نہیں بلکہ رسن اور زمام بے تعلق بینی صادق نہیں، حدیث کہ اس میں صحیح بخاری و مسلم کی طرف نسبت کی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا:

تصدق بجلالہا و بخطمہا، ولا تعطی اجرۃ الجزار منہا۔[3]

قربانی کے جانور کی جھلوں اور باگوں کو صدقہ کیجئے اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت نہ دیا جائے۔ (ت)

غلط صریح ہے، نہ صحیح بخاری میں اس کا کہیں نشان نہ صحیح مسلم میں، نہ بحیثیت الفاظ نہ بحیثیت مضمون۔ صحیح بخاری میں بدنہ ہدی کی جھول تصدق کرنے کی حدیث پانچ جگہ روایت کی، باب[1] الجلال للبدن، باب[2] التصدق بجلود البدن، باب[3] یتصدق بجلال البدن، باب[4] الوکالۃ، باب[5] لایوتی الجزار من الہدی شیئا، اور صحیح مسلم میں ایک ہی جگہ پانچ سندوں سے ذکر کی۔ دسوں جگہ نہ ان الفاظ کا پتہ ہے نہ اس پورے مضمون کا، موضع اول و خامس میں بخاری کے لفظ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہیں:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اتصدق بجلال البدن

رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے قربانی کے ان جانوروں کی جھلوں اور چمڑوں کو

---

[1] النہایۃ لابن اثیر باب الباء مع الراء المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا ریاض ۱/۱۲۲
[2] " " " " " " ۱/۱۲۲
[3] عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح الوقایۃ کتاب الحج باب الہدی المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی ۱/۳۶۴

التی نحرت و بجلودھا[1]

صدقہ کرنے کا حکم دیا جن کو ذبح کیا گیا تھا (ت)

دوم میں:

امرنی فقسمت لحومھا ثم امرنی فقسمت جلالھا وجلودھا[2]

رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے قربانی کے جانوروں کا گوشت تقسیم کردیا۔ پھر آپ نے مجھے حکم دیا تو میں نے ان کی جھلوں اور چمڑوں کو تقسیم کردیا۔ (ت)

سوم میں:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرہ ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا[3]

بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ قربانی کے جانوروں کے پاس کھڑے ہوجائیں اور اُن کا گوشت، جھل اور چمڑے سب تقسیم کردیں (ت)

چہارم میں:

اھدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مائۃ بدنۃ فامرنی بلحومھا فقسمتھا ثم امرنی بجلالھا فقسمتھا، ثم بجلودھا فقسمتھا[4]

نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کیلئے سو اونٹ بھیجے اور مجھے حکم دیا کہ میں ان کا گوشت تقسیم کروں تو میں نے کردیا، پھر مجھے ان کی جھلوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کردیا، پھر مجھے ان کے چمڑوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کردیا (ت)

صحیح مسلم میں تین سندوں سے:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اتصدق لحمھا وجلودھا واجلتھا[5]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانی کے پاس کھڑا ہوجاؤں اور ان کے گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو تقسیم کردوں (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناسک باب الجلال للبدن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۰

[2] " " باب لایعطی الجزار من الھدی شیئا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[3] " " " بالتصدق بجلود الھدی " " " " ۱/ ۲۳۲

[4] " " " یتصدق بجلال البدن " " " " ۱/ ۲۳۲

[5] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایا وجلودھا وجلالھا " " " ۱/ ۴۲۳

اور دو سندوں سے مثل لفظ سوم بخاری وزاد فی المساکین[1] (یہ لفظ زیادہ کئے کہ مسکینوں میں تقسیم کروں۔ ت) ان میں کہیں ذکر خطام نہیں، یہ مضمون صحیحین پر بیشی ہے، اور نسبت الفاظ میں غلطی یہ کہ صیغہ امر جس طرح عمدۃ الرعایہ میں مذکور صحیحین بلکہ کتب متداولہ حدیث میں کہیں نہیں، جیساکہ لامع و ارشاد الساری و شرح موطا سے ظاہر۔ علامہ قسطلانی نے فرمایا:

قال صاحب الکواکب وفیہ انہ لایجوز بیع الجلال ولاجلود الھدایا والضحایا کما ھوظاھر الحدیث اذ الامر حقیقۃ فی الوجوب اھ، وتعقبہ فی اللامع فقال فیہ نظر فذٰلک صیغۃ افعَل لالفظ امر[2]۔

صاحبِ کواکب نے کہا اس میں یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جُھلوں اور کھالوں کی بیع جائز نہیں جیساکہ حدیث کا ظاہر ہے کیونکہ امر حقیقتاً وجوب کے لئے ہے اھ۔ اور لامع میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں نظر ہے اس لئے کہ جو امر وجوب میں حقیقت ہے وہ صیغۂ افعل ہے نہ کہ لفظ امر۔ (ت)

شرح علامہ زرقانی میں ہے:

فیہ استحباب التجلیل والتصدق بذٰلک الجل، ولفظ امر لایقتضی الوجوب لان ذٰلک فی صیغۃ افعل لالفظ امر[3] اھ، و رأیتنی کتبت علی ھامش الارشاد مانصہ، اقول لیس قولہ امر الاحکایۃ امرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاان یقال یمکن ان یکون حکایۃ من مثل علیك التصدق۔

اس میں قربانی کے جانوروں پر جُھل ڈالنے اور اس جھل کو صدقہ کرنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے، اور لفظِ امر وجوب کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ وجوب کا متقاضی تو صیغۂ افعل ہے نہ کہ لفظِ امر اھ، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ارشاد کے حاشیہ پر لکھا جس کی عبارت یہ ہے اقول (میں کہتا ہوں) اس کا امر کہنا محض حکایت ہے امرِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی، مگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ حکایت ہو علیك بالتصدق (تجھ پر صدقہ لازم ہے۔ ت) جیسے الفاظ سے (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایا وجلودہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۲۴

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب الجلال للبدن دار الکتاب العربی بیروت ۳/۲۲۲

[3] شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک کتاب الحج المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی القاہرہ ۲/۳۲۷

ذکرِ خطام کیلئے فقیر نے جتنی کتبِ حدیث اپنے پاس ہیں سب کی مراجعت چاہی، بارہ[12] کتابیں دیکھی تھیں، پھر خیال آیا کہ درایۂ امام حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی دیکھی جائے، اس میں ضرور اس سے تعرض فرمایا ہوگا، اُسے دیکھا تو انھوں نے صاف فرمایا:

لم ار فی شیئ من طرقہ ذکر الخطام[1] | میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں ذکرِ خطام نہ دیکھا۔

بالجملہ صحیحین کی طرف اس کی نسبت لفظاً ومعنیً ہر طرح غلط ہے، ہاں ہدایہ باب الہدی میں حدیث انھیں الفاظ سے مذکور، اور کتاب الاضحیہ میں بلفظ:

تصدق بجلالہا وخطامہا ولاتعط اجر الجزار منہا شیئا۔[2] | قربانی کے جانوروں کی جُھلوں اور باگوں کو صدقہ کر اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت مت دے۔ (ت)

اسی طرح کافی امام نسفی باب الہدی میں یہی لفظ دوم ہیں، الا لفظۃ الاجر[3] (سوائے لفظ "اجر" کے۔ ت)، نیز بدائع امام ملک العلماء کتاب الاضحیہ میں، الا لفظۃ شیئا[4] (سوائے لفظ "شیئا" کے۔ ت)

اقول تو حدیث ضرور کہیں مروی ہوئی، اور حافظ (ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) کا اسے نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں۔ امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں دو حدیثیں مذکور مشائخ ذکر کرکے فرمایا:

قصور نظرنا اخفاھما عنا۔[5] | ہماری نظر کے قاصر ہونے نے ان دونوں کو ہم سے مخفی رکھا۔ (ت)

یُونہی حافظ الشان نے باوصف اس وسعت اطلاع کے نفی نہ فرمائی، یہ ائمہ کے ساتھ علمائے کرام کا ادب ہے بخلاف جُہالِ زمانہ یعنی غیر مقلدین کہ کرمکِ سنگ سے بڑھ کر وقوف نہیں، اور ائمہ پر سلب مطلق کے دعوے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ کتاب الحج باب الہدی المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۲/ ۵۴
[2] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[3] الکافی شرح الوافی
[4] بدائع الصنائع کتاب التضحیۃ فصل واما بیان مایستحب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۸۱
[5] فتح القدیر

توحدیث مذکور میں صدقۂ خطام کا عنداللہ حکم ہے مگروہ حدیثاً و فقہاً صرف جلال و خطام شتران ہدی کے بارے میں ہے، قربانی کی گائے بکریوں کی جھولوں اور ان کے گلے کی رسیوں کا ذکر درکنار، جہاں تک نظر کی جاتی ہے شتران اضحیہ کے جلال و خطام کا بھی کہیں ذکر نہیں، اب رہا قیاس، وہ مجتہد سے خاص، اس کا کسے اختیار، اور دلالۃ النص اقول اس کی بھی گنجائش نہیں، نہ اضحیہ من کل الوجوہ معنی ہدی میں ہے، نہ یہ جھولیں اُن جلال سے نہ گلے کی رسّیاں اُس خطام کے مثل۔

اوّل تو ظاہر کہ ہدی کے لئے محل خاص ہے یعنی حرم محترم اس کے غیر میں ہدی کو ذبح و نحر نہیں کرسکتے،

قال اللہ تعالٰی ثم محلھا الی البیت العتیق[1] وقال تعالٰی ھدیًا بالغ الکعبۃ[2] اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا پھر ان (ہدی کے جانوروں) کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہدی ہو کعبہ تک پہنچتی۔ (ت)

اور قربانی ہر جگہ ہوسکتی ہے، تو ہدی میں بہ نسبت اضحیہ خصوصیت خاصہ ہے اگرچہ اصل مقصود یعنی تقرب باراقۃ دم میں مساوی ہیں، لہذا کیا مستبعد کہ اصل اجزائے متقرب بہا یعنی لحم و جلد میں حکم یکساں ہو اور زوائد و مضافات کی طرف جو سرایت صاحب خصوص میں ہوئی، اضاحی میں نہ ہو، و لہذا بدائع و ہدایہ و کافی وغیرہا میں حدیث ہدی سے دربارۂ لحم و جلد اضحیہ استناد کیا، اور جلال و خطام اضحیہ کا کسی نے ذکر نہ کیا، حالانکہ حدیث ہدی میں چاروں حکم موجود تھے، اضحیہ میں ان دو پر اقتصار اور ان دو کا ترک، اور اس ترک و اقتصار پر اتفاق کتب آخر کس لئے۔

دوم یہ کہ وُہ جھولیں معمولی سردی وغیرہ کی جھولیں نہ تھیں جو اپنے موسم پر ہر پالے ہوئے جانور کیلئے بنائی جاتی ہیں اگرچہ وُہ گاڑی میں جوتنے کے بیل ہوں، وہ خاص شتران ہدی کے لئے بنتیں، اور روانگی حرم کے وقت اُن پر ڈالی جاتی ہیں، اور اُن کے لئے ان کا بنانا سنّت ہے، تقلید و اشعار کی طرح شعار اللہ ہدی کی علامت ہوتی ہے، بدنہ ہدی کے گلے میں نعلین وغیرہ یا بٹے ہوئے قلادے ڈالتے اور بالتخصیص اونٹوں پر قلادے کے ساتھ جھولیں بھی ڈالتے، اور اُن کے کوہان میں خفیف نیزہ مار کر خون نکالتے، یہ ان کے ہدی ہونے کی علامتیں تھیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۳
[2] " " ۵/ ۹۵

علمائے کرام نے فرمایا: ان جھولوں کا اپنی حیثیت تمول کے مناسب ہونا مستحب ہے، ہدی بھیجنے والا جیسی استطاعت رکھتا ہو ویسی ہی بیش قیمت جھولیں بنائے کہ مساکین کا زیادہ نفع اور شعائر کی زیادہ تعظیم ہو۔ سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما ان پر بیش بہا کپڑوں کی جھولیں ڈالتے اور مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر اتار کر تہ کر کے رکھ چھوڑتے، عرفہ کے دن پھر پہناتے اور بعد نحر انھیں کعبہ معظمہ کا غلاف کرتے جب سے بیت مکرم کا غلاف مستقل تیار ہونے لگا انھیں مساکین پر تصدق کرتے۔

علماء فرماتے ہیں کہ راتوں کو یہ جھولیں اتار کر رکھ لی جائیں کہ کانٹوں سے ان میں کھونتا نہ لگے، ان میں سے کون سا حرف قربانی کی معمولی جھولوں پر صادق ہے کہ یہ اُن کے معنی میں ہوں۔

امام اجل ابو زکریا نووی قدس سرہ شرح صحیح مسلم میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں:

فی هذا الحدیث فوائد کثیرة، منها استحباب سوق الهدی وانه یتصدق بلحومها وجلودها وجلالها وانها تجلل واستحبوا ان یکون جلا حسنا، قال القاضی التجلیل سنة وهو عند العلماء مختص بالابل وهو مما اشتهر من عمل السلف قالوا ان یکون بعد الاشعار لئلا یتلطخ بالدم قالوا ویستحب ان تکون قیمتها ونفاستها بحسب حال المهدی، وکان بعض السلف یجلل بالوشی وبعضهم بالحبرة وبعضهم بالقباطی والملاحف والازر، قال مالك اما الجلل فتنزع فی اللیل لئلا یخرقها الشوك، قال واستحب ان

اس حدیث میں بہت سے فائدے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں قربانی کے جانور کو روانہ کرنے کا استحباب، اور یہ کہ قربانی کے جانوروں کے گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو صدقہ کیا جائے، اور یہ کہ ان جانوروں کو جھل پہنائی جائے، اور مشائخ نے اس بات کو مستحب قرار دیا کہ وہ جھل عمدہ ہو۔ قاضی نے کہا کہ جھل پہنانا سنّت ہے۔ اور علماء کے نزدیک وُہ اونٹوں کے ساتھ مختص ہے، اور یہ اسلاف کا مشہور عمل ہے۔ مشائخ نے کہا کہ اشعار یعنی کوہان میں نیزہ مار کر خون نکالنے کے بعد جھل پہنائی جائے تاکہ وُہ خون میں لتھڑ نہ جائے، نیز انھوں نے کہا کہ جھل کا قیمت و عمدگی میں قربانی روانہ کرنے والے کی حیثیت کے مطابق ہونا مستحب ہے۔ بعض اسلاف منقش کپڑوں، بعض یمنی چادروں، بعض مصر کے بنے ہوئے قیمتی کپڑوں، لحافوں اور عمدہ چادروں کی جھلیں پہنایا کرتے تھے۔ امام مالک نے فرمایا: جھلوں کو رات

كانت الجلال مرتفعة ان لا يجللها حتى يغدو الى عرفات ان كانت بثمن يسير فمن حين يحرم يجلل[1] (ملخصاً)

کے وقت اتار لیا جائے تاکہ کانٹے انھیں پھاڑ نہ دیں، اور فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ اگر جھلیں گراں قیمت ہوں تو عرفہ کے دن عرفات کی طرف روانگی سے قبل نہ پہنائے اور اگر وہ کم قیمت والی ہوں تو احرام باندھتے وقت ہی پہنا دے (ملخصاً)۔ (ت)

امام علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

الجلال جمع جل وھو الذی یطرح علی ظھر الحیوان من الابل والفرس والحمار والبغل، وھذا من حیث العرف، و لکن العلماء قالوا ان التجلیل مختص بالابل من کساء و نحوھا، قال ابن بطال کان مالك وابوحنیفة والشافعی یرون تجلیل البدن[2]

جلال جل کی جمع ہے، اور وہ اس شئی کو کہتے ہیں جو اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ جانوروں کی پشت پر ڈالی جاتی ہے، یہ عرف کے اعتبار سے ہے، لیکن علماء نے فرمایا کہ کپڑے وغیرہ جھل پہنانا صرف اونٹ کے ساتھ مختص ہے، ابن بطال نے کہا کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی ہدی کے جانوروں پر جھل ڈالنے کو جائز سمجھتے تھے۔ (ت)

امام جلیل ابوالبرکات نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

فان کانت بدنة قلدھا بمزادة او نعل والتقلید احب من التجلیل لان التقلید ذکر فی القرآن قال اللہ تعالٰی ولا القلائد ولا ذکر للتجلیل فیه، وان کان کلاھما ثابتا بالسنة لان ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کانت مقلدة مجللة، ولانه قد تجلل البدنة لا علی وجه التقرب بخلاف التقلید[3]

اگر ہدی کا جانور (اونٹ یا گائے) ہو تو اس کو چمڑے یا نعل کا ہار پہنا دے اور ہار پہنانا جھل پہنانے سے زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ ہار پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اللہ تعالٰی کا فرمان ہے ولا القلائد (اور نہ وہ جنھیں ہار ڈالے گئے) اور جھل پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اگرچہ دونوں سنّتِ رسول صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کو ہار اور جھل پہنائے گئے تھے، اور اس لئے بھی کہ جھل کبھی بلانیت تقرب

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلوم الہدایا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۲۳
[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسک باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/۴۴، ۴۵
[3] الکافی شرح الوافی

پہنائے جاتے ہیں بخلاف ہار پہنانے کے (کہ یہ بنیت تقرب ہی ہوتا ہے)۔ (ت)

مؤطا شریف میں ہے:

مالك عن نافع ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کان یجلل بدنہ القباطی و الانماط والجلل، ثم یبعث بھا الی الکعبۃ فیکسوھا ایاھا، مالك انہ سأل عبد اللہ بن دینار ماکان عبد اللہ بن عمر یصنع بجلال بدنہ حین کسیت الکعبۃ عن الکسوۃ، قال کان یتصدق بھا۔[1]

حضرت امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کیا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ہدی کے جانور کو مصری چادروں، اونی کپڑوں اور جُلوں کی جھلیں پہناتے پھر ان جھلوں کو کعبہ شریف بھیج کر غلافِ کعبہ بناتے۔ امام مالک سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن دینار سے پوچھا گیا کہ جب کعبہ شریف کو مستقل کپڑے کا غلاف پہنایا جانے لگا تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو کیا کرتے تھے، تو انھوں نے کہا وہ ان کو صدقہ کر دیتے تھے۔ (ت)

ابن المنذر نے بطریق اسامہ بن زید نافع سے روایت کی:

ان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کان یجلل بدنہ الانماط والبرود والحبر حتی یخرج من المدینۃ ینزعھا فیطویھا، حتی یکون یوم عرفۃ فیلبسھا ایاھا حتی ینحرھا ثم یتصدق بھا، قال نافع وربما دفعھا الی بنی شیبۃ۔[2]

بیشک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنے ہدی کے جانوروں کو اونی کپڑوں، دھاری دار اور منقش یمنی چادروں کی جھلیں پہناتے تھے یہاں تک کہ وہ جانور جب مدینہ منورہ سے نکلتے تو آپ ان جھلوں کو اتار لیتے اور لپیٹ کر رکھ دیتے، جب عرفہ کا دن آتا پھر وہ جھلیں جانوروں کو پہنا دیتے، جب انھیں ذبح فرماتے پھر جھلیں اتار لیتے، بعد ازاں ان کو صدقہ کر دیتے۔ حضرت نافع نے کہا کہ بعض اوقات بنی شیبہ کی طرف بھیج دیتے۔ (ت)

اقول اور اس پر ایک دلیل واضح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حجۃ الوداع شریف

---

[1] مؤطا الامام مالک کتاب الحج باب العمل فی الہدی حین یساق میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۰۰

[2] شرح الزرقانی علی المؤطا بحوالہ ابن المنذر " " " دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۲۷

فتح الباری بحوالہ ابن المنذر کتاب المناسک، باب الجلال للبدن " " ۳/ ۴۳۹

میں سو اونٹ ہدی بھیجے، ان پر جھولیں تھیں کہ بحکم اقدس بعد نحر تصدق کی گئیں کما تقدم عن صحیح البخاری (جیساکہ صحیح بخاری سے گزرا ت) حجۃ الوداع شریف کھلی بہار کے موسم میں تھا، فقیر نے حساب کیا ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ ہجریہ روزجمعہ کو چھٹی مارچ ۶۳۲ء تھی، ولہذا علماء اسے ماہ تحویل حمل میں بتاتے ہیں۔ صحیح بخاری میں خطبہ حجۃ الوداع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دہم ذی الحجہ کو ارشاد فرمایا:

الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض، وفیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای شھر ھذا قلنا اللہ ورسولہ اعلم، قال الیس ذوالحجۃ، قال فای یوم ھذا، قلنا اللہ ورسولہ اعلم. قال الیس یوم النحر[1]

زمانہ اس دن کی ہیئت پر گردش کر رہا ہے جس دن اللہ تعالٰی نے زمین وآسمان کو پیدا فرمایا تھا، اسی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ یہ کون سا مہینہ ہے، ہم (صحابہ) نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کونسا دن ہے، ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا یہ یوم النحر نہیں ہے۔(ت)

امام ابن حجر نے فتح الباری کتاب بدء الخلق میں، پھر امام قسطلانی نے ارشاد الساری میں نقل کیا کہ یہ ارشاد اقدس تحویل حمل کے مہینے میں تھا،

حیث قال زعم یوسف بن عبد الملک فی کتابہ تفضیل الازمنۃ ان ھذہ المقالۃ صدرت من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شھر مارس، وھو اذار

جہاں فرمایا کہ یوسف بن عبدالملک نے اپنی کتاب تفضیل الازمنہ میں کہا ہے بیشک رسول اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ گفتگو مارچ کے مہینے میں صادر ہوئی جس کا نام رومی میں آذار اور

ع: یعنی اس وقت کی تعبیر میں، ورنہ آغاز سن عیسوی کے حساب دسویں مارچ تھی، جیساکہ ہم نے اپنے ایک رسالہ متعلقہ "تحقیق سال عیسوی" میں ثابت کیا ۱۲ منہ قدس سرہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب حجۃ الوداع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۶۳۲

بالرومية وھو برمھات بالقبطیة و فیہ یستوی اللیل والنھار عند حلول الشمس برج الحمل[1]

قبطی میں برمہات ہے، اور اس مہینے میں سورج کے برج حمل میں حلول کرنے کے وقت رات اور دن برابر ہوتے ہیں۔ (ت)

اقول مراد یہ ہے کہ اس مہینے میں تحویل حمل ہوتی ہے نہ یہ کہ اس دن تحویل حمل تھی، ہم نے زیج الغ بیگی سلطانی

عـه مطلوب سنہ کی تقویم ہے، لہذا جدول سالہائے مبسوطہ ناقصہ سے دو سال تلاش کیا کہ ۱۰ کم کرکے ۳۰ پر صحیح منقسم ہو وہ ۸۰۰ھ تھا، طول سمرقند عطط تو طول حرم محترم عرحہ سے مابین طولین الحـ او حاصل تفریق ۸۰۰ھ

	ج	مرکز			
۶۰۰	ا	ط	مط	يح	مر
	ی	ح	نه	مح	ل
۲۲۰	ا	يح	مه	ب	لو
بازار ۸۰۰ھ بتفریق آں ازیں	ط	ا	[illegible]	و	ط
بہر غرہ سنہ	ا	ل	مر	ح	مح
	ی	ك	لط	ك	
+۱۰ ذی الحجہ ۱۱ یوم ناقص مابین طولین	ط	نا	كا	نت	لب
	ح	مر	مط		
+ تعدیل الایام	ح	يح	ا	مب	و
				نه	نه
+ تعدیل المرکز	ح	يح	ب	ك	ا
	ح	له	نح	مط	
+ اوج	ط	ا	لح	رح	حز
	ب	ك	لب	نح	لب
تقویم	يا ع	ك	له	يح	مب

ج	اوج				
ا	ح	مط	يح	مب	
ح	لط		يح	مر	
ا	ا	لط	ا	ح	مط
ح	ا	لبر	له	ح	
ب	يح	يح	لب	لط	
			مه	يح	
ب	يح	لط	مط	نب	

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین دارالمعرفۃ بیروت ۶/ ۲۱۱

ارشاد الساری " " " " " دارالکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۵۵

اور زیج احمد بہادر خانی[عـہ۱]، دو زیجوں سے نصف النہار حقیقی مکہ معظمہ دہم ذی الحجہ ۱۰ھ ہجریہ مطابق یازدہم[عـہ۲] ذی الحجہ وسطیہ روز شنبہ کی تقویم شمس نکالی، دونوں سے حوت کے اکیسویں درجے میں آئی اول سے حوت کے بیس درجے سینتیس دقیقے انتالیس ثانیے، دوم سے بیس درجے چھتیس دقیقے پچاس ثانیے، بلاشبہہ اس تقویم کا موسم ان ملکوں خصوصاً مکہ معظمہ اور اس کے قریب العرض شہروں میں نہایت معتدل موسم ہوتا ہے، نہ رات کو برف نہ دن کو لُو، نہ برسات کی مکھیاں، تو جن حاجات کے لئے جھولیں ڈالے ہیں،

عـہ۱: ۱۲۵۱ — ۱۰ = ۱۲۴۱ فاضل بر تصانیف سی ۱۱ وتضایف ۱۲۳۰ + ۳۰ = ۱۲۶۰

	ج وسط	ج اوج
ء بازاے ۱۲۰۰	ح و م لو لط	با لط مه ی ط
۶۰ بازار ااسال متصاعداً	ب لو حز یا مط	نط . مه ل
بتفریق آن ازیں بہرغرہ	ه لح ل سر ح	یا ک لح نب لط
۱۰ سنہ	و ما تب لح ب	ح ی مد ح لح
	[illegible]	ب لط مه نه مط
+ ذی الحجہ	ی ک ک ر لح	ند مو
+ ۱۱ یوم ناقص	ط نا لح لح	ا ما
بازار سرت ندقہ منہ		

ما بین الطولین ... ندر

	د نة مه ب لح د ی	ل لط ما سه مر
بازار ایں وتعدیل ایام وقحدمح ر حصہ اش ازوسط لو نہ لح		ش ما لج ما سر لد
+ حصہ تعدیل ایام زائد	ما لج ما ا ا لح سو	ح الح حز ه سر
تعدیل المرکز	ما ع ما سر لد	مرکز لہ لج مه
	اح نہ لب	لو مط لد
× وسط	ما ع ما سر لد	
تقویم	ما ک لو مط لد	مط ح نہ

فرق بین ۱۲ منہ قدس سرہ

عـہ۲: خیال ایسا ہی تھا کہ اس مہینہ میں تاریخ وسطی، ہلال سے ایک مقدم ہے استخراج تقویمات کے بعد دیکھا تو نہ مہینہ مطابقت پر آیا، تو یہ تقویم ۱۱ ہی ذی الحجہ کی ہوئی، بہرحال مطلوب حاصل ہے کہ ۱۰ کی تقویم ایک درجہ کم حوت کے بیسویں ہی درجہ میں رہی۔ منہ قدس سرہ

اُن کا اصلاً نام ونشان نہ تھا، لاجرم یہ جھولیں وہ نہ تھیں بلکہ خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں۔ تو معمولی جھولیں کسی طرح ان کے معنی میں نہیں۔

سوم یوں کہ خطام ہدی وہ شیٔ ہے کہ اُسے سبیل اللہ میں لے جاتی اور حرم محترم میں پہنچاتی ہے، تو قربانی کی رسّیاں اس کے برابر نہیں ہوسکتیں، اور گائے بھینس کی جھولوں رسیوں میں اور بھی فرق ہے، شتر نحر کیا جاتا ہے، اس کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں سے کھڑا رکھ کر سینہ پر نیزہ مارتے ہیں، جل وخطام دونوں وقت نحر اس سے جُدا کرنے کی حاجت نہیں، گائے بھینس لٹا کر ذبح کی جاتی ہیں اُس وقت اُن کی رسّی کھول لیتے ہیں، اور اگر جھول تھی وہ بھی اتار لیتے ہیں تو وقت تقرب الی اللہ رسّی اور جھول اُن کے بدن سے جُدا ہوتی ہیں اور شتر کے بدن سے متصل تو یہ زیر تقرب آتی ہیں، اور وہ نہیں، اگر باوصف انفصال بھی حکم تصدق سرایت کرے تو اُس کھونٹے کے بھی تصدق کا حکم ہو جس سے وہ جانور بندھا تھا، اور اُس ناند اور طشت کا بھی جس میں اُسے کھانا پانی دیا گیا تھا، بلکہ اُس مکان کا بھی جس میں وہ بندھا تھا، اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ عمدۃ القاری وفتح الباری شروح صحیح بخاری وغیرہما میں تصدق جلال ہدی کی یہ وجہ نقل فرمائی کہ اُس پر اہلال لوجہ اللہ واقع ہوا،

حیث قالوا قال المھلب لیس التصدق بجلال البدن فرضا وانما صنع ذٰلک ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما لانہ اراد ان لایرجع فی شیئ اھل بہ للہ ولا فی شیئ اضیف الیہ[1]

جہاں انھوں نے فرمایا مہلب نے کہا ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جُھلوں کو صدقہ کرنا فرض نہیں سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے تو محض اس لئے ایسا کیا کہ آپ اللہ تعالٰی کے لئے ذبح کئے ہوئے اور اس کی طرف منسوب کئے ہوئے جانوروں کی کسی شیٔ کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ (ت)

اس اہلال سے اگر تلبیہ مراد ہو جب تو ظاہر کہ قربانی پر لبیک کہاں، اور اگر تکبیر وقت نحر مراد ہو یہ بھی اُن اشیاء کو شامل نہ ہوگا جو وقتِ نحر و ذبح اس کے بدن پر نہ تھیں۔

اقول اور اول اَولٰی ہے کہ حکم جل وخطام کی نسبت آیا، خطام جس سے اونٹ کا ایک پاؤں باندھتے ہیں اور حجۃ الوداع شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سَو کے سَو اونٹ یوں ہی نحر فرمائے، ۶۳ بدستِ انور، اور ۳۷ بدست امیر المومنین حیدر، ان رسیوں کے تصدق کا حکم کہیں نہ آیا،

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسک باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/ ۴۵
فتح الباری " " " " " دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۳۹

حالانکہ ضرور وقتِ نحر بُدنوں کے بدن پر تھیں، بلکہ وہی طریقۂ مسنونۂ نحر کی ضامن ہوئیں۔

صحیحین میں زیاد بن جبیر سے ہے :

رأیت ابن عمر اتی علی رجل قد اناخ بدنتہ ینحرھا قال ابعثھا قیاما مقیدۃ سنۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[1]

میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیکھا آپ ایک ایسے مرد کے پاس آئے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا، انھوں نے فرمایا اس کو کھڑا کرکے باندھو یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (ت)

عمدۃ القاری میں ہے :

مقیدۃ معناہ معقولۃ برجل وھی قائمۃ علی الثلاث۔[2]

مقیدہ کا معنٰی ہے کہ رسّی سے اس کا ایک پاؤں باندھا ہوا ہو اور وہ تین پاؤں پر کھڑا ہو۔ (ت)

بالجملہ اگر کوئی اپنا گھر تصدق کردے اور اس پر قادر ہو، ممانعت نہیں، کلام اس میں ہے کہ قربانی کی جھولیں رسیاں تصدق کرنے کا حکم ہے، اس کا کہیں ثبوت نہیں، نہ حدیث میں نہ فقہ میں، ومن ادعی فعلیہ البیان (جو دعوٰی کرے دلیل بیان کرنا اس پر لازم ہے۔ ت) ولہذا آج تک مسلمانوں میں کہیں اس کا رواج مسموع نہیں، البتہ اگر کوئی شخص تعظیم ضحایا کے لئے اُن پر جھولیں ڈالے اور انھیں حسبِ حیثیت مزین وبیش بہا کرے، اور اُس سے شعائرِ اسلام کی زینت اور فقرائے مسلمین کی منفعت چاہے تو ضرور اُسے ان جھولوں کے تصدق کا حکم دیا جائے گا، اور اُس سے باز رہنا اُسے شنیع ہوگا کہ اللہ عزوجل سے وعدہ کرکے رجوع نہ ہو، کما بیناہ فی فتاوٰنا وباللہ التوفیق (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا اور توفیق اللہ تعالٰی کے ساتھ ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناسک باب نحر الابل المقیدۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۱
صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب نحر الابل قیاما معقولۃ " " ۱/۴۲۴
[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الحج باب نحر الابل المقیدۃ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/۵۰

باب العقیقہ

(عقیقہ کا بیان)

مسئلہ ۲۹۶ از بریلی مسئولہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

اگر شخصے عقیقہ دو یا زیادہ طفلان خود ادا کند پس بوقت ذبح شاۃ نیت ہر ہمہ کافی بود یا برائے ہر اک جانور علیحدہ باید۔

اگر کوئی شخص دو یا اس سے زائد بچوں کا عقیقہ کرے تو کیا ایک بکری ذبح کرتے وقت تمام کی طرف سے نیت کرلینا کافی ہے یا ہر ایک کی طرف سے علیحدہ جانور ہونا چاہئے۔ (ت)

الجواب

گاؤ و شتر از ہفت بچہ بسندہ کند و بُز و گوسفند جز یک را کفایت نیست، کما فی الاضحیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

گائے اور اونٹ سات بچوں کی طرف سے کافی ہے جبکہ بھیڑ اور بکری ایک سے زیادہ بچوں کے لئے کفایت نہیں کرتیں، جیسا کہ اضحیہ میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۷ از چتوڑ گڑھ اودے پور میواڑ مرسلہ نور محمد ولد عبدالحکیم چھیپہ ۵ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عقیقہ کیا اور اس کے چمڑے کی قیمت کرکے قبل وصول قیمت اتنے ہی روپے کا اپنے پاس سے سامان منگوا کر کھانا پکوا کر کچھ کھانا اباحۃً

اپنے مکان پر فقراء اور مساکین پر اور کچھ تملیکاً ان پر صرف کردیا، نیز قیمت چمڑہ کے علاوہ اس گوشت میں زائد سامان شامل کرکے گھروالوں نے بھی کھایا، اور بلاامتیاز غنی وفقیر اپنے خویش واقارب کو بھی کھلایا، حالانکہ عقیقہ کے چمڑے کے داموں کا فروخت کرنا، یا اشیائے مستہلکہ کے ساتھ مبادلہ کرنا اپنے تصرف میں لانے کے لئے ناجائز ہے تو اس شخص نے قیمت کی اشیائے مستہلکہ خریدیں، وہ مساکین پر تصدق کیں، اس کے بعد جب اس نے چمڑے کا دام لے کر اس کا تصرف کرنا ناجائز سنا تو ابھی تک کہ چمڑہ کے دام نہیں لئے تھے اسی روز بیع چمڑہ فسخ کرکے قیمت سے انکار اور اس کے مبادلہ میں اشیائے غیر مستہلکہ از قسم پارچہ یا ظروف لینا مقرر کیا۔

اندریں صورت اس شخص کا چمڑا کی قیمت کرکے بلا اخذ ثمن اپنے داموں سے منگواکر، پکواکر مساکین پر تصدق کرنا، اور اس میں زائد سامان پکواکر خویش واقارب کو کھلانا، اور اس کے بعد اس کے ناجائز ہونے کے خیال سے بیع فسخ کرکے اب اس کا مبادلہ کرنا جائز ہوا کہ نہیں؟ بیّنوا بسند الکتاب توجروا عند الله یوم الحساب۔

الجواب

چرم قربانی سے تمول ممنوع ہے، فقراء پر صرف ممنوع نہیں

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کلوا وادخروا وائتجروا[1]

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے: لانه قربة کالتصدق[2] (کیونکہ یہ صدقہ کرنے کی مثل قربت ہے۔ ت)

وہ اگر فقراء کے لئے بیچتا اور اسی قیمت میں اور دام ڈال کر کھانا فقراء اور گھروالوں کے لئے پکاتا تو بُرا کرتا کہ تصدق وتمول کا خلط بلاتمیز تھا، لیکن وہ قیمت ہنوز نہ لی تھی، اپنے ذہن سے اس کے بدلے اور روپیہ لے کر اس کا معاوضہ سمجھا، یہ اس کی جہالت تھی، لیکن اس سے اس کھانے میں کوئی خبث نہ آیا اور نہ گھروالوں کے کھانے میں کچھ حرج ہوا، وہ دونوں اس کے خاص اپنے مال تھے، اسے اختیار تھا جہاں چاہے صرف کرے، مگر وہ نیت کہ قیمت چرم قربانی میں فقراء کے لئے یہ کھانا اس کا عوض نہیں ہوسکتا، اگر روپے کے عوض بیچتا وہ روپے امور تقرب میں ہی صرف کرنے ہوتے، اب کہ وہ بیع فسخ کردی، اور اشیائے باقیہ

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

بدلا ، اس تبدیل سے ثیاب وظروف جو حاصل کئے ، مباح الاستعمال ہیں ، مگر تصدق کی نیت سے عدول ہوا اور یہ مکروہ ہے ، لہذا مناسب یہ ہے کہ اسے قربات وفقراء ہی پر صرف کردے ۔

غایۃ البیان علامہ اتقانی شرح ہدایہ میں شرح مختصر الکرخی للامام القدوری رحمہم اللہ تعالٰی سے ہے :

جواز الاشراك بعد الشراء للاضحیۃ محمول علی ان ملکہ لایزول بالشراء الا انہ یکرہ لانہ قد وعد وعدا فلا ینبغی ان یرجع فیہ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

قربانی کے لئے جانور خریدنے کے بعد اس میں دوسرے کو شریک کرنے کا جائز ہونا اس بات پر محمول ہے کہ خریداری کے سبب سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوئی ، مگر ایسا کرنا مکروہ ہے ، کیونکہ اس نے ایک وعدہ کیا ہے جس سے رجوع کرنا مناسب نہیں ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۸ - ۲۹۹ ۱۴ رجمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ :

(۱) زید نے عقیقے کے لئے دو راسیں خریدیں ، بائع کہتا ہے میرے قیاس میں یہ راس ساڑھے دس مہینے کی ہے ، دوسری میں بھی شبہہ ہے ، بظاہر خریدیں ، ان کی قربانی درست ہے یا نہیں ؟

(۲) قصاب سے عقیقے کے لئے ایک بکری خریدی ، وہ کہتا ہے سال بھر کی ہے ، مگر دیکھنے سے اس کی حالت اس قابل نہیں ، سال بھر کا بچہ جو دانت توڑتا ہے وہ اس نے ابھی نہ توڑے ، تو اس صورت میں اس کا عقیقہ کیا جائے یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) سال بھر سے کم کی بکری عقیقے یا قربانی میں نہیں ہوسکتی ، اگر مشکوک حالت ہے تو وہ بھی ایسی ہی ہے کہ سال بھر کی نہ ہونا معلوم ہو لان عدم العلم بتحقق الشرط کعلم العدم (کیونکہ شرط کے متحقق ہونے کا عدمِ علم اس کے عدمِ تحقق کے علم کی طرح ہے ۔ ت) خصوصًا بائع کا بیان کہ وہ اس سے زیادہ آگاہ ہے ، اور سال بھر سے کم کی ظاہر کرنے میں اس کا کوئی نفع نہیں بلکہ اس کا عکس متوقع ہے کہ جب مشتری اپنے مطلب کی نہ جانے گا نہ لے گا ۔ واللہ

---

[1] غایۃ البیان

تعالیٰ اعلم۔

(۲) جبکہ سال بھر کامل ہونے میں شک ہے تو اس کا عقیقہ نہ کریں، اور قصاب کا قول یہاں کافی نہیں کہ بکنے میں اس کا نفع ہے اور حالت ظاہرہ اس کی بات کو دفع کر رہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۳۰ کیا حکم ہے شرع مطہر کا در بارہ عقیقہ کے:

(۱) جانور ذبح کئے جائیں اُن کی عمر کیا ہونا چاہیے، اور اگر کسی عضو میں نقصان رکھتے ہوں وہ کام میں آسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) گوشت کی تقسیم کس طرح کی جائے، آیا کھانا پکا کر کھلوانا افضل ہے یا گوشت کا تقسیم کردینا؟

(۳) گوشت میں کوئی حصہ والدین کا بھی ہے یا نہیں؟

(۴) دایہ کسی عضو کی مستحق ہے اور حجام وسقہ و خاکروب، دھوبی وغیرہ؟

(۵) پوست کے دام قیمت جانور میں مجرا کرنا اور خانگی خرچ میں ملانا جائز ہے یا نہیں؟ کیا طریقہ افضل ہے؟

(۶) اور جانور کو ذبح کس کو کرنا چاہیے؟ اور دعائے عقیقہ کس طرح اور کس کو پڑھنا چاہیے؟

(۷) ہڈیاں توڑنا چاہیے یا نہیں، اور دفن کرنا چاہیے یا نہیں؟

(۸) مدت اور روزِ عقیقہ کیا ہونا چاہیے؟

(۹) لڑکے اور لڑکی کے عقیقے میں تعداد جانوروں کی دُو و ایک ہونی چاہیے یا ایک ایک؟

(۱۰) اجرت قصاب کی داموں میں مجرا ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۱۱) اگر دُو جانور ہوں تو ان کی سِری و پائے ایک حجام کو، ایک سقہ کو دی جاسکتی ہے یا دونوں حجام کو؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) ان امور میں احکامِ عقیقہ مثلِ قربانی ہیں، اعضا سلامت ہوں، بکرا بکری ایک سال سے کم کی جائز نہیں، بھیڑ، مینڈھا چھ مہینہ کا بھی ہوسکتا ہے جبکہ اتنا تازہ و فربہ ہو کہ سال بھر والوں میں ملادیں تو دُور سے متمیز نہ ہو۔

(۲) گوشت بھی مثلِ قربانی تین حصے کرنا مستحب ہے، ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا۔ اور چاہے تو سب کھالے خواہ سب بانٹ دے، جیسے قربانی۔ اور پکا کر کھلانا کچّا تقسیم کرنے سے افضل ہے۔

(۳) حصہ ضروری کسی کا بھی نہیں، استحبابی حصہ میں تہائی اپنا رکھا گیا ہے، والدین کھا سکتے ہیں، اس کی ممانعت جو مشہور ہے، صحیح نہیں۔

(۴) دائی یعنی جنائی کو ایک ران دی جائے جبکہ وہ مسلمان ہو، جاہلوں میں جو ہندو جنائیاں یا مس ڈاکٹریں بلائی جاتی ہیں، یہ حرام ہے۔ حجام، سقا، خاک رُوب، دھوبی کا کوئی خاص حق نہیں۔

(۵) پوست داموں کو بیچ کر اپنے صرف میں لانا منع ہے، اور قیمت میں مُجرا کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ جانور پہلے خرید کر ذبح کرلیا، اب پوست قصاب نے مول لے لیا، اس کے آتے ہوئے داموں میں یہ دام وضع کرلئے، یُوں اپنے صرف کے لئے بیچا گناہ ہوا مگر جانور کی خریداری میں خلل نہ آیا، دوسرے یہ کہ خریدتے وقت شرط کرلی کہ کھال اتنے کو تجھے لینی ہوگی، یہ سرے سے جانور کی خریداری ہی کو حرام و فاسد کردے گا، اُن پر فرض ہوگا کہ اُس عقد کو فسخ کردیں، پھر از سرِ نو عقد صحیح سے اسے خرید کر عقیقہ میں ذبح کرے، ہاں بعینہٖ پوست کی جلد یا ڈول یا جانماز وغیرہ بناکر اپنے صرف میں لاسکتا ہے، یوں ہی برتن کپڑے وغیرہ اُن اشیاء کے عوض بیچ سکتا ہے جو قائم رکھ کر استعمال میں آتی ہیں، نہ دام یا اناج وغیرہ جن کا استعمال اُن کو فنا کرنے سے ہوتا ہے، اور کارِ خیر میں دے دینا اپنے صرف میں لانے سے افضل ہے۔

(۶) باپ اگر حاضر اور ذبح پر قادر ہو تو اسی کا ذبح کرنا بہتر ہے کہ یہ شکرِ نعمت ہے، جس پر نعمت ہوئی وہی اپنے ہاتھ سے شکر ادا کرے، وہ نہ ہو یا ذبح نہ کرسکے تو دوسرے کو قائم کرے یا کیا جائے، اور جو ذبح کرے وہی دعا پڑھے، عقیقۂ پسر میں کہ باپ ذبح کرے دُعا یوں پڑھے:

اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ اِبْنِیْ فُلَانٍ دَمُھَا بِدَمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَعَظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَجِلْدُھَا بِجِلْدِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا فِدَاءً لِّابْنِیْ مِنَ النَّارِ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔

اے اللہ! یہ میرے فلاں بیٹے کا عقیقہ ہے، اس کا خون اس کے خون، اس کا گوشت اس کے گوشت، اس کی ہڈی اس کی ہڈی، اس کا چمڑہ اس کے چمڑے اور اس کے بال اس کے بال کے بدلے میں ہیں۔ اے اللہ! اس کو میرے بیٹے کے لئے جہنم کی آگ سے فدیہ بنادے، اللہ تعالٰی کے نام سے، اللہ بہت بڑا ہے۔ (ت)

فلاں کی جگہ پسر کا جو نام رکھا ہو، لے، دختر ہو تو دونوں جگہ اِبْنِیْ کی جگہ بِنْتِیْ، اور پانچوں جگہ ہ کی جگہ ھا کہے اور دوسرا شخص ذبح کرے تو دونوں جگہ ابنی فلاں یا بنتی فلاں کی جگہ

فُلَاں ابنِ فُلاں یا فُلانہ بنتِ فلانہ کہے۔ بچّے کو اس کے باپ کی طرف نسبت کرے۔

(۷) ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر، اور دفن کردینا افضل۔

(۸) عقیقہ ساتویں دن افضل ہے، نہ ہوسکے تو چودھویں، ورنہ اکیسویں، ورنہ زندگی بھر میں جب کبھی ہو، وقت دن کا ہو، رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔

(۹) کم سے کم ایک تو ہے ہی، اور پسر کے لئے دو افضل ہیں، استطاعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔

(۱۰) گوشت بنانے کی اُجرت داموں میں مُجرا کرسکتا ہے۔

(۱۱) سرے پائے خود کھائے خواہ اقربا مساکین جسے چاہے، خواہ سب حجام یا سب سقا کو دے دے۔ شرعِ مطہر نے اُن کا کوئی خاص حق اس میں مقرر نہ فرمایا، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۱۱ تا ۳۱۴ از پچروکھی ضلع گیا ڈاکخانہ اکبر پور مسئولہ سید محمد ولی عالم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) چلہ کے اندر عقیقہ کرنا جائز ہے یا تاخیر؟

(۲) ایک خصّی سے عقیقہ ہوگا یا نہیں؟

(۳) گوشت عقیقہ کا آباؤ اجداد کو کھانا چاہئے یا نہیں؟

(۴) ہڈی مذبوح کی توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

(۱) عقیقہ ولادت کے ساتویں روز سنت ہے، اور یہی افضل ہے، ورنہ چودھویں، ورنہ اکیسویں دن۔

(۲) خصّی عقیقہ اور قربانی میں افضل ہے۔

(۳) عقیقہ کا گوشت آباء واجداد بھی کھا سکتے ہیں۔ مثل قربانی اس میں بھی تین حصے کرنا مستحب ہے۔

(۴) اس کی ہڈی توڑنے کی ممانعت میں علماء تفاؤلاً نہ توڑنا بہتر جانتے ہیں، پسر کے عقیقہ میں دو جانور افضل ہیں، اور ایک بھی کافی ہے اگرچہ خصّی نہ ہو۔ عقود الدریہ میں ہے:

قال فی السراج الوھاج اذا اراد ان یعق عن الولد یذبح عن الغلام شاتین وعن الجاریۃ شاۃ، ولو ذبح عن الغلام شاۃ جاز لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عق عن الحسن

السراج الوہاج میں فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی اولاد کا عقیقہ کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے، اگر لڑکے کی طرف سے ایک بکری ذبح کی تب بھی جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت امام حسن

والحسین رضی اللہ تعالٰی عنھما کبشا کبشا، ولو قدم الذبح قبل یوم السابع اواخرعنه جاز الا ان یوم السابع افضل والمستحب ان یفصل لحمھا ولا یکسر عظمھا تفاؤلا بسلامة اعضاء الولد، ویاکل ویطعم ویتصدق[1]

اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا، اگر عقیقہ ساتویں دن سے پہلے کر دے یا ساتویں دن کے بعد کرے تب بھی جائز ہے مگر ساتویں دن کرنا افضل ہے، بچے کے اعضاء کی سلامتی کے لئے نیک فالی کے طور پر مستحب یہ ہے کہ گوشت ہڈیوں سے الگ کرلیا جائے اور ہڈیوں کو توڑا نہ جائے، خود کھائے، دوسروں کو کھلائے اور صدقہ کرے۔ (ت)

اسی میں ہے: وحکمھا کاحکام الاضحیة[2] (عقیقہ کا حکم قربانی کے احکام کی طرح ہے۔ ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع افضل الشاء ان یکون کبشا املح اقرن موجوءًا[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

بدائع میں ہے افضل قربانی یہ ہے کہ مینڈھا چتکبرا سینگوں والا اور خصی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۵: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات ضلع بریلی

عیدالاضحٰی کے روز عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۶: از مرسنیا تھانہ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ شیخ ممتاز حسین صاحب ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، زید نے اپنے لڑکے کا عقیقہ کیا، سر کے بال منڈوا کر چاندی وزن کرکے حجام کو دے دی، مسکین کو دینی چاہئے تھی اور بکری کا سر حجام کو، اور ایک ران بھنگن کو، کہ وہی دائی تھی، اس طرح عقیقہ ہوا یا نہیں؟ جوانی یا بڑھاپے میں عقیقہ کر سکتا ہے یا

---

[1] العقود الدریة کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۲ و ۲۳۳

[2] " " " " ۲/ ۲۳۳

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۱

نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بھنگن یا کسی کافرہ کو جنائی بنانا سخت حرام ہے، نہ کافرہ کو ران دی جائے، اور بالوں کی چاندی مسکین کا حق ہے، نائی مسکین ہو تو مضائقہ نہیں، اصل حکم یہ ہے، پھر جس نے اس کے خلاف کیا بھنگن کو ران، غنی نائی کو چاندی دی تو بُرا کیا، مگر عقیقہ ہوگیا، سِری کے بارے میں کوئی خاص حکم نہیں جسے چاہے دے، جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو وہ جوانی بڑھاپے میں بھی اپنا عقیقہ کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۱۷ تا ۳۱۹ از موضع خوردمئو ڈاک خانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علی صاحب ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) حکم ہے کہ عقیقہ میں سر نائی کو اور ران دائی جنائی کو دی جائے، فی زمانہ جنائی اکثر چمارن یا ڈومن ہوتی ہے اور ان کا مذہب ظاہر ہے تو کیا ران مذکور بموجب حکم جنائی کو جو چمارن ہے یا ڈومن ہے دی جائے۔

(۲) گوشت عقیقہ کا صاحبِ عقیقہ یا اس کے والد کے کھانے کی نسبت اکثر بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ درست ہے، اور بعض بزرگ تجویز فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے اور نہ کھانا انسب ہے، تو اب قطعی حکم معلوم ہونا چاہئے، کیا کیا جائے، جو طریقہ وسنّت نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو۔

(۳) اکثر دیکھا گیا کہ لوگ بکرا منگا کر اور اس کو لڑکے یا لڑکی کے نام ذبح کرکے کچھ گوشت چیل، کوا کو کھلاتے ہیں، اور کچھ فقراء کو تقسیم کرتے ہیں، یہ فعل کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب

(۱) سر نائی کو دینے کا نہ کہیں حکم نہ ممانعت، ایک رواجی بات ہے، جنائی کو ران دینے کا حکم البتہ حدیث ہے، مگر کافرہ سے یہ کام لینا حرام ہے، کافرہ سے مسلمان عورت کو ایسے پردے کا حکم ہے جیسے مرد سے کہ سوا منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں اور تلووں کے کچھ نہ دکھائے، نہ کہ خاص جنائی کا کام۔

مجتبٰی شرح قدوری وتنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

الذمیۃ کالرجل الاجنبی فی الاصح فلا تنظر الی بدن المسلمۃ۔[1]

اصح قول کے مطابق ذمیہ عورت اجنبی مرد کی طرح ہے لہذا وہ مسلمان عورت کے بدن کو نہ دیکھے۔(ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار بحوالہ مجتبٰی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴۲

غایۃ البیان میں ہے :

لیس للمؤمنۃ ان تتجرد بین یدی مشرکۃ اوکتابیۃ۔[1]	مومنہ عورت کو مشرکہ یا کتابیہ عورت کے سامنے ننگا ہونا جائز نہیں (ت)

سراج وہاج، نصاب الاحتساب وشرح الدرر للعلامۃ اسمٰعیل وشرح ہدیہ ابن العماد للعارف عبدالغنی وردالمحتار میں ہے :

لایحل للمسلمۃ ان تنکشف بین یدی یھودیۃ اونصرانیۃ اومشرکۃ الا ان تکون امۃ لھا۔[2]	مسلمان عورت کو یہودی، نصرانی یا مشرک عورت کے سامنے ننگا ہونا حلال نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس کی لونڈی ہو۔ (ت)

پھر اگر کسی نے اپنی حماقت سے اس گناہ کا ارتکاب کیا، اوکان صحیح الاضطرار الیہ (یا اس کی طرف شدید مجبوری ہو۔ ت) تو اس کو ران وغیرہ کچھ نہ دیں کہ کافروں کا صدقات وغیرہ میں کچھ حق نہیں، نہ اس کو دینے کی اجازت۔ غایہ سروجی وبحرالرائق ودرمختار وغیرہا میں ہے :

اما الحربی ولومستأمنا فجمیع الصدقات لایجوز لہ اتفاقا۔[3]	لیکن کافر حربی اگرچہ مستامن ہو اس کو تمام صدقات دینا بالاتفاق ناجائز ہے۔ (ت)

درایہ میں ہے :

صلتہ لاتکون براشرعا، ولذالم یجز التطوع الیہ۔[4]	اس کے ساتھ صلہ رحمی شرعی طور پر نیکی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس پر احسان کرنا جائز نہیں (ت)

(۲) عقود الدریہ وغیرہا کتب میں تصریح ہے کہ احکامہا احکام الاضحیۃ[5] عقیقے کے احکام وہی ہیں جو قربانی کے۔ وہی تین حصے اس میں مستحب ہیں: ایک اپنا، ایک عزیزوں دوستوں کا، ایک مسکینوں کا۔ خود بھی کھائے، ماں باپ بھی کھائیں، ممانعت بے اصل ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۸
[2] " " " " " " " ۵/ ۲۳۸
[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱
[4] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸
[5] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۳

(۳) مساکین کو دیں، چیل، کوّوں کو کھلانا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، یہ فاسق ہیں، اور کوّوں کی دعوت رسمِ ہنود۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۲۰

۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ عقیقے کے جانور کی استخواں توڑنا اور گوشت کے ساتھ پکانے کو عدمِ جواز کہتے ہیں، اور جواز کی دلیل چاہتے ہیں، اور استخواں اور پوست زمین میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ہڈیاں توڑنے میں کوئی حرج نہیں، ناجائز کہنے والا دلیل بیان کرے، کہاں سے ناجائز کہتا ہے، یہ شافعیہ کے یہاں ہے، وہ بھی مستحب طور پر نہ کہ واجب کہ توڑنا ناجائز ہو، خود بلا دلیل ناجائز کہہ دینا اور جواز پر اُلٹے دلیل مانگنا حماقت ہے، اور استخواں خالی دفن کریں، پوست دفن کرنا گناہ ہے کہ مال کو ضائع کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۲۱ از شہر پونہ جامع مسجد مسئولہ محمد ابراہیم صاحب بروز شنبہ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان شرع متین کہ بچے کا عقیقہ کیا جائے، لڑکے کے ماں باپ، نانا نانی، دادا، ماموں وغیرہ گوشت عقیقہ کا کھائیں یا نہیں؟

الجواب

سب کھا سکتے ہیں، یہ مسئلہ لوگوں میں غلط مشہور ہے کلوا وتصدقوا وائتجروا[1] (کھاؤ، صدقہ کرو اور اجر کماؤ۔ ت) عقود الدریہ میں ہے: احکامھا احکام الاضحیۃ[2] (عقیقہ کے احکام وہی ہیں جو قربانی کے ہیں۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۲۲ از کیمپ میرٹھ لال کُرتی بازار بنگلہ سول سارجن مرسلہ شیخ احمد بخش ملازم کرنل ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ میں جانور کی ہڈی توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ماکان من النہی عن لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸
سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۳

الجواب

توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر ہے،

قال الشیخ المحقق فی شرح المشکوٰۃ انہ مذھب الامام مالک، والکسر مذھب الامام شافعی، قلت وقد صرح علمائنا ان مذھب عالم المدینۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اقرب الی مذھبنا ویصار الیہ حیث لانص من اصحابنا کما فی ردّ المحتار وغمز العیون، قلت لاسیما فی مثل ما نحن فیہ، فان الکسر لاینبغی عند مالک، ولو لم یکسر لم یعاقبہ الشافعی رضی اللہ عن الائمۃ اجمعین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ (ہڈی کا) نہ توڑنا امام مالک کا مذہب ہے، اور توڑنا امام شافعی کا مذہب ہے۔ میں کہتا ہوں ہمارے علمائے نے تصریح فرمائی ہے کہ عالم مدینہ کا مذہب ہمارے مذہب کے زیادہ قریب ہے، جہاں ہمارے اصحاب سے کوئی نص موجود نہ ہو وہاں انہی کے مذہب کی طرف رجوع کیا جائے، جیسا کہ ردالمحتار اور غمز العیون میں ہے۔ میں کہتا ہوں خاص طور پر زیر بحث مسئلہ جیسے مسائل میں کیونکہ امام مالک کے نزدیک توڑنا مناسب نہیں، اور اگر نہ توڑے تو امام شافعی اس پر عتاب نہیں فرماتے، اللہ تعالٰی ہمارے تمام اماموں پر راضی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲۳ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ کا گوشت والدین کو کھانا حرام ہے یا ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے اگر سب آپ ہی کھالیں جب بھی حرج نہیں لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا[1] (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ کھاؤ اور ذخیرہ کرو۔ ت) ہاں بہتر یہ ہے کہ "لا اقل بقدر ثلث" (کم از کم تہائی کو۔ ت) خیرات کردے، اور ایک ران دائی کا حق ہے، ایک ثلث عزیزوں قریبوں میں تقسیم کریں، ایک ثلث اپنے کھانے کے لئے،

بذلک ورد الحدیث واما جواز الاکل فان النذر انما یقوم باراقۃ الدم،

اس پر حدیث وارد ہے، لیکن کھانے کا جواز تو اس لئے ہے کہ عقیقہ تو جانور کا خون بہانے

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

والتصدق باللحم خارج عنه کالاضحیة والدم دم شکر لاجبر، وقد صرح العلماء کالشیخ فی اللمعات وغیرہ فی غیرھا ان العقیقة کالاضحیة فی جمیع الشرائط والاحکام، و معلوم ان الاضاحی تقسم لحومها اثلاثا ثلث طعمہ و ثلث ھدیة وثلث صدقة وھذا ایضا علی وجه الاستحباب دون الوجوب، حتی لو اکل الکل جاز فکذا العقیقة، واللہ تعالٰی اعلم۔

کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے اور گوشت کو صدقہ کرنا اس سے خارج ہے جیسا کہ قربانی میں ہوتا ہے، اور عقیقہ کے لئے جانور ذبح کرنا بطور شکر ہے اس پر جبر نہیں۔ علماءِ کرام نے صراحت فرمائی جیسا کہ شیخ محقق نے لمعات میں اور دیگر ائمہ نے دیگر کتب میں فرمایا کہ بیشک عقیقہ تمام شرائط واحکام میں قربانی کی مثل ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک حصہ خود کھانے کے لئے، دوسرا حصہ ہدیہ وتحفہ کے لئے اور تیسرا حصہ صدقہ کے لئے، اور ایسا کرنا بھی مستحب ہے نہ کہ واجب، یہاں تک کہ اگر تمام گوشت خود کھالے تب بھی جائز ہے، لہٰذا ایسا ہی معاملہ عقیقہ میں ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۴ - ۳۲۵ شیخ احمد حسین صاحب ازمقام سیدپور ڈاکخانہ وزیرگنج ضلع بدایوں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) مردہ کے نام پر عقیقہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور بعض عالم یہ کہتے ہیں کہ مردہ کے نام پر قربانی کرنا درست ہے لہٰذا عقیقہ بھی درست ہے، اگر بچہ پیدا ہو کر سات دن سے پہلے مرے تو کیا حکم ہے؟

(۲) ایک گائے سے تین یا چار یا سات لڑکی کا عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) مردہ کی طرف سے قربانی بلاشبہہ جائز ہے اور عقیقہ شکرِ نعمت ہے، بعد زوالِ نعمت اس کا محل نہیں، ولہٰذا اموات بلکہ ان کی طرف سے جواب تک پیدا نہ ہوئے قربانی ثابت ہے، اور عقیقہ بعد موت کہیں ثابت نہیں، جو بچہ سات دن سے پہلے مرگیا عقیقہ نہ کرنے سے جو الزام آتا کہ وہ شفیع نہ ہوگا، یہاں نہ ہوگا کہ شرع نے جو اس کا وقت مقرر فرمایا اس سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا، اور سات دن بعد مرا اور عقیقہ نہ کیا اور استطاعت تھی تو اس کی شفاعت کا استحقاق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) دے سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۲۶ از شہر بریلی مدرسہ اہلسنت مسئولہ مولوی سراج الدین بنگالی یکے از طلبار مدرسہ مذکور ۲۴ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

بچہ نابالغ اگر قبل عقیقہ کے مرجائے تو بعد مرنے کے اگر عقیقہ کیا جائے تو ثواب عقیقہ کا ملے گا یا

نہیں ؟ اور یہ عقیقہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

بچہ کی موت کے بعد عقیقہ نہیں ہوسکتا ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۲۷ مسئولہ محمد یعقوب علی خاں از مقام کٹھری ضلع گوڑگاؤں ڈاکخانہ ڈھینہ اسٹیشن جاٹون بتاریخ ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ

جو بچہ پیدا ہوا اور کسی سبب سے اُس کی زندگی میں عقیقہ نہ ہوا تو بعد مرنے بچہ کے اس کے نام سے عقیقہ کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

عقیقہ بعد موت پسر نہیں کہ وہ شکرِ ولادت ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۲۸ ، ۳۲۹ از بریلی محلہ سوداگران مسئولہ سردار احمد صاحب ۱۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں :

(۱) مُردے کے نام سے عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں ؟ اور بعض عالم کہتے ہیں کہ مُردے کے نام پر قربانی کرنا درست ہے لہذا عقیقہ بھی درست ہے ، اگر بچہ پیدا ہو کے سات دن کے پہلے مرے تو کیا حکم ہے اور سات دن کے بعد مرے تو کیا حکم ہے ؟ اور نر یعنی بکرا لڑکے کے لئے خاص ہے یا نہیں ؟

(۲) ایک گائے سے تین یا چار یا سات لڑکے کا عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں ، اور ایک گائے کے گوشت سے دو حصہ لے کر ایک لڑکے کا عقیقہ دیا جائے تو درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

(۱) مُردے کا عقیقہ نہیں کہ وہ شکرِ ولادت ہے بخلاف قربانی کہ ایصال ثواب ہے ، سات دن سے پہلے مرگیا تو ابھی عقیقہ کا وقت ہی نہ آیا تھا اور بعد کو مرا تو عقیقہ گیا ، اس بچّے کی شفاعت کا مستحق نہ ہوگا اگر بلاوجہ باوصف استطاعت نہ کیا ۔ افضل یہ ہے کہ پسر کے لئے دو نر ہوں اور دختر کے لئے ایک مادہ کہ اس میں مقابلہ اعضا اکمل ہے اور اگر نر و مادہ میں عکس ہو جب بھی کوئی حرج نہیں ۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) ایک گائے میں ایک سے سات تک کا عقیقہ ہوسکتا ہے ، اگر عقیقہ کے سوا دوسرا حصہ ایک یا دو یا کتنا ہی خفیف غیر قربت مثلاً اپنے کھانے کی نیت کو رکھا تو عقیقہ ادا نہ ہوگا ، ہاں اگر وہ حصے

بھی قربت کے ہوں، مثلاً ایک حصہ عقیقہ، ایک حصہ قربانی عید اضحیٰ، تو جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۳۰ ہادی حسین صاحب از شہر بریلی محلہ ذخیرہ ۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ

علمائے کرام اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید و ہندہ کے آپس میں ناجائز تعلق تھا، ہندہ کو اس ناجائز تعلق کی وجہ سے حمل رہا، افشائے راز کے باعث زید و ہندہ کا باہم نکاح کردیا، اب ہندہ نے وضع حمل کیا، زید اس کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے، آیا یہ عقیقہ درست ہوگا، اور گوشت یا طعام عزیز و اقربا کو کھانا مباح ہوگا یا نہیں؟ اور نکاحِ زید صورتِ مسطورہ میں صحیح ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں زید کوئی کام بھی آئندہ اس مولود کا مثل ختنہ و مکتب وغیرہ کے کرے، اس میں شرکت دینا اور شیرینی اور طعام دعوت ان امور کی لینا اور کھانا اعزا کو جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سائل کے بیان سے معلوم ہوا کہ عورت کنواری تھی، اور بچہ نکاح کے کوئی دو مہینے بعد پیدا ہوا، ایسی صورت میں زید اگر جانتا ہے کہ واقع میں یہ حمل نکاح سے پہلے کا ہے تو اسے اس کا عقیقہ کرنے کے کوئی معنی نہیں کہ عقیقہ شکرِ نعمتِ ولادت ہے اور بچہ کی ولادت زانی کے لئے نہیں ہوتی بلکہ صرف ماں کے لئے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للعاھر الحجر[1] نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا زانی کیلئے پتھر ہیں۔ (ت)

اس کا عقیقہ اگر کرے تو اس کی ماں کرے، اس میں شرکت میں حرج نہ ہوگا، اور ختنہ اور شادی اگر زید بھی کرے تو حرج نہیں، اور شرکت بھی جائز ہوئی جبکہ کوئی محذور شرعی نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۱ تا ۳۳۳ مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب حنفی قادری رضوی از آرہ شاہ آباد مدرس فیض الغربار بروز پنجشنبہ بتاریخ ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

(۱) قیاس عقیقہ قربانی پر صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو ان دونوں کا جامع علت مشترکہ کیا ہے؟

(۲) قربانی کی طرح عقیقہ میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

(۳) سات لڑکیوں یا تین لڑکے اور ایک لڑکی کے نام سے ایک گائے عقیقہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

---

[1] صحیح البخاری کتاب المحاربین باب للعاھر الحجر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۰۷
" کتاب الاحکام باب من قضی لہ بحق اخیہ " " ۲/ ۱۰۶۵
صحیح مسلم کتاب الرضاع باب الولد للفراش الخ " " ۱/ ۴۷۰ و ۴۷۱

الجواب

عقیقہ میں بھی شرکت اسی طرح جائز ہے جیسے قربانی میں، جبکہ سب کی نیت خالص لوجہ اللہ ہو، اگر ایک کی نیت بھی قربت کی نہ ہوگی اور باقی سب تقرب چاہیں گے، کسی کی قربت ادا نہ ہوگی کہ وہ سب گوشت ہوگیا،

لان اللہ تعالٰی لایقبل الشرکۃ واغنی الاغنیاء عن الشرکۃ لہ ولغیرہ فکلہ لغیرہ۔

اس لئے کہ اللہ تعالٰی شرکت کو قبول نہیں فرماتا اور وہ تمام اغنیاء شرکت سے بڑا غنی ہے اور جو اس کے لئے اور اس کے غیر کے لئے (مشترک) ہو تو وہ سب اس کے غیر کے لئے ہے۔ (ت)

عقیقہ اور قربانی دونوں اراقتِ دم لوجہ اللہ ہیں اور اسی کلیہ میں داخل کہ:

ماکان لہ ولغیرہ فھو لغیرہ، وماکان خالصا لہ فھو لہ، وان تعددت الوجوہ، ولذا جاز التصدق علی فقیرین بالاشتراک ولاشاع، لان المقصود وجہ اللہ تعالٰی وھو واحد، بخلاف الھبۃ۔

جو کچھ اس کے لئے اور اس کے غیر کے لئے (مشترک) ہے تو وہ اس کے غیر کے لئے ہے اور جو خالص اس کی رضا کے لئے ہے تو وہ اس کے لئے ہے اگرچہ وجوہ تقرب متعدد ہوں، اسی واسطے دو فقیروں پر بلا تقسیم مشترکہ طور پر صدقہ کرنا جائز ہے کیونکہ مقصود اللہ تعالٰی کی خوشنودی ہے اور وہ ایک ہی ہے بخلاف ہبہ کے۔ (ت)

لہذا حاجت قیاس نہیں فان المندرج تحت العمومات غیر مسکوت عنہ لیقاس (کیونکہ جو شے عمومات کے تحت درج ہو وہ مسکوت عنہ نہیں ہوتی تاکہ قیاس کیا جائے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۴ ازقصبہ امریا ڈاک خانہ امریا پاس محمد اکبر یار خاں بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو بچہ لڑکا یا لڑکی پیدا ہو کر ہفتہ سے کم یا ہفتہ بھر کی عمر یا ہفتہ سے زائد میں انتقال ہوا اب ان کے والدین کو اُن مُردہ بچّوں کا عقیقہ چاہئے یا نہیں، اور ہفتہ سے کم عمر میں مرے ان کا عقیقہ کیا جائے یا نہیں؟ اور قربانی بھی ان بچوں کی جانب سے ہوتی ہے یا نہیں؟ اور والدین جو انتقال کرچکے ہوں ان کی جانب سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی بابت جو جوابات ہوں واضح طور پر تحریر فرمائے جائیں سخت ضرورت ہے، جواب جہاں تک ممکن ہو بہت جلد، اور ہفتہ کی عمر سے زائد جہاں تک حد ہو اپنی صغر سنی میں، اس کے واسطے کیا حکم ہے، اور وہ بچّے جن کا ذکر ہوا عقیقہ نہ کرنے میں مواخذہ

کریں گے یا نہیں؛ اگر عقیقہ کر دیا جائے تو شفاعت برو زِ حشر کرا دیں گے یا نہیں؛ فقط۔

الجواب

جو مرجائے کسی عمر کا ہو اس کا عقیقہ نہیں ہوسکتا، بچہ اگر ساتویں دن سے پہلے ہی مرگیا تو اس کے عقیقہ نہ کرنے سے کوئی اثر اس کی شفاعت وغیرہ پر نہیں کہ وہ وقت عقیقہ آنے سے پہلے ہی گزر گیا، عقیقہ کا وقت شریعت میں ساتواں دن ہے، سات دن سے پہلے مرجانا درکنار، حدیث میں کہ کچّا حمل جو گر جاتا ہے وہ روزِ قیامت اپنا نال کھینچتا ہوا آئے گا اور اپنے ماں باپ کے لئے (جبکہ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے ہوں) مولٰی عزوجل سے ایسا جھگڑا کرے گا جیسے قرضخواہ اپنے قرضدار سے، یہاں تک کہ حکم ہوگا کہ او کچے بچے، اپنے رب سے جھگڑنے والے! اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں لے جا[1]۔ ہاں جس بچے نے عقیقہ کا وقت پایا یعنی سات دن کا ہوگیا اور بلاعذر باوصف استطاعت اس کا عقیقہ نہ کیا اُس کے لئے یہ آیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی شفاعت نہ کرنے پائے گا۔ حدیث میں ہے، الغلام مرتھن بعقیقتہ[2] لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہے۔ تیسیر میں ہے:

یعنی اذا لم یعق عنہ فمات طفلا لم یشفع فی ابویہ[3]

یعنی اگر بچے کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو اور وہ بچپن میں مرگیا تو وہ اپنے والدین کی شفاعت نہیں کرے گا(ت)

اشعۃ اللمعات میں ہے:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ گوید معنی آنست کہ فرزند محبوس و ممنوع ست از شفاعت در حق والدین تا عقیقہ او را ندہند، و اعتماد بر قول آں امام اجل ست و ظاہر آں ست کہ وی شنیدہ است از سلف کہ معنی این ست[4]

امام احمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اس کا معنٰی یہ ہے کہ بچے کا جب تک عقیقہ نہ کیا جائے اسکو والدین کے حق میں شفاعت کرنے سے روک دیا جاتا ہے اور اعتماد اس عظیم الشان امام کے قول پر ہے اور ظاہر یہ ہے کہ امام موصوف نے اسلاف سے سُنا ہوگا کہ اس کا معنٰی یہ ہے۔ (ت)

جو بچہ قبل بلوغ مرگیا اور اُس کا عقیقہ کر دیا تھا، یا عقیقہ کی استطاعت نہ تھی یا ساتویں دن سے پہلے مرگیا، ان

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۶
[2] الجامع الصغیر حدیث ۵۸۱۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۵۹
[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۱۶۵
[4] اشعۃ اللمعات کتاب الصید باب العقیقۃ الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۴۸۲

سب صورتوں میں وہ ماں باپ کی شفاعت کرے گا جبکہ یہ دنیا سے باایمان گئے ہوں۔

اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں، قربانی جو اپنے نابالغ بچہ کی طرف سے بعض کے نزدیک واجب ہے، وہ اس کی زندگی ہی میں ہے، بعد مرگ کسی کے نزدیک لازم نہیں، ہاں ان کی طرف سے کرے تو ان کو ثواب پہنچے گا، یونہی ماں باپ کی طرف سے بعد موت قربانی کرنا اجرِ عظیم ہے اس کے لئے بھی اور اس کے والدین کے لئے بھی۔ وھو سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ

بیسویں جلد باب العقیقہ پر ختم ہوئی،
اکیسویں جلد کا آغاز کتاب الحظر والاباحۃ سے ہوگا۔

مآخذ و مراجع

نام کتاب	مصنف کتاب	سن وفات ہجری
ا		
۱۔ الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔ الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔ الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود ابن مودود الحنفی	۶۸۳
۴۔ الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔ ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔ ارشاد العقل السلیم	ابو سعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔ الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحر العلوم	۱۲۲۵
۸۔ الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔ اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔ اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔ الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔ آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔ انفع الوسائل الی تحریر المسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔ امداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۵۔ الانوار لعمل الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

۱۶۔ امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن بشران	۴۳۲
۱۷۔ الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۸۔ القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹۔ الاصل (مبسوط)	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰۔ اخبار مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱۔ الام	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲۔ اخبار مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳۔ امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴۔ اربعین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵۔ احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔ اربعین نووی	محی الدین یحیی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷۔ الاذکار المنتخبہ من کلام سید الابرار	ابوزکریا یحیی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۸۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد بن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹۔ الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱۔ انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲۔ الاتقان	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳۔ اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الہیتمی المکی	۹۷۴
۳۴۔ الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی القاری)	۱۰۱۴
۳۵۔ الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۶
۳۶۔ اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضی الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷۔ انجاح الحاجۃ حاشیہ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸۔ اعانۃ الطالبین	سید محمد شطا الدمیاطی	
۳۹۔ الاشارات ابن سینا	ابوعلی حسین بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

ب

کتاب	مصنف	سن وفات
٤٠ - بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	٥٨٧
٤١ - الہدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	٥٩٣
٤٢ - البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	٩٧٠
٤٣ - البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسٰی الطرابلسی	٩٢٢
٤٤ - بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	٣٧٢
٤٥ - البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	٥٠٥
٤٦ - البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	٨٥٥
٤٧ - بہجۃ الاسرار	یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	٧١٣
٤٨ - بلوغ المرام	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	٨٥٢
٤٩ - بستان المحدثین	شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ	١٢٣٩
٥٠ - براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی	١٩٠٥ء

ت

کتاب	مصنف	سن وفات
٥١ - تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	١٢٠٥
٥٢ - تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	٥٧١
٥٣ - تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	٢٥٦
٥٤ - التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	٥٩٣
٥٥ - تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن الہمام	٨٦١
٥٦ - تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	٥٤٠
٥٧ - تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	٧٣٠
٥٨ - الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	٨٧٩
٥٩ - التعریفات لسید شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	٨١٦
٦٠ - التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید	یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر الاندلسی	٤٦٣

کتاب	مصنف	وفات
۶۱ - تنبیہ الانام فی آداب الصیام		
۶۲ - تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین محلی و جلال الدین السیوطی	۸۶۴ - ۹۱۱
۶۳ - تہذیب التہذیب	ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۶۴ - تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ	ابو الحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی	۹۲۳
۶۵ - تفسیر ابن ابی حاتم	عبد الرحمٰن بن محمد الرازی (حافظ)	۳۲۷
۶۶ - تہذیب الآثار	ابو جعفر محمد بن محمد بن جریر	۱۳۱۰
۶۷ - تقریب التقریب	ابو زکریا یحیٰی بن شرف النواوی	۹۱۱
۶۸ - التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹ - التیسیر شرح الجامع الصغیر	عبد الرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۷۰ - تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱ - تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲ - تنویر المقیاس	ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۷۳ - تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴ - تعظیم الصلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵ - تاریخ بغداد	ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶ - التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷ - تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸ - تنبیہ الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹ - تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰ - الترغیب والترہیب	زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری	۶۵۶
۸۱ - التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقہ	عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ	۷۴۷
۸۲ - تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳ - تذہیب تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴ - التلویح شرح توضیح	سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵ - تدریب الراوی	جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

نمبر	کتاب	مصنف	سنہ
٨٦	التعقبات علی الموضوعات	جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی	٩١١
٨٧	تاریخ الخمیس	شیخ حسین بن محمد ابن الحسن دیاربکری	٩٦٦
٨٨	تذکرہ اولی الالباب انطاکی	داؤد بن عمر انطاکی	١٠٠٨
٨٩	التبیان فی بیان ما فی لیلۃ النصف من شعبان	علی بن سلطان محمد القاری	١٠١٤
٩٠	تفسیرات احمدیہ	احمد بن ابوسعید المعروف مُلّا جیون	١١٣٠
٩١	التفسیر المظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	١٢٢٥
٩٢	تحفہ اثناء عشریہ	الشاہ عبدالعزیز دہلوی	١٢٣٩
٩٣	تنبیہ ذوی الافہام	محمد امین ابن عابدین	١٢٥٢
٩٤	التحریر المختار (تقریرات الرافعی)	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	١٣٢٣
٩٥	تذکرۃ الموضوعات للفتنی	محمد بن طاہر الفتنی	٩٨٦
٩٦	تجنیس الملتقط		
٩٧	تحفۃ المؤمنین فی الطب	محمد مومن بن محمد زمان الحسینی	
٩٨	تحفۃ الصلوٰۃ (فارسی)	حسین بن علی الکاشفی الواعظ	٩١٠

ث

نمبر	کتاب	مصنف	سنہ
٩٩	الثمانون فی الحدیث	ابوبکر محمد بن الحسین الآجری	٣٦٠
١٠٠	ثبت	ابو محمد محمد بن امیر المکی المصری	

ج

نمبر	کتاب	مصنف	سنہ
١٠١	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	٢٧٩
١٠٢	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	٩٦٢
١٠٣	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	٢٥٦
١٠٤	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	١٨٩
١٠٥	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	٢٦١
١٠٦	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	٥٨٦

کتاب	مصنف	سن
۱۰۷ - جامع الفصولین فی الفروع	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۱۳
۱۰۸ - الجامع الکبیر فی فروع الحنفیة	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۱۰۹ - جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	[illegible]
۱۱۰ - الجواہر الزکیة	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۱۱۱ - جواہر الفتاوی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۱۱۲ - الجوہرة النیرة	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۱۱۳ - الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیی بن معین البغدادی	۲۳۳
۱۱۴ - الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۵ - جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۱۶ - جزء حدیثی حسن بن عرفہ	ابوعلی حسن بن عرفہ	بعد از ۲۵۶
۱۱۷ - الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۱۱۸ - جامع احکام الصغار فی الفروع	محمد بن محمود الاسروشنی	۶۳۶
۱۱۹ - جامع الادویہ والاغذیہ	ضیاء الدین عبداللہ بن احمد المالقی	۶۴۶
۱۲۰ - جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نورالدین علی بن احمد السمہودی المصری	۹۱۱
۱۲۱ - جواہر خمسہ	محمد غوث بن عبداللہ گوالیاری	۹۷۰
۱۲۲ - جمع الجوامع فی الحدیث	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱
۱۲۳ - جوہر منظم فی زیارت قبر النبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۲۴ - جذب القلوب الی دیار المحبوب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲
۱۲۵ - الجامع الکبیر فی الفتاوی	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۵۵۶

ح

کتاب	مصنف	سن
۱۲۶ - حاشیة علی الدرر	محمد بن مصطفی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۱۲۷ - حاشیة ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۱۲۸ - حاشیة علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۱۲۹ - حاشیة علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵

۱۳۰ - حاشیۃ علی المقدمۃ السماویۃ	علامہ سفطی	"
۱۳۱ - الحاشیۃ لسعدی آفندی علی العنایۃ	سعد اللہ بن عیسیٰ الآفندی	۹۴۵
۱۳۲ - الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقۃ محمدیۃ	عبد الغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳ - الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۱۳۴ - حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵ - حلیۃ الاولیاء فی الحدیث	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۱۳۶ - حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷ - حرز الامانی و وجہ التہانی	ابو محمد قاسم بن فیرہ الشاطبی المالکی	۵۹۰
۱۳۸ - حیٰوۃ الحیوان الکبریٰ للدمیری	کمال الدین محمد بن موسیٰ الدمیری (م ۸۰۶ھ)	۶۸۲
۱۳۹ - الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰ - حاشیۃ التلویح ملا خسرو	محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۴۱ - حاشیۃ التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ الفناری چلپی	۸۸۶
۱۴۲ - حرز ثمین شرح حصن حصین	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳ - حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۴ - حاشیہ مکتوبات شاہ ولی اللہ	" " " " " "	"
۱۴۵ - حصر الشارد فی اسانید الشیخ	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶ - حاشیۃ الکمثری علی الانوار		
۱۴۷ - حاشیہ کفایۃ الطالب الربانی		
۱۴۸ - حاشیۃ الحفنی علی الجامع الصغیر	علامہ الحفنی	
۱۴۹ - الحاوی للفتاوی	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰ - حسن المقصد فی عمل المولد	" " " "	"

خ

۱۵۱ - خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	۰
۱۵۲ - خزانۃ الفتاوی	طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲

۱۵۳۔ خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۱۵۴۔ خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵۔ خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶۔ الخیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷۔ الخصائص الکبرٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸۔ خلاصۃ الوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹۔ خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸

د

۱۶۰۔ الدرایۃ شرح الہدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱۔ الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۶۲۔ الدر المختار فی شرح تنویر الابصار	محمد بن علی المعروف علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳۔ ال[illegible] النثیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴۔ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور	" " " "	"

ذ

۱۶۵۔ ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶۔ ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷۔ ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۱۶۸۔ الرحمانیۃ		
۱۶۹۔ رد المحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰۔ رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱۔ رغائب القرآن	ابومروان عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹

۱۷۲- رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم		۹۷۰
۱۷۳- رد علی الجهمیة	عثمان بن سعید الدارمی		۲۸۰
۱۷۴- رسالہ نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء	۱۲۴۶
۱۷۵- رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن القشیری		۴۶۵
۱۷۶- رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی		۸۵۵
۱۷۷- رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری		۸۷۹
۱۷۸- رسالہ طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی		۹۱۱
۱۷۹- رسالہ اتحاف الفرقہ	" "	"	"
۱۸۰- رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم		۹۷۰
۱۸۱- رسالہ اہتداء	علی بن سلطان محمد القاری		۱۰۱۴
۱۸۲- رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی		۱۰۹۸
۱۸۳- رسالہ انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی		۱۱۷۶
۱۸۴- رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین		۱۲۵۲
۱۸۵- رسالہ میلاد مبارک (الکوکب الانور علی عقد الجوہر)	جعفر بن اسمٰعیل البرزنجی		۱۳۱۷
۱۸۶- الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	ابوجعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی		۶۹۴
۱۸۷- رسالہ بدعت	میاں اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی الدہلوی	۱۸۳۱ء	۱۲۴۶
۱۸۸- رسالہ دعائیہ	مولوی خرم علی		
۱۸۹- رسالہ غایۃ المقال	ابو الحسنات محمد عبدالحی		۱۳۴۳

ز

۱۹۰- زاد الفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی	المتوفی اواخر القرن السادس	
۱۹۱- زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام		۸۶۱
۱۹۲- زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی	تقریباً	۱۰۱۶
۱۹۳- زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی		۱۸۹
۱۹۴- زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی		۱۲۵۰

۱۹۵ - زہر الربیٰ علی المجتبیٰ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۹۶ - زہر الروض فی مسئلۃ الحوض	محمد بن عبداللہ ابن شحنہ	۹۲۱
۱۹۷ - الزواجر عن ا الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۹۸ - زبدۃ الآثار فی اخبار قطب الاخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
۱۹۹ - زبدۃ الاسرار فی مناقب غوث الابرار	〃 〃 〃	〃

س

۲۰۰ - السراج الوہاج (شرح قدوری)	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۲۰۱ - السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۲۰۲ السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۲۰۳ - السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۲۰۴ - السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۲۰۵ - السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۰۶ - السنن للدارقطنی	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۲۰۷ - السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵
۲۰۸ - سیرت ابن ہشام	ابومحمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۳
۲۰۹ - سیرت عیون الاثر	محمد بن عبداللہ ابن سید الناس	۷۳۴
۲۱۰ - سراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی	ساتویں صدی ہجری
۲۱۱ - سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۴۸
۲۱۲ - السعایہ فی کشف ما فی شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحی لکھنوی	۱۳۰۴
۲۱۳ - سیرت عمر بن محمد ملا	عمر بن محمد ملا	
۲۱۴ - سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار	۱۵۱
۲۱۵ - سراج القاری		
۲۱۶ - السعدیہ		
۲۱۷ - السعی المشکور فی رد المذہب الماثور	محمد بن عبدالحی لکھنوی ہندی	۱۳۰۴

ش

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۲۱۸	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۲۱۹	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۲۰	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیۃ المالکی	۱۱۰۶
۲۲۱	شرح الاربعین للنووی	علامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۲۲۲	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۲۲۳	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۲۲۴	شرح الد	شیخ اسمٰعیل بن عبد الغنی النابلسی	۱۰۶۲
۲۲۵	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبد الحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۲۶	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۲۲۷	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۲۲۸	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابو نصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۲۹	شرح الغریبین		
۲۳۰	شرح المسلم للنووی	شیخ ابو زکریا یحیی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۱	شرح معانی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۲۳۲	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبد البر بن محمد ابن شحنہ	۹۲۱
۲۳۳	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۳۴	شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور	علامہ جلال الدین عبد الرحمن السیوطی	۹۱۱
۲۳۵	شرح مواہب اللدنیۃ	علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۶	شرح موطا امام مالک	علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۷	شرح المہذب للنووی	شیخ ابو زکریا یحیی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۸	شرح النقایۃ	مولانا عبد العلی محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲
۲۳۹	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۴۰	شرح الہدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنہ	۸۹۰

کتاب	مصنف	سنہ
۲۴۱۔ شرعۃ الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲۔ شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳۔ شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴۔ شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵۔ الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالفضل عیاض بن موسیٰ قاضی	۵۴۴
۲۴۶۔ شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاسترابادی	۶۸۶
۲۴۷۔ شرح کافیہ ابن حاجب	〃 〃 〃 〃	〃
۲۴۸۔ شرح طوالع الانوار	محمود بن عبدالرحمان الاصفہانی	۷۴۹
۲۴۹۔ شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰۔ شرح عقائد النسفی	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱۔ شرح المقاصد	〃 〃 〃 〃	〃
۲۵۲۔ شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳۔ شرح السراجی		〃
۲۵۴۔ شرح چغمینی	موسیٰ پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵۔ شرح حاشیہ الکنز ملا مسکین	معین الدین الہروی ملا مسکین	۹۵۴
۲۵۶۔ شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷۔ شرح عین العلم	〃 〃 〃 〃	〃
۲۵۸۔ شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۵۹۔ شرح قصیدہ ہمزیہ	〃 〃 〃 〃	〃
۲۶۰۔ شرح رباعیات	〃 〃 〃 〃	〃
۲۶۱۔ شرح فواتح الرحموت	〃 〃 〃 〃	〃
۲۶۲۔ شفاء العلیل	〃 〃 〃 〃	〃
۲۶۳۔ شرح النقایہ لابی المکارم	ابوالمکارم بن عبداللہ بن محمد 〃	بعد از ۹۰۷
۲۶۴۔ شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵۔ شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

کتاب	مصنف	سن
٢٦٦ - شرح جامع الاصول للمصنف	مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری	٦٠٦
٢٦٧ - شرح الملتقی للبہنسی	محمد بن محمد المعروف بابن البہنسی	٩٨٧
٢٦٨ - شرح درر البحار	عبد الوہاب ابن احمد الشہیر بابن وہبان	٧٦٨

ص

کتاب	مصنف	سن
٢٦٩ - صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	٣٩٣
٢٧٠ - صحیح ابن حبان (کتاب التقاسیم والانواع)	محمد بن حبان	٣٥٤
٢٧١ - صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ	٣١١
٢٧٢ - الصراح	ابوفضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	٦٩٠ تقریباً
٢٧٣ - صغیری شرح منیہ	ابراہیم الحلبی	٩٥٦
٢٧٤ - صراط مستقیم	سید احمد شہید بریلوی	١٢٤٦
٢٧٥ - الصواعق المحرقۃ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	٩٧٣

ط

کتاب	مصنف	سن
٢٧٦ - الطحطاوی علی الدر	سید احمد الطحطاوی	١٣٠٢
٢٧٧ - الطحطاوی علی المراقی	سید احمد الطحطاوی	١٣٠٢
٢٧٨ - طبقات المقربین	محمد بن احمد الذہبی	٧٤٨
٢٧٩ - طبقات القراء	محمد بن محمد الجزری	٨٣٣
٢٨٠ - الطریقۃ المحمدیۃ	محمد بن پیر علی المعروف ببرکلی	٩٨١
٢٨١ - طلبۃ الطلبۃ	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	٥٣٧

ع

کتاب	مصنف	سن
٢٨٢ - عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	٨٥٥
٢٨٣ - العنایۃ شرح الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	٧٨٦
٢٨٤ - عنایۃ القاضی حاشیۃ علی تفسیر البیضاوی	شہاب الدین الخفاجی	١٠٦٩

۲۸۵ ۔ عیون المسائل	ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۰۸
۲۸۶ ۔ عقود الدریۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۰۲
۲۸۷ ۔ عدۃ	کمال الدین محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۲۸۸ ۔ عمل الیوم واللیلۃ	ابو بکر احمد بن محمد ابن السنی	۳۶۴
۲۸۹ ۔ عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲
۲۹۰ ۔ عقد الفرید	ابو عبد اللہ محمد بن عبد القوی المقدسی	۶۹۹
۲۹۱ ۔ عین العلم	محمد بن عثمان بن عمر الحنفی البلخی	۸۳۰
۲۹۲ ۔ عقد الجید	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۹۳ ۔ عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۲۹۴ ۔ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ	محمد بن عبد الحی اللکھنوی	۱۳۰۴

غ

۲۹۵ ۔ غایۃ البیان شرح الہدایہ	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۲۹۶ ۔ غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۲۹۷ ۔ غریب الحدیث	ابو الحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۲۹۸ ۔ غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸
۲۹۹ ۔ غنیۃ ذوی الاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۳۰۰ ۔ غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۳۰۱ ۔ غیث النفع فی القراء السبع	یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶

ف

۳۰۲ ۔ فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۳۰۳ ۔ فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بابن الہمام	۸۶۱
۳۰۴ ۔ فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۳۰۵ ۔ فتاوی بزازیہ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷

۳۰۶ - فتاوی حجہ		
۳۰۷ - فتاوی خیریہ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۳۰۸ - فتاوی سراجیہ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۳۰۹ - فتاوی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۳۱۰ - فتاوی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۳۱۱ - فتاوی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۳۱۲ - فتاوی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۳۱۳ - فتاوی ظہیریہ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۳۱۴ - فتاوی ولوالجیہ	عبد الرشید بن ابی حنیفہ الولوالجی	۵۴۰
۳۱۵ - فتاوی الکبری	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز	۵۳۶
۳۱۶ - فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۳۱۷ - فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	
۳۱۸ - فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۸۴۲
۳۱۹ - الفتوحات المکیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۳۲۰ - فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۳۲۱ - الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	۴۱۴
۳۲۲ - فوائد المخصصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۳۲۳ - فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۳۲۴ - فوائد سمویۃ	اسمعیل بن عبداللہ الملقب بسمویۃ	۲۶۷
۳۲۵ - فضائل القرآن لابن ضریس	ابو عبداللہ محمد بن ایوب ابن ضریس البجلی	۲۹۴
۳۲۶ - فوائد الخلعی	ابوالحسن علی بن الحسین الموصلی	۴۹۲
۳۲۷ - فصول العمادی	محمد بن محمود الاسروشنی	۶۳۶
۳۲۸ - فتاوی تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶
۳۲۹ - فتح المغیث	امام محمد بن عبد الرحمن السخاوی	۹۰۳
۳۳۰ - فتاوی زینیہ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰

کتاب	مصنف	سنہ
٣٣١ - فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	٩٧٤
٣٣٢ - فتح الالٰہ شرح المشکاۃ	"	"
٣٣٣ - فتاوی الفقہیہ ابن حجر مکی	"	"
٣٣٤ - فتاوی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	١٠٩٨
٣٣٥ - فتاوی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	١١١٦
٣٣٦ - فوائد مجموعہ شوکانی	محمد بن علی بن محمد الشوکانی	١٢٥٠
٣٣٧ - فتاوی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	١٢٨٤
٣٣٨ - فضل لباس العمائم	ابو عبداللہ محمد بن وضاح	
٣٣٩ - فتاوی قاعدیہ	ابو عبداللہ محمد بن علی القاعدی	
٣٤٠ - فتاوی غزی	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	
٣٤١ - فتاوی شمس الدین الرملی		١٠٠٤
٣٤٢ - فتح الملک المجید		
٣٤٣ - فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	١٢٣٩

ق

کتاب	مصنف	سنہ
٣٤٤ - القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	٨١٦
٣٤٥ - قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	٨٧٢
٣٤٦ - القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	٦٥٨
٣٤٧ - القرآن الکریم		
٣٤٨ - قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابو طالب محمد بن علی المکی	٣٨٦
٣٤٩ - القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی العسقلانی	٨٥٢
٣٥٠ - قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	١١٧٩
٣٥١ - القول الجمیل	"	"
٣٥٢ - قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبدالحی لکھنوی انصاری	١٣٠٤
٣٥٣ - القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبداللہ الیمنی	"

ک

کتاب	مصنف	سن
۳۵۴ - الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۳۵۵ - الکامل لابن عدی	ابو احمد عبد اللہ بن عدی	۳۶۵
۳۵۶ - الکبریت الاحمر	سید عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۳۵۷ - کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۵۸ - کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۳۵۹ - کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابو المحاسن محمد بن علی	
۳۶۰ - کتاب السواک	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ	۴۳۰
۳۶۱ - کتاب الہدیۃ لابن عماد	عبد الرحمن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۳۶۲ - کتاب الطہور	لابی عبید	
۳۶۳ - کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابو محمد عبد الرحمن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۳۶۴ - کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۶۵ - کتاب الوسوسۃ	ابو بکر بن ابی داؤد	
۳۶۶ - کشف الاسرار	علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۶۷ - کشف الرمز	علامۃ المقدسی	
۳۶۸ - کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبد الوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۳۶۹ - کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۳۷۰ - الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی تقریباً	۸۰۰
۳۷۱ - کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۳۷۲ - کنز الدقائق	عبد اللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۳۷۳ - الکنی للحاکم	ابو عبد اللہ الحاکم	۴۰۵
۳۷۴ - الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۳۷۵ - کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۳۷۶ - کتاب المغازی	یحیی بن سعید القطان	۱۹۸

کتاب	مصنف	سن وفات
۳۷۷ ۔ کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۳۷۸ ۔ کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۳۷۹ ۔ الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸
۳۸۰ ۔ کتاب الحجۃ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ	ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۱ ۔ کتاب المشیخۃ امام محمد	؍؍ ؍؍ ؍؍	؍؍
۳۸۲ ۔ کتاب المراسیل	سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵
۳۸۳ ۔ کتاب البعث والنشور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۴ ۔ کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	؍؍
۳۸۵ ۔ کتاب الضعفاء الکبیر	ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی	۳۲۲
۳۸۶ ۔ کتاب الزہد الکبیر للبیہقی	احمد بن حسن البیہقی	۴۵۸
۳۸۷ ۔ کتاب الرواۃ عن مالک ابن انس	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۳۸۸ ۔ کتاب الحجۃ علی تارک المحجۃ	نصر بن ابراہیم المقدسی	۴۹۰
۳۸۹ ۔ کیمیائے سعادت	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۳۹۰ ۔ کفایۃ الطالب الربانی شرح لرسالہ ابن ابی زہر القہروانی	ابوالحسن علی بن ناصر الدین الشاذلی	۹۳۹
۳۹۱ ۔ کشف الظنون	مصطفیٰ بن عبداللہ حاجی خلیفہ	۱۰۶۷
۳۹۲ ۔ کشف الغمہ	شیخ عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
۳۹۳ ۔ کتاب الصفین	یحییٰ بن سلیمان الجعفی (استاد امام بخاری)	
۳۹۴ ۔ کتاب المصاحف ابن الانباری		
۳۹۵ ۔ کمالین حاشیہ جلالین	شیخ سلام اللہ بن محمد شیخ الاسلام محدث رامپوری	۱۲۳۳
۳۹۶ ۔ کتاب المغازی	محمد بن عمر بن واقد الواقدی	۲۰۷

ل

کتاب	مصنف	سن وفات
۳۹۷ ۔ لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۳۹۸ ۔ لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

۲۹۹۔ لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱
۴۰۰۔ الآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ	ابوبکر عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۰۱۔ لواقح الانوار القدسیہ المنتخب من الفتوحات المکیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳

م

۴۰۲ ۔ مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۴۰۳ ۔ مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہرزادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۴۰۴ ۔ مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۴۰۵ ۔ مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	۹۹۵
۴۰۶ ۔ مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الفتنی	۹۸۱
۴۰۷ ۔ مجموع النوازل	احمد بن موسٰی بن عیسٰی	۵۵۰
۴۰۸ ۔ مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی شیخی زادہ	۱۰۷۸
۴۰۹ ۔ المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۴۱۰ ۔ المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۴۱۱ ۔ مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۱۲ ۔ مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۴۱۳ ۔ المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۴۱۴ ۔ المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۵ ۔ مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۴۱۶ ۔ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۴۱۷ ۔ مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملا علی قاری	۱۰۱۴
۴۱۸ ۔ مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۹ ۔ مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۴۲۰ ۔ المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۴۲۱ ۔ المستصفٰی شرح الفقہ النافع	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰

۴۲۲ ۔ مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۴۲۳ ۔ مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۴۲۴ ۔ مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۴۲۵ ۔ مسند اسحٰق ابن راہویہ	حافظ اسحٰق ابن راہویہ	۲۳۸
۴۲۶ ۔ مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۴۲۷ ۔ المسند الکبیر فی الحدیث	حافظ ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲
۴۲۸ ۔ المسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۴۲۹ ۔ مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۴۳۰ ۔ مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۴۳۱ ۔ المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۳۲ ۔ مصنف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۴۳۳ ۔ مصنف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۴۳۴ ۔ مصباح الدجیٰ	ابوالحسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰
۴۳۵ ۔ معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۴۳۶ ۔ المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۷ ۔ المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۸ ۔ المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۹ ۔ معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۴۴۰ ۔ مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۴۴۱ ۔ المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۴۴۲ ۔ المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶۱۰
۴۴۳ ۔ مختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۴۴۴ ۔ مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۴۴۵ ۔ المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضل الاصفہانی	۵۰۲
۴۴۶ ۔ المقدمۃ العشماویۃ فی الفقہ المالکیۃ	ابوالعباس عبدالباری العشماوی المالکی	

۴۴۷ - الملتقط (فی فتاوی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۴۴۸ - مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۴۹ - مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰ - المنتقیٰ (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱ - المنتقیٰ فی فروع الحنفیہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲ - منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳ - منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۴۵۴ - ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵ - منہاج النووی (شرح صحیح مسلم)	شیخ ابوزکریا یحیٰ بن شرف النواوی	۶۷۶
۴۵۶ - مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷ - المبتغیٰ	شیخ عیسیٰ بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸ - المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹ - مسند فی الحدیث	الحافظ ابو الفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰ - المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۴۶۱ - منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲ - موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳ - موارد الظمآن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴ - مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۳۲
۴۶۵ - مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶ - میزان الشریعۃ الکبریٰ	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷ - میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸ - المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسیٰ ابن مردویہ	۴۱۰
۴۶۹ - مکارم الاخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰ - مسند الامام اعظم	ابوحنیفہ نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱ - مؤطا الامام محمد	ابو عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

۴۷۲ ۔ المسند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳ ۔ معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴ ۔ مقاماتِ حریری	قاسم بن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵ ۔ معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۴۷۶ ۔ الملل والنحل	ابو الفتح محمد بن عبد الکریم الشہرستانی	۵۴۸
۴۷۷ ۔ موضوعاتِ ابن جوزی	ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸ ۔ مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹ ۔ مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری	عبد العظیم بن عبد القوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰ ۔ مدارک التنزیل تفسیر النسفی	ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱ ۔ المواقف السلطانیہ فی علم الکلام	عضد الدین عبد الرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲ ۔ مقدمہ جزریہ	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳ ۔ مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴ ۔ المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵ ۔ المنح الفکریہ شرح مقدمہ جزریہ	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶ ۔ المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط	〃 〃 〃 〃	〃
۴۸۷ ۔ ماثبت بالسنۃ	شیخ عبد الحق بن سیف الدین الدہلوی	۱۰۵۲
۴۸۸ ۔ المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹ ۔ مسوّی مصفی شرح موطا امام مالک	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۰ ۔ مکتوبات شاہ ولی اللہ	〃 〃 〃 〃	〃
۴۹۱ ۔ مکتوبات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲ ۔ ملفوظات	〃 〃 〃 〃	〃
۴۹۳ ۔ معمولات	〃 〃 〃 〃	〃
۴۹۴ ۔ مخزن ادویہ فی الطب	محمد حسین بن محمد الہادی بہادر خاں	
۴۹۵ ۔ مجموعہ فتاویٰ	ابو الحسنات محمد عبد الحی	۱۲۳۳
۴۹۶ ۔ معیار الحق	سید نذیر حسین الدہلوی	

۴۹۷ ۔ مظاہر حق	مولوی نذیر الحق میرٹھی	
۴۹۸ ۔ مکتوبات امام ربانی	شیخ احمد سرہندی	۱۰۳۴
۴۹۹ ۔ مناصحہ فی تحقیق مسئلۃ المصافحہ		
۵۰۰ ۔ مفتاح الصلوٰۃ		
۵۰۱ ۔ مجتبیٰ شرح قدوری		
۵۰۲ ۔ مشیخہ ابن شاذان		
۵۰۳ ۔ معرفۃ الصحابہ لابی نعیم	احمد بن عبد اللہ اصبہانی	۴۳۰
۵۰۴ ۔ مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)	امام فخر الدین رازی	۶۰۶

ن

۵۰۵ ۔ النقایہ مختصر الوقایۃ	عبید اللہ بن مسعود	۷۴۵
۵۰۶ ۔ نصب الرایۃ	ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۵۰۷ ۔ نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۵۰۸ ۔ النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۵۰۹ ۔ النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۵۱۰ ۔ النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۵۱۱ ۔ نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبید اللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۵۱۲ ۔ نور العین	محمد بن احمد المعروف نشانجی زادہ	۱۰۳۱
۵۱۳ ۔ النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۵۱۴ ۔ نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۵۱۵ ۔ الوافی فی الفروع	عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۵۱۶ ۔ الوجیز فی الفروع	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۵۱۷ ۔ الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳

۵۱۸ ۔ الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵

ھ

۵۱۹ ۔ الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳

ی

۵۲۰ ۔ الیواقیت والجواہر	سید عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۵۲۱ ۔ ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

ضمیمہ
مآخذ و مراجع

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف کتاب	سن وفات ہجری
ا			
۱ ـ	انوار التنزیل فی اسرار التاویل (تفسیر البیضاوی)	ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱/ ۶۹۲/ ۶۸۵ هدیة العارفین ۱/ ۴۶۳
۲ ـ	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابو عمر یوسف بن عبد اللہ النمری القرطبی	۴۶۲
۳ ـ	اوضح رمز علی شرح نظم الکنز	علی بن محمد ابن غانم المقدسی	۱۰۰۴
۴ ـ	الاستذکار	یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر الاندلسی	۴۶۳
۵ ـ	الافراد	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۶ ـ	الایضاح فی شرح التجرید	امام ابو الفضل عبد الرحمن بن احمد الکرمانی	۵۴۳
۷ ـ	اسباب النزول	ابو الحسن علی بن احمد الواحدی	۴۶۸
۸ ـ	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت الضریح	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبد الغنی دہلوی	۱۲۴۶
۹ ـ	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم	۱۱۷۶
۱۰ ـ	انسان العین	" " " " "	"
۱۱ ـ	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴
۱۲ ـ	ارشاد الطالبین	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۳ ـ	الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد الحنفی	۹۸۹

۱۴ - ارشاد الساری الی مناسک الملا علی القاری — حسین بن محمد سعید عبد الغنی المکی الحنفی

۱۵ - الآداب الحمیدہ والاخلاق — محمد بن جریر الطبری — ۳۱۰

۱۶ - الاربعین طائیہ — ابو الفتح محمد بن محمد الطائی الھمدانی — ۵۵۵

۱۷ - انیس الغریب — جلال الدین عبد اللہ بن ابی بکر السیوطی — ۹۱۱

۱۸ - الارشاد فی الکلام — امام ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی الشہیر بامام الحرمین — ۴۷۸

۱۹ - افضل القراء لقراء ام القراء — احمد بن محمد ابن حجر مکی — ۹۷۴

۲۰ - الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاخبار — محمد بن موسیٰ الحازمی الشافعی — ۵۸۴

ت

۲۱ - تلخیص الجامع الکبیر — کمال الدین محمد بن عباد الحنفی — ۶۵۲

۲۲ - تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص — علی بن بلبان الفارسی المصری الحنفی — ۷۳۹

۲۳ - تقویۃ الایمان — شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبد الغنی دہلوی — ۱۲۴۶

۲۴ - تعلیم المتعلم — امام برہان الدین الزرنوجی

۲۵ - الترغیب والترھیب — ابو القاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبھانی — ۵۳۵

۲۶ - تذکرۃ الموتیٰ والقبور — قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی — ۱۲۲۵

۲۷ - التثبیت عند التبییت — جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی — ۹۱۱

۲۸ - تلخیص الادلہ لقواعد التوحید — ابو اسحٰق ابراہیم بن اسمٰعیل الصفار البخاری — ۵۳۴

۲۹ - تفہیم المسائل

۳۰ - تنبیہ الغافل والاسنان — ابن محمد امین ابن عابدین الشامی — ۱۲۵۲

ث

۳۱ - ثقفیات — ابو عبد اللہ قاسم بن الفضل الثقفی الاصفہانی — ۴۸۹

۳۲ - ثواب الاعمال لابن حبان — محمد بن حبان — ۳۵۴

ج

۳۳ - الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) — ابو عبد اللہ محمد ابن احمد القرطبی — ۶۷۱

٣٤ - جامع المضمرات والمشکلات (شرح قدوری)	یوسف بن عمر الصوفی	٨٣٢
٣٥ - جد الممتار علی رد المحتار	امام احمد رضا بن نقی علی خاں	١٣٤٠

ح

٣٦ - الحسامی	محمد بن محمد بن عمر حسام الدین الحنفی	٦٤٤
٣٧ - حاشیہ درر غرر نابلسی	اسمٰعیل بن عبد الغنی نابلسی	١٠٦٢
٣٨ - حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل	عبد القادر الفاکہی	٩٨٢
٣٩ - حواشی علی معالم التنزیل	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	١٣٤٠
٤٠ - حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	" " " " " " "	"

خ

٤١ - خلاصۃ خلاصۃ الوفا	نور الدین علی بن احمد السمہودی	٩١١

د

٤٢ - دلائل النبوۃ	ابو بکر بن احمد بن حسین البیہقی	٤٥٨
٤٣ - در ثمین فی مبشرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم	١١٧٦
٤٤ - در منظم فی مولد النبی المعظم " " "	ابو القاسم محمد بن عثمان اللؤلؤی الدمشقی	٨٦٧
٤٥ - کتاب الدعوات	احمد بن حسین البیہقی	٤٥٨
٤٦ - الدرۃ المضیئۃ فی زیارۃ المصطفویۃ	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	١٠١٤
٤٧ - الدرۃ الثمینۃ فی اخبار المدینۃ	حافظ محب الدین محمد بن محمود بن نجار	٦٤٣
٤٨ - الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ	مفتی احمد بن السید زینی دحلان	١٣٠٤

ذ

٤٩ - ذکر الموت	عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	٢٨١

ر

٥٠ - رفع الانتقاض ودفع الاعتراض الخ	محمد امین ابن عابدین الشہیر با بن عابدین	١٢٥٢

س

٥١ - سلفیات من اجزاء الحدیث	حافظ ابو الطاہر احمد بن محمد السلفی	٥٨٦
٥٢ - السراج المنیر فی شرح جامع الصغیر	علی بن محمد بن ابراہیم المعری العزیزی	١٠٧٠
٥٣ - سُنن الہدی	عبد الغنی بن احمد بن شاہ عبد القدوس گنگوہی	
٥٤ - سُنن فی الحدیث	حافظ ابو علی سعید بن عثمان ابن السکن البغدادی	٣٥٣

ش

٥٥ - شرح رسالہ فضالیہ	علامہ ابراہیم بن محمد الباجوری	١٢٧٦
٥٦ - شرح الصغریٰ	علامہ محمد یوسف السنوسی	٨٩٥
٥٧ - الشامل فی فروع الحنفیہ	ابو القاسم اسمٰعیل بن حسین البیہقی الحنفی	٤٠٢
٥٨ - شرح صحیح بخاری الکواکب الدراری	محمد بن یوسف الکرمانی	٧٩٦
٥٩ - شفاء العلیل شرح القول الجمیل	مولوی خرم علی بلہوری	غالباً ١٢٧١
٦٠ - شرح صحیح بخاری	ناصر الدین علی بن محمد ابن منیر	
٦١ - شرح زیج سلطانی	عبد العلی بن محمد بن حسین	٩٣٣
٦٢ - شفاء العلیل وبل الغلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	١٣٥٢

ص

٦٣ - الصحاح الماثورہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم		
٦٤ - صغری شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم بن محمد الحلبی	٩٥٦
٦٥ - صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبد الغنی دہلوی	١٢٤٦

ط

٦٦ - الطبقات الکبرٰی	محمد بن سعد الزہری	۲۳۰

غ

٦٧ - غرائب القرآن و رغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری)	نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری	۷۲۸
٦٨ - غریب الحدیث	قاسم بن سلام البغدادی	۲۲۴
٦٩ - غریب الحدیث	ابراہیم بن اسحٰق الحربی	۲۸۵
٧٠ - غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار	مولوی خرم علی بلہوری	غالباً ۱۲۷۱

ف

٧١ - الفتوحات الالٰہیۃ (تفسیر جمل)	سلیمان بن عمر الشافعی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
٧٢ - الفرج بعد الشدۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱
٧٣ - فاتح شرح قدوری		
٧٤ - فوائد حاکم و خلاص		
٧٥ - فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
٧٦ - فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
٧٧ - فتاوٰی شاہ رفیع الدین	شاہ رفیع الدین	۱۱۳۳
٧٨ - الفتح المبین شرح اربعین نووی	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
٧٩ - فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب		
٨٠ - فتوح الغیب	سید شیخ عبدالقادر گیلانی	۵۶۱
٨١ - فتاوٰی عزیزی	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۰۰۴

ق

٨٢ - قرۃ عیون الاخیار	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

ک

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۸۳	کشف الغطاء سالزم للموتی علی الاحیاء	محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین	
۸۴	کتاب اتباع الاموات	ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۸۵
۸۵	کتاب الدعوات	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۸۶	کتاب الثواب فی الحدیث	ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد بن جعفر	۳۹۹
۸۷	کشف النور عن اصحاب القبور	عبد الغنی نابلسی	۱۱۴۳
۸۸	کتاب الزہد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۸۹	کتاب القبور	عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۹۰	کتاب الروضہ	ابو الحسن بن براء	
۹۱	کتاب الزہد	حافظ ہناد بن السری التمیمی الدارمی	۲۴۳
۹۲	کتاب ذکر الموت		
۹۳	کتاب ادعیۃ الحج والعمرہ	قطب الدین الدہلوی	۱۲۸۹
۹۴	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبد الرؤف بن تاج الدین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۹۵	کتاب الخراج	قاضی امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی	۱۸۲
۹۶	کف الرعاع عن المحرمات اللہو والسماع	ابو العباس احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴

ل

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۹۷	لباب المناسک	شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبد اللہ السندی	۹۷۸

م

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
۹۸	منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
-	مجموعہ خانی (فارسی)		
۹۹	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۰	مشارق الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ	عبد الوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۴

۱۰۱ - مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبید بن حمید الکشی	۲۴۹
۱۰۲ - المنتقیٰ فی احادیث الاحکام عن خیر الانام	احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ	۷۲۸
۱۰۳ - منظومۃ النسفی فی الخلاف	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
۱۰۴ - معراج الدرایۃ فی شرح الھدایۃ	امام قوام الدین بن محمد الکاکی	۷۴۹
۱۰۵ - المسند الصحیح فی الحدیث	ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی	۳۱۶
۱۰۶ - مسند الشامیین		
۱۰۷ - مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۸ - مجمع البرکات	" " " "	"
۱۰۹ - مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء	جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۰ - مختصر تاریخ ابن عساکر	امام محمد بن مکرم المعروف بابن منظور	۷۱۱
۱۱۱ - مائۃ مسائل	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۲ - مسائل اربعین	" " "	"
۱۱۳ - مالا بدمنہ	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۱۴ - مشکٰوۃ المصابیح	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب	۷۴۰
۱۱۵ - منتقیٰ یا در منتقی فی شرح الملتقیٰ	علاءُ الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۱۶ - موضح القرآن ترجمۃ القرآن	شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۰
۱۱۷ - مثنوی شریف فارسی منظوم	ملا جلال الدین محمد بن محمد الرومی البلخی القونوی	۷۲۲
۱۱۸ - مصطلحات الحدیث	علی بن السید محمد بن علی الجرجانی سید شریف	۸۱۶
۱۱۹ - المقاصد فی علم الکلام	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱
۱۲۰ - مغنی المستفتی عن سوال المفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۲۱ - مظاہر حق ترجمہ مشکٰوۃ المصابیح	قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹
۱۲۲ - منحۃ الجلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲
۱۲۳ - مفتاح الغیب فی شرح فتوح الغیب	عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲

ن

۱۲۴ - نافع فی الفروع	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۴۰۲

کتاب	مصنف	سنہ
۱۲۵ - نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰
۱۲۶ - نصیحۃ المسلمین	خرم علی بلہوری	۱۲۷۱
۱۲۷ - نفحات الانس من حضرات القدس	عبدالرحمٰن بن احمد الجامی	۸۹۸
۱۲۸ - نسیم الریاض فی شرح شفاء قاضی عیاض	قاضی عیاض، احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹
۱۲۹ - النشر فی قراءۃ العشر	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۳۰ - نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	احمد بن علی حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۳۱ - نفع المفتی والسائل	مولوی عبدالعلی مدراسی	۱۳۰۶
۱۳۲ - نوادر الاصول	ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی	۲۵۵
۱۳۳ - نصاب الاحتساب فی الفتاوی	عمر بن محمد بن عوض الشامی	
۱۳۴ - نور الشمعہ فی ظہر الجمعہ	علی بن غانم المقدسی	
۱۳۵ - نظم الفرائد وجمع الفوائد فی الاصول	عبدالرحیم بن علی الرومی المعروف شیخ زادہ	۹۴۴
۱۳۶ - نافع شرح قدوری		
۱۳۷ - نامِ حق	شرف الدین بخاری	
۱۳۸ - نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار	شمس الدین احمد بن قودر المعروف بقاضی زادہ	۹۸۸

و

کتاب	مصنف	سنہ
۱۳۹ - وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	۶۸۱
۱۴۰ - واقعات المفتیین		۳۲۵
۱۴۱ - وفاء الوفاء	نور الدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

ھ

کتاب	مصنف	سنہ
۱۴۲ - ہوامع	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۳ - ہمعات	" " " " "	"

مآخذ و مراجع

نام کتاب	مصنف کتاب	سن وفات ہجری
ا		
۱۔ الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔ الاجناس فی الفروع	ابو العباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔ الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود ابن مودود الحنفی	۶۸۳
۴۔ الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔ ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔ ارشاد العقل السلیم	ابو سعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔ الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحر العلوم	۱۲۲۵
۸۔ الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم با بن نجیم	۹۷۰
۹۔ اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔ اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔ الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔ آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔ انفع الوسائل الی تحریر المسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔ امداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۵۔ الانوار لعمل الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

۱۶- امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن بشران	۴۳۲
۱۷- الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۸- القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمن الشیرازی	۴۰۷
۱۹- الاصل (مبسوط)	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰- اخبار مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱- الامّ	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲- اخبار مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳- امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴- اربعین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵- احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶- اربعین نووی	محی الدین یحیٰی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷- الاذکار المنتخبہ من کلام سید الابرار	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۸- اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد ابن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹- الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰- الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱- انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲- الاتقان	جلال الدین عبدالرحمن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳- اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الھیتمی المکی	۹۷۴
۳۴- الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی القاری)	۱۰۱۴
۳۵- الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۹
۳۶- اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضیٰ الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷- انجاح الحاجۃ حاشیہ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸- اعانۃ الطالبین	سید محمد شطا الدمیاطی	
۳۹- الاشارات ابن سینا	ابوعلی حسین بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸